اشرف السوانح

جلد اوّل - جلد دوم

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا
محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

کمپیوٹر ایڈیشن... خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ
کی نایاب رنگین تصاویر کے ساتھ
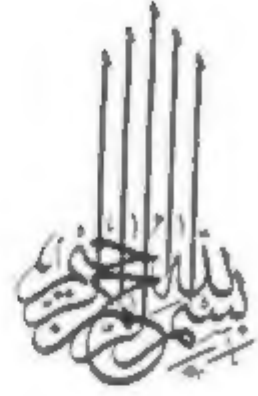
نہ سمجھنا کہ یہ فسانہ ہے
علم و حکمت کا اک خزانہ ہے
نام مجذوب اس کا تاریخی
سیرت اشرفِ زمانہ ہے
۱۳۵۴ھ

اَشرَفُ السَّوانِحُ

جدید ایڈیشن

مرتبین

حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمہ اللہ

حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان فون: 4540513-4519240

اشرف السوانح

تاریخ اشاعت.................ربیع الاول ۱۴۲۷ھ

ناشر.................ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

طباعت.................سلامت اقبال پریس ملتان

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

ادارہ تالیفات اشرفیہ...چوک فوارہ...ملتان

ادارہ اسلامیات.......انارکلی.......لاہور

مکتبہ سید احمد شہید.......اردو بازار.......لاہور

مکتبہ رحمانیہ.......اردو بازار.......لاہور

مکتبہ رشیدیہ.......راجہ بازار.......راولپنڈی

یونیورسٹی بک ایجنسی.......خیبر بازار.......پشاور

ادارۃ الانور.......نیو ٹاؤن.......کراچی نمبر 5

مکتبہ المنظور الاسلامیہ.......جامعہ حسینیہ.......علی پور

مکتبہ المنظور الاسلامیہ.......بلاک زیڈ.......مدینہ ٹاؤن.......جھنگ روڈ.......فیصل آباد

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTERE

119-121- HALLIWELL ROAD
BOLTON BL1 3NE. (U.K.)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

''اشرف السوانح'' حضرت مجدد تھانوی رحمہ اللہ کی وہ مقبول عام سوانح حیات ہے جس سے ہر دور کے علماء صلحاء نے بھرپور استفادہ کیا اور عوام وخواص کی زندگیوں میں انقلاب آیا۔

حضرت مجدد تھانوی رحمہ اللہ کی یہ بھی ایک کرامت ہے کہ آپ کی یہ سوانح آپ کی حیات مبارکہ ہی میں آپ کی نظر ثانی کے بعد شائع ہوئی۔ آپ نے معاصرین و متعلقین کے بارہا اصرار پر اپنے حالات کو قلمبند کرنے کی اجازت دی جس کی سعادت آپ کے خلیفہ خاص حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمہ اللہ اور حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ کے ورثے میں آئی۔ اپنے اکابر سے سنا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ بیسیوں صفحات لکھ کر حضرت کی خدمت میں نظر ثانی کے لئے پیش کرتے تو ان میں سے چند صفحات منتخب ہوتے۔ الحمدللہ زیر نظر سوانح حیات ایسی ہے جسے خود صاحب سوانح نے دیکھا اور ہر ہر بات

میں شرعی اصولوں اوران کے تقاضوں کومدنظر رکھتے ہوئے پوری احتیاط برتی۔

یہی وجہ ہے زمانہ تالیف سے تادم تحریر پاک و ہند سے اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے اور عوام وخواص کے لئے ہدایت وبصیرت کا سامان ہوئے۔

عصر حاضر کے ذوق کے مطابق ''اشرف السوانح'' کا جدید ایڈیشن آپ کے سامنے ہے۔اس میں ادارہ نے جناب مولانا زاہد محمود ملتانی مدظلہ (فاضل جامع قاسم العلوم ملتان) سے عربی اور فارسی اشعار کا ترجمہ' پیراگرافی' عنوانات کا کام کرایا ہے۔ان تمام عوامل سے اب اس عظیم سوانح سے عوام الناس بھی باآسانی استفادہ کرسکیں گے۔

اللہ پاک ادارہ کی مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت سے نوازیں اور تادم زیست اپنے اکابر کے مسلک اعتدال پر کاربند رہنے کی توفیق سے نوازیں۔آمین۔

والسلام

محمد اسحٰق عفی عنہ

ربیع الاول ۱۴۲۷ھ بمطابق مارچ 2006ء

اشرف السوانح

حالات وعادات　　مقالات وتعلیمات

فیوض وبرکات　　کشف وکرامات

معمولات طیبہ　　بشارات منامیہ

انعامات الٰہیہ پر مشتمل ہے اور مشعل راہ ہے

فہرست مضامین

(جلد دوم)

☆ ☆ ☆

چودھواں باب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

''ارشادوافاضہ باطنی''

مرتب کی حیرانی وپریشانی

در فیض است نشین از گشایش ناامید اینجا　　　　برنگ دانہ از ہر قفل می روی کلید اینجا

میں سخت حیران ہوں کہ اس باب کو کیونکر شروع کروں اور کس طرح تکمیل کو پہنچاؤں۔ اس حیرانی کے کئی سبب ہیں۔

اول تو یہ باب سارے بابوں سے زیادہ مہتم بالشان ہے کیونکہ جو مضمون اس باب میں لکھنا ہے یعنی ''ارشادوافاضۂ باطنی'' وہ سوانح ہذا کی روح اور حضرت صاحب سوانح کا حاصل زندگی اور مقصد حیات ہے لہذا نہایت اہتمام سے لکھے جانے کے قابل ہے جس کے لیے نہ مجھے کافی فرصت نہ جس کی مجھ جیسے کم علم لاابالی غفلت شعار وبدانتظام سُست وسہل انگار شخص سے توقع۔

دوسرے ایک ایسے محی الدین ومجدد الملت اور قطب الارشاد وحکیم الامت کے ''ارشاد افاضۂ باطنی کا حال لکھنا جس نے صدیوں کی علمی وعملی غلطیوں کو طشت از بام کر کے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کو راہ صواب دکھائی ہو اور ہزاروں گم گشتگان طریقت کو شاہراہ حقیقت پر ڈال کر واصل الی اللہ بنا دیا ہو۔ مجھ جیسے نادان وناکارہ کے بس کا کام ہرگز نہیں مصرع برنتابد کوہ را یک برگ کاہ۔ تیسرے اگر مجبور ہو کر یہ ارادہ کرتا ہوں کہ جو ارشادات حضرت والا سے سنے ہیں یا حضرت والا کی تحریرات میں نظر سے گزرے ہیں اور جو حالات وواقعات مسترشدین کے معلوم ہیں بس انہی میں سے جو جو بے تکلف یاد آتے چلے جائیں ان کو اپنے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں بلالحاظ کسی خاص ترتیب کے محض نقل کرتا چلا جاؤں تب بھی یہ حیرانی ہوتی ہے کہ کیا کیا لکھوں اور کہاں تک لکھوں بمصداق ؂

دامان نگہ تنگ وگل حسن تو بسیار　　　　گلچیں بہار توزداماں گلہ دارد

کیونکہ اس وقت بلا مبالغہ یہ منظر سامنے ہو جاتا ہے۔

زفرق تابقدم ہر کجا کہ می نگرم ۔۔۔۔۔ کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

(سر کی چوٹی سے قدم تک جہاں بھی دیکھتا ہوں ان کے حسن کا کرشمہ دل کے دامن کو اپنی طرف کھینچتا ہے کہ بس یہ جگہ سب سے زیادہ خوبصورت ہے)۔

حیرانی کا سب سے بڑا سبب

اور حیرانی کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ حضرت والا کے ارشاد و افاضہ باطنی کی صدہا خصوصیات ایسی ہیں جن کو قلب تو خوب اچھی طرح محسوس کیے ہوئے ہے اور جن کے تاثرات ذہن میں بھی بخوبی مرکوز و محفوظ ہیں لیکن ان کے اظہار کے لیے الفاظ نہیں ملتے نہ الفاظ سے ان کا دوسروں کو احساس کرایا جانا ممکن ہے۔ بمصداق اشعار۔

گر مصور صورت آں دلستاں خواہد کشید ۔۔۔۔۔ لیک حیرانم کہ نازش راچساں خواہد کشید

(اگرچہ مصور اس دل لینے والے محبوب کی تصویر تو بنالے گا مگر میں حیران ہوں کہ وہ اس کے نازوں کی تصویر کشی کیسے کرے گا)

خوبی ہمیں کرشمۂ و ناز و خرام نیست ۔۔۔۔۔ بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

(صرف یہی ناز و انداز اور کرشمہ ہی کی خوبی نہیں بلکہ حسینوں کے ہزاروں انداز حسن ایسے بھی ہیں کہ جن کا کوئی عنوان ہی نہیں ہے)۔

چنانچہ اس حیرانی نے مجھ کو بس حضرت مولانا رومیؒ کے اس شعر کا پورا پورا مصداق بنا رکھا ہے۔

برزباں قفل است و دردل راز ہا ۔۔۔۔۔ لب خموش و دل پُراز آوازہا

بوجہ متذکرہ بالا بخدا یہ جی چاہتا ہے کہ اس موضوع پر کچھ لکھنے کے بجائے اپنے آپ کو تو یہ خطاب کروں۔

قلم بشکن سیاہی ریز کاغذ سوز دم درکش ۔۔۔۔۔ حسن بایں قصۂ عشقت در دفتر نمی گنجد

(قلم توڑ دے، سیاہی گرا دے، کاغذ جلا دے اور خاموش ہو جا کیونکہ حُسن سے تیرے اس عشق کا قصہ کاغذوں میں نہیں سما سکتا۔)

طبیعت کا ایک انوکھا تقاضا

اور ناظرین کرام سے یہ عرض کردوں کہ ع دل من داند و من دانم و داند دل من در باب ہذا میں صرف یہ ایک مختصر سا جملہ لکھ دوں ''عیاں راچہ بیاں'' کیونکہ حضرت والا کی شان ارشاد و افاضہ آج ماشاء اللہ تعالیٰ عالم آشکارا اور اظہر من الشمس ہے جس کو دنیا جانے اور مانے ہوئے ہے کیونکہ بفضلہ تعالیٰ حضرت والا کی تصانیف کثیرہ جو سر بسر ارشادات وافاضات ہی سے بریز ہیں تمام بلاد و امصار میں شائع و ذائع ہیں اور حضرت والا کے مسترشدین و مستفیضین بھی کثیر تعداد میں شرقاً و غرباً پھیلے ہوئے ہیں اور اس شان خاص کا شیخ محقق آج کہیں نظر نہیں آتا جو ایک ناقابل انکار امر مشاہد ہے۔ غرض میں ضرور اپنے اس اقتضاء طبعی پر عمل کرتا لیکن مجبوری یہ ہے کہ اگر میں ایسا کرتا ہوں تو اس سوانح کا اصل موضوع ہی رہا جاتا ہے لہذا کچھ نہ کچھ لکھنا ضروری ہے گو ناتمام و ناکافی ہی سہی جیسے کہ حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ حضرت مولانا حسام الدین کو خطاب فرماتے ہیں۔

قدر تو بگذشت از درک عقول　　عقل در شرح شما بوالفضول

(تیرا مرتبہ عقلوں کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ آپ کی تشریح میں عقل بے کار ہے۔)

گرچہ عاجز آمد ایں عقل از بیاں　　عاجزانہ جنبشے باید دراں

(اگرچہ یہ عقل بیان کرنے سے عاجز ہے لیکن اس بارے میں کوئی عاجزانہ کوشش ہونی چاہیے)

ان شیئا کله لا یدرک　　اعلموا ان کله لا یترک

گرچہ نتواں خورد طوفان سحاب　　کے تواں کردن بترک خورد آب

(اگرچہ بادلوں کا طوفان نہیں پیا جا سکتا مگر پانی پینا بالکل بھی نہیں چھوڑا سکتا)

آب دریا را اگر نتواں کشید　　ہم بقدر تشنگی باید چشید

(دریا کا پانی اگر نہیں کھینچا جا سکتا تو بہر حال پیاس کے مطابق تو پینا ہی چاہیے)

حضرت والا کا ہمت افزائی کرنا

احقر نے اپنی ان مشکلات کو حضرت والا کی خدمت میں پیش کیا تو فرمایا کہ بس آپ

بیٹھ کر جو اٹ سیدھا سمجھ میں آئے اٹھ کر بس لکھنا شروع کر دیجئے۔ پھر انشاء اللہ تعالیٰ خود بخود مضامین کی آمد شروع ہو جائے گی۔ زیادہ کاوش اور غور و فکر نہ کیجئے۔ جب تک آپ دریا کو دور ہی سے دیکھ رہے ہیں بس اسی وقت تک اس کا عبور کرنا مشکل نظر آ رہا ہے ور جب آپ خدا کا نام لیکر چل کھڑے ہوں گے اور بہ قصد عبور کنارہ پر پہنچیں گے تو آپ انشاء اللہ تعالیٰ دیکھیں گے کہ وہاں کشتی بھی ہے ملاح بھی ہے ہوا بھی موافق ہے تلاطم بھی نہیں ہے۔ غرض ساری آسانیاں موجود ہیں اور سارے موانع مرتفع ہیں۔

حضرت والا کی اس حوصلہ افزا بشارت نے میری ہمت ضعیف کو بڑی قوت بخشی اور اس ارشاد فیض بنیاد کو سن کر مجھ کو عین عالم یاس میں یہ قوی امید ہو گئی کہ اگر لکھنے بیٹھوں گا تو بعون اللہ تعالیٰ و برکت دعا و توجہ حضرت والا کچھ نہ کچھ لکھ ہی لوں گا لہٰذا توکلاً علی اللہ تعالیٰ اس موضوع پر بھی برا بھلا جیسا بھی ہو سکے اور تھوڑا بہت جتنا بھی چل سکے مضمون لکھنے کے لیے قلم اٹھاتا ہوں اور اس دریائے ناپیدا کنار میں آنکھیں بند کر کے بلا پس و پیش یہ کہتا ہوا اپنے آپ کو ڈالتا ہوں۔ ع۔ دل افگندیم بسم اللہ مجریہا و مرسہا۔ (ہم نے دل ڈال دیا اللہ کے نام سے ہی اس کا چلنا اور رکنا ہے)۔ اللہ تعالیٰ میری مدد فرمائے اور بیڑا پار لگائے۔

حالات وواقعات متعلق ارشاد وافاضہ باطنی

استفاضہ باطنی کی تکمیل

پچھلے باب شرف بیعت و استفاضہ باطنی کا اختتام حضرت والا کی حالت قبض وہیبت کے اختتام کے ذکر پر کیا گیا ہے کیونکہ وہ حالت حضرت والا کے مجموعی حالات کے اعتبار سے گویا حضرت والا کے سلوک کی آخری گھاٹی تھی جس سے بعون اللہ تعالیٰ و بدعوات و توجہات بزرگان پار ہو کر حضرت والا نے گویا استفاضہ باطنی کے جملہ مراحل کو بہ تمام و کمال طے فرمالیا اور پھر بہمہ وجوہ کامل و مکمل ہو کر بتوفیق ایزدی نہایت آب و تاب اور جاہ و جلال کے ساتھ ہمہ تن افاضہ باطنی میں مشغول ہو گئے۔ غرض حالت مذکورہ سے فارغ ہو جانے کے بعد حضرت والا کا دور استفاضہ تو ختم ہوا اور دور افاضہ کا باقاعدہ آغاز ہوا جس کا منجانب

اللہ یہ اثر ظہور پذیر ہو کہ طالبین کثرت سے رجوع ہونے لگے اور خانقاہ میں ذاکرین کا ہجوم رہنے لگا اور حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ العزیز کی وہ تمنا پوری ہوئی جو حضرت ممدوح نے حضرت والا کی علمی خدمات کا حال سن کر ان الفاظ میں ظاہر فرمائی تھی کہ میں تو جب خوش ہوں گا جب کچھ اللہ اللہ کرنے والے بھی وہاں جمع ہونے لگیں گے۔

مولانا حکیم محمد مصطفیٰ کا خواب

اس زمانہ کا ایک خواب جو حضرت والا کے شاگرد رشید اور خلیفہ خاص جناب مولانا حکیم محمد مصطفیٰ صاحب بجنوری سلمہم اللہ تعالیٰ نے دیکھا تھا رسالہ ''اصدق الرؤیا'' سے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے وہو ہذا۔ بندہ نے ایک خواب ۳۔ اکتوبر ۱۹۰۱ کو یعنی رجب ۱۳۱۹ھ میں جبکہ حضرت والا مدظلہ کے قیام خانقاہ کا ابتدائی زمانہ تھا بمقام مرادآباد دیکھا کہ حضرت والا مدظلہ خانقاہ تھانہ بھون میں جنوب کی طرف طلبہ کو درس دے رہے ہیں اور تہجد کا وقت ہے چاندنی کھلی ہوئی ہے عجیب سہانا وقت ہے اتنے میں صبح صادق ہوئی۔ طلبہ سبق ختم کر کے نماز کی تیاری کے لیے درسگاہ سے نکلے ان کے منہ سے مشک کی خوشبو آتی ہے۔ بندہ نے عرض کیا ان حضرات کے لیے کوئی معجون مقوی کیوں نہ بنائی جائے۔ حضرت والا نے فرمایا ان کے واسطے معجون مشائیں بنائی گئی ہے۔ بس میری آنکھ کھل گئی۔

یہ خواب حضرت والا مدظلہ کو لکھا گیا تو یہ جواب آیا۔ مشفقم سلمہم اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ خواب بہت اچھا ہے یہ خوشبو علم اور ذکر کی ہے جس میں بندگان خدا یہاں مشغول ہیں۔ مشائیں سے مراد سالکین ہیں مشی اور سلوک کے معنی متقارب ہیں آپ نے اپنے کو ان میں شامل دیکھا آپ کے لیے بھی بشارت عظمیٰ ہے والسلام انتہی بلفظہ۔

یہ خواب پینتیس سال کا عرصہ ہوا جب دیکھا گیا تھا اور از راہ نوازش جناب حکیم صاحب نے خاص حضرت والا کے قلم مبارک کا لکھا ہوا اصل جواب بھی جس کی نقل اوپر اصدق الرؤیا سے کی گئی ہے پرانے خطوط میں تلاش فرما کر مجھ کو عطا فرما دیا ہے جو اس وقت احقر کے سامنے موجود ہے۔

مولانا انوار الحسن کاکوروی خواب

اس خواب کے سلسلہ میں ایک اور خواب جو احقر سے عرصہ دراز ہوا مشہور و معروف

نعت کو جناب مولانا محسن کاکوری رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے جناب مولانا نوارالحسن صاحب کاکوروی مدظلہم نے بمقام تھانہ بھون بیان فرمایا تھا یاد آگیا وہ چونکہ حضرت والا کی شان ارشاد وافاضہ باطنی کو جو باب ہذا کا موضوع ہے بخوبی ظاہر کرتا ہے اس لیے اس کو بھی اس جگہ محض تائید نقل کر دینا بے موقع نہ ہوگا۔

مولانا ممدوح نے فرمایا کہ میں نے سفر حج میں بمقام مدینہ طیبہ حضرت مولانا تھانوی مدظلہ کے متعلق ایک خواب دیکھا۔ حالانکہ اس زمانہ میں مجھ کو حضرت مولانا سے کوئی خاص عقیدت بھی نہ تھی۔ البتہ ایک بڑا عالم سمجھتا تھا اور میرا خاندان بھی علماء اہل حق کا کچھ زیادہ معتقد نہ تھا۔ غرض حضرت مولانا کا مجھ کو مدینہ طیبہ میں کوئی بعید سے بعید بھی خیال نہ تھا کہ ایک شب خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک چارپائی پر بیمار پڑے ہوئے ہیں اور حضرت مولانا تھانوی تیمارداری فرما رہے ہیں اور ایک بزرگ دور بیٹھے ہوئے دکھائی دیئے جن کے متعلق خواب ہی میں معلوم ہوا کہ یہ طبیب ہیں۔

مولانا ممدوح نے احقر سے یہ خواب بیان کر کے فرمایا کہ آنکھ کھلنے کے بعد میرے ذہن میں فوراً یہ تعبیر آئی کہ حضور تو کیا بیمار ہیں حضور کی اُمت بیمار ہے اور حضرت مولانا اس کی تیمارداری یعنی اصلاح فرما رہے ہیں لیکن وہ بزرگ طبیب جو دور بیٹھے نظر آئے تھے وہ سمجھ میں نہ آئے کہ کون تھے۔ واپسی ہندوستان پر میں نے حضرت مولانا کی خدمت میں یہ خواب لکھ کر بھیجا اور جتنی تعبیر میری سمجھ میں آئی تھی وہ بھی لکھ دی اور یہ بھی لکھ دیا کہ میری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ وہ بزرگ طبیب کون تھے جو دور بیٹھے ہوئے دکھائی دیئے۔ حضرت مولانا نے تحریر فرمایا کہ وہ حضرت امام مہدی علیہ السلام ہیں اور وہ چونکہ ابھی زماناً بعید ہیں اس لیے خواب میں مکاناً بعید دکھائے گئے۔

مولانا محمد حسن امرتسریؒ کے تین خواب

جناب مولانا محمد حسن صاحب امرتسری مدفیضہم کے بھی جو ایک نہایت ثقہ عالم اور حضرت والا کے مخصوص محبین ومجازین میں سے ہیں تین خواب جو خاص شان کے ہیں۔ اس مقام پر اصدق الرؤیا سے نقل کر دینے کو بے اختیار جی چاہتا ہے۔ چنانچہ خود مولانا ہی کے

الفاظ میں ان تینوں خوابوں کو نقل کیا جاتا ہے۔

پہلا خواب

احقر (یعنی جناب مولانا محمد حسن صاحب امرتسری ۱۲ منہ) جب اول بار حضرت والا کی خانقاہ شریف میں حاضر ہوا تو ۱۳۴۰ھ تھا جس کو تقریباً چودہ برس کا عرصہ ہوا۔ حاضر ہوتے ہی اول رات یا دوسری رات میں نے یہ خواب دیکھا کہ خانقاہ شریف کی مسجد کے صحن میں وسط کے قریب ایک قبر ہے جو پوری کھدی ہوئی نہیں ہے بلکہ اس کا صرف اوپر کا حصہ کھدا ہوا ہے اور وہ بھی پورا کھدا ہوا نہیں تھوڑا ہی گہرا ہے اور اس قبر کے اوپر ایک مختصر سا خیمہ بھی نصب کیا ہوا ہے اس قبر میں شیخ العرب والعجم حضرت حاجی شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہ العزیز لیٹے ہوئے ہیں اور بہت کمزور معلوم ہوتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت حاجی صاحبؒ نے پانی طلب فرمایا تو پانی ایک نہایت ہی خوبصورت صراحی میں لایا گیا جس کی گردن اور ٹونٹی دونوں بہت بلند اور حسین تھیں اور وہ صراحی مٹی کی نہ تھی بلکہ کسی ایسے نفیس جوہر کی تھی کہ بہت ہی دلکش معلوم ہوتی تھی ایسی نفیس صراحی میں نے عمر بھر نہیں دیکھی۔ حضرت اٹھ کر بیٹھ گئے اور چونکہ قبر کی گہرائی کم تھی اس لیے بیٹھنے کے بعد سر مبارک اور گردن مبارک باہر نظر آنے لگے۔ اس وقت اعلیٰ حضرت حاجی صاحبؒ بہت قوی معلوم ہونے لگے۔ پھر اعلیٰ حضرتؒ نے پانی پیا اس وقت جو میں نے دیکھا تو قبر شریف کی مشرقی دیوار پر ایسے موٹے حروف میں جیسے کہ بازو موٹا ہوتا ہے یہ لکھا ہوا ہے سگِ دربار گیلاں شو چو خواہی قرب ربانی لفظ گیلاں میں کسی قدر شبہ ہے۔ غالب گمان تو یہی ہے کہ گیلاں تھا لیکن یہ بھی خیال ہے کہ شاید بجائے گیلاں کے لفظ ایشاں ہو۔ بہرصورت احقر کو خواب میں یہی معلوم ہوا کہ دربار سے حضرت والا دامت برکاتہم ہی کا دربار مراد ہے اور اسی دربار کی ملازمت کا حکم ہو رہا ہے۔ پھر اسی خواب کے سلسلہ میں یہ بھی دیکھا کہ مسجد کے اندرونی حصہ سے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہما باہر تشریف لا رہے ہیں اور ایک دوسرے کی طرف اپنی اپنی گردن جھکا کر بطور سرگوشی کے چپکے چپکے آپس میں بحوالہ حضرت والا مدظلہم العالی یہ ذکر کر رہے ہیں کہ تحریک خلافت کے متعلق ان کی رائے نہایت صحیح ہے۔ یعنی حضرت والا کی۔

پھر ان دونوں حضرات میں سے ایک صاحب تو مسجد کے اندر واپس تشریف لے گئے اور دوسرے صاحب باہر تشریف لے گئے۔

دوسرا خواب

تین چار سال ہوئے احقر نے خانقاہ شریف کے حمام کی دیوار پر جو دھوئیں سے سیاہ ہورہی ہے بہت روشن حروف میں چونہ یا اور کسی نہایت سفید روشنائی سے یہ لکھا ہوا دیکھا کہ اس جگہ دلجوئی بھی ہوتی ہے اور دلشوئی بھی (ف) جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ سبحان اللہ حضرت والا کے طریق وارشاد وافاضہ کا کیسا جامع مانع خلاصہ کیسے لطیف عنوان سے منجانب اللہ اس خواب میں القاء فرمادیا گیا ہے۔

تیسرا خواب

کچھ عرصہ ہوا حقر نے (یعنی جناب مولانا محمد حسن صاحب امرتسری نے ۱۲) خانقاہ شریف کی مسجد کے وسط میں بیت اللہ شریف اور حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پاک کو دیکھا کہ دونوں بالکل قریب قریب ہیں اور بیت اللہ شریف غالباً حضرت والا کی سہ دری کی طرف ہے لیکن روضۂ پاک بھی بیت اللہ شریف ہی کی شکل کا ہے یعنی اوپر گنبد نہیں ہے اور بیت اللہ شریف اور روضۂ پاک دونوں پر اس قدر سبز اور خوبصورت غلاف ہیں کہ دنیا میں ان کی نظیر نہ ہوگی۔ اور دونوں پر شعاعیں اور انوار معلوم ہوتے ہیں حضرت والا بیت اللہ شریف کے پاس کھڑے ہوئے ہیں اور اس قدر خوش ہیں کہ ایسا بشاش بشاش میں نے حضرت والا کو کبھی نہیں دیکھا۔ نیز ایک کھجور کی ٹہنی بطور جھاڑو کے دست مبارک میں لیے ہوئے ہیں جس کی ڈنڈی میں دستہ چھوڑ کر ادھر ادھر شاخیں نکلی ہوئی ہیں اور یہ ارادہ فرما رہے ہیں کہ بیت اللہ شریف اور روضۂ پاک کے گردا گرد جو غبار ہے اس کو دور فرمائیں۔ انتہی بلفظہ۔

مولانا حافظ محمد عمر علی گڑھی کا کشف

حضرت والا کی شان ارشاد وافاضہ باطنی کے متعلق اس قسم کے صدہا مبشرات ہیں جن میں سے بعض باب بشارات منامیہ میں بھی ملاحظہ سے گزریں گے علاوہ مذکورہ بالا مبشرات

کے ایک بزرگ کا کشف بھی بہ مناسبت مقام یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ 2

جناب مولوی حافظ جلیل احمد صاحب مدفیضہم رئیس علی گڑھ جو حضرت والا کے خلیفہ مجاز ہیں اور آج کل حضرت والا کی خدمت میں مستقل طور پر قیام پذیر ہیں۔ جناب مولانا حافظ محمد عمر علی گڑھی رحمۃ اللہ علیہ سے جو بڑے صاحب احوال بزرگ اور حضرت والا کے خلیفہ مجاز تھے روایت فرماتے ہیں کہ ایک بار حافظ صاحبؒ رات کی ریل سے تھانہ بھون حاضر ہوئے تو جب ریل خانقاہ کے محاذ سے گزری تو انہوں نے بیداری میں دیکھا کہ مسجد خانقاہ کے گنبد سے آسمان تک انوار کا ایک تار لگا ہوا ہے۔

مقبولیت عامہ

یہ سب ضمنی بیان مقصود کی تائید میں تھا اور اصل مقصود جس کے لیے یہ باب موضوع ہے یہ ہے کہ بعد افاقہ حالت قبض و ہیبت و تکمیل استفاضہ باطنی حضرت والا کا دور افاضہ باطنی نہایت آب وتاب اور جاہ وجلال کے ساتھ شروع ہوا اور طالبین وذاکرین کثرت سے رجوع ہونے لگے۔ اور حضرت والا کی جانب عوام وخواص سب کا میلان اس درجہ بڑھا کہ دور دراز سے حضرت والا کی طلبیاں نہ صرف وعظ کے لیے بلکہ محض زیارت کے لیے بھی ہونے لگیں جس کا مفصل حال باب مواعظ حسنہ میں گزر چکا ہے۔ سفر میں بھی کثرت سے ذاکرین ہمراہ رہتے اور ذکر کی دلکش اور روح پرور صداؤں سے سفر وحضر میں خانقاہ کا لطف رہتا ہے جس کا خود احقر نے بھی بارہا مشاہدہ کیا ہے اور لطف اٹھایا ہے۔

نیز حضرت والا کا ہر وعظ گویا تصوف کا ایک مکمل درس ہوتا تھا جس سے مقصود اور طریق دونوں بالکل واضح ہو جاتے تھے اور عام طور سے قلوب میں طلب صادق پیدا ہو جاتی تھی۔

سفر میں کسی کو بیعت نہ کرنا

چنانچہ لوگ کثرت سے داخل سلسلہ ہونے کی درخواستیں کرتے لیکن حضرت والا سفر میں عموماً یہ فرما کر انکار فرما دیتے کہ میں یہ عملی تعلیم دینا چاہتا ہوں کہ سفری پیروں سے لوگ بچیں اور صاف فرما دیتے کہ جو اعتقاد محض وعظ سن کر پیدا ہوا ہو وہ معتبر نہیں کیونکہ وعظ میں تو اچھی ہی اچھی باتیں کہی جاتی ہیں۔ ہاں اعتقاد وہ معتبر ہے جو روزمرہ کے افعال اور عادات

2۔ اشرف السوانح جلد ۲ ک

دیکھنے کے بعد پیدا ہوا اور ان کا کم حقہ مشاہدہ معتقد فیہ کے مستقل جئے قیام ہی پر ہو سکتا ہے جس کو بیعت کا شوق ہو وہ میرے وطن آئے تا کہ جانبین کو ایک دوسرے کی جانچ کا اطمینان سے موقع مل سکے۔ نیز اس سے طلب کا بھی امتحان ہو جائے گا۔ غرض امر بیعت میں ہرگز عجلت نہ چاہیے یہ گاجر مولی کی بیع نہیں ہے کہ پیسہ ڈالا اور جھٹ خرید لی۔

سبحان اللہ کیا صدق واخلاص ہے ورنہ رسمی پیر تو خود ہی سر ہوتے پھرتے ہیں بلکہ سفر ہی اس نیت سے کرتے ہیں کہ لوگوں کو پیری مریدی کے جال میں پھانس جائے اور سبحان اللہ کیسا صحیح معیار اعتقاد ہے اور حضرت مولانا رومیؒ کے اس شعر کی کیسی اچھی عملی تعلیم ہے۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست　　　پس بہر دستے نباید داد دست

حضرت والا تو ہمیشہ فرمایا کرتے ہیں کہ اگر کوئی میرے یہاں کی شرائط بیعت سنکر (جن کا مفصل ذکر انشاء اللہ تعالیٰ بعد کو اپنے موقع پر آئے گا ۱۲ مؤلف) اور میرا طریق اصلاح دیکھ کر یہاں سے بے نیل مرام بھی چلا گیا تب بھی اس کو کم از کم یہ تو ضروری معلوم ہو جائے گا کہ بیعت کوئی معمولی چیز نہیں ہے بلکہ اس کے لیے بھی شرائط ہیں اور کسی رسمی پیر کے یہاں اگر اس کے خلاف معاملہ دیکھے گا تو اس کی طرف سے دل میں کھٹک تو ضرور پیدا ہو جائے گی اور یہ معلوم ہو جانا خود ایک مرام عظیم ہے۔

ایسے موقعوں پر حضرت والا احقر کے ایک شعر کا یہ مصرعہ بھی اکثر پڑھ دیا کرتے ہیں۔

ع　میخانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے

مریضوں اور خواتین سے رعایت

غرض حضرت والا کا عموماً سفر میں بیعت کرنے کا معمول نہ تھا لیکن مریضوں اور عورتوں کی درخواست بیعت کو منظور فرما لیتے تھے کیونکہ مریض تو مرض کی وجہ سے واجب الرحم ہوتے ہیں اور عورتیں اہل الرائے نہیں ہوتیں۔ ان بیچاریوں کا اعتقاد بالکل سیدھا سادہ اور سچا ہوتا ہے۔ ان دونوں کے بارہ میں جو حضرت والا سختی نہیں فرماتے اس کی تائید میں اکثر حضرت عارف شیرازیؒ کا یہ شعر پڑھ دیا کرتے ہیں۔

طالباں را چو طلب باشد و قوت نبود　　　گر تو بیدار کنی شرط مروت نبود

شہادتِ قلب

اسی طرح علاوہ مریضوں اور عورتوں کے بھی جن حاسین کے بارہ میں قرائن حالیہ وغیرہ کی بناء پر خاص طور سے شرح صدر ہو جاتا تو ان سے بھی انکار نہ فرماتے اسکا راز یہ ہے کہ حضرت والا کو اپنے نور بصیرت سے ہر طالب کی مناسبت و عدم مناسبت کا اکثر فوراً احساس ہو جاتا ہے جس کے صدہا حیرت انگیز واقعات رات دن مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں چنانچہ فرمایا کرتے ہیں کہ بعضے شخص کو تو دل فوراً قبول کر لیتا ہے اور بعض کو نہیں اور اگر کوئی شخص مجھ سے اس کی وجہ پوچھنے لگے تو میں ہرگز نہ بتا سکوں۔ یہاں تک کہ یہ بھی ہو رہا ہوتا ہے کہ ایک شخص بالکل رند صورت اور آزاد منش ہے نہ نماز کا نہ روزہ کا فاسق فاجر لیکن اس کی طرف خواہ مخواہ دل مائل ہونے لگتا ہے اور دوسرا ثقہ صورت نمازی وظیفچی سبھی کچھ لیکن اس کی جانب دل باوجود بتکلف مائل کرنے کے بھی مائل نہیں ہوتا۔ اب اس کو میں کیا کروں دل تو میرے بس میں نہیں اور بدوں میلان قلب کے بیعت کر لینا خیانت ہے کیونکہ ایسی حالت میں اس کو مجھ سے کچھ نفع نہیں پہنچ سکتا۔ اور گو اس وقت تو میلان و عدم میلان قلب کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی لیکن اکثر یہی دیکھا گیا کہ بعد کے واقعات و حالات نے میری شہادت قلب کی جلدی ہی تصدیق کر دی۔

بات یہ ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ کو کوئی کام لینا ہوتا ہے اس کو اس کام کی سمجھ بھی عطا فرما دیتے ہیں اس میں میرا کوئی کمال نہیں بعضے شخص کی طرف تو اس کو دیکھتے ہی دل اتنا جھکتا ہے کہ بے اختیار یہ جی چاہنے لگتا ہے کہ وہ مجھ سے بیعت کی درخواست کرے چنانچہ پھر تھوڑے ہی دن بعد کیا دیکھتا ہوں کہ وہ بیعت ہونے کے لیے خود ہی چلا آ رہا ہے اور ایسے شخص سے میں انکار بھی نہیں کرتا بس درخواست سنتے ہی چپکے سے بیعت کر لیتا ہوں اور دل میں کہتا ہوں کہ بس اس سے کچھ نہ کہو چپکے سے بیعت کر لو اس کو تو اللہ میاں نے میرے پاس منہ مانگا بھیجا ہے۔

ہر ایک کے حال کے مطابق معاملہ

احقر مؤلف نے بھی حضرت والا کی شہادت قلب کی صحت کے بہت سے واقعات خود مشاہدہ کیے ہیں بلکہ بعض ایسے موقعوں پر جہاں حضرت والا نے ترحم کا برتاؤ مناسب نہ سمجھا

اور احقر نے محض ظاہری حالت پر نظر کر کے ترحم کی درخواست کی یا خود نرم معاملہ کی یا نرم رائے ظاہر کی اور بعد کو احقر کی رائے بالکل غلط اور درخواست بالکل بے محل ثابت ہوئی تو فرمایا کہ دیکھئے اب تو آپ کو معلوم ہوگیا کہ میری ہی رائے صحیح تھی۔ امور تربیت میں میری رائے میں کسی کو مزاحمت نہ کرنا چاہیے بس میں جس کے ساتھ جو معاملہ کروں میرے سب احباب کو یہی سمجھ لینا چاہیے کہ وہ شخص اسی معاملہ کا اہل ہے چونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ کام میرے سپرد فرما رکھا ہے اس لیے وہی میری دستگیری فرماتے ہیں ورنہ میں کیا چیز ہوں۔

فراست

احقر کو تو بارہا کے مشاہدوں اور تجربوں کے بعد اس امر کا عین الیقین بلکہ قریب قریب حق الیقین کے ہوگیا ہے کہ حضرت والا کا جو معاملہ جس شخص کے ساتھ ہوتا ہے بالکل مناسب اور عین مصلحت ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض صورتوں میں ایک ہی شخص کے ساتھ مختلف اوقات میں مختلف قسم کا معاملہ بھی دیکھا گیا اور وہ بھی نہایت وقت بالکل مناسب حال اور اصلاح کے لیے واقعی ضروری ثابت ہوا چنانچہ اس کا تو احقر کو بارہا ذاتی تجربہ بھی ہو چکا ہے جس سے حیرت ہوگئی اور حضرت والا کے صاحب کشف ہونے کا گمان غالب بدرجۂ یقین ہونے لگا جس کی حضرت والا بتاکید نفی فرمایا کرتے ہیں۔ بہرحال تائید ایزدی اور صحت ذوق ووجدان اور حضرت والا کا حدیث **اتقوا فراسة المؤمن فانه ینظر بنور الله** کا مصداق ہونا تو ان واقعات سے یقیناً ثابت ہوتا ہے اور یہ فضل کشف سے بھی ہزار ہا درجہ بڑھے ہوئے ہیں۔ اس پر احقر کو اپنا ایک شعر یاد آیا۔

میں محو فکر ہوا جب سے بے نشاں کیلئے — مشاہدہ کا ہے درجہ مرے گماں کیلئے

احقر مُرتّب کے بیعت ہونے کا واقعہ

یہ سب مضامین استطراداً معرض بیان میں آگئے ہیں۔ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ گو حضرت والا کا عموماً سفر میں بیعت فرمانے کا معمول نہ تھا لیکن جہاں شرح صدر ہو جاتا اور باہم مناسبت متوقع ہوتی وہاں درخواست بیعت کو منظور بھی فرما لیتے تھے۔ چنانچہ خوش

نصیبی سے انہیں مستثنیات میں اس احقر ناکارہ کی بھی درخواست بیعت تھی۔ جس کو الٰہ آباد کے سفر میں ۱۳۲۶ھ میں شرف قبولیت بخشا گیا جس کا واقعہ کسی قدر تفصیل کے ساتھ عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کے ضمن میں امید ہے کہ بہت سے مضامین نافعہ مناسب باب ہذا معرض بیان میں آجائیں اور چونکہ یہ داستان آپ بیتی ہوگی اس لیے ع۔ شنیدہ کے بود مانند دیدہ کی مصداق ہوگی۔ وہو ہذا۔

حضرت والا کی تصانیف سے دلچسپی

بحمد اللہ احقر کو ببرکت جناب والد صاحب مرحوم ومغفور (جو حضرت والا ہی کی معرفت حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز سے بذریعہ خط بیعت ہوئے تھے اور جنہوں نے حسب ارشاد حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت والا ہی سے تعلیم طریق حاصل کی تھی) باوجود انگریزی تعلیم میں مشغول ہونے کے دین سے لگاؤ تھا۔ اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت والا کی بعض تصانیف بھی نظر سے گزری تھیں جن کے مطالعہ سے بیحد متاثر ہوا تھا اور حضرت والا کی تصانیف میں تو اللہ تعالیٰ نے ایسی ہی کشش اور برکت رکھی ہے کہ شوق مطالعہ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے اور دین کی طلب دامن گیر ہو کر حالت کی کایا پلٹ ہی ہوتی چلی جاتی ہے جس کے ہزارہا شاہد موجود ہیں۔

حضرت والا کی خدمت میں خط بھیجنا

چنانچہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مجھ کو اور میرے خاص احباب کو حضرت والا کی تصانیف کا اتنا شوق بڑھا تھا کہ ایک کتب خانہ بھی کھول لیا گیا تھا جس کے خاص محرک مکرمی و مشفقی جناب منشی حقداد خان صاحب پنشنر معلم پٹواریاں تھے جو اب بفضلہ تعالیٰ حضرت والا کے خلیفہ مجاز اور بڑے مخلص اور صاحب خیر و برکت بزرگ ہیں۔ نیز ہم چند شخصوں نے مل کر ایک عریضہ بھی حضرت والا کی خدمت میں اس مضمون کا ارسال کیا تھا کہ ہم لوگوں کو حضرت ہی کی تصانیف سے معلوم ہوا ہے کہ جس سے محبت ہو اس کو مطلع کر دینا چاہیے تاکہ اس کو بھی محبت ہو جائے اور دعا میں یاد رکھے اس لیے ہم لوگ حضرت کو مطلع کرتے ہیں کہ ہمیں آپ سے محبت ہے۔

حضرت والا کی الٰہ آباد تشریف آوری

یہ سب حالات حضرت والا کی زیارت حاصل ہونے سے قبل کے ہیں۔ اس وقت احقر علی گڑھ کالج سے بی اے پاس کرنے کے بعد الٰہ آباد کالج میں قانون پڑھتا تھا اور ایل ایل بی کے درجہ میں داخل تھا۔ محلہ کٹرہ میں قیام تھا۔ اسی دوران میں حضرت والا کا مژدۂ تشریف آوری و وعظ ایک مطبوعہ اعلان سے معلوم ہوا جس کے دیکھتے ہی اشتیاق زیارت ایسا غالب ہوا کہ مدرسہ متعلق مسجد شیخ عبداللہ میں جو بڑے اسٹیشن کے پاس ہے جہاں حضرت والا قیام پذیر تھے جلتی دوپہر میں دواڑھائی میل کی مسافت طے کر کے پہنچا۔

والہانہ دیدار

حضرت والا اس وقت قیلولہ فرما رہے تھے اور احقر غایت عقیدت واشتیاق سے دور کھڑا ہوا حضرت والا کو اسی خوابیدہ حالت میں تاکتا جھانکتا رہا تھا۔ حضرت والا پشت کیے ہوئے آرام فرما رہے تھے اور سر مبارک کے نہایت خوبصورت چمکدار پٹے دار بال جو اس زمانہ میں بالکل سیاہ تھے اپنی بہار دکھا رہے تھے نیز کوشش کرنے سے کچھ کچھ حصہ چہرہ انور کا بھی ناتمام طور پر گاہ گاہ پیش نظر ہو جاتا تھا جو قوت متخیلہ اور حسن عقیدت سے مل مل کر مختلف دلربا شکلیں اختیار کر رہا تھا۔ کبھی کیسی صورت معلوم ہوتی تھی کبھی کیسی بار بار مشتاقانہ اور متجسسانہ نگاہیں ڈالتا تھا لیکن صحیح اندازہ نہ ہو پاتا تھا کہ حضرت والا دراصل ہیں کس شکل وشباہت کے۔

بہرصورت اس وقت حضرت والا کچھ اس انداز سے محو خواب ناز تھے اور احقر اس درجہ ذوق وشوق اور عقیدت ومحبت سے محو نظارہ تھا کہ وہ سماں باوجود ۲۸ سال کی مدت طویلہ گزر جانے کے بھی آج تک متخیلہ میں بعینہ اور اسی کیفیت کے ساتھ محفوظ اور اس ناتمام دیدار اول کی مست کر دینے والی کیفیتیں اب تک قلب میں نقش کالحجر ہیں اور اس زمانہ کی سادہ اور بالکل خالص عقیدت ومحبت طبعی جس میں شائبہ بھی احتمالات عقلیہ کا نہ تھا ذہن میں تاہنوز مستحضر ہے ورگو اس کے متعلق حضرت والا کی یہ تحقیق انیق سن کر عقلی تسلی ہوگئی ہے کہ آپ کی اس وقت کی جو حالت ہے وہ اس وقت کی حالت سے اکمل وادوم وافضل ہے کیونکہ عقلی احوال میں غالب

اثر روح کا ہوتا ہے اور طبعی کیفیات میں نفس کا لیکن دل ہے کہ پھر بھی بار بار اسی حالت کا خواہاں ہے اور اسی دور کا جویاں۔ اللہ اللہ کیا ذوق وشوق اور سادگی وخلوص کا زمانہ تھا اللہ تعالیٰ کو تو سب کچھ قدرت ہے۔ دعا ہے کہ وہ عقلی اور طبعی دونوں ہی قسم کی کیفیتوں کو علی وجہ الکمال قلب میں جمع فرمائے۔ آمین ثم آمین وماذالک علی اللہ بعزیز۔

چنانچہ حضرت والا بھی یہی فرمایا کرتے ہیں کہ کیفیات طبعیہ حسنہ غیر اختیاریہ محمود تو ہیں مقصود نہیں لہذا دعا کا تو مضائقہ نہیں لیکن انکا منتظر رہنا خلاف اخلاص اور بوجہ مخل یکسوئی اور شاغل عن المقصود ہونے کے مضر ہے نیز یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ عقلی احوال بھی طبعی کیفیات سے بالکل خالی نہیں ہوتے ورنہ محض اقتضائے عقلی صدور اعمال کے لیے عادۃً کافی نہیں اسی طرح بالعکس البتہ ایک صورت میں عقلیت غالب ہوتی ہے اور طبعیت مغلوب دوسری میں برعکس ان لطیف حقائق طریق اور مفید مسائل سلوک کو استطراداً نقل کرنے کے بعد احقر پھر اپنے واقعہ بیعت کے بیان کی طرف عود کرتا ہے۔

پہلی بالمشافہ زیارت

احقر کو حضرت والا کی بالمشافہ زیارت کے لیے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا کیونکہ نماز ظہر کا وقت جلدی ہی آ گیا اور حضرت والا بیدار ہو کر وضو کے لیے قیامگاہ سے باہر تشریف لائے۔ راستہ ہی میں احقر کو دوبدو زیارت نصیب ہوگئی حضرت والا حسب عادت شریف نیچی نگاہیں کیے اور مستانہ وار جھومتے اس شان سے تشریف لا رہے تھے کہ چہرہ مبارک تو نہایت شاہانہ مگر لباس فقیرانہ بالکل سادہ صرف کرتہ پاجامہ اور کرتہ کا بھی اوپر کا بٹن کھلا ہوا جو اب بھی اکثر کھلا ہی رہتا ہے کاندھے پر رومال۔ آنکھیں سرگیں۔ خمار آلود اور چونکہ سو کر تشریف لا رہے تھے لہذا قدرے مائل بسرخی اور بال بھی کسی قدر بکھرے ہوئے۔ غرض عجب دلربا شان تھی بس کسی کا یہ شعر بالکل حسب حال تھا اور ہو بہو صادق آ رہا تھا۔

قبا وا کردہ و کاکل پریشاں کردہ می آید ۔۔۔ بہ بیں ایں بے سروساماں چہ ساماں کردہ می آید

(قبا کھولے اور زلفیں بکھیرے آ رہا ہے، اس بے سروسامان کو دیکھ کہ کتنے سامان کے ساتھ آ رہا ہے)

اور سرخی مائل آنکھیں تو بلا مبالغہ شاعرانہ گویا بزبان حال یہ کہہ رہی تھیں اور ایک دنیا گواہ ہے کہ بالکل سچ کہہ رہی تھیں ۔

ایں ست کہ خون خوردہ و دل بُردہ بسے را ۔۔۔ بسم اللہ اگر تاب نظر ہست کسے را

(یہ ہے جس نے بہت ساروں کا خون پیا اور دل لیا ہے، اگر اب کسی میں دیکھنے کی ہمت ہے تو جی بسم اللہ)

احقر نے بڑھ کر سلام عرض کیا اور مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھائے۔ حضرت والا نے نظر اٹھا کر نہایت لطف کے لہجہ میں سلام کا جواب مرحمت فرمایا اور اپنے نرم نرم اور کشادہ ہاتھوں سے مصافحہ فرما کر نہایت ہی مشفقانہ اور تلطف آمیز لہجہ میں بہت ہی دلفریب اور پُر لطف انداز سے فرمایا مزاج شریف وہ لہجہ اب تک کانوں میں گونج رہا ہے اور وہ انداز اب تک دل میں کھبا ہوا ہے اور وہ جگہ جہاں یہ زیارت اولیہ نصیب ہوئی تھی اب تک آنکھوں میں پھر رہی ہے اور نظر پر اثر کی کیفیت برقیہ کا تو کچھ حال ہی نہ پوچھئے وہ تو بیان ہی میں نہیں آسکتی۔ بس یوں سمجھئے کہ میں بزبان حال گویا یہ اشعار پڑھ رہا تھا۔

درون سینۂ من زخم بے نشاں زدۂ ۔۔۔ با حیرتم کہ عجب تیر بے کماں زدۂ

(میرے سینہ میں تو نے ایسا زخم لگایا ہے جس کا نشان تک نہیں ہے، میں حیران ہوں کہ تو نے مجھے بغیر کمان کے عجیب تیر مارا ہے)

دزدیدہ فگندی بمن از ناز نگاہے ۔۔۔ قربان نگاہ تو شوم باز نگاہے

(تو نے میری بے خیالی میں ہی مجھے اپنی ناز بھری نظر سے فتح کرلیا ہے، تیری نگاہ پر قربان جاؤں ایک بار پھر نگاہ فرما)

شیخ کی پہلی نظر

اور میرے نزدیک یہ مبالغہ شاعرانہ نہیں کیونکہ میں تو حضرت والا کی نظر توجہ کا اثر بفضلہ تعالیٰ ہر التفات میں روز اول سے لیکر اب تک برابر نہایت بیّن (واضح) طور پر محسوس کرتا چلا آرہا ہوں۔ اور میں یہ بھی اسی وثوق (اعتماد) کے ساتھ ببانگ دہل (اعلانیہ) کہتا ہوں کہ جس کا جی چاہے اس اثر کا خود مشاہدہ کرلے جیسے کہ ہزاروں نے مشاہدہ کرلیا ہے۔ بمصداق اشعار۔

عالم از نرگس تو بے مئے و مینا سرشار　　　　چشم بد دور عجب ساغرِ بے مُل زدۂ

(سارا جہان تیرے حسن کو دیکھنے سے مست ہے، خدا کرے تجھے نظر نہ لگے، تو نے تو مفت میں ہی نرالا جام پلا دیا ہے)

من نیم تنہا گرفتار و اسیر زلف او　　　　بلکہ اودارد بہر موئے گرفتارِ دگر

(میں اکیلا اس کی زلف کا اسیر نہیں ہوں بلکہ اس کے تو ہر بال کا ایک الگ اسیر ہے)

مگر حسب ارشاد حضرت مولانا رومیؒ شرط یہ ہے کہ۔

مغز را خالی کن از انکار یار　　　　تا کہ ریحاں یابی از گلزار یار

(تو یار کے انکار سے عقل کو خالی کرتا کہ یار کے گلزار سے تو بھی خوشبو پائے)

چوں گرفتی پیر ہن تسلیم شو　　　　ہمچو موسےؑ زیرِ حکم خضر رو

(جب تو نے دامن پکڑ لیا ہے تو فرمانبردار ہو جا حضرت موسیٰؑ کی طرح حضرت خضرؑ کا فرمانبردار بن جا)

گرچہ کشتی بشکند تو دم مزن　　　　گرچہ طفلے راکشد تو مومکن

(اگر وہ کشتی توڑے تو تو زبان نہ کھول، اور اگر بچے کو قتل کر ڈالے تو بھی تو اُف نہ کہہ)

دست او را حق چو دستِ خویش خواند　　　　تا ید اللہ فوق ایدیہم براند

(جب اللہ نے اس کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ کہا ہے حتیٰ کہ ان کے ہاتھوں کے اوپر اللہ نے اپنے ہاتھ ہونے کا فرمایا ہے)

آنکہ از حق یابد او وحی و خطاب　　　　ہر چہ فرماید بود عین صواب

(وہ ذات جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہو وہ جو فرمائے بالکل سچ ہے)

ہمچو اسمٰعیل پیشش سر بنہ　　　　شاد و خنداں پیش تیغش جاں بدہ

(حضرت اسماعیلؑ کی طرح اس کے سامنے سر جھکا دے، ہنستے مسکراتے ہوئے اس کی تلوار کے سامنے جان دیدے)

چوں گزیدی پیر نازک دل مباش　　　　ست و ریزندہ چو آب و گل مباش

(جب تو نے پیر بنا لیا ہے تو اب دل کو نازک نہ بنا، کیچڑ کی طرح سست اور گرنے والا نہ ہو جا)

ور بہر زخمے تو پُر کینہ شوی ‌‌ ‌‌ پس کجا بے صیقل آئینہ شوی

(اور اگر تو ہر زخم پر غصہ کرے گا تو کھرچنے کے بغیر تیرا دل کس طرح صاف ہوگا)

چوں نداری طاقت سوزن زدن ‌‌ ‌‌ ازچنیں شیر ژیاں پس دم مزن

(جب تو سوئی چبھنے کی طاقت نہیں رکھتا تو ایسے بہادر شیر کے سامنے دم نہ مار)

اے برادر صبر کن بردرد نیش ‌‌ ‌‌ تارہی از نیش نفس گبر خویش

(اے بھائی ڈنک لگنے کے درد پر صبر کر، تاکہ تو اپنے کافر نفس کے ڈسنے سے چھٹکارا پائے)

اسی کو حضرت عطارؒ یوں فرماتے ہیں۔

درارادت باش صادق اے فرید ‌‌ ‌‌ تابیابی گنج عرفاں راکلید

(اے فرید تو تصوف کی راہ میں سچا ہو جا تاکہ معرفت کے خزانہ کی چابی پالے)

دامن رہبر بگیر اے راہ جو ‌‌ ‌‌ ہرچہ داری کن نثار راہ او

(اے راستہ کے متلاشی تو راہنما کے دامن کو پکڑے رکھ، اور جو کچھ تیرا ہے سب اسی راہ میں قربان کردے)

پیر خودرا حاکم مطلق شناس ‌‌ ‌‌ تابراہ فقر گردی حق شناس

(اپنے شیخ کو بادشاہ مطلق سمجھ، تاکہ تو فقیری کی راہ میں حق کو پہچاننے والا ہو جائے)

ہرچہ فرماید مطیع امر باش ‌‌ ‌‌ طوطیائے دیدہ کن از خاک پاش

(وہ جو کچھ فرمائے اسی کے حکم کا فرمانبردار ہو جا اپنی نظروں کو مٹی سے بھردے)

انچہ میگوید بجاں تو گوش باش ‌‌ ‌‌ تانہ گوید اوکہ خاموش باش

(وہ جو بات بھی کہے اسے توجہ سے سن، تاکہ وہ یہ نہ کہے کہ تو چپ رہ)

پھر حسب اختلاف استعداد و مناسبت یا تو حضرت والا کی نظر توجہ کا اثر قلب میں فوراً محسوس ہونے لگے گا ورنہ اپنی حالت ظاہری و باطنی میں یوماً فیوماً ترقیات درجات و تغیرات برکات کا تو ضروری مشاہدہ ہوتا چلا جائے گا یہاں تک کہ انشاء اللہ تعالیٰ بالآخر یہ شعر اس کی زبان قال یا زبان حال پر جاری ہو جائیں گے۔

جز کہ اللہ کہ چشم باز کردی ‌‌ ‌‌ مرا با جان جاں ہمراز کردی

(اللہ تجھے جزا دے کہ تو نے میری آنکھ کھول دی ہے اور مجھے اپنے محبوب سے واقف کر دیا ہے)

رہانیدی مرا از شر ہستی   چو پیمودی پیاپے جام مے را

(تو نے جب مجھے مسلسل جام پلائے تو مجھے اپنی ہستی کے شر سے آزاد کرا دیا ہے)

حماک اللہ عن شر النوائب جزاک اللہ فی الدارین خیرا

شیخ کی معنوی کرامتیں

اور کوئی تو اعتقاد ہے جو حضرت والا نہایت زور و قوت کے ساتھ فرمایا کرتے ہیں کہ جو طالب اپنے کام میں باقاعدہ لگا ہوتا ہے اس کو ہر وقت اپنے اندر شیخ کی معنوی کرامتوں کا کھلی آنکھوں مشاہدہ ہوتا رہتا ہے لہذا اس کو کبھی اپنے شیخ کی حسی کرامتیں دیکھنے کی ہوس نہیں ہوتی اور اگر مدت طویلہ تک بھی ایسا مشاہدہ نہ ہو تو اس کو چاہیے کہ کوئی دوسرا شیخ تلاش کرے کیونکہ یہ دلیل ہے اس کی کہ اس کو اس شیخ سے مناسبت نہیں۔

اور یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ شیخ کی مجلس میں شیخ کے قلب کی طرف متوجہ رہے خواہ وہ کسی کام میں مشغول ہو اور یہ تصور رکھے کہ اس کے قلب سے میرے قلب میں انوار آ رہے ہیں۔

ایک بار فرمایا کہ میں مجلس میں بیٹھنے والوں پر اتنا بوجھ بھی نہیں ڈالتا کہ کسی دور بیٹھے ہوئے شخص کا پرچہ وغیرہ ایک دوسرے سے لے لیکر مجھ تک پہنچائیں یا میرا پرچہ ان تک پہنچائیں۔ الا لعارض خاص کیونکہ بعض اس مذاق کے ہیں کہ وہ بالکل یکسوئی کے ساتھ فانی محض ہو کر یہاں بیٹھنا چاہتے ہیں اس سے ان کی یکسوئی میں خلل پڑتا ہے اور ان کے قلب پر بار ہوتا ہے اور مجھے وہ لوگ معلوم ہیں جن کا یہ مذاق ہے اور جو اس طرح مستغرق ہو کر بیٹھتے ہیں۔ پھر فرمایا مذاق تو میرا بھی یہی ہے کہ بس میں بھی اپنے ہی حالت میں محو و مستغرق رہوں اور خاموش بیٹھا رہوں لیکن کیا کروں اہل مجلس اور اہل ضرورت کی خاطر سے بولنا پڑتا ہے۔

ایک بار توجہ متعارف کے ذکر پر فرمایا کہ حقیقۃ توجہ کی وہاں کیا ضرورت ہے۔ جہاں ہر وقت توجہ رہتی ہو چنانچہ واقعی حضرت والا کی توجہ حضرت حافظؒ کے اس شعر کی بالکل مصداق ہے۔

بندہ پیر خراباتم کہ لطفش دائم است   از آنکہ لطف شیخ و زاہد گاہ ہست و گاہ نیست

ایک بار کسی سلسلہ کلام میں فرمایا کہ یہاں تو ملا پن ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ درویشی

کیا چیز ہے۔ طالب علم ہیں صاحب علم بھی نہیں۔ بس قرآن وحدیث پر عمل کرنا بتاتے ہیں پھر اسی میں جو کچھ کسی کو ملنا ہوتا ہے مل جاتا ہے اور الحمد للہ ایسا ملتا ہے کہ مالا عین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر مگر ظاہر میں کچھ نہیں نہ ہُوحق ہے نہ وجد وحال ہے نہ کشف وکرامت ہے۔ اب میں گھر میں چھوٹی بچی کے کلے پکڑ کر توڑا کرتا ہوں اور اس سے بھی کہتا ہوں کہ میرے رخسارے چٹکی میں لیکر توڑے اب اسی کو دیکھ لیجئے۔ یہ کوئی حرکت درویشوں کی سی ہے۔ حج میں والد صاحب نے سمندر کی مچھلی خریدی میں نے قیاس سے کہا کہ اس کے اندر نمک ہوگا۔ اس میں نمک نہ ڈالیے گا چنانچہ بلا نمک کے پکائی گئی اور بہت ہی خوش ذائقہ پکی بلا نمک ڈالے ہی نہایت مناسب مقدار میں نمک موجود تھا۔ بس اسی طرح یہاں بھی نمک اوپر کا نہیں ہے مگر اندر ہے اور وہ پکنے کے بعد کھلتا ہے اور کھانے والے ہی کو محسوس ہوتا ہے ع۔ قدر ایں مے نہ شناسی بخدا تا نہ چشی۔ جیسے آم کی مٹھاس کی حقیقت اس شخص کو جس نے کبھی آم نہ کھایا ہو محض تقریرات وتشبیہات سے نہیں سمجھائی جا سکتی وہ تو آم کھانے ہی سے سمجھ میں آ سکتی ہے۔

سبحان اللہ کس لطیف عنوان سے حضرت والا نے اپنے طریق انیق کا جو عین طریق سنت ہے خلاصہ بیان فرما دیا جس سے ناظرین باتمکین نے حضرت والا کی قوت فیضان اور شان ارشاد وافاضہ بھی بخوبی معلوم فرمالی ہوگی جو اس باب کا موضوع اصلی ہے اور اجمالاً اس کا بھی اندازہ فرمالیا ہوگا کہ حضرت والا کے یہاں سے کس درجہ کی دولت نصیب ہوتی ہے۔

سبحان اللہ یہی تو اصل درویشی ہے جو بالکل کتاب وسنت کے موافق ہے اور جس کے ہر زمانہ میں صوفیہ محققین حامل وعامل وناشر رہے ہیں لیکن جس شرح وبسط اور عموم ووضوح کے ساتھ اس کا شیوع اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کے ذریعہ سے فرمایا ہے ویسا صدیوں سے نہ ہوا تھا چنانچہ حضرت والا کے بے شمار عجیب وغریب حقائق ومعارف اور نہایت مفید و مؤثر طرق تربیت اور نہایت سہل ونافع معالجات امراض نفسانی جو بفضلہ تعالیٰ کثیر تعداد میں مدون وشائع ہو چکے ہیں اس پر شاہد عدل ہیں جن سے حضرت والا کا نہ صرف مجدد بلکہ بہت ممتاز مجدد اور نیز حکیم الامت ہونا ثابت ہوتا ہے۔ وذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء

نگاہِ پُر اثر:

یہ سب حضرت والا کی نظر پر اثر کی کیفیت بیان کرنے کے سلسلہ میں عرض کیا گیا اور اسی سلسلہ میں بعض واقعات بھی یاد آ گئے ہیں جن کو بطور نمونہ مجملاً عرض کیا جاتا ہے۔

ضلع سیتاپور کے ایک صاحب نے گنوارو زبان میں حضرت والا کی آنکھوں کی یہ تعریف کی کہ بڑی مارو ہیں یعنی قاتلہ ہیں۔ خورجہ کے ایک صاحب نے کہا کہ عرصہ ہوا حضرت نے میری طرف ایک نگاہ کی تھی وہ اب تک کیل کی طرح دل میں گڑی ہوئی ہے۔ جناب صوفی سلیمان صاحب لاجپوریؒ جو ملک گجرات کے بہت معمر اور مشہور صاحب سلسلہ شیخ تھے حضرت والا سے اتفاقاً بر سر راہ محض سرسری ملاقات ہو جانے کے بعد ایک مسجد میں بیٹھے گھنٹوں روتے رہے سبب پوچھا گیا تو حضرت والا کا نام لے کر فرمایا کہ نہ جانے آنکھوں سے کیا کر گئے۔ یہ واقعہ باب لقائے بزرگاں ودعائے بزرگاں میں مفصل بیان کیا جا چکا ہے۔ کانپور کے ایک وعظ میں بھائی صاحب مرحوم ومغفور اتفاق سے حضرت والا کے بالکل مواجہہ میں بیٹھے تھے لہذا دوران وعظ میں زیادہ تر وہی حضرت والا کے مخاطب رہے۔ میں نے دیکھا کہ بھائی صاحب برابر ٹکٹکی باندھے حضرت والا کی طرف دیکھتے رہے اور ہمہ تن گوش ہو کر وعظ سنتے رہے میں اسی وقت سمجھ گیا تھا کہ آج حضرت والا کی توجہ بھائی صاحب پر ہو گئی ہے۔ انشاءاللہ تعالیٰ ضرور رنگ لائے گی چنانچہ بفضلہ تعالیٰ ایسا ہی ہوا۔ بھائی صاحب پر اس درجہ اثر ہوا کہ حضرت والا سے رجوع کیا اور اسی روز سے باوجود بڑے عہدہ دار اور کار دنیا میں مشغول ہونے کے بہت دیندار اور تسبیح خواں ہو گئے اور کلمہ پڑھتے پڑھتے انتقال ہوا۔ وعظوں کے اثر کے بعض دیگر واقعات مواعظ حسنہ میں گزر چکے ہیں۔

شیخ کی توجہ

ایک بار جناب مولانا مولوی محمد شفیع صاحب دیوبندی سلمہم اللہ تعالیٰ کو جو حضرت والا کے خلیفہ مجاز اور مدرسہ عالیہ دیوبند کے مدرس ہیں۔ میں نے خود حضرت والا کی مجلس میں دیکھا کہ حضرت والا کے قرب اور تخاطب سے متاثر ہو کر اچھل اچھل پڑتے تھے۔ جس پر

چنانچہ اسی مجلس میں احقر نے اپنا ایک شعر سنایا جو حضرت والا کی برق بار نگاہوں کی توصیف میں اور ایسے ہی تجربوں کی بنا پر عرض کیا گیا تھا وہ شعر یہ ہے

نگاہوں سے بھر دی رگ و پے میں بجلی ۔۔۔ نظر کردہ برق تپاں ہو رہا ہے

احقر پر بھی شروع شروع میں اتنا اثر ہوتا تھا کہ بعض اوقات قلب پر بے اختیار ہاتھ رکھ لینے کی نوبت آ جاتی تھی اور بحمد اللہ اب بھی یک بیک غفلت دور ہو کر حضور مع اللہ کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جس کو اگر بالقصد برقرار رکھا جائے تو رفتہ رفتہ نسبت مع اللہ کی دولت لازوال حاصل ہو جائے۔

صحبت کی برکت

اور میرا تو گمان غالب بدرجہ یقین یہی ہے کہ شیخؒ کی صحبت میں جو برکت ہوتی ہے وہ اکثر اسی طریق سے کہ شیخؒ کی توجہ سے بلکہ بلا توجہ بھی اس کی نسبت کا انعکاس مسترشدین کے قلوب پر ہوتا رہتا ہے جس سے غفلت دور ہو کر حضور مع اللہ کی کیفیت محسوس ہونے لگتی ہے جو دائمی ہو جاتی ہے کثرت ذکر و دوام طاعت کی جس سے اس حضور میں یوماً فیوماً ترقی ہوتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ بفضلہ تعالیٰ وہ برکت شیخؒ نسبت راسخہ حاصل ہو جاتی ہے جو ماحصل ہے سارے اذکار و اشغال اور ریاضات و مجاہدات کا لہٰذا مسترشدین کو اپنے قلوب کی ہر وقت نگرانی رکھنی چاہیے اور اگر وہ ایسا کریں گے تو ضرور اپنے اندر شیخؒ کی توجہ و برکت کا اثر محسوس کریں گے پھر اس اثر کو کثرت ذکر و دوام طاعت سے تقویت پہنچاتے رہیں یہاں تک کہ اس میں رسوخ ہو جائے۔

میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ میں بار بار غفلت اختیار کرتا ہوں لیکن حضرت والا کی توجہ کی برکت سے قلب بار بار خود متوجہ الی اللہ ہو جاتا ہے۔ جیسے کوئی بیدار کر دینے والا اندر بیٹھا ہو اللہ تعالیٰ مجھے غفلت سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں ادھر سے تو کوئی کمی نہیں اپنی ہی کوتاہی ہے۔ اس پر حضرت والا کا ایک ملفوظ یاد آ گیا۔ ایک بار احقر نے نہایت حسرت سے عرض کیا کہ حضرت جب میں خدمت میں حاضر ہوتا ہوں تو قلب کی حالت بہت اچھی ہو جاتی ہے اور جب یہاں سے چلا جاتا ہوں تو رفتہ رفتہ پھر حالت خراب ہو جاتی ہے فوراً نہایت لطف کے

ساتھ تسلی فرمائی کہ پھر حرج ہی کیا ہے۔ آپ اپنے کپڑے میلے کردیتے ہیں دھوبی ان کو دھو دیتا ہے آپ پھر میلے کردیتے ہیں دھوبی ان کو پھر دھو دیتا ہے۔

غرض حضرت والا کی نظر کیمیا اثر کے ہزارہا کارنامے ہیں جن کا خلاصہ بعنوان استعارہ یہ ہے کہ اس نے ہزاروں سنگریزوں کو مبدل بہ یاقوت کردیا اور سینکڑوں پتھروں کو پارس بنا کر اس شعر کا مصداق بنادیا۔

آہن کہ بہ پارس آشنا شد　　فی الحال بصورت طلا شد

(لوہا جونہی پارس سے ملتا ہے اسی وقت سونے کی شکل اختیار کرلیتا ہے)

توجہ کا مسنون طریقہ

حضرت والا کی نظر پُر اثر کی تاثیرات کو دیکھ کر احقر کا گمان بلکہ یقین تھا کہ حضرت والا نگاہ کرتے وقت ضرور یہ قصد فرماتے ہوں گے کہ دوسرے پر اثر پڑے اور قلبی کیفیات متعدی ہوں جبھی تو اتنا اثر ہوتا ہے بلکہ یہ خیال تھا کہ طالبین کی طرف ہر وقت قلباً متوجہ رہتے ہوں گے کیونکہ ان کو اکثر اوقات حاضرانہ و نیز غائبانہ اپنے قلوب میں یک بیک بلا کسی ظاہری سبب کے کیفیات خاصہ محسوس ہوتی رہتی ہیں لیکن حضرت والا نے میرے اس خیال کی نہایت شد و مد کے ساتھ تغلیط فرمائی اور فرمایا کہ مجھے تو اپنے ہی فکر سے فرصت نہیں دوسروں کی طرف ہر وقت متوجہ رہنے کی مجھے کہاں توفیق اور میں تو اس توجہ متعارف کو تکلف ہی سمجھتا ہوں اور اس کے خلاف تقریریں بھی کیا کرتا ہوں اور اگر اس میں نفع رسانی کی نیت ہو تو میں اس کو جائز سمجھتا ہوں اور اسی بناء پر توجہ دینا بعض بزرگوں کا معمول بھی رہا ہے لیکن جس طریق سے رائج ہے وہ طریق سنت میں منقول نہیں۔ اور مجھے تو باوجود جائز سمجھنے کے توجہ متعارف سے طبعی توحش ہے جیسے اوجھڑی سے کہ گو حلال ہے لیکن بعض طبیعتیں اس کو قبول نہیں کرتیں۔ مجھے تو اپنی توجہ کو سب طرف سے ہٹا کر ایک خاص شخص کی جانب جو مخلوق ہے ہمہ تن متوجہ ہو جانے میں غیرت آتی ہے کیونکہ یہ حق تو خاص اللہ تعالیٰ ہی کا ہے کہ سب طرف سے توجہ ہٹا کر بس اسی ایک ذات واحد کی طرف ہمہ تن متوجہ رہا جائے۔ البتہ دلسوزی اور خیر خواہی کے ساتھ تعلیم کرنا اور دل سے یہ چاہنا کہ طالبین کو نفع پہنچے اور ان کی دینی حالت

درست ہو جائے یہ توجہ کا ماثور طریق ہے اور یہی حضرات انبیاء علیہ السلام کی سنت ہے اور یہ نفع اور برکت میں بھی توجہ متعارف سے کہیں بڑھ کر ہے۔ کیونکہ اس کے اثر کو بقاء ہے بہ خلاف توجہ متعارف کے کہ اس کا اثر بس اسی وقت ہوتا ہے پھر کچھ نہیں جیسے تنور کے پاس جب تک بیٹھے رہے بدن گرم رہتا ہے اور جب ذرا وہاں سے اٹھے اور ٹھنڈی ہوا لگی بس بدن پھر وہی ٹھنڈے کا ٹھنڈا۔ اور جو توجہ کا مسنون طریق ہے اس کے اثر کی ایسی مثال ہے جیسے کسی نے کشتۂ طلا یا سنکھیا مدبر استعمال کر کے اپنی حرارت غریزیہ کو بڑھا لیا ہو تو اگر وہ شملہ پہاڑ پر بھی چلا جائے تب بھی وہ حدت بدستور باقی رہے گی۔

بغیر ارادہ کے توجہ کا اثر کس طرح ہوتا ہے

پھر حضرت والا نے فرمایا کہ یہ شبہ نہ کیا جائے کہ بغیر قصداً توجہ کیے ہوئے اثر کیسے ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض قلوب ہی کے اندر تعدیہ کی صفت رکھی ہے جیسے کہ گو آفتاب کا یہ قصد نہیں ہوتا کہ اس کا نور دوسروں کو پہنچے لیکن پھر بھی اس کا نور دوسروں کو پہنچتا ہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر صفت ہی یہ رکھی ہے کہ جو شے اس کے مقابل میں آ جاتی ہے وہ منور ہو جاتی ہے۔ اھ۔

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ سبحان اللہ یہ تو حضرت والا کا اور بھی زیادہ کمال ہے کہ بلا قصد ہی فیض پہنچتا ہے۔ جو حضرت والا کے نہایت قوی النسبت اور صاحب برکت اور مقبول عنداللہ ہونے کی علامت ہے حضرت والا کی اس نفی توجہ اور طالبین کے احساس اثرات توجہ پر بالکل یہ شعر صادق آتا ہے۔

مہ من بدور چشمت بسرت قسم کہ روزے ۔۔۔۔ زتو دیدہ ام ادائے کہ تو ہم ندیدہ باشی

(اے میرے محبوب خدا کرے تجھے نظر نہ لگے، مجھے تیرے سر کی قسم کہ ایک دن میں تیری ایک ایسی ادا دیکھی ہے جو تو نے خود بھی نہیں دیکھی ہوگی)

پہلی صحبت

اب حضرت والا کی اس تحقیق انیق کے بعد میں پھر اپنے واقعہ بیعت کی طرف رجوع کرتا ہوں میں اول بار کی زیارت کا حال بیان کر رہا تھا۔ حضرت والا سے مصافحہ کرنے کے بعد احقر نے اپنا مختصر تعارف کرایا پھر حضرت والا نماز کی تیاری میں مشغول ہو گئے۔ پھر بعد

نماز ظہر مجلس عام میں بیٹھ کر حاضرین کو اپنے مقالات حکمت سے بہرہ اندوز فرمانے لگے۔ مشتاقین جوق جوق آتے گئے اور شرف اندوز زیارت ومصافحہ ہو ہو کر بیٹھتے گئے یہاں تک کہ بہت بڑا مجمع ہو گیا۔ احقر غایت اشتیاق سے حضرت والا کے بالکل قریب بیٹھے۔

حضرت والا کی صحبت کا اثر

حضرت والا کی صحبت بابرکت اور مقالات حکمت کا اتنا گہرا اثر ہوا کہ جو بات فرماتے دل میں اترتی اور ذہن میں جمتی چلی جاتی اور جب نظر فرماتے قلب میں ایک بجلی سی کوند جاتی۔ پھر تو ایسا چسکا لگا کہ اکثر وقت حضرت والا ہی کی خدمت میں گزارنے لگا۔ یہاں تک کہ رات کو بھی اکثر وہیں رہتا اور بلا بستر وتکیہ مسجد یا مدرسہ کے بوریئے پر پڑا رہتا۔ غرض حضرت والا کے ساتھ بیحد گرویدگی ہوگئی اور گو اس وقت حضرت والا نے غالباً صرف دو تین دن ہی الہ آباد میں قیام فرمایا کیونکہ آگے تشریف لے جانا تھا اور واپسی پر پھر کچھ قیام فرمانے کا وعدہ تھا۔ لیکن دو تین دن ہی خدمت میں حاضر رہنے کا اس درجہ اثر ہوا کہ حضرت والا کی ہر ادا گویا میرے اندر سرایت کر گئی یہاں تک کہ جب میں حضرت والا کی خدمت سے رخصت ہو کر کسی سے کلام کرتا یا حضرت والا کے ملفوظات جو کثرت سے یاد ہو گئے تھے احباب سے نقل کرتا تو بے اختیار حضرت والا کے لب ولہجہ سے ایک گونہ مشابہت پیدا ہو جاتی بلکہ اپنی چال ڈھال میں بھی مجھے حضرت والا ہی کا سا رنگ ڈھنگ محسوس ہوتا اس سے حضرت والا کے فیض صحبت کا قوی الاثر اور سریع النفوذ ہونا ظاہر وباہر ہے۔ نیز حضرت والا کی شان محبوبیت اور اثر عام دیکھ دیکھ کر بے اختیار حضور اقدس سید المرسلین محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہ اجمعین کا تصور بندھ جاتا۔ اور حضرت والا کی شان تحقیق اور قوت استدلال دیکھ دیکھ کر انگریزی دانوں ملحدوں اور غیر مذہب والوں کے مقابلہ میں اسلام کی بڑی قوت محسوس ہوتی جس سے قلب کو بڑی تقویت ہوتی کہ بفضلہ تعالیٰ حضرت والا کے ہوتے ہوئے اسلام کی حقانیت پر کسی کو مجال دم زدن نہیں ہو سکتی جو الحمدللہ ایک امر واقعی ہے۔

حضرت کی شفقت

اس وقت کے یہ سب ابتدائی تاثرات اب تک قلب ودماغ میں نقش کالحجر ہیں جن کو

بے کم وکاست عرض کر دیا گیا ہے اور جتنے بعد کے حالات ہیں وہ سب اسی اجمال کی تفصیلات ہیں۔ اسی دوران میں احقر نے جرأت کر کے اپنے لیے دعا کی درخواست کی تو فوراً یہ الفاظ دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنا محب اور محبوب بنائے۔ اسی وقت یا دوسرے کسی موقع پر بغایت شفقت و ذرہ نوازی یہ بھی فرمایا کہ میں سچ عرض کرتا ہوں میرے قلب کو آپ سے ایک خاص تعلق ہے۔ اھ۔

دیوار بننے سے کیا فائدہ

احقر نے ایک بار یہ بھی عرض کیا کہ حضرت یہ دعا فرما دیں کہ قلب میں معاصی کا میلان ہی نہ رہے۔ فرمایا دیوار ہو جانا کس کام کا۔ پھر دیوار کی طرف اشارہ فرما کر فرمایا کہ دیکھئے یہ دیوار ہے چوری یہ نہیں کرتی زنا یہ نہیں کرتی بڑی متقی ہے لیکن پھر بھی بیچاری دیوار کی دیوار ہی ہے کوئی ثواب ہی نہیں ملتا۔ انسان کا کمال تو یہی ہے کہ معاصی کا میلان ہو اور پھر بھی اپنے آپ کو روکے رہے اور معاصی کا صدور نہ ہونے دے۔ اھ۔

بیعت میں رکاوٹ کا ازالہ

پھر احقر نے عرض کیا کہ حضرت بیعت ہونے کو بہت جی چاہتا ہے لیکن ہمت نہیں ہوتی کیونکہ اگر بیعت ہونے کے بعد پھر بھی گناہ ہوتے رہے تو ایسی بیعت سے کیا فائدہ اس لیے پہلے حضرت میرے ناپاک ہاتھوں کو اس قابل کر دیں کہ حضور کے پاک ہاتھوں میں دے سکوں۔ احقر یہ سوچ کر بہت مسرور ہوتا ہے کہ الحمد للہ امر بیعت میں احقر کا مذاق شروع ہی سے بالکل حضرت والا کے طریق انیق کے مطابق تھا۔ حضرت والا اس وقت کھڑے ہو کر وضو فرما رہے تھے اور ایک مونڈھے پر پانی کا لوٹا رکھا ہوا تھا۔ احقر کی عرض مذکور پر تمثیلاً فرمایا کہ ایک دریا تھا اس کے پاس ایک ناپاک اور میلا کچیلا آدمی آیا اس دریا نے کہا کہ تو میرے پاس آ۔ اس نے کہا کہ میری بھلا کیا مجال ہے کہ میں تیرے پاس آ سکوں تو بالکل پاک صاف شفاف میں بالکل نجس پلید ناپاک۔ دریا نے جواب دیا کہ تو تو اس حالت میں میرے پاس آنے نہیں پاتا اور بغیر میرے پاس آئے اور میرے اندر نہائے

پاک ہو نہیں سکتا تو بس پھر ہمیشہ کے لیے دوری ہی رہی۔ ارے بھائی پاک ہونے کی تدبیر بھی تو یہی ہے کہ بس آنکھیں بند کر کے بلا پس وپیش میرے اندر کود پڑ بس پھر فوراً ہی میرے اندر سے ایک ایسی موج اٹھے گی جو تیرے سر پر ہو کر گزر جائے گی اور آن کی آن میں تیری ساری نجاستوں کو دھو کر تجھے سر سے پاؤں تک بالکل پاک صاف کر دے گی۔ اھ۔

اللہ کی محبت کا وظیفہ

بعد کو جب کسی موقع پر احقر نے غالباً اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جانے کی دعا چاہی تو حضرت والا نے تین ہزار بار اسم ذات بعد نماز فجر خفیف جہر وضرب کے ساتھ بایں تصور کہ قلب بھی ساتھ ساتھ شریک ذکر رہے پڑھنے کو بتا دیا اور خود دو تین بار ادا کر کے طریق ذکر بھی سکھا دیا۔ پھر حضرت والا الہ آباد سے آگے غالباً ضلع اعظم گڑھ کے سفر میں تشریف لے گئے اور کچھ عرصہ کے بعد حسب وعدہ واپسی میں پھر دو ایک روز کے لیے الہ آباد قیام فرمایا۔

حضرت کا تلقین فرمودہ ذکر

احقر اس دوران حضرت والا کے تلقین فرمودہ ذکر کو کرتا رہا جس سے بہت دلچسپی پیدا ہو گئی۔ مجھے یاد ہے کہ واپسی پر حضرت والا سے میں نے تجویز کردہ ذکر کے ساتھ اپنی دلچسپی کا حال بیان کر کے یہ بھی عرض کیا کہ پہلے تو یہ کچھ محسوس نہ ہوتا تھا کہ پہلو میں قلب بھی کوئی چیز ہوتی ہے اب اس کا احساس ہونے لگا ہے۔ حضرت والا نے جو ذکر اور مقدار ذکر اور وقت ذکر روز اول تجویز فرما دیا تھا وہ مجھ جیسے راحت طلب ضعیف الہمت اور لاابالی شخص کے اس قدر حسب مذاق اور مناسب حال اور موافق طبیعت ثابت ہوا کہ اس کے کسی جزو میں ادنیٰ تغیر بھی موجب اختلال وخلجان ہو جاتا ہے۔ حضرت والا کی تجویزات اکثر ایسی ہی مناسب حال ثابت ہوتی ہیں چنانچہ خود بھی اس کی تائید میں فرماتے تھے کہ ڈاکٹر عبدالرحیم صاحب مرحوم لکھنوی کو میں نے فقط تلاوت قرآن کی کثرت تجویز کی تو وہ شگفتہ ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ تو آپ نے بالکل میرے مذاق کی چیز بتا دی مجھے تو تلاوت سے بہت ہی دلچسپی ہے۔ اھ۔

اس واقعہ کو نقل فرما کر حضرت والا نے فرمایا کہ مجھے انکی دلچسپی کی پوری خبر بھی نہیں تھی

لیکن دل میں یہی آیا کہ ان کے لئے بجائے ذکر کے تلاوت مناسب ہوئی اسی طرح ایک صاحب کے لئے میں نے کثرت نوافل تجویز کی تو انہوں نے بھی یہی کہا۔ اھ

حضرت والا تلقین اوراد واذکار میں ہمیشہ طالبین کی دلچسپی کا خاص لحاظ فرماتے ہیں کیونکہ جس ذکر سے دلچسپی ہوتی ہے اس پر مداومت بھی آسان ہوتی ہے اور اسکے دوران میں جمعیت و یکسوئی بھی رہتی ہے جو معین مقصود ہے۔ چنانچہ قبل تلقین اذکار طالب کے موجود معمولات بھی دریافت فرما لیتے ہیں اور انہی میں مناسب کمی بیشی فرما کر اوراد تجویز فرما دیتے ہیں اور اس کی وجہ یہی بیان فرماتے ہیں کہ پرانے معمولات سے چونکہ انس ہو جاتا ہے اس لیے ان کے چھوڑنے کو بھی دل گوارا نہیں کرتا اور ان سے دلچسپی بھی زیادہ ہوتی ہے اس لیے میں بلا ضرورت ان کو نہیں چھوڑواتا۔ نیز قدیم معمولات میں مداومت کی بدولت ایک خاص برکت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اھ۔

معمولات میں برکات

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ پھر انہیں معمولات میں حضرت والا کے تجویز فرما دینے کے بعد ایسی کھلی ہوئی برکات محسوس ہونے لگتی ہیں کہ اس سے پہلے ان میں محسوس نہ ہوتی تھیں۔ یہ بین (واضح) علامت ہے۔ حضرت والا کی مقبولیت و برکت اور قوت افاضہ کی وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

بیعت کی درخواست کی قبولیت

غرض احقر کو حضرت والا کی جانب اتنی کشش ہوئی کہ حضرت والا کے واپسی کے قیام الہ آباد میں احقر نے بیعت کی درخواست کی حضرت والا نے فرمایا کہ مجھے انکار نہیں لیکن آپ بیعت ہو کر کیوں خواہ مخواہ اپنی وقعت اور عظمت گھٹاتے ہیں۔ کیونکہ آپ کی جتنی عظمت اب میرے قلب میں ہے اتنی بیعت ہو جانے کے بعد تھوڑا ہی رہے گی۔ بہر حال جب حضرت والا واپس تشریف لے جانے لگے تو روانگی سے تھوڑی ہی دیر پہلے بعد مغرب احقر کو مع جناب مکرمی و مشفقی منشی حقداد خان صاحب سلمہم اللہ تعالی اور میزبان صاحب کے ایک ملازم کے بیعت فرمالیا۔

ملازمت کیلئے اجازت

غالباً حضرت والا الہ آباد سے کانپور تشریف لے گئے تھے جہاں بعد کو احقر بھی پہنچ گیا۔ حضرت والا کو دیکھا کہ جامع مسجد محلہ ٹپکا پور کے ایک گوشہ میں مراقب بیٹھے ہیں چونکہ وہ ابتدائی جوش وخروش کا زمانہ تھا اس لیے حضرت والا کو مراقب دیکھ کر میں نے خود ہی یا احباب کو مخاطب کر کے کسی کا یہ شعر پڑھا۔

نظر کو نیچی کیے سر جھکائے بیٹھے ہیں　　　　یہی تو ہیں جو مرا دل چرائے بیٹھے ہیں

چونکہ اس زمانہ میں مجھ کو ملازمت کی تلاش تھی اور چند نئے عہدے انسپکٹری آبکاری کے قائم ہوئے تھے اس لیے احقر نے بھی درخواست بھیج دی تھی اس کے جواز یا عدم جواز کے متعلق احقر نے حضرت والا سے پوچھا تو فرمایا کہ پہلے یہ تحقیق کر لیجئے کہ کس کس چیز کی شراب بنتی ہے۔ معلوم ہوا کہ گڑ مہوا وغیرہ کی بنتی ہے انگور یا چھوارہ کی نہیں بنتی۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ مجمل جواب تو آپ کے استفسار کا یہ ہے کہ آپ اس ملازمت کے حصول کی کوشش کریں۔ اور اگر آپ یہ معلوم کرنا چاہتے ہوں کہ یہ میں نے کیوں کہا تو میرے پاس تھانہ بھون بذریعہ ڈاک یہ سوال لکھ کر بھیج دیجئے میں انشاء اللہ تعالیٰ مفصل وجوہ تحریر کر کے بھیج دوں گا۔ حضرت والا کو اگر بعض مجتہدین کے اقوال پر بھی کسی ملازمت کے جواز کی گنجائش ملتی ہے تو اس عام ابتلاء اور ضعف ہمم (ہمتوں کی کمی) کے زمانہ میں اس گنجائش کی بناء پر اجازت دے دیتے ہیں کیونکہ تنگی معاش میں اس سے اشد دینی ضرر کا اندیشہ ہے۔

غرض میری درخواست ملازمت منظور ہوگئی اور میں بمقام شاہجہاں پور پندرہ دن کام سیکھنے کے لیے بھیجا گیا۔

ڈپٹی کلکٹری کے امتحان پر حضرت کا ہمت افزائی فرمانا

لیکن اللہ تعالیٰ والد صاحب مرحوم ومغفور کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ انہوں نے مجھ کو لکھ بھیجا کہ تم چھوڑ کر چلے آؤ۔ اور پھر ڈپٹی کلکٹری کے لیے کوشش کی جس میں بفضلہ تعالیٰ حضرت والا ہی کی دعا کی برکت سے کامیابی حاصل ہوگئی لیکن

چونکہ حضرت والا کے فیض سے ذکر و شغل کا چسکا لگ گیا تھا۔ امتحان کی کتابوں کے مطالعہ میں جی نہ لگتا تھا اور دنیا سے بے رغبتی ہوگئی تھی اس لیے تقرر کے بعد کے امتحانات جن پر مستقبل کا دارومدار تھا نہ پاس کر سکا۔ یہاں تک کہ ایک زائد موقع مجھ کو حکومت نے اور دیا گیا میں نے جب حضرت والا کو اپنی تشویش کی اطلاع دی اور لکھا کہ مجھے کامیابی کی امید نہیں کیونکہ پڑھنے میں میرا جی ہی نہیں لگتا تو حضرت والا نے نہایت ہمت افزا جواب مرحمت فرمایا۔ تحریر فرمایا کہ ہمت نہ ہاریئے اور گو طبع ناگوار ہو لیکن دل کو بہ تکلف متوجہ کر کے امتحان کو پاس ہی کر لینے کی کوشش کیجئے اور پریشانی کو پاس نہ پھٹکنے دیجئے۔

؏ حیف باشد دل دانا کہ مشوش باشد

(سمجھدار آدمی کا دل بھی اگر پریشان ہو تو اس پر افسوس ہے)

امتحان کو ضرور پاس کر لینا چاہیے تاکہ اہل دنیا کی نظر میں ذلت نہ ہو۔ اس مردار دنیا کو حاصل کر لینے کے بعد چھوڑنا چاہیے۔ تارک الدنیا ہونا چاہیے نہ کہ متروک الدنیا۔ اگر آپ امتحان پاس نہ کر سکے اور علیحدہ کر دیے گئے تو آپ ڈپٹی کلکٹری کو کیا چھوڑیں گے خود ڈپٹی کلکٹری ہی آپ کو چھوڑ دے گی حالانکہ ہونا چاہیے برعکس اس کے۔

امتحان کی تیاری کے حال پر حضرت کا ارشاد

حضرت والا کے اس ہمت افزا ارشاد و سراپا ارشاد کے بعد احقر نے امتحان کی تیاری کے لیے خاص طور سے چھٹی لی اور اپنے ایک عزیز ڈپٹی کلکٹر کے پاس پہاڑ پر جا کر امتحان کی تیاری بہ اعانت ان عزیز کے شروع کر دی لیکن پھر بھی کافی تیاری نہ ہو سکی۔ مگر حضرت والا کی تمنا تو خدا تعالیٰ کو پوری کرنی ہی تھی۔ اس سال سے یہ اجازت ہوگئی کہ کتابیں دیکھ دیکھ کر امتحان میں جوابات لکھ سکتے ہیں۔ چنانچہ اس سے بحمد اللہ بڑی سہولت ہوگئی پھر بھی بعض مضامین میں جن میں کتابوں کا دیکھنا مفید نہ ہو سکتا تھا اندیشہ ناکامیابی رہا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں لکھنؤ سے امتحان دے کر تھانہ بھون حاضر ہوا تو حضرت والا سے یہ واقعہ عرض کیا کہ امتحان کے زمانہ میں بلکہ تیاری امتحان کے زمانہ میں بھی مجھے اس قدر فکر دامن گیر رہتی کہ پہاڑ کے اچھے اچھے مناظر سے جہاں رہ کر میں نے امتحان کی تیاری کی تھی

اور لکھنؤ جیسے پر رونق شہر سے جہاں امتحان دینے گیا تھا مطلق لطف نہ اٹھا سکا جس دن امتحان سے فارغ ہوا ہوں اس دن زمین وآسمان نظر پڑے اور معلوم ہوا کہ میں دنیا میں ہوں۔ یہ سن کر حضرت والا نے پہلے ایک آہ سرد بھری۔ پھر فرمایا کہ اسی طرح ان کو جنہیں آخرت کے امتحان کی فکر ہے زمین وآسمان نظر نہیں آتے۔

اس وقت یہ ظن غالب ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت والا یہ خود اپنی حالت بیان فرما رہے ہیں۔

حضرت والا کی بشارت

پھر کسی نماز کے بعد حضرت والا غالباً مسجد ہی میں تھوڑی دیر کمر سیدھی کرنے کے لیے لیٹ گئے اور احقر پاؤں دبانے لگا۔ جب حضرت والا کی ذرا آنکھ لگ گئی تو میں کسی ضرورت سے اٹھ آیا۔ حضرت والا نے فوراً احقر کو طلب فرمایا اور فرمایا کہ میں نے ابھی ایک خواب دیکھا ہے اور گو پہلے سے کہنے میں کرکری ہونے کا اندیشہ ہے لیکن میں کیا اور میرا خواب ہی کیا۔ اس لیے کہے دیتا ہوں۔ دیکھا تو بہت مفصل تھا اور بہت دیر تک دیکھتا رہا۔ لیکن پورا یاد نہیں رہا۔ صرف اس کا خلاصہ یہ یاد رہ گیا ہے کہ کسی نے مجھ سے کہا کہ آپ (یعنی احقر) ڈپٹی کلکٹری کے امتحان میں پاس ہو گئے ہیں اور گو ایک مضمون میں بہت مایوسی تھی لیکن پاس ہونے کے لائق نمبر اس میں بھی آ گئے ہیں چنانچہ بفضلہ تعالیٰ مجھے پوری کامیابی ہوئی اور حضرت والا کی تمنا اور دعا کی برکت سے میں مستقل ڈپٹی کلکٹر ہو گیا۔

احقر کا خواب

اسی زمانہ میں میں نے بھی ایک خواب دیکھا تھا کہ ایک سانپ کا چھوٹا سا بچہ میرے پاس ہو کر گزرا میں نے اس کو کسی چیز سے مار دیا۔ وہ ایک ہی ضرب میں مر گیا پھر کوئی اور زہریلا جانور جو اس وقت یاد نہیں آتا دکھائی دیا وہ دو چوٹوں میں مر گیا۔ پھر ایک بچھو دکھائی دیا میں نے اس کو مارا تو وہ لنگڑا ہو گیا اور لنگڑاتا ہوا دیوار پر چڑھ گیا اور ایسا معلوم ہوا کہ میری رضائی پر آ پڑا اور میں اندیشہ کر رہا ہوں کہ کہیں ڈنک نہ مار دے اسی اندیشہ میں آنکھ کھل گئی غالباً یہ وہی مضمون تھا جس کے متعلق حضرت والا نے خواب میں دیکھا تھا کہ اس میں پاس ہونے سے مایوسی تھی لیکن اس میں بھی کافی نمبر آ گئے۔

ملازمت میں کامیابی

حضرت والا نے اپنا خواب بیان کر کے یہ بھی فرمایا کہ جی تو یہی چاہتا ہے کہ آپ پاس ہو جائیں پھر چھوڑنے نہ چھوڑنے کا اختیار ہوگا۔ ترک ملازمت کے لیے بارہا عرض کیا لیکن کبھی مشورہ نہیں دیا بلکہ اکثر یہ شعر پڑھ دیا۔

چونکہ بر میخت بہ بند وبستہ باش　　　چوں کشاید چابک و برجستہ باش

(جب اس نے مقرر کر دیا ہے تو اب پابند ہو جا، جب وہ کھول دے تو چست اور ہوشیار ہو جا)

آخر میں تبدیل محکمہ کا مشورہ دیا جس کا ذکر قریب ہی کی سطور میں آتا ہے۔ غالباً اسی زمانہ میں حضرت والا نے احقر کے کسی عریضہ کے جواب میں یہ بھی تحریر فرمایا تھا کہ انشاء اللہ تعالیٰ فلاح دارین حاصل ہوگی۔ دل یہی گواہی دیتا ہے۔

غرض حضرت والا ہی کی دعا کی برکت سے میں عین مایوسی کے عالم میں مستقل ڈپٹی کلکٹر ہو گیا۔

ملازمت کی تبدیلی

پھر حضرت ہی کی دعا اور تمنا کی برکت سے کل سات برس اس عہدہ پر رہ کر اس سے باجازت حضرت والا دست بردار ہو گیا اور بحمد اللہ بجائے متروک الدنیا ہونے کے مفہوم کے تارک الدنیا ہونے کے ایک مصداق کا ظہور ہو گیا۔ جس کی صورت یہ ہوئی کہ بوجہ اس کے اس عہدہ پر رہ کر بہت سے فیصلے خلاف قانون شریعت کرنے پڑتے تھے۔ اس لیے مجھے بہت تنگی پیش آتی تھی اور گو حضرت والا سے مسائل پوچھ پوچھ کر حتی الامکان خلاف شریعت مقدسہ فیصلے کرنے سے بچتا تھا لیکن پھر بھی کہاں تک بچ سکتا تھا۔ بقول اسے

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ　　　باز میگوئی کہ دامن ترمکن ہوشیار باش

(تو نے مجھے تختہ سے باندھ کر دریا کی تہہ میں چھوڑ دیا ہے اور کہتا ہے کہ ہوشیار رہو دامن گیلا نہ کر)

احقر کے بار بار عہدہ ڈپٹی کلکٹری کے خلجانات گوناگوں کے پیش کرنے اور شاکی ہونے پر حضرت والا نے احقر کو محکمہ تعلیم میں ملازمت کی کوشش کرنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ احقر نے بطور خود بھی حکام سے کہا سنا اور باضابطہ بھی درخواست دے دی اور اس میں یہ بھی

لکھ دیا کہ میں اپنی موجودہ تنخواہ سے کم پر بھی محکمہ تعلیم میں جانے کے لیے تیار ہوں لیکن کامیابی نہ ہوئی اور صاف جواب مل گیا کہ تمہارے لائق کوئی عہدہ محکمہ تعلیم میں خالی نہیں ہے۔ چنانچہ میں بالکل مایوس ہوگیا تین برس فتح پور میں ڈپٹی کلکٹر رہ کر جب زیارت حرمین شریفین کے لیے رخصت لی تو بعد واپسی کانپور میں تقرر ہوا۔ اتفاق سے بہ سبیل سفر حضرت والا کانپور تشریف لائے احقر نے محکمہ تعلیم میں ملازمت ملنے سے مایوسی کا حال عرض کیا تو نہایت جزم کے ساتھ فرمایا کہ آپ ابھی مایوس نہ ہوں برابر کوشش جاری رکھیں میرا دل گواہی دیتا ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے لیے کوئی بہتر صورت ہو جائے گی چنانچہ احقر نے پھر کوشش کی اور حکام سے صاف کہہ دیا کہ میں بہت کم تنخواہ پر بھی جانا منظور کرلوں گا۔

حضرت والا کی دعا اور شہادت قلب اور اعتماد علی اللہ کی برکت سے یہ صورت غیب سے ظہور پذیر ہوئی کہ مسلمانوں کے لیے خاص مدارس اردو کا کھولا جانا اور ان کے لیے ہر کمشنری میں جداگانہ مسلمان ڈپٹی انسپکٹر مقرر کیا جانا گورنمنٹ سے منظور ہوا چنانچہ احقر کو اس نئے عہدہ کی باضابطہ اطلاع دی گئی اور لکھا گیا کہ محکمہ تعلیم میں تم کو یہ جگہ بمشاہرہ ڈیڑھ سو روپیہ دی جاسکتی ہے آیا منظور ہے یا نہیں۔ گو یہ تنخواہ اور سب کی تنخواہ سے جو اس عہدہ پر مقرر کیے گئے تھے زیادہ تھی لیکن میری ڈپٹی کلکٹری کی تنخواہ سے بہت کم یعنی صرف نصف ہی تھی کیونکہ مجھے اس وقت تین سو روپیہ ماہوار مل رہے تھے جب میں نے حضرت والا کو لکھا اور کمی تنخواہ کی وجہ سے کسی قدر تردد ظاہر کیا تو حضرت والا نے یہ تحریر فرمایا کہ مشورہ دینے کا تو میرا معمول نہیں ہے لیکن اگر آپ کی جگہ میں ہوتا تو میں تو ضرور قبول کر لیتا چاہے اس سے بھی کم تنخواہ ہوتی اور اس موقع کو ہرگز ہاتھ سے نہ جانے دیتا اور یہ بھی تحریر فرمادیا کہ اگر آپ کو تامل ہے تو پھر آئندہ کبھی موجودہ ملازمت کی خرابیوں کی شکایت مجھ سے نہ کیجئے گا۔ اس ارشاد کی برکت سے جو قدرے تامل تھا وہ بھی بفضلہ تعالیٰ جاتا رہا اور احقر نے نہایت خوشی اور ذوق و شوق کے ساتھ اس عہدہ کو منظور کر لیا اور اپنی خدمات محکمہ تعلیم میں منتقل کرالیں پھر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہاں بھی عہدہ اور تنخواہ دونوں کی رفتہ رفتہ ترقی ہوئی۔ جو بحمد اللہ اب تک جاری ہے۔ حضرت والا سے شرف بیعت حاصل ہونے کے بعد جلدی ہی مجھے عہدہ ڈپٹی

کلکٹری حاصل ہو گیا تھا اور مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے حضرت والا سے یہ کہہ کر دعائے حصول ملازمت کرائی تھی کہ پھر ان شاء اللہ طمینان سے ذکر و شغل کر سکوں گا۔ یہ خبر نہ تھی کہ جس عہدہ کو حضرت والا سے دعائیں کرا کرا کر حاصل کیا جائے گا بعد کو حضرت والا ہی سے دعائیں کر کرا کر اس سے پیچھا چھوڑایا جائے گا۔

دین پر عمل کا اہتمام

حضرت والا سے شرف بیعت حاصل ہونے کے بعد بفضلہ تعالیٰ و برکت دعا و توجہ حضرت والا دین کا اس قدر اہتمام پیدا ہو گیا تھا کہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب ایک بار لکھنؤ جانے کا اتفاق ہوا اور چوک سے گزرا تو نگاہیں بالکل نیچی کیے ہوئے اور اپنے بازو کو چٹکی سے دبا دبا کر خوب زور زور سے نوچتا ہوا گزرتا کہ بازاری عورتوں پر نظر نہ پڑے اور ان کے گانے کی آواز کی طرف جو چاروں طرف سے آ رہی تھی التفات نہ ہو اسی طرح ایک بار بمقام الہ آباد دیکہ پر جا رہا تھا کہ محرم کا ہنگامہ راستہ میں پڑا میں نے بڑے اہتمام سے ڈھول تاشوں کی آواز سے اپنی توجہ کو ہٹا کر یکہ کے پہیہ کی گھڑ گھڑ کی بے لطف آواز کو بہت غور سے کان لگا کر سننا شروع کر دیا اور نفس کو خطاب کر کے کہا کہ ان ڈھول تاشوں کی دل خوش کن آواز سے تو یہ پہیہ کی گھڑ گھڑ ہی اچھی کیونکہ اس کا سننا معصیت ہے اور اس کا سننا معصیت نہیں۔ میں اپنی ڈپٹی کلکٹر کے دوروں میں سب اہلکاروں کو اس کی سخت تاکید کر دیا کرتا تھا کہ بازار کے نرخ سے سستی کوئی چیز ہرگز نہ خریدی جائے جیسا کہ عام دستور ہے اور جب لکڑی کی احتیاط مشکل نظر آئی کیونکہ عموماً دیہات میں لکڑی بقیمت نہیں ملتی تو حضرت والا سے دریافت کیا کہ کیا کیا جائے حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ حسن اتفاق سے اس وقت میرے پاس ایک واقف کار بیٹھے ہیں وہ کہتے ہیں کہ دیہات میں بھی لکڑی عموماً بڑھئی کے یہاں سے بقیمت مل جاتی ہے۔ دورہ میں متعدد مسلمان ہمراہی جن میں بعض ایسے بڈھے بھی تھے جنہوں نے عمر بھر کبھی نماز نہ پڑھی تھی بلکہ نماز سیکھی بھی نہ تھی پکے نمازی ہو گئے اور کئی شخص جو داڑھی منڈاتے یا کتاتے تھے داڑھیاں رکھ کر متقطع صورت ہو گئے۔ ان کی خاطر کے لیے میں نے ان سے کہا کہ آپ نے میرے کہنے سے خلاف عادت داڑھی رکھ لی ہے

اگر آپ کہیں تو میں بھی خلاف عادت اپنا سر منڈوا دوں لیکن انہوں نے روک دیا۔ رشوت ستانی کو حتی الامکان بہت سختی کے ساتھ روکا گیا۔

ایک پیشکار سے توبہ کرانے کا واقعہ

مجھے خوب یاد ہے کہ کانپور میں میرے ایک پیشکار تھے جن کی پنشن ہونے والی تھی وہ میرے ساتھ ظہر کی نماز کے لیے کچہری کی مسجد میں جایا کرتے تھے ایک دن میں نے اسے کہا کہ خان صاحب اب تو آپ کی پنشن ہی ہونے والی ہے ظاہر ہے کہ بعد پنشن تو رشوت چھوٹے ہی گی اور اس وقت آپ توبہ بھی کریں گے لیکن اس وقت کی توبہ مجبوری کی توبہ ہوگی اور محض زبانی توبہ ہوگی عملی توبہ نہ ہوگی۔ وہ توبہ تو عصمت بی بی از بے چادری کی مصداق ہوگی۔ اب آپ کی پنشن کے دن ہی کتنے رہ گئے ہیں چند ماہ ہی باقی ہیں۔ اگر آپ ابھی سے رشوت لینا چھوڑ دیں اور بالکل توبہ کرلیں تو آپ کو عملی توبہ نصیب ہو جائے۔ اس گفتگو کا ان پر اتنا اثر ہوا کہ انہوں نے اسی وقت مسجد ہی میں توبہ کی اور اسی روز سے رشوت لینا قطعاً چھوڑ دیا اور پکے تائب ہو گئے جس سے سارے اہل مقدمہ اور اہل عملہ کو حیرت ہونے لگی۔ بلکہ بعضوں نے تو یہ سمجھ کر کہ قلیل رقم ہونے کی وجہ سے انکار کر رہے ہیں کثیر رقم پیش کی لیکن وہاں پھر بھی انکاری رہا۔ بعد کو وہ حضرت والا سے بیعت بھی ہو گئے اور تادمِ آخر دینداری کی زندگی بسر کی۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔

تواضع

حضرت والا کی برکت سے احقر کے اندر باوجود بڑے عہدہ پر ہونے کے اتنی تواضع پیدا ہوگئی تھی کہ اپنے اردلی کو اپنے ساتھ کھانا کھلانے میں بھی عار نہ آتی تھی لیکن حضرت والا نے اس کی اور میری دونوں کی مصلحت کی بناء پر اس سے مجھ کو منع فرما دیا جس سے حضرت والا کی اعلیٰ درجہ کی رعایت حفظ حدود ظاہر ہوتی ہے۔ یہ بھی مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک بار ایک بہت ہی غریب شخص مسجد کی جماعت میں میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے میرے پاس کھڑا تھا اور میں اس کے پاس کھڑے ہونے سے یہ سوچ سوچ کر بہت ہی لذت محسوس کر رہا تھا کہ

مساکین کا عند اللہ بڑا مرتبہ ہے اور ظاہری مال وعزت کوئی چیز نہیں ہے۔

حضرت والا کے متعلقین کا امتیاز

غرض حضرت والا سے بیعت ہو جانے کی ایسی برکت ہوئی کہ بحمد اللہ تعالیٰ احقر کو دین کا خاص اہتمام ہو گیا اور ہر امر میں جائز ناجائز کا بہت خیال رہنے لگا اور حضرت والا کی یہ برکت تو ایسی کھلی ہوئی ہے کہ حضرت والا کے اکثر و بیشتر منتسبین میں نہایت نمایاں طور پر مشاہد ہے بلکہ اسی صفت یعنی اہتمام تقویٰ ہی سے وہ عموماً پہچانے جاتے ہیں۔

ایک معمار کا واقعہ

چنانچہ فتحپور کا ایک بالکل ان پڑھ معمار جب حضرت والا سے بیعت ہو گیا تو اس کو یہ فکر ہوئی کہ ٹھیکہ کی صورت میں جس رفتار سے کام کیا جاتا ہے اسی رفتار سے امانی میں بھی ہونا چاہیے۔ ایک صاحب نے جو حضرت والا سے بیعت بھی نہیں ہیں مجھ سے میرے زمانہ قیام فتحپور میں جس کو پچیس سال سے بھی زائد عرصہ ہو گیا اس معمار کا مذکورہ بالا حال بیان کر کے فرمایا کہ حضرت مولانا کا یہ اثر تو ہم نے ضرور دیکھا کہ جس کو حضرت سے تعلق ہو جاتا ہے اس کو شریعت پر عمل کرنے کا بہت اہتمام ہو جاتا ہے اور جائز ناجائز کا بہت خیال رہنے لگتا ہے۔

امیر شاہ خانؒ کا مقولہ

ایک بار احقر کو مدرسہ عالیہ دیوبند میں بخدمت جناب مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق نائب مہتمم ٹھہرنے کا اتفاق ہوا تو وہاں جناب امیر شاہ خان صاحبؒ بھی مقیم تھے جو بہت معمر بزرگ اور بڑے بڑے حضرات اکابر کی زیارت کیے ہوئے اور صحبت اٹھائے ہوئے تھے۔ احقر نے خان صاحب مرحوم سے لالٹین کے متعلق دریافت کیا کہ یہ مدرسہ کی تو نہیں ہے اس پر انہوں نے دریافت فرمایا کہ کیا تم مولانا اشرف علی صاحب کے مرید ہو۔ میں نے عرض کیا جی ہاں' فرمایا کہ میں نے ایسی باتوں کا خیال مولانا ہی کے مریدوں میں زیادہ دیکھا۔ اس لیے میں پہچان گیا تھا کہ تم مولانا کے مرید ہو۔ اھ۔

ایک طالب علم کا واقعہ

حضرت والا سے ایک راوی نے جس کا نام وغیرہ تو حضرت والا کو یاد نہیں رہا لیکن اس کو حضرت والا نے اس وقت قابل اعتماد سمجھا تھا کہ ایک مقدس اور مشہور اہل علم مدرس کا بھی اسی قسم کا قول نقل کیا۔ ان اہل علم نے اپنے مدرسہ کی مسجد میں ایک اجنبی طالب علم کو دیکھا کہ مسجد کے چراغ کی روشنی میں مطالعہ کرتے ہوئے جب وہ وقت آ گیا جو وہاں کے معمول کے موافق چراغ کے گل کر دینے کا وقت تھا تو اس نے فوراً اس کو گل کر دیا اور پھر اپنا ذاتی چراغ جلا کر مطالعہ کرنے لگا حالانکہ ایسی احتیاط کون کرتا ہے بالخصوص طلبہ جو مسجد کے تیل کو گویا اپنی ملک ہی سمجھتے ہیں یہ دیکھ کر مولانا نے حضرت والا کا اسم گرامی لے کر پاس والوں سے کہا کہ یہ شخص مولانا کا ملنے والا معلوم ہوتا ہے بعد کو تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ واقعی حضرت والا سے تعلق رکھنے والا تھا۔

شیخ کی حقیقی کرامت

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ طالبین کے اندر اہتمام دین اور فکر جائز و ناجائز پیدا کر دینا ہی تو شیخ کی حقیقی کرامت اور اس کے صاحب فیض و برکت ہونے کی بین علامت ہے اور اس کا اصل فرض منصبی بھی یہی ہے۔ اس امر کے ہزاروں شاہد ہیں کہ جس نے حضرت والا سے طریقہ کے ساتھ اپنی اصلاح کے لیے رجوع کیا اس پر روز بروز حضرت والا کا رنگ جس کو صبغۃ اللہ کہنا زیبا ہے چڑھتا ہی چلا گیا اور رفتہ رفتہ اس کی بالکل کایا پلٹ ہی ہو گئی۔ احقر نے خود ایسوں کو دیکھا ہے جو پہلے بالکل خشک تھے لیکن دو چار بار ہی کی حاضری میں قلب کے اندر ایسا سوز و گداز پیدا ہو گیا کہ دم بہ دم آہیں بھرنا انکا شعار ہو گیا اور بالکل رنگ ہی بدل گیا چونکہ حضرت والا خود سراپا سوز و گداز اور نسبت چشتیہ کے حامل ہیں اس لیے طالب صادق پر فوری اثر ہوتا ہے اور بلا مبالغہ یہ شعر صادق آنے لگتا ہے۔

ہر کو مرید سید گیسو دراز شد   واللہ خلاف نیست کہ او عشقباز شد

(جو بھی سید گیسو دراز کا مرید ہو گیا اللہ کی قسم وہ عشق میں مبتلا ہو گیا)

حضرت سے تعلق کا خاص وصف

چنانچہ خود حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ سلسلہ چشتیہ تو بس بجلی کا تار ہے ذرا ہاتھ لگایا نہیں کہ لپٹا نہیں، حضرت والا کے تعلق کی برکت سے اہتمام دین اور فکر جائز و ناجائز پیدا ہو جانے کے متعلق خود حضرت والا کا ایک ارشاد یاد آیا جس نے ایک ایسے شیخ کا حال سن کر فرمایا تھا جو اپنے مریدوں سے ذکر تو دو دو گھنٹے خوب جہر اور ضرب کے ساتھ کراتے تھے لیکن خلاف شرع وضع اور دیگر افعال منکرہ سے منع نہ کرتے۔ فرمایا کہ دو گھنٹے ضربیں لگا لینا کیا مشکل ہے تھوڑی دیر محنت کر لی پھر دن بھر رات بھر آزاد۔ میرے یہاں تو وہ آوے جس کو رات دن اپنے نفس پر آرے چلانے ہوں۔ قدم قدم پر یہ فکر ہو کہ کونسا کام جائز ہے کونسا ناجائز۔

حقیقت کی تعلیم

چنانچہ حضرت والا کی تمام تر روک ٹوک اور دار و گیر کا منشاء اپنے منتسبین میں اسی فکر و اہتمام دین کا پیدا کر دینا ہے جو جڑ ہے جمیع اعمال حسنہ اور احوال محمودہ کی اور جس کو حضرت والا دھن اور دھیان سے تعبیر فرمایا کرتے ہیں اور اس کی طریق میں سخت ضرورت ظاہر فرمایا کرتے ہیں چنانچہ الحمد للہ یہ صفت حضرت والا کے اکثر منتسبین میں نمایاں طور پر موجود ہے نیز بغیر فہم سلیم حاصل کیے اور حقیقت طریق سمجھے حضرت والا کے سلسلہ میں کسی کا داخلہ ہی نہیں ہو سکتا انہیں مجموعہ حالات کو دیکھ کر احقر کا مدت سے یہ عقیدہ تھا کہ حضرت والا کا تو قریب قریب ہر منتسب بفضلہ تعالیٰ مقتدا کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور لوگ اس کے افعال سے تمسک کرتے ہیں اس کی حال ہی میں خود حضرت والا سے بھی تصدیق سن کر مجھے خاص مسرت ہوئی۔

ایک ذی علم شیخ نے ایک طالب کے دماغی تخیلات کے جو صراحۃً فساد متخیلہ سے ناشی تھے واردات حقانی قرار دے دیا اور بجائے اس کے کہ اس بیچارہ ناواقف طالب کو اس جہل سے نکالا جاتا اس کو اور یقین دلا کر جہل مرکب میں مبتلا کر دیا گیا۔ اس پر احقر نے حضرت والا سے عرض کیا کہ بفضلہ تعالیٰ حضرت والا کا تو ادنیٰ منتسب بھی ان باتوں کو اچھی طرح سمجھتا ہے وہ بھی ایسی غلطی ہرگز نہ کرتا جیسی ان شیخ نے کی۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ

واقعی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ میرے یہاں حقیقت طریق سے کوئی ناواقف نہیں اور یہ میرے کھرے پن کی بدولت ہے ورنہ میرے یہاں بھی خلط مبحث ہو جاتا۔ اب جتنے ہیں ان پر بفضلہ تعالیٰ اطمینان تو ہے اور میرے نزدیک تو قریب قریب ہر شخص قابل اجازت ہے اور میں تو سب کو اجازت دے دیتا لیکن مصالح دینیہ کا مقتضا یہ ہے کہ صاحب اجازت میں کسی نہ کسی قسم کی کچھ ظاہری وجاہت بھی ہو دینی یا دنیوی مثلاً اہل علم ہو یا کسی معزز طبقہ کا ہو تا کہ اس کی طرف رجوع کرنے میں کسی کو عار نہ آئے اور طریق کی بے وقعتی نہ ہو۔ اھ۔

سبحان اللہ حضرت والا کے یہاں کی ہر بات کیسی جچی تلی اور بالکل اصول صحیحہ کے مطابق اور ہر پہلو سے مکمل ہوتی ہے۔ ایک مجدد اور حکیم الامۃ کی یہی شان ہونی چاہیے تھی۔

ایک بار فرمایا کہ الحمد للہ میرے احباب میں ایسے ایسے موجود ہیں جو اصول اصلاح کو اچھی طرح سمجھے ہوئے ہیں اور مشہور مشہور مشائخ سے بھی اچھی تربیت باطنی کر سکتے ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ آج کل لوگ بس شہرت کی بناء پر معتقد ہوتے ہیں کمال کو کوئی نہیں دیکھتا طریق سے بہت ہی بیگانگی ہوگئی ہے ایک بار اپنے خلیفہ مجاز جناب حاجی شمشاد صاحب کے اہتمام تقویٰ کے حالات سن کر بہت مسرت کے لہجہ میں برجستہ حضرت حافظ کا یہ مصرعہ پڑھا۔ ع۔ شمشاد خانہ پرور ماناز کہ کمتر ست' جو نہایت ہی برمحل اور ایسا ہی معلوم ہوتا تھا کہ گویا اسی موقع کے لیے تصنیف کیا گیا تھا۔

حضرت سے احقر کی محبت

غرض حضرت والا سے مشرف بہ بیعت ہو جانے کی برکت سے احقر کے اندر بھی بفضلہ تعالیٰ بہت زیادہ فکر جزو نا جز پیدا ہوگئی تھی جس کے بعض واقعات اوپر ذکر کر گئے تھے اور حضرت والا کے ساتھ عشق و محبت کا تو وہ عالم تھا کہ اس کو سن کر ایک ناآشنائے محبت اور ناواقف طریق دیوانگی سے تعبیر کرے گا اور ایک بے ذوق اور روکھا پھیکا شخص مضحکہ اڑائے گا لیکن میں بقول اے

گرچہ بدنامیست نزد عاقلاں | مانمی خواہیم ننگ و نام را

(گرچہ عقلمندوں کے ہاں تو بدنامی ہے مگر ہم شہرت و ناموری کی خواہش نہیں رکھتے)

ان دونوں قسم کے لوگوں کی کچھ پرواہ نہ کر کے اپنے ان محبوب حالات کو بھی جو حضرت والا کی فرط محبت میں مجھ پر طاری ہوئے تھے اہل محبت اور اہل ذوق کی ضیافت طبع کے لیے ضرور عرض کروں گا اور اگر کوئی نا آشنائے محبت ایسی محبت کو دیوانگی سے تعبیر کرے گا تو میں اس سے یہ کہوں گا۔ ع۔ اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد۔ اگر کوئی بے ذوق ایسی محبت پر مضحکہ اڑائے گا تو میں اس کو ترکی بہ ترکی یہ جواب دوں گا۔ ع۔ چہ داند بوزنہ لذات ادراک

اس مختصر مگر ضروری تمہید کے بعد میں اپنے مذکورہ بالا محبوب حالات محبت میں سے بھی بطور نمونہ بعض حالات کو بلحاظ کیفیت قدیمہ یہ اشعار پڑھتا ہوا بیان کرتا ہوں ؎

ما گر قلاش و گر دیوانہ ایم مست آں ساقی و آں پیمانہ ایم

(ہم اگر بے سروساماں و دیوانے ہیں تو اس لئے کہ ہم اس ساقی اور اس پیمانہ کے مست ہیں)

گفتگوئے عاشقاں در کار رب جوش عشق است نے ترک ادب

(اللہ کے معاملات میں عاشقوں کی بات چیت عشق کے جوش کی وجہ سے ہے نہ کہ بے ادبی)

جوشِ محبت کا عجیب اظہار

ایک بار عشق کے جوش میں حضرت والا سے بہت جھجکتے اور شرماتے ہوئے دبی زبان سے عرض کیا کہ حضرت ایک بہت ہی بیہودہ خیال دل میں بار بار آتا ہے جس کو ظاہر کرتے ہوئے بھی نہایت شرم دامنگیر ہوتی ہے اور جرأت نہیں پڑتی۔ حضرت والا اس وقت نماز کے لیے اپنی سہ دری سے اٹھ کر مسجد کے اندر تشریف لے جا رہے تھے فرمایا کہیے کہیے احقر نے غایت شرم سے سر جھکائے ہوئے عرض کیا کہ میرے دل میں بار بار یہ خیال آتا ہے کہ کاش میں عورت ہوتا حضور کے نکاح میں۔ اس اظہار محبت پر حضرت والا غایت درجہ مسرور ہو کر بے اختیار ہنسنے لگے اور یہ فرماتے ہوئے مسجد کے اندر تشریف لے گئے ''یہ آپ کی محبت ہے ثواب ملے گا۔ ثواب ملے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت والا اب تک اس واقعہ محبت کو بھولے نہیں اپنی مجلس شریف میں احقر کے اس محبت آمیز

4 قول کو بہ لطف نقل فرما فرما کر مزاحاً فرمایا کرتے ہیں کہ غنیمت ہے اس کے عکس کی خواہش نہیں کی۔

ہر وقت حضرت کا تذکرہ

احقر کو اس زمانہ میں حضرت والا کی محبت کا اس قدر جوش تھا کہ بس یہ جی چاہتا تھا کہ بغل میں حضرت والا کی کتابیں ہوں اور ہر کس و ناکس اہل و نااہل بلکہ در و دیوار شجر و حجر کفار و بہائم سب سے دیوانہ وار حضرت والا کا تذکرہ کرتا پھروں اور سب کو حضرت والا کی کتابیں سناتا پھروں چنانچہ مجھے خوب یاد ہے کہ ایک بار عید الضحیٰ کے موقع پر قربانی کا بکرا مکان کے خالی حصہ میں بندھا ہوا تھا اس کے پاس جو تنہائی میں پہنچا تو بے اختیار جی چاہنے لگا کہ اس کے سامنے بیٹھ کر حضرت والا کا تذکرہ کروں۔

بندروں سے خطاب

ایک بار میں ذکر اللہ میں مشغول تھا کہ دفعۃً قلب کو بے اختیار حضرت والا کی جانب ایک پرزور کشش ہوئی جو مثل برق اکثر محسوس ہوتی رہتی تھی اور ایک دم حضرت والا کا تصور نہایت شد و مد کے ساتھ بندھ کر قلب میں حضرت والا کی محبت نہایت جوش و خروش کے ساتھ موجزن ہونے لگی۔ میں جس کمرہ میں اس وقت ذکر کر رہا تھا وہ بالا خانہ پر تھا۔ اور اس کے کیواڑ بند تھے۔ سامنے چھت تھی، چھت پر آہٹ سن کر میں نے کیواڑ کھولے تو دیکھا کہ بندر اودھم مچا رہے ہیں۔ وہ کیواڑ کھلتے ہی بھاگے چونکہ میں اس وقت حضرت والا کے جوش محبت میں مغلوب الحال ہو رہا تھا میں نے بے اختیار بندروں کی طرف خطاب کر کے کہا کہ ارے کہاں جاتے ہوئے حضرت کا ذکر تو سنتے جاؤ۔

حضرت کے رشتہ داروں سے عقیدت

حضرت والا کے دنیادار رشتہ داروں سے بھی نہایت عقیدت کا برتاؤ کرتا تھا چنانچہ حضرت والا کے چھوٹے بھائی جناب منشی اکبر علی صاحب مرحوم و مغفور کے میں نے ہاتھ چومے حالانکہ اس وقت ان کی وضع قطع بھی خلاف ثقاہت تھی اور میرے اس فعل سے انہیں شرمندگی بھی ہوئی لیکن جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے پہلے حضرت والا سے اپنے اس

اقتضاء طبعی کو ظاہر کر کے اجازت چاہی لیکن چونکہ حضرت والا کو دوسرے کے جذبات کی بہت ہی رعایت مدنظر رہتی ہے اس لیے فرمایا کہ انہیں خجلت ہوگی لہٰذا مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے انہی سے اجازت لے لی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور چونکہ مرحوم و مغفور بہت ہی بے تکلف طبیعت کے تھے اس لیے انہوں نے میرا اشتیاق دیکھ کر دست بوسی کی اجازت دے دی اور فرمایا کہ اس میں میرا کیا بگڑتا ہے۔

ان کے چھوٹے صاحبزادہ میاں محمد علی سلمہٗ جو اس وقت بالکل بچے تھے میرے ساتھ انگور کھانے میں شریک تھے۔ حضرت والا کے بھتیجے ہونے کی وجہ سے بنیت عقیدت میں ان کے چوسے ہوئے انگوروں کے فضلہ کو چوسنے لگا جس پر وہ اپنی توتلی زبان میں بجائے ارے ارے کے اَتے اَتے کہنے لگے۔

حضرت کی خدمت میں عریضے

اس زمانہ میں احقر حضرت والا کی خدمت میں جو عریضے لکھتا تھا وہ بھی عجیب عاشقانہ اور والہانہ شان کے ہوتے تھے اور حضرت والا کے جوابات بھی بڑے رنگین اور محبوبانہ انداز کے ہوتے تھے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ ایک عریضہ کے اندر بجائے القاب و آداب کے میں نے فرط محبت میں حضرت والا کو صرف اس شعر سے خطاب کیا تھا۔

جانِ من جانانِ من سلطانِ من   اے تو ئی اسلام من ایمانِ من

(اے میری جان اے میرے محبوب، اے میرے بادشاہ، اے کہ تو ہی میرا اسلام اور میرا ایمان ہے)

(یہ شعر مثنوی زیر و بم کا ہے جو حضرت والا کی طالب علمی کے زمانہ کی تصنیف ہے)

اس زمانہ میں احقر کے عریضے بہت ہی طول طویل ہوتے تھے جس کی میں نے حضرت والا سے ایک عریضہ میں معذرت طلب کی تو اس کے جواب میں سبحان اللہ کس درجہ شفقت اور کیسے پیارے اور رنگین عنوان سے تحریر فرمایا کہ کہیں طول زلف محبوب بھی کسی کو ناگوار ہوتا ہوا دیکھا گیا ہے۔ احقر کے بعض خطوط میں تو سوائے اشعار عارفین و عشاق کے اور کچھ نہ ہوتا لیکن ان اشعار ہی سے حضرت والا میری حالت کو سمجھ جاتے اور جواب میں اس حالت

کے مناسب خود بھی کوئی شعر ہی تحریر فرمادیتے جس سے میری پوری تسلی ہو جاتی۔

غزلنامہ کا جواب

احقر کے ایک عریضہ میں زیادہ تر غزلیات ہی تھیں جو احقر نے بحالت شدت ذوق و شوق تصنیف کی تھیں جن سے پابندی معمولات میں باوجود عزم بالجزم کے سخت خلل واقع ہوگیا تھا جس کی شکایت بھی عریضہ میں عرض کی گئی تھی اس کا جواب حسن العزیز جلد اول ملفوظ نمبر ۲۳۸ سے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

غزلنامہ جو کہ کشف استعداد فطری کے اعتبار سے ازلنامہ ہے پہنچ کر وجد و طرب میں لایا۔ خدا تعالیٰ آپ کے سب مقاصد پورے فرمادے۔ خیر اضاعت وقت میں بھی اطاعت بخت کا مسئلہ حل ہوا کہ انسان تقدیر حق کے سامنے عاجز ہے کہ ارادہ تو کیا تھا ضبط اوقات کا اور ہوگیا خبط اوقات انشاء اللہ تعالیٰ اس مسئلہ کا منکشف ہونا بھی ترقی کا زینہ ہوگا۔ علی سجاد صاحب کا بھی ماشاء اللہ سجادہ رنگین ہونے لگا۔ آشفتہ وآشفتہ کن اشرف علی

خداداد فراست

الہ آباد کی زیارت اور حصول شرف بیعت کے کچھ عرصہ کے بعد احقر کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت والا کا اٹاوہ میں وعظ ہے۔ وہاں کوئی جلسہ تھا میں شوق زیارت میں اٹاوہ پہنچا وہاں میرے بھانجے ڈپٹی کلکٹر تھے جو بہت سمجھدار مشہور ہیں۔ حضرت والا سے ان کی کچھ گفتگو بھی نہیں ہوئی بجز معمولی تعارف وغیرہ کے لیکن حضرت والا نے ان کے سمجھدار ہونے کا فوراً ادراک فرمالیا اور احقر سے ان کے متعلق اپنی رائے ظاہر فرمائی کہ سمجھدار معلوم ہوتے ہیں۔ احقر کو تعجب ہوا کہ حضرت والا نے صرف تھوڑی ہی دیر کی سرسری ملاقات میں ان کی وہی مخصوص صفت معلوم فرمالی جس کا علم دوسروں کو بہت عرصہ کے تجربوں کے بعد ہوا تھا اور یہ ملکہ ادراک ملکات وخصائل طبعیہ کا تو حضرت والا میں اس درجہ ہے کہ شاید و باید جس کا اظہار تربیت سالکین کے دوران میں ہزارہا مواقع پر آئے دن ہوتا رہتا ہے اور یہی فراست خداداد دلیل ہے حضرت والا کے کامل العقل ہونے کی جو موروث ہے حضرت والا کے جد اعلیٰ حضرت عمر فاروق اعظم

رضی اللہ عنہ سے اور جو ظاہری سبب ہے حضرت والا کے اعلیٰ درجہ کے حکیم الامت ' قطب الارشاد اور امام الطریق ہونے کا اور اصل سبب تو اللہ تعالیٰ کی عطا اور ان کا فضل ہے۔ مجوائے۔

داد اور اقابلیت شرط نیست بلکہ شرط قابلیت دادِ اوست

(اس کی عطا کے لئے قابلیت شرط نہیں ہے، بلکہ قابلیت کے لئے اس کی عطا شرط ہے)

یؤتی الحکمۃ من یشآء ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً وما یذکر الا اولوا الالباب.

حضرت والا کی پُرکشش شخصیت

یہ بارہا کا اور نہ صرف میرا بلکہ ہزارہا کا مشاہدہ ہے کہ حضرت والا کو دیکھتے ہی خالی الذہن کے قلب کے اندر حسن عقیدت پیدا ہو جاتی ہے اور بے اختیار کشش ہونے لگتی ہے جو علامت ہے محبوبیت عند اللہ کی چنانچہ ایک موقع پر خود حضرت والا نے فرمایا کہ جس کسی سے میں ملتفت ہو کر دو باتیں کر لیتا ہوں وہ ایسا مسخر ہو جاتا ہے گویا اس کا دل مٹھی میں آ گیا۔

میرے بھانجے بھی جن کا ذکر اوپر کیا گیا حضرت والا کی زیارت اور گفتگو سے نیز حضرت والا کو بہ خشوع وخضوع نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر بہت متاثر ہوئے تھے اور مجھے خوب یاد ہے کہ انہوں نے اس اثر کی یہ توجیہ بھی کی تھی کہ چونکہ مجھ کو مولانا کے زبردست عالم ہونے کا پہلے سے علم ہے۔ اس لیے ممکن ہے کہ مجھ پر اسی وجہ سے اثر ہوتا ہو۔ اھ۔

نمازی بننے کی ترکیب

وہیں اٹاوہ میں ایک میرے اور عزیز بھی موجود تھے وہ بھی بالکل آزاد اور انگریزی رنگ میں سر سے پاؤں تک رنگے ہوئے تھے ان پر بھی اتنا اثر ہوا کہ انہوں نے میرے ذریعہ سے اپنے نمازی ہو جانے کے لیے کوئی تعویذ حضرت والا سے طلب کیا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ مجھے تعویذ تو کوئی ایسا آتا نہیں کہ میں اس کے اندر ایک سپاہی مع ڈنڈے کے لپیٹ کر رکھ دوں اور جب نماز کا وقت آیا کرے وہ فوراً ڈنڈا لیکر تعویذ کے اندر سے نکل کر زبردستی نماز پڑھوا دیا کرے۔ ہاں ترکیب ایسی بتا سکتا ہوں جس سے دو تین ہی دن میں

پورے نمازی ہو جائیں لیکن وہ ترکیب محض پوچھنے ہی پوچھنے کی نہیں بلکہ عمل کرنے کی ہے۔ وہ یہ کہ اگر ایک وقت کی نماز قضا ہو تو ایک وقت کا فاقہ کریں اور دو وقت کی قضا ہو تو دو وقت کا اور اگر تین وقت کی قضا ہو جائے تو تین وقت کا۔ بس دو تین ہی فاقوں میں نفس ٹھیک ہو جائے گا اور نماز کی پوری پوری پابندی نصیب ہو جائے گی۔ لیکن یہ صرف پوچھنے کی ترکیب نہیں بلکہ اس پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر کسی نے ہمت کر کے اس ترکیب پر عمل کر لیا اور برابر جمارہا تو ممکن نہیں کہ دو تین روز ہی میں پکا نمازی نہ ہو جائے۔ اھ۔

پہلی بار کی الہ آباد والی زیارت کے اثر کو اس دوسری بار کی اٹاوہ والی زیارت نے پھر تازہ کر دیا اور شوق استفاضہ کو بہت زیادہ بڑھا دیا۔ حضرت والا کی بھی شفقت اتنی بڑھی کہ جب اٹاوہ سے وطن تشریف لے جانے لگے تو باوجود اپنی فطری اور مشہور زمانہ شان استغناء کے احقر کا شوق استفاضہ دیکھ کر بغایت عنایت و بے تکلفی احقر سے فرمایا کہ کیا آپ تھانہ بھون نہ چلیں گے لیکن چونکہ احقر صرف اٹاوہ تک کے سفر کے لیے تیار ہو کر حاضر ہوا تھا اس لیے ہم رکاب نہ ہو سکا۔

شانِ محبوبیت

پھر غالباً قریب ہی زمانہ میں مدرسہ عالیہ دیوبند کا بڑا جلسہ دستار بندی ہوا جس میں حضرت والا بھی تشریف لائے اور احقر بھی حاضر ہوا۔ ہزار ہا آدمیوں کا مجمع تھا اور سب سے زیادہ ہجوم حضرت والا ہی کے ساتھ ساتھ رہتا تھا اور حضرت والا کی یہ صفت محبوبیت اور یہ شان مرجعیت خلق اس قدر نمایاں ہے کہ محتاج بیان نہیں۔ گو حضرت والا لوگوں کے بے ڈھنگے پن پر بہت اظہار خفگی فرماتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک بار راستہ کے ہجوم اور بے موقع مصافحوں کی بھرمار سے تنگ آ کر یہ بھی فرمایا کہ اگر تم لوگ سیدھی طرح نہ مانو گے تو بس میں اب مارنا شروع کر دوں گا لیکن جو محبوبیت منجاب اللہ ہوتی ہے وہ کہیں ان ظاہری اسباب نفرت و وحشت سے زائل ہوتی ہے۔ لوگ تھے کہ پھر بھی پروانہ وار حضرت والا پر ٹوٹ ہی پڑتے تھے اور جدھر حضرت والا تشریف لے جاتے ایک جم غفیر ساتھ ساتھ ہوتا۔ چونکہ حضرت والا شدید بیماری سے اٹھے تھے اس لیے اور بھی بوجہ غایت ضعف ہجوم اور بے ڈھنگے پن کا تحمل نہ تھا۔ بیماری کی وجہ سے تو شرکت جلسہ کی بھی توقع نہ رہی تھی لیکن حضرت والا

نے بیماری ہی میں یہ خواب دیکھا کہ جلسہ میں اس حدیث پر وعظ کہہ رہا ہوں حب الدنیا راس کل خطیئۃ اس سے حضرت والا کو امید ہوگئی کہ انشاء اللہ تعالیٰ میں اچھا ہو جاؤں گا اور شریک جلسہ ہوسکوں گا۔ چنانچہ بفضلہ تعالیٰ ایسا ہی ہوا کہ عین وقت پر حضرت والا کو خلاف توقع صحت ہوگئی اور گو نقاہت بہت زیادہ تھی لیکن وعظ فرمایا اور حدیث مذکور ہی پر وعظ فرمایا جس کا مفصل حال باب مواعظ حسنہ میں گزر چکا ہے۔

شانِ جلال

احقر نے حضرت والا کی شان جلال کا اول بار اسی جلسہ میں مشاہدہ کیا تھا ورنہ اس سے پہلے تو مجھ کو حضرت والا کی صرف صفت جمال ہی کے مشاہدہ کا اتفاق ہوا تھا اور میں نے معمولی حالات میں ہمیشہ حضرت والا کو سراپا رافت و رحمت اور مجسم خلق و مروت ہی دیکھا تھا اور معمولی حالات میں تو بحمد للہ تعالیٰ حضرت والا اب بھی سراپا جمال ہی جمال ہیں لیکن جس کو اللہ تعالیٰ نے مصلح بنا کر دنیا میں بھیجا ہو اس میں اگر صفت جمال کے ساتھ بقدر ضرورت شان جلال بھی نہ ہو تو وہ اپنا فرض منصبی کما حقہ ادا نہیں کرسکتا۔ چنانچہ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ "**الامر المحکم المربوط فیما یلزم اھل طریق اللّٰہ من الشروط**" میں فرماتے ہیں۔

فلا بد ان یکون عند الشیخ دین الانبیاء و تدبیر الاطباء و سیاسۃ الملوک و حینئذ یقال لہ الا ستاذ۔ یعنی ضروری ہے کہ شیخ کو انبیاء علیہم السلام کا دین اور اطباء کی تدبیر اور بادشاہوں کی سیاست حاصل ہو سو وقت اس کو استاد کہا جاسکتا ہے۔ اھ۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضرت والا کو بھی بفضلہ ان تینوں اوصاف کا نمایاں طور پر جامع بنایا ہے۔ **فالحمدللّٰہ علی ذلک حمداً کثیراً و ذلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء**۔ غرض مصلح کے اندر سیاست یا بہ الفاظ دیگر شان جلال ہونا بھی ضروری ہے۔ لیکن اس کا ظہور جبھی ہوتا ہے جب اس کی ضرورت ہوتی ہے اور وہیں ہوتا ہے جہاں اس کی حاجت ہوتی ہے اور بمصداق آنچہ بر ماست از ماست اس کا سبب خود طالب اصلاح کی اصلاح طلب حاجت ہوتی ہے نہ کہ مصلح کی شدت حسب ارشاد حضرت حافظ شیرازیؒ بتغیر یسیر۔

برمن جفاز نفس بد آمد وگرنہ یار حاشا کہ رسم جور وطریق ستم نداشت

(مجھ پر تو اپنے برے نفس کی وجہ سے مصیبت آئی ہے ورنہ میرے محبوب میں تو ظلم و ستم کی عادت ہرگز نہیں ہے)

اور چونکہ مصلح کی یہ شان جلال طالبین کے لیے موجب اصلاح حال ہوتی ہے اس لیے محمودیت اور کمال ہونے میں کسی طرح صفت جمال سے کم نہیں بلکہ بعض حالات میں باعتبار مآل اس سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ اس کے ذریعہ سے طالب کا نفس پامال اور فنا کی دولت لازوال سے مالا مال ہوجاتا ہے۔ اسی کو حضرت حافظ شیرازیؒ اس طرح فرماتے ہیں ۔

جمالت معجز حسن است لیکن حدیث غمزہ ات سحر مبین است

(تیری خوبصورتی حسن کو شکست دینے والی ہے مگر تیری نگاہ جھکانے کی ادا کا تذکرہ تو کھلا جادو ہے)

برآں چشم سیہ صد آفریں باد کہ در عاشق کشی سحر آفرین است

(اس سیاہ آنکھ پر سو مرتبہ آفرین ہے کہ وہ عاشقوں کو قتل کرنے میں جادو ہے)

اور حضرت مولانا جامیؒ یوں فرماتے ہیں ۔

جفائے تو کہ بسا خوشتر از وفائے من است ہمہ عنایت ولطف تو از برائے من است

(تیری جفا بہت دفعہ میری وفا سے زیدہ اچھی لگتی ہے اور یہ سب مجھ پر تیرے لطف وکرم کی وجہ سے ہے)

چنانچہ حضرت والا کے اس سحر جلال کی افسوں کاریاں بیشمار ہیں اور حضرت والا کی اس شان جلال نے ایسے ایسے کارنمایاں کیے ہیں کہ سبحان اللہ۔ ہزاروں سرکشوں کے سر سے تکبر کا خناس نکال کر دماغ صحیح کر دیا اور فنا وعبدیت سے جو کہ حاصل تصوف ہے مشرف فرمادیا۔ ایک ایک ڈانٹ میں بڑے بڑے سخت امراض روحانی کا عمر بھر کے لیے استیصال کر دیا۔ جھڑک کر بڑے بڑے غافلوں کو بیدار اور ہمیشہ کے لیے مکائد نفس سے ہوشیار کر دیا اور بڑے بڑے بے فکروں میں فکر دین پیدا کر دی جس کی صدہا نظائر ہیں اور رات دن مشاہدہ میں آتی رہتی ہیں کہاں تک بیان کی جائیں۔ بخوف تطویل اس جگہ صرف دو چار واقعات لکھے جاتے ہیں ممکن ہے کہ بعض بعد کو بھی کسی موقع پر معرض تحریر میں آجائیں۔

کفریہ وساوس کا علاج

ایک شخص کو کفریہ وساوس نے عرصہ دراز سے سخت پریشان کر رکھا تھا۔ وہ حضرت والا سے بار بار یہی شکایت کیا کرتا۔ ایک بار حضرت والا سے تنہائی میں اپنا حال عرض کرتے کرتے کہنے لگا کہ اجی اب تو یہاں تک جی میں آتا ہے کہ عیسائی ہو جاؤں۔ یہ سنتے ہی حضرت والا نے فوراً زور سے ایک تھپڑ رسید کیا اور دھکے دے کر پاس سے اٹھا دیا اور فرمایا کہ جا کم بخت جا اگر عیسائی ہونا چاہتا ہے تو تجھے روکتا کون ہے جا اور ابھی جا کر عیسائی ہو جا۔ منہ کالا کر۔ اسلام کو ایسے منحوس اور ناقدرے کی ہرگز ضرورت نہیں بلکہ اچھا ہے اسلام ایسے نااہلوں سے پاک ہو جائے۔ اگر عیسائی ہو جائے گا کسی کا کیا جائے گا آپ دوزخ میں جلے گا۔ اھ۔

بس جناب اس تھپڑ کا لگنا تھا کہ سارے وساوس کفریہ اسی وقت کافور ہو گئے۔ اور ایسے دفع ہوئے کہ اس واقعہ کو پندرہ برس سے کم نہ ہوئے ہوں گے لیکن پھر کبھی آج تک خواب میں بھی نہیں آئے اس تھپڑ نے گویا مسہل کا کام کیا۔ سارا مادہ فاسد ایک دم نکل گیا۔

ایک آدمی کے عشق کا علاج

تھانہ بھون کے قریب ہی کے قصبہ کا ایک پابند صوم وصلوٰۃ شخص کسی برہمنی بیوہ پر مفتون ہو گیا جس کے پاس وہ دودھ کی خرید وفروخت کے بہانہ سے قصداً جایا کرتا اور بدنظری کیا کرتا۔ اس نے اپنے ایک دوست سے یہ راز ظاہر کیا اور کہا کہ میں اس بلا میں گرفتار ہو گیا ہوں کیسے چھٹکارا ہو۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ تم تھانہ بھون جا کر حضرت والا کی خدمت میں عرض حال کرو۔ چنانچہ وہ حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک پرچہ پر اپنا حال لکھ کر خود ہی پیش کیا جس میں یہ بھی لکھا تھا کہ مجھے اس سے اسقدر محبت ہو گئی ہے کہ اگر وہ مجھے اپنا پیشاب بھی پلائے تو بلا کراہت پی لوں۔ حضرت والا نے اول حسب معمول نرمی کے ساتھ فرمایا کہ اس سے بعد اختیار کیا جائے اور اس کے پاس آنا جانا قطعاً چھوڑ دیا جائے۔ اس پر اس نے کہا کہ میں تو اس کے یہاں قصداً جایا کرتا ہوں اس پر حضرت والا کو غصہ آ گیا اور بے تحاشا ایک تھپڑ رسید کیا اور بہت زور سے ڈانٹ کر فرمایا کہ نالائق جب تو قصداً بدپرہیزی کرتا ہے تو مجھ سے علاج ہی

پوچھنے کیوں آیا ہے۔ چولہے میں جا اپنے ہاتھوں کلب ڑی مرنے کا میں کیا علاج بتاؤں۔

وہ تھپڑ اس کے حق میں اکسیر ثابت ہوا۔ اس کو بے حد ندامت ہوئی اور نفس پر ایسا تازیانہ لگا کہ اس کی ساری شرارت جاتی رہی اور سیدھا ہو گیا اس عورت سے قلب میں نفرت پیدا ہو گئی اور آنا جانا بالکل بند ہو گیا۔ بس ایک ہی تھپڑ میں ہوش درست ہو گئے اور خناس دماغ سے نکل گیا۔ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ بعد کو مجھے ندامت بھی ہوئی کہ خواہ مخواہ ایک اجنبی شخص کے تھپڑ مار دیا لیکن کیا کروں اس وقت غایت غیرت دینیہ سے اضطراری طور پر ہاتھ اٹھ ہی گیا۔ اور اسی میں اس کا بھلا ہو گیا۔ اھ۔

بازاری عورت کی محبت میں گرفتار لڑکے کا علاج

اس واقعہ کے ساتھ ہی حضرت والا ایک ایسا ہی دوسرا واقعہ بھی نقل فرمایا کرتے ہیں جس میں بجائے سختی کرنے کے غیر معمولی طور پر نرمی کا معاملہ فرمایا گیا تھا اور وہاں نرمی ہی نافع ہوئی تھی۔ فرمایا کہ ایک نوجوان لڑکے کو اس کے باپ اور چچا وغیرہ چند اشخاص میرے پاس لے کر آئے اور اس کی شکایت کی کہ اس نے ایک بازاری عورت سے تعلق پیدا کر لیا ہے اور ساری جائیداد کو تباہ کئے ڈالتا ہے۔ اس کو سمجھا دیجئے۔ میں نے بجائے اس کے کہ اس کے باپ اور چچا وغیرہ کے سامنے اس کو کچھ نصیحت کروں یہ کیا کہ اس کا ہاتھ پکڑ کر مسجد کے اندر لے گیا اور تنہائی میں بیٹھ کر اور اس کا ہمدرد اور ہمراز بن کر اس سے کہا کہ میاں یہ لوگ کیا جانیں کہ کسی کے دل کو کیا لگی ہوئی ہے بس اب تم مجھے صاف صاف بتا دو کہ تم کو ایسی کیا مجبوری ہے کہ نہ تو تم کو اپنی عزت آبرو کا خیال ہے نہ اپنی جائیداد کی تباہی کی پروا ہے۔ اھ۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ اس کے باپ اور چچا وغیرہ بھی مسجد میں آ کر سننے لگے کہ دیکھیں کیا باتیں ہو رہی ہیں۔ میں نے انہیں ڈانٹا کہ یہ کیا واہیات حرکت ہے۔ تم اپنا کام کرو۔ اب میں جانوں اور یہ جانیں تمہیں بیچ میں دخل دینے سے کیا مطلب۔ چنانچہ وہ لوگ اٹھ کر چلے گئے۔ اس سے اس لڑکے کے دل میں میری اور بھی جگہ ہوئی اور میری طرف سے اس کو پورا اطمینان ہو گیا کہ یہ تو میرا واقعی خیر خواہ اور ہمدرد ہے جب اس کے باپ اور چچا وغیرہ میرے ڈانٹنے پر مسجد سے اٹھ کر چلے گئے تو میں نے اس لڑکے سے پھر وہی سوال

کیں کہ آخر تمہیں اس سے ایسی شدید محبت کیوں ہے مجھے اب تم صاف صاف بتادو اس نے کہا کہ اجی سچی بات یہ ہے کہ پہلے تو مجھے اس سے واقعی محبت تھی لیکن اب تو بس محض نباہنا ہی نباہنا رہ گیا ہے کیونکہ ایک بار پیران کلیر شریف میں اس نے حضرت مخدوم صاحبؒ کے مزار پر مجھ سے یہ عہد لے لیا تھا کہ میں ہمیشہ اس کے ساتھ تعلقات قائم رکھوں گا اور اس کو کبھی نہ چھوڑوں گا۔ ہم دونوں کو دیکھ کر وہاں کا ایک مجاور بھی آ گیا اور اس نے خاص طریقہ سے ہم دونوں سے عہد لیا کہ کبھی ایک دوسرے سے منہ نہ موڑیں گے۔ اب مجھے یہ ڈر ہے کہ اگر میں نے اس سے قطع تعلق کیا تو میرے اوپر ضرور کوئی وبال آئے گا کیونکہ میں ایک بزرگ کے مزار پر عہد کر چکا ہوں کہ ہمیشہ اس کے ساتھ تعلقات قائم رکھوں گا۔ اھ۔

حضرت والا نے اس واقعہ کو نقل فرما کر حاضرین سے فرمایا کہ لوگ بھی عجیب ہیں شرم نہیں آتی بزرگوں کے مزارات پر اس قسم کی خرافات حرکتیں کرتے ہیں اور بزرگوں کو ایسے ایسے حرام عہد و پیمان کا گواہ بناتے ہیں اور مجاورین کی ان سے بدتر حالت ہے کہ معاصی کی تلقین کرتے ہیں۔ استغفر اللہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ اور عجب نہیں کچھ اس تلقین کا معاوضہ بھی لے لیا ہو بلکہ ضرور لیا ہوگا کیونکہ ان کا تو پیشہ یہی ہے۔

پھر فرمایا کہ میں نے اس لڑکے کی یہ تقریر سن کر اس سے کہا کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ تم مجھے اپنا خیر خواہ بھی سمجھتے ہو یا نہیں اس نے کہا بے شک پھر میں نے کہا کہ اچھا اب یہ بتاؤ کہ تم مجھے سچا بھی سمجھتے ہو یا نہیں اس نے اس کا بھی اقرار کیا اور کہا کہ آپ ہی سچے نہ ہوں گے تو اور کون سچا ہوگا۔ پھر میں نے کہا کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم اس عہد کو نہ توڑو گے تب تو وبال آئے گا اور اگر توڑو گے تو اس کی وجہ سے ہرگز کسی قسم کا وبال نہ آئے گا۔ ایسے عہد کا توڑنا ہی واجب ہے۔ البتہ چونکہ عہد کر لینے سے قسم ہوگئی ہے اس لیے قسم کے توڑنے کا کفارہ دینا پڑے گا۔ سو وہ کوئی ایسی بات نہیں آسانی کے ساتھ دیا جا سکتا ہے۔ اس پر اس نے کہا کہ اجی مجھے تو بس یہی ڈر تھا کہ کہیں کوئی میرے اوپر وبال نہ آ جائے اور اسی ڈر سے میں اسے نباہ بھی رہا تھا' ورنہ اب محبت تو مجھ کو اس سے کچھ رہی نہیں۔ جب آپ اطمینان دلاتے ہیں کہ اس کو چھوڑ دینے سے مجھ پر کوئی وبال نہ آئے گا تو میں بس اب اس کو چھوڑ ہی دوں گا۔ لیکن آپ مجھ کو صرف ایک بار اور اس کے پاس

جانے کی اجازت دے دیجیے تاکہ میں اس کو اطلاع تو کر آؤں کہ بس اب مجھ کو تجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ اجازت اس لیے چاہتا ہوں کہ اس کو میرا انتظار تو نہ رہے کیونکہ اس کو انتظار میں رکھنا ایک قسم کی بے مروتی ہے نہ معلوم بیچاری کب تک میرے انتظار ہی انتظار میں رہے۔ اھ۔

حضرت والا نے خیر اتنی بات کی اس کو بمصلحت اجازت دے دی لیکن یہ کہہ دیا کہ دیکھو صرف اطلاع ہی کر کے چلے آنا خبردار جو کچھ اور گڑبڑ کی اس کا اس نے وعدہ کر لیا اور اطمینان دلا دیا۔ جب باپ اور چچا کے سامنے گفتگو ہوئی اور ان کو علم ہوا کہ اس نے ایک مرتبہ اور جانے کی اجازت لے لی ہے تو وہ کہنے لگے کہ اجی یہ اس کی بدمعاشی ہے یہ وہاں کا آنا جانا نہ چھوڑیگا۔ حضرت والا نے انہیں ڈانٹ دیا کہ چپ رہو تم کیا جانو ہمیں ان پر اطمینان ہے۔ پھر حضرت والا نے اس سے فرمایا کہ میاں جو زیور وغیرہ تم نے اس کو دیا ہے وہ بھی تو لیتے آنا لیکن اس نے کہا کہ اجی اب تو جو دے دیا سو دے دیا اب دی ہوئی چیز کا کیا لینا۔ مجھے تو یہ بے مروتی معلوم ہوتی ہے۔ اھ۔

اس پر حضرت والا نے اصرار نہیں فرمایا۔ پھر وہ لوگ رخصت ہو گئے پھر کچھ دن بعد اس کا باپ حضرت والا کی خدمت میں پانچ روپے لے کر آیا اور کہا کہ مدرسہ میں ان روپوں کی مٹھائی بانٹ دیجیے۔ الحمدللہ آپ کی برکت سے میرے لڑکے نے اس بازاری عورت سے بالکل قطع تعلق کر دیا اور جیسا کہ اس نے آپ سے وعدہ کیا تھا بس ایک بار تو اس کے پاس قطع تعلق کی اطلاع کرنے گیا پھر نہیں گیا۔ حضرت والا نے اس واقعہ کو نقل فرما کر فرمایا کہ اس موقع پر غیبی طور پر یہی جی میں آیا کہ اس کے ساتھ نرمی ہی مناسب ہے چنانچہ بفضلہ تعالیٰ نرمی ہی نافع ثابت ہوئی۔

ایک آدمی کے تکبّر کا علاج

ایک بار حضرت والا بہ سبیل سفر کیرانہ میں تشریف رکھتے تھے ایک صاحب بیعت ہونے کے لیے حاضر ہوئے اور کچھ مٹھائی بھی ہمراہ لائے لیکن بجائے خود دلانے کے ایک اور شخص کے ہاتھ پر رکھوا کر لائے حضرت والا نے فوراً ان کے اس فعل سے نیز ان کے مجموعہ طرز و انداز سے محسوس فرمالیا کہ ان میں کبر کا مادہ ہے اور ایک طرح کی شان رکھتے ہیں۔ حضرت والا نے ان کی اس شان اور کبر کا علاج کرنا چاہا چنانچہ بجائے وہیں بیعت کر لینے

کے ان سے فرمایا کہ مجھے یہاں فرصت نہیں ملی۔ مجھے فلاں صاحب کے یہاں جانا ہے وہاں شاید بیعت کرسکوں۔ وہاں چلئے چنانچہ بیچاروں کو ہاتھ میں مٹھائی کا طباق لیے ہوئے حضرت والا کے ساتھ جانا پڑا کیونکہ مٹھائی تو بیعت ہی کے واسطے لائے تھے اسے کیسے چھوڑ دیتے۔ حضرت والا نے وہاں پہنچ کر بھی یہی فرمایا کہ کیا کہوں یہاں بھی مجھے فرصت نہ ملی۔ وہاں چلئے پھر تیسری جگہ بھی یہی کیا۔ غرض اسی طرح حضرت والا ان کو تقریباً دو گھنٹہ تک مع مٹھائی کے طباق کے گھر گھر لیے پھرے اور قصداً بازار میں سے ہو ہو کر گزرتے تھے تاکہ ان کے نفس کی خوب ذلت ہو اور شان کا خیال دل سے نکل جائے۔ جب حضرت والا نے ان کو خوب پریشان کرلیا اور معلوم کرلیا کہ اپنے مرض پر متنبہ ہوگئے ہیں تب مرید کرلیا۔

حضرت والا نے اس واقعہ کو نقل فرما کر فرمایا کہ تکبر کا اتنا بڑا مرض جو برسوں کے مجاہدوں اور ریاضتوں سے بھی نہ جاتا اس تدبیر سے بفضلہ تعالیٰ دو ہی گھنٹے میں جاتا رہا۔ پھر فرمایا کہ الحمدللہ میرے یہاں تو ایسے ہی چٹکلوں میں علاج ہوتے ہیں اور اللہ میاں وقت پر ایسی ہی سہل سہل تدبیریں سوجھا دیتے ہیں۔ بزرگان سلف نے بھی ایسی ہی تدبیریں کی ہیں۔ اھ۔

اپنے بھانجے کی تربیت و اصلاح

حضرت والا اپنے حقیقی بھانجے یعنی جناب مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی سلمہم اللہ تعالیٰ کے حقیقی بڑے بھائی جناب مولانا سعید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرمایا کرتے ہیں کہ مجھ کو ان کے ساتھ سب سے زیادہ محبت تھی جس کو عشق کہہ سکتے ہیں لیکن میں نے انہی کے ساتھ سب سے زیادہ سختی کا برتاؤ کیا۔ پھر اس برتاؤ کی یہ برکت ہوئی کہ یا تو ان کی یہ حالت تھی کہ نہایت شاندار لباس پہنتے تھے اور دماغ اتنا بڑھا ہوا تھا کہ یوں کہا کرتے تھے کہ اگر نوکری ہو تو کم از کم ایک ہزار روپیہ ماہوار کی تو ہو یا پھر ایسے مٹے ایسے مٹے کہ فانی محض ہوگئے اور اپنے آپ کو چماروں اور بھنگیوں سے بھی زیادہ ذلیل و خوار سمجھنے لگے اور نہایت سادہ وضع میں رہنے لگے یہاں تک کہ انتقال کے بعد جو ان کے کپڑے بغرض تقسیم ترکہ نکالے گئے تو ان کی سادگی دیکھ کر سب کو حیرت اور حسرت ہوتی تھی بلکہ حضرت والا نے فرمایا کہ خود مجھ کو بھی ان کپڑوں کی حالت دیکھ دیکھ کر دل ہی دل میں رونا آتا تھا۔

احقر مؤلف نے بھی خود سفر و حضر میں حضرت والا کو مولانا مرحوم و مغفور کے ساتھ نہایت سختی کا برتاؤ اور برسر مجمع سخت زجر و توبیخ کرتے دیکھا ہے۔ ایک بار بمقام الہ آباد پالکی گاڑی میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے احقر ہانکنے والے کے برابر بیٹھنے لگا تو حضرت والا نے مولانا کو اندر سے بھیج کر وہاں بٹھایا اور احقر کو اندر بلا لیا اور فرمایا کہ اس میں دونوں کی مصلحت ہے۔ ان کی تو یہ مصلحت ہے کہ ان میں تواضع پیدا ہو اور آپ کی یہ مصلحت ہے کہ آپ میں ضرورت سے زیادہ تواضع پیدا ہو کر ترقی معکوس نہ ہونے لگے یعنی آپ کو یہ عجب نہ ہونے لگے کہ میں بھی کس قدر متواضع ہوں۔ اھ۔

اسی طرح احقر نے سنا ہے کہ ایک بار جلسہ سہارنپور میں مولانا کا نہایت اعلیٰ درجہ کا وعظ ہوا جس سے سامعین بے حد متاثر ہوئے اور سب حاضر جلسہ مولانا کو بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ حضرت والا نے بعد وعظ مولانا کو کسی معمولی بات پر برسر مجمع نہایت سختی کے ساتھ زجر و توبیخ فرمائی تاکہ ان میں شائبہ ہی عُجب و پندار کا نہ پیدا ہونے پائے اور بعد کو خود حضرت والا نے بھی اپنے اس برتاؤ کی یہی مصلحت بیان فرمائی۔ جب حضرت والا امر تربیت میں خاص اپنے جگر گوشوں کی بھی رعایت نہیں فرماتے تو بھلا اور کسی کا تو کیا منہ ہے اپنے لیے رعایت کا مطالبہ کرے بالخصوص جبکہ حسب ارشاد حضرت والا ایسی رعایت خیانت بھی ہو۔

بعض نوابوں اور عزیزوں کو بیعت کرنے سے انکار

حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ اگر کسی سے اتنا دل کھلا ہوا نہ ہو یا کسی پر اتنا زور نہ ہو کہ بوقت ضرورت بغرض اصلاح اگر یہ نہ کہہ سکے کہ تم بڑے نالائق ہو تو کم از کم یہ تو کہہ سکے کہ تمہاری یہ حرکت بڑی نالائق ہے تو اس کو مرید ہی کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ حضرت والا نے اسی بناء پر بعض نوابوں اور فرمانرواؤں سے باوجود ان کے اصرار شدید کے خصوصی تعلقات قائم کرنے سے عذر فرما دیا نیز اپنے اعزہ کو بھی عموماً مرید نہیں فرماتے۔ سوائے ایسی خاص صورتوں کے جن میں دل بالکل کھلا ہوا ہو۔ پہلے حضرت والا اس میں توسع فرماتے تھے لیکن جب بعض صورتوں میں تنگیاں اور کلفتیں پیش آئیں یہاں تک کہ تربیت کو باقاعدہ شروع کر دینے کے بعد بھی چھوڑ دینا پڑا جو زیادہ موجب بے لطفی و بے برکتی ہوتا ہے تو اب حضرت والا

نے اپنے اعزہ کو اپنی تربیت میں لینا ہی قریب قریب بالکل موقوف فرمادیا ہے۔فرمایا کرتے ہیں کہ اکثر حالات میں اعزہ کو بیعت کرنا بے نتیجہ ہے کیونکہ ان کو تو ہوتا ہے ناز اور اس تعلق میں سرتاسر ضرورت ہے نیازکی میں غیر اعزہ کو تو نہایت آزادی کے ساتھ روک ٹوک کرتا ہوں اور خوب اچھی طرح ڈانٹ ڈپٹ لیتا ہوں یہاں تک کہ اگر کبھی کسی کے بارہ میں مصلحت اسی کو مقتضی ہوتی ہے کہ اس کو اپنے یہاں سے نکال دیا جائے تو میں اس کو بلا پس وپیش نکال باہر کرتا ہوں اور اگر اعزہ کے ساتھ اس قسم کے برتاؤ کی ضرورت پڑے تو اول تو تعلقات کی بناء پر اس کی ہمت ہی پڑنا مشکل ہے کیونکہ ادھر ان کو بھی خصوصیت کی توقع ہوتی ہے اور ادھر خود مجھ کو بھی خصوصیت برتنے کا طبعی تقاضا ہوتا ہے اور اگر طبعی اقتضاء پر دینی مصلحت کو ترجیح دی جائے اور سختی ہی کا برتاؤ کیا جائے تو پھر ناگواری کا اثر واسطہ در واسطہ دور تک پہنچتا چلا جاتا ہے ۔اس لیے بعد تجربہ بس اسلم صورت یہی سمجھ میں آئی کہ اعزہ کی تربیت باطنی سے عذر ہی کر دیا جائے چنانچہ میں اب اکثر صورتوں میں ایسا ہی کرتا ہوں۔اھ۔

اصلاح کیلئے سیاست کی ضرورت

غرض جیسا کہ اوپر بحوالہ قول حضرت شیخ اکبر قدس سرہ العزیز عرض کیا گیا شیخ کامل کے اندر ملوک کی سی سیاست ہونا ضروری ہے کیونکہ عام طبائع کے اعتبار سے عادت اکثریہ یہی ہے کہ بدوں سختی کے اصلاح نہیں ہوتی۔ اسی لیے اس کی ضرورت سب عقلاء کے نزدیک مسلم ہے اور ہر متمدن جماعت نے حسب ضرورت اپنے اپنے اصول سیاست مقرر کر رکھے ہیں بلکہ نظام عالم ہی اصول سیاست پر قائم ہے۔ جب امن ظاہری کے لیے سیاست ضروری ہے تو امن باطنی کے لیے تو بدرجہ اولیٰ ضروری ہوگی کیونکہ فساد ظاہری کی اصلاح اتنی دشوار نہیں جتنی فساد باطنی کی۔ پھر تعجب ہے کہ رزائل نفس کے ازالہ کے لیے سیاست کی ضرورت ہی نہیں سمجھی جاتی اور اگر کوئی مصلح بزرگان سلف کے طریق اصلاح کو زندہ کرے اور فطری اصول پر طالبین اصلاح کی اصلاح کرے تو اس پر ہر کس و ناکس اعتراض کرنے کے لیے تیار رہے۔حالانکہ معترضین خود بھی تو اپنے ماتحتوں کے ساتھ سیاست ہی کا برتاؤ کرتے ہیں وہاں بھی مصلحتیں تراش لی جاتی ہیں بات یہ ہے کہ ع۔ ہر کسے ناصح

برائے دیگراں۔ عرب میں بھی مثل مشہور ہے کہ ہر شخص بس دوسرے ہی کے غصہ کے وقت حلیم ہوتا ہے۔ ہم تو جب جانیں جب معترض صاحب نہ کبھی اپنے نوکروں کی کسی بے عنوانی پر خفا ہوں نہ کبھی اپنی اولاد کو کسی بے ڈھنگی بات پر تنبیہ کریں اور کوئی کتنا ہی ستائے جائے نہ اس کو روکیں نہ ٹوکیں نہ اظہار شکایت کریں بس چپکے حلیم بنے بیٹھے رہیں۔ اگر خود ایسا کرتے ہوئے تب تو خیر کچھ منہ بھی تھا اعتراض کرنے کا ورنہ شرمانا چاہیے اور اگر کوئی ایسا ہی بے حس ہو کہ اس کو غصہ کی بات پر بھی غصہ نہ آتا ہو تو اس کے متعلق حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ سنئے جو حضرت والا طبقات کبریٰ مصنفہ حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرمایا کرتے ہیں۔ من استغضب فلم یغضب فھو حمار ومن استرضیٰ فلم یرض فھو شیطان یعنی جس کو غصہ دلایا جائے (مراد یہ کہ اس کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے جو فطرت سلیمہ کے اقتضاء سے غصہ کا موجب ہو) اور پھر بھی اس کو غصہ نہ آئے تو وہ حمار ہے اور جس کو راضی کیا جائے (یعنی اپنی کوتاہی کا تدارک کر کے اس سے معافی چاہی جائے) اور وہ پھر بھی راضی نہ ہو تو (چونکہ یہ علامت ہے غایت تکبر کی اس لیے وہ شیطان ہے۔

طبعی نرمی و سختی

یہ تو سیاست کی عام ضرورت اور عام مصلحت پر گفتگو تھی۔ باقی حسب ارشاد حضرت والا بعض خاص بزرگوں کے طبائع میں فطری طور پر حلم اتنا ہوتا ہے کہ وہ مصلحت پر غالب رہتا ہے اور غصہ کی بات پر بھی ان کو باوجود ناگواری کے ہیجان نہیں ہوتا یہ فطری اختلاف طبائع سنت الٰہیہ قدیمہ ہے جس میں ہزاروں مصالح تکوینیہ وتشریعیہ مضمر ہیں۔ اور جو نہ صرف عام طبائع سے بلکہ اخص الخواص طبائع سے بھی متعلق ہے چنانچہ حدیث ذیل اس پر صراحۃً دال ہے جو التشرف جلد چہارم (حرف الفاء) سے مع حضرت والا کی توضیحات و توجیہات کے لفظ بہ لفظ نقل کی جاتی ہے۔

فی السماء ملکان احد هما یا مر بالشدة والآخر باللین و کلاهما مصیب احدهما جبرئیل والاخر میکائیل و نبیان احد هما یا مر باللین والاخر بالشدة و کل مصیب ابراهیم و نوح ولی صاحبان احدهما

یامر باللین والآخر بالشدة ابوبکر و عمر (طب) و ابن عساکر عن ام سلمة (ض) لکن قال العزیزی باسناد صحیح اھ واللہ اعلم۔

ترجمہ: آسمان میں دو فرشتے ہیں ان میں سے ایک سختی کی فرمائش کرتے ہیں اور دوسرے نرمی کی (یہ فرمائش دونوں جگہ حقیقت ہے کہ منجانب اللہ جس خدمت پر مامور کیے جاتے ہیں اس میں اپنے اعوان کو شدت یا نرمی کا امر فرماتے ہیں کیونکہ وہ خود وحی سے ایسے ہی خدمات پر مامور کیے جاتے جس میں شدت یا نرمی بمقتضائے حکمت ہوتی ہے اور یا یہ کنایہ ہے ان کی طبائع کی فطری شدت ولین سے جس میں انتقال ہوتا ہے معنی حقیقی ملزوم سے لازم کی طرف گو معنی حقیقی یعنی امر کا تحقق نہ ہو جیسے طویل النجاد سے انتقال ہوتا ہے طول قامت کی طرف گو نجاد کا تحقق بھی نہ ہو) اور دونوں صواب پر ہیں (کیونکہ وہ مواقع اسی کے مناسب ہوتے ہیں) ان میں ایک جبرئیل علیہ السلام ہیں (جو اکثر نزول عذاب وغیرہ کے انتظام کے لیے مامور ہوتے ہیں) اور دوسرے میکائیل علیہ السلام ہیں (جو اکثر بارش وغیرہ کے لیے مامور ہوتے ہیں) اور (جیسے ان دو شانوں کے دو فرشتے ہیں اسی طرح ان ہی دو شان کے) دو نبی ہیں ایک نرمی کا امر فرماتے ہیں۔ دوسرے شدت کا (اس میں بھی وہی دونوں احتمال ہیں) اور دونوں صواب پر ہیں (اس لیے کہ اگر وحی سے ایسا کرتے ہیں تو وحی کا صواب قطعی ہونا ظاہر ہے اور اگر اجتہاد سے ایسا کرتے ہیں تو جب تک اجتہاد سے وحی مانع نہ ہو تو وہ اجتہاد بھی واجب العمل ہے) اور وہ (دو نبی) ابراہیم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام ہیں (کہ اول آمر باللین ہیں اور دوسرے آمر بالشدت) اور (ان ہی دو شان کے) میرے دو صحابی ہیں ایک نرمی کا امر کرتے ہیں اور دوسرے شدت کا (اور) وہ (دونوں) ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں۔ (جن کی نرمی و شدت معلوم و مشہور ہے (ف) حنفی نے فرمایا ہے کہ مقصود اس حدیث سے اس طرح اشارہ فرمانا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ دونوں انبیاء علیہم السلام و ملائکہ علیہم السلام کے اوصاف میں سے ایک ایک وصف کے ساتھ موصوف ہیں اور دونوں مصیب ہیں کیونکہ شدت اس موقع پر ہے جہاں لین مناسب نہیں اور لین ایسے موقع پر ہے کہ وہاں شدت مناسب نہیں۔ انتہی قول الحنفی)

میں کہتا ہوں کہ ابھی مدلول حدیث کا صاف نہیں ہوا کیونکہ اصابت کی جو علت انہوں نے بیان کی ہے اس پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ اس تقدیر پر پھر اختلاف شان کی کیا وجہ کیونکہ شدت کے موقع پر سب ہی کو شدت کی ضرورت ہے اور نرمی کے موقع پر سب ہی کو نرمی کی ضرورت ہے اس لیے میرے نزدیک تقریر مقام کی یہ ہے کہ اس میں تو سب متفق ہیں کہ نرمی کے موقع پر نرمی کی جائے اور شدت کے موقع پر شدت۔ مگر اختلاف اس میں ہے کہ ایک ہی موقع میں اختلاف طبائع سے اس میں اختلاف رائے ہو جاتا ہے کہ یہ موقع نرمی کا ہے یا شدت کا جیسے اسارائے بدر کا واقعہ ایک ہی واقعہ ہے مگر حضرت صدیقؓ و حضرت عمرؓ کی رائے فدیہ وقتل میں مختلف ہوگئی اور ایسا اختلاف محل اجتہاد میں ہوسکتا ہے تو شیخین کا اختلاف یقیناً اسی قسم کا ہوسکتا ہے باقی نبیین یا ملکین کا اختلاف اگر وہ بھی اجتہاد فرماتے ہوں تب تو یہ تقریر وہاں بھی جاری ہوسکتی ہے اور اگر وہ اجتہاد نہ فرماتے ہوں بلکہ ان کا ہر اختلاف وحی سے مسبب ہو تو تشبہ کا مقصود مطلق اختلاف ہوگا خاص اختلاف نہ ہوگا اور تقریر یہ ہوگی کہ شیخین کے ان اوصاف پر اعتراض وشبہ نہ کیا جائے کیونکہ سنت الٰہیہ جاری ہے کہ مقبولین کا رنگ مختلف بنایا ہے سو اصحاب وحی کے رنگ کا اختلاف تو وحی کے اختلاف سے ظاہر ہوتا ہے اور غیر اصحاب وحی کے رنگ کا اختلاف اجتہاد کے اختلاف سے ظاہر ہوتا ہے اب وہ سوال باقی نہیں رہا اور یہاں سے اختلاف مذاق اولیاء کے متعلق بڑا مسئلہ طے ہوا کہ اسی طرح اولیاء کے مزاج مختلف ہوتے ہیں اور اس اختلاف پر بعض نادان اعتراض کیا کرتے ہیں مثلاً یہ کہ کیسے بزرگ ہیں کہ فلاں امر ثقیل پر سختی نہیں کی یا کیسے بزرگ ہیں کہ فلاں امر خفیف پر سختی کرنے لگے اس حدیث سے ان معترضین کی غلطی واضح ہوگئی جس کا حاصل یہ ہے کہ نیت سب کی اصلاح ہی ہے۔ آگے مزاج کے اختلاف سے رائے کا اختلاف ہو جاتا ہے ایک کے نزدیک نرمی طریقہ ہے اصلاح کا دوسرے کے نزدیک سختی طریقہ ہے اصلاح کا۔

حضرت مولانا مونگیریؒ کا مقولہ

مجھ کو اس مقام پر مولانا محمد علی مونگیری خلیفہ مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی رحمۃ

اللہ علیہما کا مقولہ یاد آ گیا فرماتے تھے کہ بعضے لوگ مولانا پر تیز مزاجی کا اعتراض کرتے تھے۔ یوں نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ نے ابتدا ہی سے اپنے بندوں کو مختلف المزاج پیدا کیا ہے پھر اس کے بعد بعض کو مقبول بنا دیا تو مقبولیت کے بعد مزاج فطری تو نہیں بدلتا اس لیے بعض مقبولین نرم ہوتے ہیں بعض تیز ہوتے ہیں۔ انتہیٰ ما فی التشرف۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شدت علی الاطلاق مذموم نہیں بلکہ جو شدت بلا ضرورت و بلا مصلحت ہو وہ مذموم ہے۔ کیونکہ وہ تو بقول حضرت والا شدت نہیں قساوت ہے اور جو شدت بضرورت سیاست اور بمصلحت اصلاح ہو جسکا ذکر حدیث مذکور میں ہے اور وہ سراسر محمود ہے کیونکہ وہ تو بقول حضرت والا شدت نہیں حدت ہے تشدد نہیں تسدد ہے درشتی نہیں درستی ہے۔ اھ۔

نسب فاروقی کی وراثت

سبحان اللہ کیسے کیسے لطیف شاعرانہ عنوانات سے حقیقت کا اظہار فرمایا ہے۔ جس سے حضرت والا کی شان ادبیت اور شان تحقیق دونوں علی وجہ الکمال ظاہر و باہر ہیں‘ چونکہ حضرت والا بامر اللہ تعالیٰ فاروقی النسب ہیں اس لیے شدت محمودہ یعنی صفت سیاست میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ماشاء اللہ تعالیٰ خلف الصدق ہیں اور ایک یہی صفت کیا حضرت والا میں تو دیگر اوصاف فاروقی بھی بفضلہ تعالیٰ بہت نمایاں طور پر موروثاً موجود و مشہود ہیں مثلاً فراست‘ تیقظ۔ تدبر یعنی انجام اندیشی‘ دقت نظر‘ اصابت رائے‘ استقلال‘ عدل‘ حق گوئی‘ حق پسندی‘ نگرانی نفس‘ خشیت‘ عبدیت‘ استقامت‘ جفاکشی‘ رعایت‘ شفقت‘ مروت‘ محبت‘ سخاوت‘ شجاعت‘ ترحم وغیرہ وغیرہ جن کا کچھ کچھ ذکر بطور نمونہ انشاء اللہ باب فواضل میں آئے گا۔

شدتِ محمودہ

غرض حضرت والا میں جو شدت ہے وہ محمود ہے مذموم ہرگز نہیں جیسا کہ بعض نادان سمجھتے ہیں کیونکہ مذموم تو جب ہو جب حضرت والا خدانخواستہ امر تربیت میں طالبین پر کوئی ایسا بار ڈالتے ہوں جس میں ان کی کوئی مصلحت نہ ہو یا کوئی ایسے اصول مقرر فرما رکھے ہوں جو اپنی ذات میں سخت ہوں حضرت والا کے تو جتنے اصول ہیں وہ سب نہایت معقول اور فطرت سلیمہ

کے مقتضا کے بالکل موافق ہیں جن پر عمل کرنا نہایت ہی سہل ہے۔ البتہ ان اصول کے حضرت والا خود بھی نہایت سختی کے ساتھ پابند ہیں اور دوسروں سے بھی ان کی پابندی بہت سختی سے کراتے ہیں کیونکہ وہ سب اصول اصول صحیحہ ہیں اور عرصہ دراز کے تجربوں کے بعد قائم کیے گئے ہیں اور ان میں جانبین کی بیشمار مصالح دینیہ ودنیویہ مضمر ہیں۔ غرض اصول صحیحہ کی پابندی کو سختی کہنا سراسر زیادتی ہے کیونکہ حسب ارشاد حضرت والا جو قانون اپنی ذات میں تو سہل ہو مگر اس کی پابندی سختی سے کرائی جاتی ہو اس کو سخت نہیں کہا جا سکتا پھر تمثیلاً فرمایا کہ دیکھئے نماز کے سارے ارکان بہت ہی سہل سہل ہیں اور بحالت عذر تو اس میں اور بھی سہولتیں اور گنجائشیں رکھ دی گئی ہیں لیکن اس کی پابندی البتہ بہت سختی کے ساتھ کرائی جاتی ہے تو اس صورت میں حکم شریعت کو سخت نہیں کہا جائے گا بلکہ حکم عدولی کرنے والے ہی کو ملامت کی جائے گی کہ ارے نالائق ادائے نماز میں اتنی تو سہولتیں رکھ دی گئی ہیں اور پھر بھی تو کوتاہی کرتا ہے۔ اسی لیے ترک نماز پر آخرت کی بھی سخت سخت وعیدیں ہیں اور دنیا میں بھی سخت سخت سزائیں مقرر کی گئی ہیں۔ یہاں تک کہ بعض ائمہ کے نزدیک تو تارک صلوٰۃ واجب القتل ہے۔ اھ۔

سختی اور پابندی کا فرق

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ اگر اصول تو ہوں نرم لیکن ان کی پابندی کرائی جائے سختی کے ساتھ تو یہ سختی نہیں بلکہ مضبوطی ہے جیسے ریشم کا رسا نرم تو ایسا کہ چاہے اس میں گرہ لگا لو لیکن ساتھ ہی مضبوط بھی اتنا کہ اگر اس سے ہاتھی کو بھی باندھ دیا جائے تو وہ بھی اس کو نہیں توڑ سکتا لہذا ریشم کے رسے کو سخت نہ کہا جائے گا بلکہ مضبوط کہا جائے گا۔ البتہ لوہے کی زنجیر کو سخت کہا جائے گا کیونکہ لوہا اپنی ذات ہی میں سخت ہے۔ اگر زنجیر کسی کے پیروں میں ڈال دی جائے تو وہ تو پیروں ہی کو زخمی کر دے بخلاف ریشم کے رسے کے کہ پابند رکھنے کی صفت میں تو وہ لوہے کی زنجیر سے بھی بڑھ کر ہے لیکن اس سے پاؤں زخمی نہیں ہوتے بلکہ بہت آرام میں رہتے ہیں اور اگر کوئی اپنے آپ کو بلا ردوکد اس کا پابند رکھے اور خواہ مخواہ اس کی پابندی سے اپنے آپ کو نکالنے کی فضول جدوجہد نہ کرے تو کشاکشی کی دھن تک بھی نہ ہو۔

اصول صحیحہ کی پابندی

اسی طرح اگر کوئی میرے یہاں آ کر اصول صحیحہ کا پابند رہے تو اس کو کبھی کسی ناگواری کا موقع عمر بھر بھی میری طرف سے پیش نہ آئے۔ لوگ خود اصول صحیحہ کو توڑ توڑ کر اور بے اصول باتیں کر کر کے اپنے ہاتھوں مصیبت میں پڑتے ہیں جس کے وہ خود ذمہ دار ہیں نہ کہ میں یا میرے یہاں کے اصول کوئی یہاں رہ کر واقعات کو بنظر غور وانصاف دیکھے تو اس کو حقیقت منکشف ہو جائے۔ معترضین کا زیادہ حصہ اہل سماع ہیں اہل مشاہدہ نہیں مشاہدہ میں تو ہر واقعہ کی ترتیب سامنے ہوتی ہے اس سے حقیقت واضح ہو جاتی ہے اور میں فقط دوسروں ہی کو اصول صحیحہ کا پابند نہیں بناتا بلکہ اپنے آپ کو بھی تو پابند کرتا ہوں اور بہ تکلف یا بہ تصنع نہیں بلکہ الحمد للہ شکر ہے کہ اصول صحیحہ کی پابندی میرا مقتضائے طبعی ہو گیا ہے۔ گو اس میں کسی قدر مشقت بھی ہو اور گو اس کا تعلق میرے محکومین اور تابعین ہی سے ہو کیونکہ اصول صحیحہ بہر حال قابل احترام ہیں۔ یہاں تک کہ اکثر اہل معاملہ کو میری رعایت اصول کا علم بھی نہیں ہوتا لیکن میرے قلب کو تو تسلی رہتی ہے کہ میں نے اصول صحیحہ کی رعایت کی کسی کو جتلانا تھوڑا ہی مقصود ہے۔

حکیم محمد ہاشم صاحب سے معاملہ

حکیم محمد ہاشم صاحب مرحوم کو مجھ سے بہت ہی تعلق تھا یہاں تک کہ آخر میں مجھ سے بیعت بھی ہو گئے تھے لیکن جب کبھی مجھ کو اپنا کوئی حال کہنا ہوتا تو گو بعض اوقات بوجہ ضعف تکلف بھی ہوتا لیکن خود ان کے گھر جا کر اپنا حال کہتا۔ وہ بہت شرمندہ ہوتے لیکن میں کہہ دیتا کہ اس میں شرمندگی کی کوئی بات نہیں جو محتاج ہو اسی کو محتاج الیہ کے پاس آنا چاہیے نہ کہ برعکس۔ البتہ جب گھر میں کی نبض دکھانی ہوتی تو پھر بے تکلف ان کو بلا لیتا کیونکہ وہ موقع مجبوری کا تھا۔ وہاں اصول صحیحہ کا یہی مقتضا تھا۔

بھتیجے کے ساتھ معاملہ

مولوی شبیر علی سے بڑھ کر میرا کس پر زور ہوگا؟ میری اولاد ہیں بھتیجے ہیں اور بچپن سے میرے ہی پاس رہے ہیں لیکن میں ان کی بھی اتنی رعایت کرتا ہوں کہ جب کبھی مجھ کو ان سے

کچھ کہنا ہوتا ہے تو ان کو اپنے پاس نہیں بلاتا کہ نہ معلوم کس ضروری کام میں مشغول ہوں بلکہ میں خود ہی اٹھ کر ان کے پاس جاتا ہوں۔ یہاں تک کہ اگر وہ خود کسی کام سے میرے پاس آئے ہوئے ہوتے ہیں اور مجھے بھی ان سے کچھ کہنا ہوتا ہے تو میں اس وقت ان سے کچھ نہیں کہتا بلکہ جب وہ اپنی جگہ واپس پہنچ جاتے ہیں تب ان کے پاس جا کر جو بات کہنی ہوتی ہے کہتا ہوں تاکہ جب وہ میرے پاس کسی ضرورت سے آیا کریں تو آزادی سے آیا کریں۔ اس کا خطرہ بھی نہ ہو کہ اگر میں وہاں جاؤں گا تو میرے ذمہ کوئی نہ کوئی کام لگا دیا جائے گا۔

گھر والوں کے ساتھ معاملہ

اسی طرح سہواً چاہے کبھی خلاف ہو گیا ہو تو ہو گیا لیکن مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی گھر میں کھانا کھا کر یہ کہا ہو کہ برتن اٹھا لو بلکہ یہ کہتا ہوں کہ برتن اٹھوا لو۔ گو وہ محکوم ہیں لیکن ان کی حاکمیت کا جو ان کو گھر میں اپنے محکومین پر حاصل ہے لحاظ رکھتا ہوں۔ کیونکہ محکومین کا بھی احترام کرنا چاہیے۔ پھر چاہے وہ خود اٹھا لیں یا کسی اور سے اٹھوا لیں۔ میں نوکرانی سے کبھی خود کسی کام کے لیے نہیں کہتا بلکہ میں تو گھر میں کہتا ہوں اور وہ نوکرانی سے کہتی ہیں کیونکہ نوکرانی براہ راست انہی کی محکوم ہے۔ اس میں بھی ان کی حاکمیت کو محفوظ رکھتا ہوں۔ نیز اجنبی عورت سے بلاضرورت خطاب بھی ایک درجہ میں خلاف حیا ہے۔

ملازموں سے برتاؤ

نوکروں کو دو کام ایک ساتھ نہیں بتاتا۔ پہلے ایک بتاتا ہوں جب اس سے فراغت ہو جاتی ہے پھر دوسرا تاکہ ایک دم بار نہ پڑے اور یاد رکھنے کی زحمت نہ ہو یاد رکھنے کی زحمت کو خود برداشت کرتا ہوں۔ ان پر بوجھ نہیں ڈالتا۔ اگر کوئی کام الجھن کا ہوتا ہے تو اس میں خود بھی شریک ہو جاتا ہوں تاکہ انہیں کچھ سہولت ہو جائے۔ اور اگر کوئی کام ابتداء ہی سے الجھن کا ہوتا ہے تو اول اپنے ہاتھ سے اس کا اشکال رفع کر کے اور اس کو خود ترتیب دے کر مرتب صورت میں نوکروں کے سپرد کرتا ہوں تاکہ اس کا کرنا ان کو سہل ہو جائے۔ اسی طرح جس کسی سے کوئی کام لیتا ہوں مثلاً کوئی مضمون نقل کراتا ہوں تو اس مضمون کو اس طرح واضح صورت میں حوالے کرتا ہوں

کہ ناقل کو کسی طرح کی الجھن نہ ہو۔ پارسلوں کے ذریعے جو میں نے ہدایا بھیجنے کی ممانعت کر رکھی ہے اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ نوکروں کو پارسل لانے کی زحمت نہ ہو۔

ملازموں کو بھی تنخواہ توقیر کے ساتھ دیتا ہوں۔ ان کے سامنے رکھ دیتا ہوں۔ پھینک کر نہیں دیتا جیسے متکبرین کا شعار ہے۔ جب گھر کے لوگ نہیں ہوتے اور صبح کو ملازم کے ساتھ گھر سے باہر جانا ضروری ہوتا ہے تو ملازم کے بیدار ہونے کے بعد قصداً کسی کام میں مشغول ہو جاتا ہوں تا کہ وہ باطمینان اپنی ضروریات سے فارغ ہو لے اور میرا تہیہ اور انتظار دیکھ کر اس کو عجلت نہ ہو۔

ساتھیوں، مہمانوں اور دوستوں سے معاملہ

ساتھ چلنے والے کے لیے اچھا راستہ چھوڑ دیتا ہوں۔ پہلے میں ہمیشہ سڑک کے کنارہ چلا کرتا تھا تا کہ دوسرے چلنے والوں کو تکلیف نہ ہو لیکن جب سے حال ہی میں ایک بار پاؤں نالی میں چلا گیا تب سے احتیاطاً بیچ سڑک پر چلنے لگا ہوں۔ اگر اہل خصوصیت کو بھی اپنے کسی کام کے لیے کچھ لکھتا ہوں تو جوابی خط بھیجتا ہوں۔ کوئی کیسا ہی محبوب مہمان ہو اور اس کے ٹھہرانے کا کتنا ہی جی چاہتا ہو کبھی اس کی مرضی کے خلاف اصرار نہیں کرتا اور جب جانے کو کہتا ہے تو نہایت فراخ دلی سے کہہ دیتا ہوں کہ جیسی مرضی ہو اور جس میں راحت ہو۔

اپنے خُسر سے برتاؤ

میرے چھوٹے گھر میں کے والد پیر جی ظفر احمد صاحب میرے ساتھ اپنے پیر کا سا برتاؤ کرتے ہیں لیکن میرے قلب میں ان کی ویسی ہی عظمت ہے جیسی خسر کی ہونی چاہیے اور جیسی اپنے بڑے خسر صاحب کی تھی لیکن پیر جی صاحب کو اس کا علم بھی نہیں' نہ مجھ کو یہ اہتمام ہے کہ ان کو اس کا علم ہو۔ مجھے تو اپنی تسلی کرنی ہے کہ میں انکا حق عظمت ادا کر رہا ہوں۔ ان پر کوئی احسان تھوڑا ہی رکھنا ہے۔

گھر والوں کی راحت کا خیال

گھر کی جو چیز اٹھاتا ہوں بعد فراغت اس کو وہیں جا کر رکھتا ہوں جہاں وہ رکھی تھی تا کہ جس نے رکھی ہے وہ پریشان نہ ہو اور اس کو ڈھونڈھنا نہ پڑے۔ گھر میں رات کو سوتے

وقت احتیاطاً لوٹا میں پانی بھر کر رکھ لیتی ہیں۔ اگر کبھی مجھے پانی کے استعمال کرنے کی ضرورت پڑ جاتی ہے تو میں پھر لوٹا کو بھر کر اسی جگہ رکھ دیتا ہوں تا کہ اگر ان کو ضرورت ہو تو لوٹا بھرا ہوا ہی ملے دوبارہ ان کو نہ بھرنا پڑے۔

ایک غیر مقلد کا تاثر

غرض بہت سی جزئیات ہیں کہاں تک بیان کی جائیں۔ ایک غیر مقلد یہاں آئے تھے انہوں نے یہاں سے جا کر ایک صاحب سے کہا کہ ہم لوگوں میں تو اتباع سنت کا فقط دعویٰ ہی دعویٰ ہے اتباع سنت تو ہم نے وہاں دیکھا۔ ایک کتاب کی ضرورت ہوئی تو خود اٹھ کر کتب خانہ سے لائے کسی سے کہا نہیں کہ لے آؤ۔ اپنا کام خود کیا دوسرے کو تکلیف نہ دی۔ سبحان اللہ کیا اتباع سنت ہے اور کتنی تواضع ہے کہ بلا تکلف خود اٹھ کر لے آئے۔ انہیں اس معمولی سی بات پر بھی بڑا تعجب ہوا۔ غرض میں اصول صحیحہ کا صرف دوسروں ہی کو نہیں اپنے آپ کو بھی تو پابند کرتا ہوں۔ اس وجہ سے مجھ کو لوگوں کی بے ضابطگی پر اور بھی زیادہ ناگواری ہوتی ہے کہ میں تو ان کی اتنی رعایتیں کروں اور وہ میرے ساتھ ایسی بے فکری کا معاملہ کریں۔ اھ۔

رشتہ داروں کو اصول پر کاربند رکھنا

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ حسن اتفاق سے حسن العزیز جلد اول میں جس میں احقر ہی کے ضبط کردہ ملفوظات ہیں اس وقت ملفوظ نمبر ۱۴۴ نظر پڑا جو مناسب مقام ہذا ہے اس کو بھی یہاں نقل کیا جاتا ہے اس سے ناظرین با تمکین کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ حضرت والا صرف غیروں ہی سے نہیں بلکہ اپنے عزیزوں سے بھی نہایت سختی کے ساتھ اصول صحیحہ کی پابندی کراتے ہیں۔ (نقل ملفوظ نمبر ۱۴۴۔ از حسن العزیز جلد اول' ایک بار احقر کے یہاں حضرت کی دعوت تھی' حضرت کے ایک عزیز نے نوکر سے پانی اس طرح مانگا کہ پانی لاؤ۔ حضرت نے فوراً تنبیہ فرمائی کہ میزبان کے نوکروں سے ایسے حاکمانہ لہجہ میں پانی نہیں مانگنا چاہیے بلکہ اخلاق کے ساتھ کہنا چاہیے کہ ذرا پانی دیجئے گا۔ تھوڑا پانی عنایت کیجئے گا۔ ایک بار حضرت کے مردانہ کمرہ میں چند مہمان حضرت کے ساتھ کھانا کھانے کو پہنچے۔ وہاں

حضرت کے ایک عزیز اپنے بچہ کو لیے چارپائی پر لیٹے تھے۔ حضرت نے ترش رو ہو کر فرمایا کہ یہ کیا بدتہذیبی کی بات ہے کہ چند بھلے آدمی تو نیچے بیٹھے ہوں اور تم چارپائی پر لیٹے رہو۔ (پھر فرمایا) کہ میں اپنے عزیزوں کو اپنے ساتھ خود بہت بے تکلف رکھتا ہوں کیونکہ ان کو میرے ساتھ بے تکلفی کے برتاؤ کرنے کا حق ہے لیکن مجھے یہ ہرگز گوارا نہیں ہوتا کہ میرے مہمانوں کے ساتھ بے تہذیبی کا برتاؤ کیا جائے۔ اھ۔

اصولِ صحیحہ کے تابعداروں کے لئے راحت

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ حضرت والا کی رعایتوں کے صدہا واقعات ہیں لیکن بخوف تطویل یہاں انہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ غرض یہ ایک حقیقت واقعیہ ہے کہ اگر حضرت والا کے یہاں کوئی اصول صحیحہ کی پابندی کے ساتھ رہے تو وہ دیکھ لے جیسے کہ بہت سے حضرات نے دیکھ لیا ہے اور دیکھ رہے ہیں کہ ایسی راحت اور آزادی کی زندگی کہیں میسر نہیں۔ اور حضرت والا کی خانقاہ کو بالکل ان اشعار کا مصداق پائے۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد　　　کسے را با کسے کارے نباشد

(وہ جگہ بہشت ہے کہ جہاں کوئی تکلیف نہ ہو اور کسی کو کسی سے کوئی غرض نہ ہو)

اگر فردوس بر روئے زمین است　　　ہمیں ست وہمیں ست وہمیں است

(اگر جنت الفردوس زمین پر ہے تو وہ یہی ہے، یہی ہے اور یہی ہے)

ایذاء رسانی پر اظہار ناگواری

اور تجربہ طویلہ کی بناء پر ببانگ دہل کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی صاحب فہم سلیم حالات و واقعات کا بنظر غور و انصاف تتبع کرے گا تو وہ انشاء اللہ تعالیٰ برسوں کے طویل مشاہدہ کے بعد بھی ایک واقعہ ایسا نہ پیش کر سکے گا جس میں حضرت والا نے ابتداء کوئی ناگوار برتاؤ فرمایا ہو۔ اذیت کی ابتداء ہمیشہ دوسرے ہی کی جانب سے ہوتی ہے۔ جس پر اَلْبَادِیُ اَظْلَمُ صادق آتا ہے۔ اور چونکہ حضرت والا کی طبع مبارک فطری طور پر غایت درجہ لطیف اور بااصول ہے اس لیے بے ڈھنگی باتوں سے بے حد تاثر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اکثر فوراً تبخیر ہو کر درد سر عارض

ہو جاتا ہے۔ حضرت والا بس اس وقت اپنی اس اذیت کا اظہار فرما دیتے ہیں اور بوجہ فطری تیز مزاجی کے بلند آواز سے اظہار فرماتے ہیں جس کی مع شیئ زائد مظلوم کو اجازت بھی ہے بقولہ تعالیٰ لا یحب اللہ الجہر بالسوء من القول الا من ظلم اور یہ کوئی سختی نہیں۔ خود فرمایا کرتے ہیں کہ دوسرا تو چپکے سے سوئی چبھو دیتا ہے تو کوئی دیکھتا نہیں اور میں جو زور سے آہ کرتا ہوں تو اس کو سب سنتے ہیں لہٰذا ظالم تو مظلوم سمجھا جاتا ہے اور مظلوم ظالم۔ میں تو بدنام ہو جاتا ہوں اور ستانے والے صاحب سرخرو بنے بیٹھے رہتے ہیں۔ اھ۔

دوسروں کی رعایت

حضرت والا اس کے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ میرے اندر حدت تو ہے مگر الحمد للہ شدت نہیں ہے بلکہ دوسروں کے جذبات کی تو میں اتنی رعایت رکھتا ہوں کہ دوسروں کی نظر بھی ان دقائق رعایت تک نہ پہنچتی ہوگی۔ بفضلہ تعالیٰ دور دور تک احتمالات اذیت پر بھی فوراً میری نظر پہنچ جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے احتراز کی توفیق بھی عطا فرما دیتے ہیں اور اسی لیے مجھے اور بھی غصہ آتا ہے کہ میں تو ان کی اتنی رعایت کروں اور یہ میرے ساتھ ایسی بے فکری برتیں۔ اھ۔

حضرت والا میں سختی نہیں ہے

ناظرین بنظر غور و انصاف ملاحظہ فرمائیں کہ جو دوسروں کو ادنیٰ اذیت سے بھی بچانے کا اس قدر اہتمام بلیغ رکھتا ہو اس میں شدت بمعنی سختی بھی کہیں ہو سکتی ہے۔ اور جہاں حضرت والا کے اندر صفت سیاست موجود ہے وہیں حضرت والا کا انتہاء درجہ کا ترحم اور غایت درجہ کی شفقت و رقت قلب اور حد درجہ کا سوز و گداز طبیعت بھی تو معلوم و مشہور ہے جسکے چند واقعات حصہ اول میں استطراداً ذکر بھی کیے جا چکے ہیں۔ اور بعض باب فواصل میں بھی انشاء اللہ تعالیٰ ملاحظہ سے گزریں گے۔ تو ایسے قلب میں جس کے اندر اس قدر رقت اور لین ہو اس میں خدانخواستہ شدت بمعنی قساوت کیونکر ہو سکتی ہے کیونکہ یہ اجتماع اجتماع ضدین ہوگا جو محال ہے۔

سختی نہ ہونے کی دلیل

اس پر ایک عاقل کا قول یاد آتا ہے۔ ایک صاحب نے جو دہلی میں رہتے ہیں جب

حضرت والا کی سیاست مربیانہ کے حالات بعنوان شکایت سنے تو انہوں نے ایک صاحب سے ایک بڑا گہرا پر مغز اور عاقلانہ سوال کیا کہ مولانا کا بچوں کے ساتھ کیسا برتاؤ ہے۔ انہوں نے کہا کہ بچوں کے ساتھ تو بہت ہی بے تکلف ہیں اور نہایت شفقت سے پیش آتے ہیں اور وہ بھی مولانا سے بہت ہی مانوس ہیں۔ اس پر ان صاحب نے کہا کہ بس تو پھر وہ سخت نہیں ہیں کیونکہ جو سخت ہوتا ہے وہ بچوں کو بھی منہ نہیں لگاتا۔ اھ۔ اس پر احقر کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ یاد آیا جو ایک صاحب احیاء العلوم سے نقل کرتے تھے کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک صاحب کو کسی مقام کا عامل مقرر کر کے بھیجا اور ضروری ہدایات دیتے ہوئے کچھ دور تک ان کے ہمراہ بھی تشریف لے گئے جیسا کہ آپ کا معمول تھا۔ راستہ میں حضرت عمرؓ کو بہت سے بچے آ کر محبت سے لپٹ گئے اور آپ بھی بہت شفقت سے ان کو پیار کرنے لگے۔ اس پر ان عامل نے حیرت سے کہا کہ میں تو خاص اپنے بچوں کو بھی کبھی منہ نہیں لگاتا اور آپ نے غیروں کے بچوں کو بھی اتنا منہ لگا رکھا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ بس تم واپس چلو تم عامل مقرر کیے جانے کے قابل نہیں کیونکہ جب تم کو اپنے خاص لڑکوں کے اوپر شفقت نہیں تو تم رعایا کے اوپر کیا خاک شفقت کرو گے۔ اھ۔

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ حضرت والا کے اندر جو یہ شفقت علی الصغار کی صفت ہے یہ بھی اپنے جد اعلیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے موروث ہے۔

فطری تیز مزاجی

غرض حضرت والا میں بفضلہ تعالیٰ شائبہ بھی شدت مذمومہ کا نہیں۔ البتہ حدت یعنی فطری تیز مزاجی ضرور ہے جس کی فضیلت ذیل کی حدیث سے ثابت ہے جو التشرف حصہ دوم سے مع ترجمہ نقل کی جاتی ہے۔

الحدیث: الحدة تعتری خيار امتی هو فی مسند الحسن بن سفیان من جهة الليث عن روید بن نافع قلت لابی منصور الفارسی يا ابا منصور لولا حدة فيک فقال مایسرنی بحدتی كذا و كذا وقد قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الحدة تعتری خيار امتی

(وسماه بعضهم يزيدبن ابى منصور و حكم عليه بالصحبة) وفى بعض الروايات بلفظ ليس احد ولى بالحدة من صاحب القران لعز القران فى جوفه (ف) و يوجد مثل هذه الحدة فى اهل الله حقيقتها الغيرة علے الحق و حقيقة اظهار ها ترک التكلف .اه.

حدیث: تیز مزاجی میری امت کے نیک لوگوں کو پیش آتی ہے۔ یہ حدیث حسن بن سفیان کی مسند میں لیث کی جہت سے منقول ہے وہ روید بن نافع سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابو منصور فارسی سے کہا کہ اگر تمہارے اندر تیز مزاجی نہ ہوتی (تو خوب ہوتا) انہوں نے فرمایا مجھ کو اس تیزی کے بدلہ اتنا اتنا ملے تب بھی میرے لیے موجب مسرت نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تیزی میری امت کے نیک لوگوں کو پیش آتی ہے (اور بعض نے ان کا نام یزید بن منصور کہا ہے اور ان کو صحابی کہا ہے) اور بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں کوئی شخص تیزی کا مستحق قرآن والے سے زیادہ نہیں بوجہ عزت قرآن کے (ف) بعض اہل اللہ میں ایسی تیزی پائی جاتی ہے اور اس کی حقیقت حق پر غیرت ہے اور اس کے ظاہر کرنے کی حقیقت ترک تکلف ہے۔ اھ۔

طالبین کے فائدے کی رعایت

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ جس کو لوگ سختی سمجھتے ہیں جب میں اس کے صریح صریح منافع رات دن دیکھ رہا ہوں اور جب بغیر اس کے کام ہی نہیں چلتا تو پھر اس کو کیوں نہ اختیار کروں میں کیا کروں جب بلا سختی کے بری بات کی برائی ذہن میں جمتی ہی نہیں اور میری سختی تو جب سمجھی جاتی جب میں کسی سے زبردستی کہتا کہ تم مجھ سے اپنی اصلاح کراؤ اور وہ مجھ سے اصلاح کرانے پر مجبور ہوتا۔ میرے یہاں تو ہر شخص بالکل آزاد ہے۔

ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو ۔۔۔ دار و گیر و حاجب و درباں دریں درگاہ نیست

قطع تعلق پر بھی احترام قائم رکھنا

ہر شخص کو ہر وقت اختیار ہے کہ مجھ سے قطع تعلق کر کے جس سے مناسبت ہو اس سے

اصلاح کا تعلق پیدا کرے۔ بلکہ بفضلہٖ تعالیٰ مصلحت طالب کی یہ خاص رعایت صرف میرے ہی یہاں ہے کہ جس کے ساتھ مناسبت پیدا ہونے کی مجھ کو توقع نہیں رہتی میں اس سے صاف کہہ دیتا ہوں کہ کسی دوسرے سے رجوع کرو اور یہ بھی کہہ دیتا ہوں کہ اگر کسی مصلح کا پتہ مجھ سے پوچھا جائے گا تو میں بتلا دوں گا اور اگر اس پر وہ نام پوچھتا ہے تو میں بتا بھی دیتا ہوں اس عین قطع تعلق کے وقت بھی اس کی اتنی رعایت کرتا ہوں کہ سارا بوجھ اس پر نہیں ڈالتا اور میں جو عدم مناسبت کی صورت میں قطع تعلق کر دیتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ بدوں مناسبت کے شیخ سے کچھ نفع نہیں ہوتا۔ ہے تو فحش مثال لیکن مثال تو محض توضیح کے لیے ہوتی ہے اس لیے نقل کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں وہ یہ کہ طبیبوں کا اس پر اتفاق ہے کہ جب تک توافق انزالین نہ ہو حمل نہیں قرار پاتا اگرچہ زوجین دونوں تندرست اور قوی ہوں اسی طرح اگرچہ شیخ اور طالب دونوں صالح ہوں لیکن باہم توافق طبائع نہ ہو تو پھر تعلق ہی عبث ہے اور اس کا قطع کر دینا ہی مناسب ہے کیونکہ اجتماع بلا تناسب نہ صرف غیر مفید بلکہ موجب تشویش جانبین ہوتا ہے۔

اور یہ ضروری نہیں کہ کسی خاص شیخ سے عدم مناسبت طالب کے نقص ہی کی دلیل ہو کیونکہ طبائع فطرۃً مختلف ہوتی ہیں۔ بعض کو کسی سے مناسبت ہوتی ہے بعض کو کسی سے، لیکن ہر حال میں مدار نفع مناسبت ہی پر ہے۔ اس لیے یہ ہوسکتا ہے کہ مختلف الطبائع پیر اور مرید دونوں کی استعدادیں اپنی اپنی جگہ کامل ہوں اور دونوں متقی ہوں لیکن پھر بھی بوجہ عدم تناسب طبائع ان کا اجتماع موجب تشویش جانبین ہو جائے جیسے سوڈا اور ٹاٹری (ٹارٹرک ایسڈ) جب تک الگ الگ ہیں دونوں نہایت سکون کی حالت میں ہیں اور جہاں دونوں کو ملایا گیا بس ایک گڑبڑ مچ گئی اور بجائے سکوت وسکون کے جوش واضطراب کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اس میں نہ ٹاٹری کا قصور نہ سوڈے کا۔ عدم مناسبت اس کا سبب ہے۔ لہٰذا دونوں کا الگ الگ رہنا ہی مناسب ہے۔

اسی طرح میں جو کسی طالب سے قطع تعلق کرتا ہوں تو اس کے نقص کی وجہ سے نہیں بلکہ باہم مناسبت نہ ہونے کی بناء پر۔ ورنہ درحقیقت تو میں اس کو اپنے سے ہزار درجہ افضل سمجھتا ہوں کیونکہ اپنی حالت تو معلوم ہے جیسی ہے اور اس کے بارہ میں خبر نہیں۔ ممکن ہے کہ وہ عند اللہ مقبول ہو اور اسی بناء پر میں ہر مسلمان کو اپنے سے افضل سمجھتا ہوں۔

قطع تعلق کرنے کا سبب

اور قطع تعلق اس لیے کرتا ہوں کہ وہ دوسرے سے رجوع کر سکے کیونکہ عدم مناسبت کی وجہ سے اس کو مجھ سے تو نفع ہو نہیں سکتا پھر اور جگہ کے استفاضہ سے بھی اس کو کیوں محروم رکھا جائے۔ اور افادہ واستفاضہ کے تعلق کو عدم مناسبت کی بناء پر ختم کر دینے کی تائید نص قطعی صریح سے ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں حضرت خضر علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ فرما دینا مصرح ہے۔ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَ بَيْنِكَ جس کی بناء محض عدم مناسبت ہی تھی نہ کہ کوئی معصیت۔ اسی بناء پر حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں۔

چوں گرفتی پیر ہن تسلیم شو ہمچو موسےٰ زیر حکم خضر رو

(جب تو نے دامن تھام لیا ہے تو اب فرمانبردار ہو جا حضرت موسیٰؑ کی طرح، حضرت خضرؑ کا فرنبردار ہو کر چل)

صبر کن در کار خضر اے بے نفاق تا نگوید خضر رو ہذا فراق

(اے مخلص! حضرت خضرؑ کے کام میں صبر کرتا کہ وہ یہ نہ کہیں کہ یہ میری اور تمہاری جدائی کا وقت آ گیا ہے)

گرچہ کشتی بشکند تو دم مزن گرچہ طفلے را کشد تو مو مکن

(اگر چہ وہ کشتی کو توڑ دے تو نہ بول، اگر چہ وہ بچہ کو قتل کر دے تو، تو اُف نہ کر)

شیخ سے مناسبت کی علامت

بعضوں نے مجھ سے سوال کیا کہ کیا شیخ کے ساتھ مناسبت ہونے نہ ہونے کی علامت کیا ہے تو میں نے ان سے کہا کہ گو یہ ایک امر ذوقی ہے لیکن میں الفاظ میں اس کی تعبیر کیے دیتا ہوں۔ مناسبت کی علامت یہ ہے کہ شیخ کے کسی قول یا فعل پر اس کے (یعنی شیخ کے خلاف طالب کے قلب میں کوئی اعتراض یا شبہ جزم یا تردد یعنی احتمال صحت جانبین کے ساتھ پیدا نہ ہو (خطرہ کا جس میں جانب مخالف کے بطلان کا تیقن ہوتا ہے اعتبار نہیں) یہاں تک کہ اگر اس کے کسی قول یا فعل کی تاویل بھی سمجھ میں نہ آئے (کیونکہ اول تاویل ہی

کرنا چاہیے) تب بھی دل میں اس کی طرف سے انکار پیدا نہ ہو بلکہ اپنے آپ کو یوں سمجھ لے کہ آخر یہ بھی تو بشر ہی ہے۔ اگر اس کا کوئی قول یا فعل گناہ بھی ہو تب بھی کیا ہوا تو بہ سے یا محض فضل سے اس کی معافی ہو سکتی ہے۔ (ف) سبحان اللہ تردد اور خطرہ میں کیا دقیق فرق بیان فرمایا ہے۔ اور تحدث بالنعمۃ کے طور پر اس تحقیق کی خود بھی تحسین فرمائی اور فرمایا کہ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ وجدانیات کی تعبیر پر بھی قدرت عطا فرما دیتے ہیں ورنہ بڑے بڑے اہل علم اور صاحب فضل وکمال آج کل موجود ہیں ان سے تو کوئی تردد اور خطرہ کا فرق دریافت کر کے دیکھے جو کبھی بھی تسلی بخش جواب دے سکیں۔ اھ۔

شیخ پر اعتراض ہو تو کیا کرے

مضمون بالا کے سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ اگر شیخ کے خلاف اعتراضات اور شبہات پیدا ہوتے ہوں تو سمجھ لے کہ مجھ کو اس سے مناسبت نہیں اور اس کو بلا اس کی دل آزاری کیے چھوڑ دے کیونکہ نفع کا مدار یکسوئی اور شیخ کے ساتھ حسن اعتقاد پر ہے اور یہ اعتراضات وشبہات کی صورت میں کہاں لہذا اس کو چھوڑ دینا ہی مناسب ہے لیکن گستاخی عمر بھر نہ کرے کیونکہ اول اول راہ پر تو اسی نے ڈالا ہے اور اس معنی کر وہ محسن ہے یہاں تک کہ اگر وہ ایسے امور کا بھی مرتکب ہو جو بظاہر خلاف سنت ہوں لیکن ان میں اجتہاد کی گنجائش ہو خواہ بعید ہی سہی پھر بھی گستاخی نہ کرے۔

غرض عدم مناسبت کی صورت میں بھی طالب کو اپنے ہی ساتھ الجھائے رکھنا کہ اپنی جماعت میں کمی نہ ہونے پائے میں اس کو خیانت سمجھتا ہوں۔ یہاں تک کہ بعضوں کو میں نے دیکھا کہ کسی بزرگ سے بھی ان کو مناسبت نہیں ہوئی اور نہ کسی سے مناسبت ہونے کی توقع رہی تو ان کے لیے بھی میں نے ایک راہ نکال دی کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے۔ اس میں کوئی طالب محروم نہیں رہ سکتا۔ میں نے کہا کہ بس تم ضروری احکام کا علم حاصل کرتے رہو خواہ مطالعہ سے خواہ اہل علم سے پوچھ پوچھ کر اور سیدھا سادہ نماز روزہ کرتے رہو اور جو امراض نفس تم کو اپنے اندر محسوس ہوں ان کا علاج جہاں تک ہو سکے اپنی سمجھ کے موافق بطور خود کرتے رہو اور جو موٹے موٹے گناہ ہیں ان سے بچتے رہو اور بقیہ سے استغفار کرتے رہو اور دعا بھی کرتے رہو کہ اے اللہ ان کا بھی مجھے احساس ہونے لگے اور ان کے معالجات بھی میری سمجھ

میں آنے لگیں اور اگر مجھ میں سمجھنے کی استعداد نہ ہو تو بلا اسباب ہی محض اپنے فضل سے ان عیوب کی اصلاح کر دے۔ بس یہ بھی نجات کے لیے بالکل کافی ہے اور نجات ہی مقصود ہے۔ اس سے زیادہ کے تم مکلف ہی نہیں۔ جب میرے یہاں اتنی آزادی ہے اور میرا طریق سختی کا یا نرمی کا جیسا کچھ بھی ہو وہ سب کو معلوم ہے تو پھر بھی جو شخص میرے پاس اگر اپنی اصلاح کرتا ہے تو وہ اپنے ہاتھوں سختی میں پڑتا ہے جس کو یہ سختی گراں ہو وہ میرے پاس آئے ہی کیوں ہے

ہاں وہ نہیں وفا پرست جاؤ وہ بیوفا سہی　　　جسکو ہو جان و دل عزیز اسکی گلی میں جائے کیوں

ایک دیہاتی کی اصلاح کا واقعہ

آج ۴۔ جمادی الاخری ۱۳۵۴ھ ہی کی مجلس بعد الظہر کا اس مقام پر ایک واقعہ لکھا جاتا ہے جس سے ناظرین اندازہ فرمالیں گے کہ حضرت والا کے یہاں کس قسم کی سختی ہوتی ہے۔ ایک ادھیڑ عمر کے دیہاتی سفر کر کے حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کچھ عرض کیا۔ دیہاتی ہونے کی وجہ سے ان کی زبان ایسی تھی کہ سمجھ ہی میں نہ آتی تھی۔ نیز وہ اردو بھی اچھی طرح نہیں جانتے تھے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ تمہاری بولی میری سمجھ میں نہیں آتی۔ کسی اور کو راضی کر کے بلا لاؤ اور جو کچھ کہنا ہے اس کے ذریعہ سے کہو۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹ آئے اور پھر عرض حال کرنے لگے حضرت والا نے فرمایا کہ کیا تم وہی ہو جن سے میں نے کہا تھا کہ کسی کے واسطہ سے گفتگو کرو۔ انہوں نے کہا جی ہاں لیکن مجھ کو کوئی شخص ہی ایسا نہیں ملا جس کو میں اپنا واسطہ بناتا۔ فرمایا کہ پھر آ کر مجھ سے یہی کہا ہوتا کہ مجھ کو کوئی واسطہ بننے والا نہیں ملتا۔ نہ کہ باوجود ممانعت کے پھر آ کر اپنا حال خود ہی کہنے بیٹھ گئے۔ کیا میری یہ تجویز کہ کسی کے واسطہ سے گفتگو کرو لغو تھی' کہا غلطی ہوئی۔ اس پر حضرت والا نے حاضرین مجلس سے فرمایا کہ دیکھئے اتنی موٹی بات میں بھی لوگ غلطی کرتے ہیں۔ جب گفتگو کے لیے واسطہ کی شرط تھی اور واسطہ ملا نہ تھا تو پہلے آ کر یہی کہتے کہ کوئی واسطہ نہیں ملتا اس کا تو کچھ ذکر نہیں اور اپنا حال کہنا شروع کر دیا۔ یہ بات ہے کہ لوگ قوت فکریہ سے کام ہی نہیں لیتے۔ ورنہ گنوار سے گنوار کے ذہن میں بھی یہی ترتیب آتی۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ قوت فکریہ ہی سے تو انسان انسان ہے۔ انسان اور حیوان میں بس یہی تو فرق ہے کہ انسان کو اللہ

تعالیٰ نے قوت فکریہ عطا فرمائی ہے اور حیوان کو نہیں انسان کو احتمالات سوجھتے ہیں اور حیوان کو نہیں۔ حکماء نے تو انسان کی یہ تعریف کی ہے کہ وہ ایک حیوان ناطق ہے لیکن میرے نزدیک انسان کی یہ تعریف ہونی چاہیے کہ وہ ایک حیوان متفکر ہے۔

غرض جو انسان اپنی قوت فکریہ سے کام نہ لے اور احتمالات نہ سوچے وہ انسان نہیں حیوان بصورت انسان ہے جیسے بن مانس اور جل مانس ہوتے ہیں ایسے ہی انسانوں کے متعلق حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

گر بصورت آدمی انساں بدے — احمد و بوجہل ہم یکساں شدے

(اگر آدمی کی شکل سے ہی انسان کامل ہوتا تو حضرت احمدؐ اور ابوجہل برابر ہوتے)

ایں کہ می بینی خلاف آدم اند — نیستند آدم غلاف آدم اند

(یہ جو تو دیکھ رہا ہے یہ آدمیت کے خلاف ہیں، یہ آدمی نہیں ہیں بلکہ آدمیت کے غلاف ہیں)

پھر انہیں دیہاتی کی جانب مخاطب ہو کر فرمایا کہ اب تو جب تم مجھ سے پہلے یہ کہو گے کہ کوئی واسطہ نہیں ملتا تب میں کچھ جواب دوں گا چنانچہ انہوں نے یہی عرض کیا۔ حضرت والا نے خلیفہ اعجاز صاحب کو جو مدرسہ خانقاہ میں معلم قرآن ہیں ایک صاحب کے ذریعہ سے بلوا کر فرمایا کہ ان سے پوچھو یہ کیا کہتے ہیں۔ انہوں نے بواسطہ خلیفہ اعجاز صاحب عرض کیا کہ میں حضرت والا کی خدمت میں کچھ دن رہنے کے لیے اور باتیں سننے کے لیے آیا ہوں۔ فرمایا کہ پوری بات کہو کہ کون ہو کیا کام کرتے ہو۔ کہا پانی پت کے مدرسہ اشرفیہ میں قرآن شریف پڑھتا تھا۔ فرمایا قرآن شریف چھوڑ کر کیوں آئے وہ تو زیادہ ضروری ہے۔ کہا میں یہاں قرآن شریف بھی پڑھتا رہوں گا۔ فرمایا کس سے کہا فلاں صاحب سے جو پانی پت ہی کے پڑھے ہوئے ہیں فرمایا کہ ان سے پوچھ بھی لیا ہے یا ان پر جبر کر کے اور دباؤ ڈال کر پڑھو گے کہا پوچھ لیا ہے۔ فرمایا ہمارے سامنے ان سے کہلواؤ چونکہ وہ صاحب بھی اس وقت مجلس ہی میں حاضر تھے اس لیے انہوں نے حضرت والا کے سامنے وعدہ کر لیا پھر دریافت فرمایا کہ اچھا کتنے دن رہو گے کہا دو مہینہ فرمایا کھانے کے لیے خرچ بھی پاس ہے کہا جی ہاں ہے۔ فرمایا کہ اپنے استاد سے بھی اجازت لیکر آئے ہو ان کو ناراض کر کے تو نہیں

آئے کہا کہ ان سے اجازت لیکر آیا ہوں۔ فرمایا ان کی اجازت کا خط ان سے منگوا سکتے ہو کہا جی ہاں منگوا سکتا ہوں۔ فرمایا کہ کتنے دن میں جواب آئے گا کہا چار دن میں فرمایا کہ اچھا چار دن کے بجائے میں تمہیں احتیاطاً آٹھ دن کی مہلت دیتا ہوں تا کہ تمہیں سہولت رہے۔ آج بدھ ہے آئندہ بدھ تک ان کا خط اس مضمون کا کہ ہاں یہ میری اجازت سے گئے ہیں منگوا دو۔ اگر بدھ تک خط منگوا کر نہ دکھایا تو بس پھر یہاں سے رخصت۔

جب یہ سب گفتگو ختم ہوگئی تو فرمایا کہ تم نے کچھ میری کتابیں بھی پڑھی ہیں کہا نہیں میں نے اردو بالکل نہیں پڑھی نہ اردو اچھی طرح سمجھتا ہوں صرف قرآن شریف پڑھ رہا ہوں فرمایا کہ جب تم اچھی طرح اردو نہیں سمجھتے تو میری باتیں ہی کیا سمجھو گے۔ ابھی اس میں میرا تو کچھ حرج نہیں مجلس میں جہاں اور لوگ بیٹھتے ہیں تم بھی بیٹھے رہنا لیکن یہ خیال ہے کہ کہیں تم کوئی بات الٹی نہ سمجھ جاؤ کہا الٹی نہ سمجھوں گا فرمایا کہ خیر مگر یہ وعدہ کرو کہ مجھ سے سنی ہوئی کوئی بات تم کسی شخص سے عمر بھر نہ کہو گے کہا بہت اچھا۔ اھ

یہ سب گفتگو بواسطہ ہوئی۔ اثناء گفتگو میں حضرت والا حاضرین سے فرماتے جاتے ہیں کہ یہ سوالات اس لیے کر رہا ہوں کہ اصلاح اور تربیت کا کوئی پہلو باقی نہ رہے۔ ہر طرح کی اصلاح ہو جائے اور ہر قسم کا جہل رفع ہو جائے۔ یہ سوالات نہیں ہیں تعلیمات ہیں اور استاد کی اجازت اس لیے منگوائی ہے کہ اپنے افعال و اعمال میں آزاد نہ ہوں جو کام کریں اپنے بڑوں سے پوچھ پوچھ کر کیا کریں نیز اساتذہ کی عظمت بھی قلب میں پیدا ہو۔ پھر آخر میں فرمایا کہ لیجئے بس یہ میری سختی ہے۔ انتظام کو لوگ سختی سمجھتے ہیں اب یہ بتایئے کہ ان سوالات میں بھلا میرا کونسا نفع تھا انہی کا دین تو سنوارا ہے البتہ ان کے ساتھ میرا دین بھی سنور گیا کیونکہ مجھے بھی اصلاح کا ثواب ملا۔ اھ۔

اپنے عیب نظر نہ آنے کے مرض کا علاج

اسی ہفتہ کا ایک اور واقعہ آیا۔ ایک صاحب نے جو مستری کا کام کرتے ہیں اور جو بہت نیک ہیں اور جن کو حضرت والا سے پرانا تعلق ہے۔ حاضر خانقاہ ہو کر بذریعہ عریفہ عرض کیا کہ میں نے مواعظ کا بھی مطالعہ کیا رسالہ تبلیغ دین بھی دیکھا لیکن مجھے تو اپنے عیوب

ہی نظرنہیں آتے ۔ میں اس غرض سے کہ مجھے اپنے عیوب نظر آئیں حضرت کی خدمت میں رہنا بھی چاہتا ہوں لیکن بال بچوں کا نفقہ میرے ذمہ واجب ہے۔ اور میں مزدوری پیشہ آدمی ہوں اس لیے قیام کی بھی صورت مشکل ہوتی ہے۔ اس پر حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ میرے پاس رہنے سے تو کوئی زائد بات پیدا نہ ہوگی کیونکہ مجھ کو تو کسی کے عیوب کی تلاش نہیں اور تم کو اپنے عیوب نظر آتے نہیں تو ایسی حالت میں یہاں رہنا نہ رہنا برابر ہے۔ یہ بھی تحریر فرمایا کہ جب تمہیں اپنے عیوب نظر ہی نہیں آتے تو تم معذور ہو۔ بس دعا کیا کرو۔ اس تحریری جواب کے بعد جب صبح کی مجلس منعقد ہوئی۔ تو حضرت والا نے سب کے سامنے ان کو اس کہنے پر کہ مجھے اپنے عیوب ہی نظر نہیں آتے جس کا منشا قرائن قویہ سے قلت فکر واعجاب نفس معلوم ہوا۔ زبانی سخت زجر و توبیخ فرمائی اور ایسی ڈانٹ بتائی کہ ہوش درست ہوگئے اور دماغ صحیح ہوگیا۔ پھر اسی سلسلہ میں حضرت والا بہت دیر تک اتنی مؤثر نافع اور پرجوش تقریر فرماتے رہے کہ صرف وہی صاحب نہیں بلکہ سارے حاضرین بے حد متاثر و مستفیض ہوئے۔ چونکہ وہ صاحب بہت نیک ہیں اس لیے اس سے قبل ان پر کبھی کسی قسم کی ڈانٹ نہ پڑی تھی اور حضرت والا ہمیشہ ان سے نرمی ہی کا برتاؤ فرماتے رہتے تھے۔

افسوس ہے کہ اس تقریر کے وقت نہ احقر موجود تھا نہ جناب حافظ جلیل احمد صاحب جو عرصہ سے مقیم خانقاہ ہیں اور بعض خاص خاص ملفوظات کو ضبط فرمالیا کرتے ہیں۔ جب جناب حافظ صاحب ممدوح اور احقر نے اکثر حاضرین خانقاہ سے اس تقریر کی تعریف سنی تو ہم دونوں نے مختلف حضرات سے پوچھ پوچھ کر چند خاص خاص باتیں معلوم کرلیں جن کا خلاصہ احقر عرض کرتا ہے۔

فرمایا کہ حیرت ہے تمہیں اپنے عیوب ہی نظر نہیں آتے حالانکہ واللہ اگر آدمی کی حس صحیح ہو تو گناہ تو گناہ اس کو اپنی طاعات بھی معاصی نظر آنے لگیں۔ پھر نہایت جوش کیساتھ تین بار قسم کھا کر فرمایا کہ مجھ کو تو اپنی نماز اپنے روزے اور اپنے ہر عمل بلکہ اپنے ایمان تک میں شبہ عدم خلوص کا رہتا ہے۔ اور ہم لوگ تو کیا چیز ہیں حضرات صحابہ سے بڑھ کر کون مخلص ہوگا۔ حدیث میں وارد ہے کہ اصحاب بدر میں سے ستر حضرات ایسے تھے جن کو اپنے اوپر نفاق کا شبہ تھا کہ کہیں ہم منافق تو نہیں۔

حضرات صحابہ کی تو یہ حالت اور ان حضرت کو اپنے اندر کوئی عیب ہی نظر نہیں آتا کیا ٹھکانا ہے اس بے حسی کا۔ اس پر انہوں نے عرض کیا کہ یہ تو میں جانتا ہوں کہ میرے اندر عیب ہیں لیکن یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کیا ہیں۔

فرمایا سبحان اللہ اس کی تو ایسی مثال ہوئی کہ یہ تو معلوم ہے کہ میرے جسم میں درد ہو رہا ہے لیکن یہ پتہ نہیں کہ کہاں ہو رہا ہے اور کس قسم کا درد ہے آیا پیٹ کا درد ہے یا سر کا یا ہاتھ پاؤں کا۔ یہ کیا حماقت کی بات کی۔ جس کو درد کا احساس ہو رہا ہوگا کیا اس کو یہ پتہ نہ چلے گا کہ کہاں ہو رہا ہے۔ یہ تو بے حسی سے بھی بڑھ کر ہے یہ بھی فرمایا کہ میں نے جو تمہارے رقعہ کے جواب میں یہ لکھا ہے کہ جب تمہیں اپنے عیب ہی نظر نہیں آتے تو تم معذور ہو یہ تو علیٰ سبیل التسلیم محض ضابطہ کا جواب ہے۔اھ۔

مطالعہ سے مستفید ہونے کا طریقہ

پھر اس کے متعلق بعد کو جامع اوراق سے فرمایا کہ اس ضابطہ کے جواب کی حقیقت قضیہ شرطیہ ہے جس کے صدق کے لیے مقدم و تالی کے درمیان علاقہ لزوم کافی ہے مقدم کے وقوع پر موقوف نہیں حتیٰ کہ ایک محال کو دوسرے محال کے لیے مستلزم کہنا صحیح ہے۔ اس ضابطہ کے جواب سے معذوری کا یا اس کی بناء کا تسلیم کرنا لازم نہیں آتا۔ اہل علم کے نزدیک یہ بالکل ظاہر مسئلہ ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ تم نے جو مجھ کو یہ لکھا ہے کہ میں نے مواعظ کا بھی مطالعہ کیا۔ رسالہ تبلیغ دین بھی دیکھا لیکن پھر بھی اپنے عیب نظر نہیں آتے تو عیب کہیں محض مطالعہ سے نظر آیا کرتے ہیں نری کتابوں کے دیکھنے سے کیا ہوتا ہے جب تک کہ ان کتابوں کا اثر نہ لیا جائے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے پریس میں قرآن شریف بھی چھپتا ہے حدیث شریف بھی چھپتی ہے لیکن اس پر سوائے اس کے کہ محض نقوش مرتسم ہو جائیں معانی کا کچھ بھی اثر نہیں ہوتا۔اھ۔

اپنے عیب معلوم کرنے کا طریقہ

مخاطب کے سوال پر یا از خود یہ بھی فرمایا کہ اگر کسی کو اپنے اوپر مسلط کر لیا جائے کہ جو

عیب دیکھے متنبہ کر دیا کرے تو یہ بھی کلیۃً کافی نہیں کیونکہ اکثر تو یہی ہے کہ اگر وہ محب ہوا تو اس کو عیب بھی ہنر نظر آئیں گے اور اگر معاند ہوا تو اس کو ہنر بھی عیب نظر آئیں گے۔ آخر میں یہ بھی فرمایا کہ اگر کسی کو اپنے افعال واحوال پر ناز ہو اور ان میں کوئی نقص ہی نظر نہ آتا ہو تو ذرا یہ مراقبہ کرے تو دیکھے کہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوں اور وہ میرے سارے افعال واحوال کو دیکھ رہے ہیں اور پھر یہ غور کرے کہ آیا میرے سارے افعال واحوال ایسے ہیں کہ ان کو بلا تردد اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس وقت اس کو اپنے اعمال کی حقیقت نظر آ جائے گی واللہ جو پھر ایک عمل بھی ایسا نکل سکے جو دربار خداوندی میں پیش کیے جانے کے قابل ہو ایک نماز ہی کو دیکھ لیجئے کہ ہم لوگ اس کا کیا حق ادا کر رہے ہیں۔ اس خشوع وخضوع کو تو جانے دیجئے جس میں کچھ دشواری ہے۔ نہیں جس استحضار میں کوئی دشواری نہیں اس میں بھی تو ہم لوگ کوتاہی کرتے ہیں۔ اھ۔

مریض کو افہام وتعلیم کے بعد نصیحت

غرض بہت دیر تک نہایت جوش وخروش کے ساتھ اسی مبحث پر تقریر فرماتے رہے۔ اور مخاطب کو خوب ڈانٹتے رہے۔ آخر میں ان سے فرمادیا کہ اب تمہیں نہ کبھی حالات کا خط لکھنے کی اجازت ہے نہ یہاں آنے کی۔ جب تک کہ تمہیں اپنے عیب نظر نہ آنے لگیں۔ اور عیب بھی ایک دو نہیں بہت زیادہ تعداد میں۔ گو جب معالجہ چاہو گے تو میں ایک ہی ایک عیب کا علاج بتاؤں گا لیکن علاج شروع جب کروں گا جب اپنے بہت سے عیوب کی فہرست اور تفصیل لکھو گے۔ اس درمیان میں بس صرف دریافت خیریت اور طلب دعا کے لیے خط لکھنے کی اجازت ہے اور کسی تعلق کی اجازت نہیں۔ اھ۔

علاج کا فوری اثر

یہ تقریر پر تاثیر قبل دوپہر ہوئی بعد دوپہر وہ صاحب رخصت ہو گئے۔ پھر وطن پہنچ کر حضرت والا کی خدمت میں انہوں نے جو عریضہ لکھ وہ مع حضرت والا کے جواب باصواب کے ذیل میں تربیت السالک سے بلفظہ نقل کیا جاتا ہے۔ ناظرین اندازہ فرمائیں کہ حضرت والا کی ایک ہی ڈانٹ میں کیا سے کیا حالت ہو گئی اور کیسا مہلک مرض باطنی جس کو تپ دق کہنا چاہیے

کیونکہ دق کا مریض بھی اپنے آپ کو مریض نہیں سمجھتا ایک ہی نسخہ تلخ میں جڑ سے جاتا رہا۔ یا تو اپنے اندر کوئی عیب ہی نظر نہ آتا تھا یا پھر ایسی آنکھیں کھلیں کہ عیب ہی عیب نظر آنے لگے اور اپنے عیبوں کا ایسا یقین ہوا کہ بڑی سے بڑی قسم کھانے کے لیے تیار ہیں۔ یا تو اپنے قلب کو اشیاء نفیسہ سے لبریز ایک وارنش دار صندوقچی گمان کر رہے تھے یا پھر ایسی بصیرت حاصل ہوگئی کہ وہی قلب سر بسر گندگی سے لبریز نظر آنے لگا۔ آنکھوں پر جو سالہا سال سے چربی چھائی ہوئی تھی وہ سب ایک ہی آنچ میں پگھل گئی۔ اب ان کا خط اور حضرت والا کا جواب ملاحظہ ہو۔

مریض کا عریضہ

حال: گزارش یہ ہے کہ جس روز سے میں تھانہ بھون سے آیا ہوں اس روز سے برابر غور وفکر کے ساتھ ہر کام میں اپنے نفس کے ساتھ محاسبہ کر رہا ہوں اور جس مراقبہ کو جناب نے مجلس مبارک میں ذکر فرمایا تھا کہ یوں سوچے کہ یہ کام یا یہ بات حق تعالیٰ کے سامنے ہوں تو کر سکتا ہوں یا نہیں تو اس مراقبہ سے معلوم ہوا کہ میری جتنی باتیں اور کام ہیں سب بیکار ہیں۔ میری کوئی بات اور میرا کوئی کام اس قابل نہیں کہ باری تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے۔ پہلے سے جو اپنی غلطیاں نظر آتی تھیں تو اس کی وجہ محض بے پروائی اور بے توجہی تھی۔ اس تنبیہ سے قبل میں اپنے قلب کو مثل ایک ایسی صندوقچی کے سمجھتا تھا جس پر وارنش کیا ہوا ہو اور جس کے اندر عجیب عجیب اشیاء رکھی ہوں مگر جناب کی تنبیہ کے بعد جواب اس صندوقچی کو کھول کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس کے اندر تو گوہ در گوہ ہو رہا ہے۔ لہٰذا احقر نے اپنے پہلے خیال سے مجھ کو اپنا کوئی عیب نظر ہی نہیں آتا تھا۔ توبہ کی اور حضور کی تنبیہ کا یہ اثر ہوا کہ اب مجھ کو اپنے عیوب اس قدر صاف نظر آنے لگے ہیں کہ میں اپنے عیوب پر بڑی سے بڑی قسم کھا سکتا ہوں۔ اب اس کی اجازت چاہتا ہوں کہ میں اپنے عیوب پیش کر کے ان کے علاج دریافت کروں۔

حضرت والاؒ کا جواب

مبارک ہو یہ گوہ خاکساری کی خاک سے مل کر کھاد کا کام دے گا اور ایسی اجناس پیدا ہوں گی کہ روحانی غذا ہو جائے گی۔ دعا کرتا ہوں اور عیوب پیش کرنے کی اجازت دیتا ہوں مگر ایک خط

میں ایک بات سے زیادہ نہ ہو۔ اھ۔ سبحان اللہ کیا خوب جواب ارقام فرمایا ہے اور کس لطیف پیرایہ میں کثافت کو بھی مبدل بہ لطافت فرمادیا ہے اور محض مجاز نہیں بلکہ حقیقتاً شاعری کو حقیقت بنادیا۔

زبان فیض ترجمان

اور حقیقت کو بلاتبدیل حقیقت بلکہ بمزید توضیح حقیقت شاعری کے دلکش جامۂ زرنگار میں جلوہ گر فرمادینا یہ کمال حضرت والا ہی میں دیکھا جس کی صدہا نظائر ہیں جن سے حضرت والا کی تحریرات وتقریرات بھری پڑی ہیں ان کو بخوف تطویل نظر انداز کیا جاتا ہے ورنہ مضمون کہیں سے کہیں پہنچ جائے گا۔ البتہ صرف چند مختصر جملے جو وقتاً فوقتاً بطور لطائف فرمائے گئے ہیں۔ نقل کیے دیتا ہوں کیونکہ پھر ان کا موقع کہیں آسکے یا نہ آسکے۔

ایک طالب نے عبارت میں کسل اور سستی ہونے کا علاج پوچھا تحریر فرمایا کہ سستی کا علاج چستی۔

ایک طالب نے غلبہ خشیت میں لکھا کہ مجھے سخت خطرہ ہے تحریر فرمایا کہ یہ خطرہ تو بحر معرفت کا قطرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو بڑھا کر دریا کردے۔

احقر نے ایک عریضہ میں کسی باطنی پریشانی کے سلسلہ میں لکھا تھا کہ سخت الجھن ہوتی ہے۔ تحریر فرمایا کہ یہ الجھن مقدمہ ہے۔ سلجھن کا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا۔ ع۔ چونکہ قبض آمد تو درد ے بسط ہیں۔ فرمایا کہ یہ امر بسہولت یاد رکھنے کے لیے کہ شیخ کے ساتھ طالب کو کیا معاملہ رکھنا چاہیے بس ان ہم قافیہ الفاظ کو یاد رکھے۔ اطلاع اور اتباع۔ اعتقاد اور انقیاد۔ یہ بھی اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ اس طریق میں دو چیزوں کی سخت ضرورت ہے۔ دُھن اور دھیان۔

ایک طالب نے شکایت کی کہ میں تو بالکل کورا رہ گیا فرمایا کورُا ہونا برا نہیں کور ہونا بُرا ہے۔ بلا سے کورا ہو مگر کور نہ ہو۔

ایک بار فرمایا کہ اس طریق میں خودرائی نہ کرے بلکہ خودکورائی کرے یعنی اپنے کو حقیر و ذلیل سمجھے۔

ایک صاحب کو خیال ہوگیا تھا کہ وہ ابدال ہوگئے فرمایا کہ ہاں پہلے گوشت تھے۔ اب دال ہوگئے۔

فرمایا کہ نئی تہذیب تہذیب نہیں تعذیب ہے۔ اور آج کل کی قومی ہمدردی ہمدردی نہیں ہم دردی ہے۔

شملہ کے سفر کے بعد وہاں کی برائیاں جو غالب ہیں بیان فرما کر فرمایا کہ ہم تو سنا

کرتے تھے کہ شملہ بمقدار علم ہوگا لیکن وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ شملہ بمقدار جہل ہے۔

ایک طالب کا خط فضول مضامین اور استفسارات سے لبریز تھا۔ اور آخر میں لکھا تھا کہ مضمون طویل ہونے سے تکلیف ضرور ہوئی ہوگی معاف فرمائیں۔ حضرت والا نے اس اخیر بات کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ طویل ہونے سے تو تکلیف نہیں ہوئی مگر لاطائل ہونے سے ہوئی۔

ایک صاحب سے تحریک خلافت کے متعلق گفتگو ہوئی حضرت والا نے فرمایا کہ بلا امیر المومنین کے کچھ نہیں ہوسکتا۔ انہوں نے کہا کہ ہم آپ کو امیر المومنین بناتے ہیں فرمایا کہ جب تک امیر المومنین میں قوت قہریہ نہ ہو وہ امیر المومنین ہی نہیں۔ میں ایسا امیر المومنین نہیں ہونا چاہتا آج تو امیر المومنین بنوں اور کل کو اسیر الکافرین ہو جاؤں۔ فرمایا کہ آج کل لوگوں کی مال پر تو نظر ہے مآل پر نظر نہیں۔ فرمایا کہ لوگ بعض اہل صنعت کافروں کو بڑا عاقل سمجھتے ہیں۔ کوئی کافر بھی کہیں عاقل ہوسکتا ہے۔ عاقل تو کیا ہوتے ہاں آج کل خوب ہیں۔ فرمایا کہ درستی تو درشتی ہی سے ہوتی ہے۔

ایک بار کسی سے اظہار خفگی کے وقت فرمایا کہ میں بھی بشر ہوں اور بشر بھی وہ جس میں باجارہ ہے فا کلمہ نہیں۔ فرمایا کہ آج کل کے اکثر مدعیان توکل اہل توکل کیا اہل تاکل ہیں۔

ایک صاحب نے کسی بات کے نہ سمجھنے پر بطور معذرت عرض کیا کہ یہ میری جہالت ہے۔ حضرت والا نے ان کی تسلی کے لیے فوراً فرمایا کہ جی نہیں جہالت کیوں ہوتی چہ حالت ہے یعنی کیسی اچھی حالت ہے۔

ایک خلاف شرع تحریک میں بڑے بڑے ذی وجاہت لوگ حضرت والا کی خدمت میں گفتگو کرنے کے لیے حاضر ہوئے جن کو ہر قسم کی دنیوی جاہ حاصل تھی۔ وہ لوگ حضرت والا کی ملاقات اور گفتگو سے بہت متاثر اور محظوظ ہوئے۔ جب وہ واپس جانے کے لیے اسٹیشن پر پہنچ گئے اس وقت حضرت والا بھی ٹہلتے ہوئے اسٹیشن پہنچے کیونکہ صرف دس منٹ کا راستہ ہے وہ لوگ بہت ہی شرمندہ ہوئے حضرت والا نے فرمایا کہ میں آپ صاحبان کے تشریف لانے کے وقت تو استقبال کے واسطے حاضر نہیں ہوا کہ اس وقت حاضری کا منشاء جاہ ہوتا اور اس وقت رخصت کرنے کے لیے حاضر ہونے کا منشاء چاہ ہے کیونکہ واقعی آپ

حضرات کی محبت اور اخلاق نے میرے قلب کے اندر بھی آپ صاحبان کی محبت پیدا کر دی ہے۔ اور ساتھ اس لیے نہیں آیا کہ آپ صاحبان مجھ کو آنے ہی نہ دیتے۔

فرمایا کہ آج کل بعض طلباء کی دستار بندی تو ہو جاتی ہے لیکن ان میں دس تار تو کیا ایک تار بھی علم وعقل کا نہیں ہوتا۔

ایک بار احقر نے حضرت والا کی خدمت میں بحوالہ بعض تحریرات عجیبہ حضرت والا یہ لکھا کہ اس زمانہ میں اگر کسی کی تحریر و تقریر پر دریا کوزہ میں بند کرنا صادق آسکتا ہے تو وہ حضور کی جامع و مانع تحریر و تقریر ہے اس پر ارقام فرمایا کہ محبت کی عینک خوردبین کی خاصیت رکھتی ہے جس سے چھوٹی چیزیں بھی بڑی نظر آنے لگتی ہیں اس کے حوالے سے ایک بار زبانی ارشاد فرمایا کہ جس طرح ایک محبت کی خوردبین ہوتی ہے جس سے چھوٹا ہنر بھی بڑا نظر آتا ہے اسی طرح ایک نظر خوردہ بین بھی ہوتی ہے جس سے چھوٹا عیب بھی بڑا دکھائی دیتا ہے۔

منصب افتاء کی ذمہ داریوں کا تذکرہ تھا۔ فرمایا کہ مفتی ہونا بھی قیمتی کا کام ہے مفتی کا نہیں۔ اھ۔

اس قسم کے لطیفے جو سراسر آئینہ حقیقت ہیں حضرت والا کی زبان فیض ترجمان اور قلم ہدایت رقم سے بکثرت صادر ہوتے رہتے ہیں جن کے بارے میں ایک دیندار فلسفی فاضل نے جو ایک مشہور ادیب بھی ہیں یہ رائے ظاہر کی کہ اگر ایسے ایسے لطائف ہی کو یکجا جمع کر لیا جائے تو وہ بھی بجائے خود ایک بڑا پرلطف اور نہایت نافع ذخیرہ حقائق ہو جائے۔ چنانچہ ایک صاحب نے کچھ لطائف جمع بھی کیے تھے جن کا حضرت والا نے یہ نام بھی تجویز فرما دیا تھا۔ الصناعات فی العبارات لیکن افسوس اس کی تکمیل ہی نہ ہوئی بلکہ جتنے جمع کیے گئے تھے ان کا مسودہ بھی نہ معلوم محفوظ ہے یا نہیں۔

ہر شخص اچھے برتاؤ کا متحمل نہیں

جس وقت حضرت والا کی خدمت میں مستری صاحب مذکور کا خط بدا پہنچا حضرت والا نے احقر کو حوالہ فرما کر فرمایا کہ لیجئے مستری جی کے ہوش درست ہو گئے چونکہ نیک آدمی ہیں ان پر کبھی ڈانٹ ہی نہ پڑی تھی بس اسی وجہ سے اپنے آپ کو عیبوں سے بالکل بری ہی سمجھ لیا تھا۔

پھر فرمایا کہ ہر شخص اچھے برتاؤ کا متحمل نہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ سختی نہ کرو بھلا کیسے سختی نہ کروں جب بلا سختی کے اصلاح ہی نہ ہو۔ اب دیکھ لیجئے۔ دس بارہ سال کی خوش اخلاقی نے تو ان کی کچھ بھی اصلاح نہ کی بلکہ اور دماغ سڑا دیا اور دس بارہ منٹ کی ڈانٹ نے پوری اصلاح کردی۔ دماغ صحیح ہوگیا خناس نکل گیا۔ بھلا بلا ڈانٹ کے ان کی اصلاح ممکن تھی ہرگز نہیں۔ اب لوگ اپنی آنکھیں پھوڑ کر دیکھیں کہ کیا یہ موقع نرمی اور رعایت سے پیش آنے کا تھا۔ اصلاح ہر جگہ کہیں نرمی سے ہوتی ہے؟ جس مرض میں مسہل کی ضرورت ہو کہیں اس کا علاج مفرحات سے ہوسکتا ہے۔ طالبین اصلاح کے ساتھ نرمی سے پیش آنے کا مشورہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ مسہل طلب مرض کا مفرحات سے علاج کردو۔ یا جس دنبل کے اندر مادۂ فاسد بھرا ہوا ہو اور آپریشن کی ضرورت ہو وہاں یہ کہا جائے کہ نہیں صرف اوپر ہی اوپر مرہم لگا دو چاہے پھر وہ مادۂ فاسد اندر ہی اندر پھیل کر سارے جسم کو سڑا دے۔ یہ تو گوارا لیکن یہ گوارا نہیں کہ ایک ہی نشتر میں سارا مادۂ فاسد نکال باہر کیا جائے۔

مریض وملاقاتی کا فرق

اسی مضمون کو ایک بار اس عنوان سے فرمایا تھا کہ طبیب کے پاس دو قسم کے لوگ آتے ہیں۔ ایک تو وہ جو محض ملاقات کے لیے آتے ہیں۔ ان کو تو معزز جگہ بٹھایا جاتا ہے۔ دل خوش کن باتیں کی جاتی ہیں۔ شربت پلایا جاتا ہے۔ پان کھلایا جاتا ہے الائچی دی جاتی ہے عطر پیش کیا جاتا ہے۔ اور دوسرے وہ لوگ جو اپنا علاج کرانے آتے ہیں۔ ان کو مریضوں کی صف میں بٹھایا جاتا ہے۔ ضرورت سے زیادہ بولنے نہیں دیا جاتا۔ کڑوی کڑوی دوائیں تجویز کی جاتی ہیں۔ اگر کوئی چون و چرا کرے تو مطب سے نکال دیا جاتا ہے۔ تو اگر کوئی مریض یہ ہوس کرے کہ میرے ساتھ بھی ویسا ہی برتاؤ کیا جائے جیسا ملاقاتی کے ساتھ کیا جاتا ہے تو یہ اس کی حماقت ہے کیونکہ اس صورت میں اس کی وہ غرض تو نہ حاصل ہوگی۔ جس غرض سے وہ طبیب کے پاس آیا ہے یعنی صحت بلکہ اگر اس کو مرض تو ہو پیچش کا اور پلایا جائے روزانہ شربت تو پیچش اور بھی بڑھ کر ہلاکت تک نوبت پہنچ جائے۔ اھ۔

ہر جگہ سیاست کی ضرورت ہے

اسی سلسلہ میں حضرت والا نے یہ بھی فرمایا کہ سیاست کی اس طریق ہی میں کیا ہر جگہ ضرورت پڑتی ہے۔ چنانچہ میاں جیون کا اپنے شاگردوں کو اور ماں باپ کا اپنی اولاد کو تادیب کے لیے مارنا پیٹنا اور حاکموں کا اپنے محکومین مجرمین کو سزائیں دینا اور محض فہمائش کو کافی نہ سمجھنا عام طور پر بلانکیر معمول ہے۔ بعض واقعات سیاست کے مفید نتائج دکھا کر حضرت والا نے یہ بھی فرمایا کہ دیکھئے اس سختی سے جہل دور ہو گیا اگر عرفی اخلاق کو مصلحت پر غالب رکھا جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کو بس ساری عمر جہل ہی میں مبتلا رہنے دیا جائے۔ اھ۔

بدنظری کے مریض کا علاج

اس قسم کے واقعات جیسے کہ بعضے اوپر عرض کیے گئے رات دن مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں کہاں تک لکھے جائیں۔ احقر کے ذاتی علم میں بھی ایسے ایسے بہت سے واقعات ہیں جن میں حضرت والا کی سیاست نے طالبین کے بڑے بڑے مہلک امراض باطنہ مزمنہ کا آن کی آن میں استیصال کلی کر دیا چنانچہ ایک طالب کو جو حضرت والا سے خصوصیت رکھتے تھے بدنظری کا مرض لگ گیا اور وہ اس قدر مغلوب ہوئے کہ اس سے چھٹکارا ناممکن معلوم ہونے لگا۔ جب بطور خود کسی طرح اس سے نجات نہ ہو سکی تو عین حالت یاس میں بذریعہ عریضہ حضرت والا سے رجوع کیا۔ حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ جتنے اس کے معالجات ہیں وہ تو آپ کو معلوم ہی تھے۔ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اور کون سی نئی تدبیر لکھی جائے۔ اسی انتظار میں کہ اللہ تعالیٰ کوئی نئی تدبیر قلب میں ڈال دیں کل جواب نہ لکھا۔ آج نماز فجر میں منجانب اللہ ایک تدبیر قلب میں وارد ہوئی چونکہ وہ آپ کو معلوم نہیں اس لیے لکھتا ہوں امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ نافع ہوگی وہ یہ کہ جب ایسی کوتاہی ہو دو مہینہ تک میرے پاس خط بھیجنے کی اجازت نہیں اور ہر بار کی میعاد جداگانہ شروع ہوگی مثلاً اگر ایک ہی دن میں چھ بار ایسی کوتاہی ہوگئی تو سال بھر تک خط و کتابت بند۔ غرض جب ایک کوتاہی کی میعاد سزا ختم ہولے گی اس کے بعد دوسری کوتاہی کی میعاد سزا شروع ہوگی۔ اھ۔

بس اس ہدایت نامہ کا پہنچنا تھا کہ پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ اور نظر بد سے بچنے کا اس درجہ اہتمام پیدا ہو گیا کہ وہ صاحب ابروؤں کے اوپر اس طرح ہاتھ رکھ کر چلتے کہ صرف زمین نظر آئے اور ہر وقت نگاہیں نیچی کئے رہتے اور اگر کبھی نظر اٹھانے کی ضرورت پڑتی تو صرف اتنی ہی آنکھیں کھول کر چلتے کہ پلکوں کے بیچ میں سے بس اتنا نظر آ جائے کہ کوئی آ رہا ہے۔ یہ پتہ نہ چل سکے کہ آنے والا مرد ہے یا عورت تاکہ نظر بد کی نوبت ہی نہ آنے پائے چونکہ خط و کتابت کی ممانعت بوجہ خصوصیت تعلق نہایت ہی شاق تھی اس لیے یہ تہیہ کر لیا کہ انشاء اللہ تعالیٰ عمر بھر کبھی ایک مرتبہ بھی اس سزا کی نوبت نہ آنے دی جائے گی اور یہی حضرت والا کو بھی تحریر کر دیا۔ جس پر حضرت والا نے بہت اظہار مسرت فرمایا اور تحریر فرمایا کہ مجھے بھی اللہ تعالیٰ سے یہی توقع تھی کہ اب اس کوتاہی کے ارتکاب کی ایک بار نوبت بھی نہ آئے گی۔ اھ۔

چنانچہ بفضلہ تعالیٰ و ببرکت تجویز حضرت والا پہلے جس جرم کا ترک محال نظر آ رہا تھا بعد کو اس کا ارتکاب محال نظر آنے لگا اور اتنے برے اور بڑے مرض کا ایسا آسانی کے ساتھ استیصال کلی ہو گیا۔ حضرت والا نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ حد سے زیادہ اہتمام کی حاجت نہیں بس قصداً نظر نہ کرنا کافی ہے۔

ایک طالب اصلاح کا اقرار

ایک طالب اصلاح نے جو کسی فعل شنیع میں مبتلا تھے اور جن پر تنبیہ کی گئی تھی حضرت والا کے طرز تربیت بطریق سیاست کے نافع ہونے کو بہت ساختہ اور پر لطف عنوان سے ظاہر کیا تھا۔ لکھا تھا کہ اب دل میں اس فعل کے کرنے کا خیال بھی نہیں گزرتا اور امید قوی ہے کہ آئندہ ''ببرکت جوتۂ حضرت والا'' یہ فعل سوء کبھی صادر نہ ہو گا۔ اھ۔

تربیت بطریق سیاست کی نافعیت

اس قسم کے صدہا واقعات و مشاہدات ہیں اور اس نوع کی تصدیقات کے خطوط حضرت والا کی خدمت میں بکثرت آتے رہتے ہیں جن کے مضامین کو حضرت والا بلا اظہار نام حاضرین مجلس کو بھی سناتے رہتے ہیں اور ان خطوط سے اپنے طرز تربیت بطریق سیاست کی

نافعیت پر استدلال فرماتے رہتے ہیں اور معترضین کے منہ بند کرتے رہتے ہیں۔ ان سب حالات و واقعات سے باصطلاح طالب مذکور حضرت والا کے جوتے کی برکات بخوبی ظاہر ہیں جس کو روشن دماغ کہنا زیبا ہے کیونکہ اس کی بدولت آن کی آن میں سر سے خناس نکل کر دماغ فوراً روشن ہو جاتا ہے اور سب شیطانی خیالات کافور ہو جاتے ہیں۔

حضرت والا کا یہ وصف بھی مثل دیگر اوصاف فاروقی کے حضرت والا کے جد اعلیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی سے مورث ہے جن کی آہٹ سے بھی شیطان بھاگتا تھا جیسا کہ منقولہ ذیل ارشادات حضور سرور کائنات علیہ الوف الصلوات والتحیات میں مصرح ہے۔

نمبر ۱۔ عن انسؓ الشیطان یفر من حس عمرؓ (کنز العمال بحوالہ دیلمی)

نمبر ۲۔ عن عائشةؓ ان الشیطان یفر من عمر ابن الخطابؓ (کنز العمال بحوالہ تاریخ حاکم)

نمبر ۳۔ انی لانظر الی شیاطین الجن والانس قدفروا من عمرؓ (مشکوٰۃ باب مناقب عمرؓ)

نمبر ۴۔ ان الشیطان لیخاف منک یا عمرؓ (ایضاً)

نمبر ۵۔ یاابن الخطاب والذی نفسی بیده مالقیک الشیطان سالکاً فجاً قط الاسلک فجاً غیر فجک (ایضاً)

معترضین کا ہونا حق گوئی کا لازمی نتیجہ ہے

لیکن ظاہر ہے کہ بمصداق عربی مثل الحق مر اور بمصداق اردو مثل سچی بات سعد اللہ کہیں سب کے من سے اترے رہیں۔ ایسا حق گو مصلح باوجود جامع جمیع اسباب محبوبیت ہونے کے بھی سب کا بھلا ہرگز نہیں رہ سکتا اور ایسے مصلحین امت کی یہی سنت قدیمہ ہے چنانچہ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بلا خوف لومۃ لائم علماء اور مشائخ سبھی کی غلطیاں ظاہر فرمائیں خصوص کتاب الغرور میں جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ان پر کفر تک کے فتوے لگائے گئے اور ان کی کتاب احیاء العلوم کو جلایا گیا۔ گو وضوح حق کے بعد اس بے ادبی کا یہ تدارک کیا گیا کہ جس کتاب کو جلایا گیا تھا اسی کو پھر آب زر سے لکھوایا گیا۔ اس واقعہ کو نقل فرما کر حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ ابھی تو اس وجہ سے کہ المعاصرة اصل المنافرة لوگوں کو میرے اس طرز تربیت سے وحشت ہے اور اس پر

اعتراض ہے لیکن انشاء اللہ تعالیٰ بعد کو اس کی قدر کریں گے اور سند میں پیش کیا کریں گے۔ میں نے اپنے اوپر بدنامی لیکر اوروں کے لیے راستہ صاف کر دیا ہے۔ اھ۔

حدیث

صفت سیاست کے اس خاصۂ مذکورہ کی تائید بھی ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ جو حضرت عمرؓ ہی کے متعلق ہے۔ اس کو بھی اس جگہ مع ترجمہ و شرح حضرت والا کے الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے۔

عن علیؓ قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم رحم اللّٰہ عمر یقول الحق و ان کان مرا ترکہ الحق ومالہ من صدیق. رواہ الترمذی (مشکوۃ باب مناقب العشرۃؓ)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ رحمت (خاص) نازل فرماوے عمرؓ پر وہ حق بات کہہ دیتے ہیں اگرچہ کسی کو (عقلاً یا کسی کو طبعاً) تلخ (وناگوار) معلوم ہو (یعنی ان میں یہ صفت ایک خاص درجہ میں غالب ہے۔ اس درجہ کی حق گوئی نے ان کی یہ حالت کر دی کہ ان کا کوئی (اس درجہ کا) دوست نہیں رہا۔ (جیسا تسامح و رعایت کی حالت میں ہوتا)

فائدہ: تشریح حدیث

ترجمہ کے درمیان توضیحات سے تین شبہے رفع ہوگئے ایک یہ کہ کیا دوسرے حضرات صحابہؓ میں یہ صفت حق گوئی کی نہ تھی دوسرا شبہ یہ کہ کیا حضرت عمرؓ کا کوئی دوست نہ تھا۔ تیسرا شبہ یہ کہ کیا اس مجمع خیر میں بھی حق بات کے تلخ سمجھنے والے موجود تھے۔ اول کا جواب یہ ہے کہ اصل صفت سب صحابہ میں مشترک تھی لیکن یہ اختصاص غلبہ کے ایک خاص درجہ کے اعتبار سے ہے اور یہی توجیہ ہے خاص خاص حضرات کے لیے خاص خاص فضائل کا حکم فرمانے کی اور اس غلبہ کا مصداق یہ ہے کہ حق کے درجات متفاوت ہوتے ہیں۔ ایک درجہ یہ ہے کہ اس کا اظہار واجب ہے دوسرا درجہ یہ ہے کہ اولیٰ یا مباح ہوتا ہے۔ سو پہلا درجہ تو سب صحابہ میں بلکہ سب اہل حق میں مشترک ہے اور دوسرے درجہ کے اعتبار سے بزرگوں کے

حالات مختلف ہوتے ہیں۔ بعض مروت یا تسامح کو مصلحت پر ترجیح دے کر سکوت فرماتے ہیں۔ بعض مصلحت کو مروت پر ترجیح دے کر کہہ ڈالتے ہیں پہلا درجہ غلبہ کا ہے دوسرا درجہ حسن اتصاف کا۔ دوسرے کا جواب یہ ہے کہ دوستی کے ایک خاص درجہ کی نفی مقصود ہے۔ یعنی اگر حضرت عمرؓ مروت کو مصلحت پر غالب رکھ کر طرح دے جاتے اس حالت میں ان کے جیسے دوست ہوتے ہیں ویسے اب نہیں رہے۔ تیسرے کا جواب یہ ہے کہ طبعی تلخی و ناگواری اور اس کے مقتضاء پر عمل نہ ہونا یہ خیریت کے منافی نہیں۔ باقی ایسے لوگ بھی ہر زمانہ میں ہوتے ہیں جن کو عقلی تلخی بھی ہوتی ہے اگرچہ اس وقت ایسے اقل قلیل تھے۔ میری ضمنی توضیحات میں ان سب کی طرف قریب بصراحت اشارات ہیں۔ انتہیٰ بلفظہ الشریف۔

ایک معترض کو مولانا حمید حسن کا جواب

حضرت والا کے طرز سیاست کی ایک اور لطیف تائید یاد آئی جو مشفقی مولوی حمید حسن صاحب دیوبندی مدرس مدرسہ سعیدیہ جلال آباد نے ایک نادان معترض کے اس اعتراض کے جواب میں پیش کی تھی کہ خاکم بدہن خدانخواستہ حضرت والا میں اخلاق محمدی (علی صاحبها الصلوۃ والسلام) نہیں ہیں۔ مولوی صاحب ممدوح نے کیا خوب بات فرمائی کہ جناب آپ کو اخلاق محمدی (علی صاحبها الصلوۃ والسلام) کی فہرست بھی معلوم ہے یا آپ صرف خاص خاص اخلاق ہی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق سمجھتے ہیں کوئی حدیث کی کتاب تو ذرا اٹھا کر دیکھئے اس میں جہاں اور ابواب ہیں وہاں کتاب الحدود۔ کتاب القصاص۔ کتاب التعزیرات بھی تو ہیں یہ بھی تو سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے اخلاق ہیں۔ ضرورت کے مواقع پر سیاست کا استعمال اور جرائم کے ارتکاب پر سزاؤں کی تنفیذ یہ بھی تو اخلاق محمدی ہی میں داخل ہے۔ (صلے اللہ علی صاحبها الصلوۃ والسلام)

منبع صد کرم عتاب

ان سب تقریرات مذکورہ بالا سے ناظرین باتمکین نے اچھی طرح معلوم فرمالیا ہوگا کہ حضرت والا کا طریق اصلاح بالکل فطرت سلیمہ اور سلف صالحین کی سنت قدیمہ کے

موافق اور قرآن وحدیث کے مطابق ہے جس کی صریح صریح تائیدات اوپر بتفصیل گزر چکیں۔ لیکن پھر بھی حضرت والا نے ہمیشہ اپنے نفس کے ساتھ سوء ظن ہی رکھا اور گو مواقع ضرورت و مصلحت میں سیاست کا استعمال فرماتے رہے لیکن ہر واقعہ کے بعد بار بار اظہار افسوس وندامت بھی حالاً وقالاً وعملاً فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ بعض مرتبہ تو اسی رنج و افسوس میں رات رات بھر نیند نہیں آئی۔ اور بعض مواقع پر احقر نے حضرت والا کو معافی مانگتے ہوئے اور بعض صورتوں میں مالی تدارک فرماتے ہوئے بھی دیکھا ہے اور یہ تو ہمیشہ دیکھا بلکہ اس کا خود بھی ذاتی تجربہ کیا کہ حضرت والا کی خفگی مفتاح عنایات وتوجہات و دعوات خاصہ زایدہ ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ خود مورد عتاب بھی حضرت والا کے بعد کے برتاؤ اور اپنی باطنی ترقیات وتاثرات سے بین طور پر محسوس کرنے لگتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت والا کا عتاب بھی حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ الوف الصلوات والتحیات کی اس دعا کا مصداق ہو جاتا ہے۔ **اللھم انی اتخذ عندک عھداً لن تخلفنیه فانما انا بشر فایما مؤمن آذیته اوشتمته اوجلد ته ولعنته فاجعلھاله صلوٰۃً وزکٰوۃ و قربۃً تقربه بھا الیک**۔ اس موقع پر احقر کو اپنا ایک شعر یاد آتا ہے۔ ؎

منبع صد کرم تر الطف بھرا عتاب تھا　　سارے تعلقات کا وہ ہی تو فتح باب تھا

اپنی مصلحت پر طالب کی مصلحت کو ترجیح دینا

حضرت والا نے اپنے طرز تربیت کے متعلق بارہا فرمایا کہ یہ طرز میری طبیعت کے بالکل خلاف ہے اور مجھے بعد کو بڑی کلفت اور ندامت بھی ہوتی ہے اور رہ رہ کر سوچا کرتا ہوں کہ بجائے اس طرح کہنے کے اس طرح بھی کہہ سکتا تھا بجائے یوں سمجھانے کے یوں بھی سمجھا سکتا تھا۔ بجائے اس تجویز کے یہ تجویز بھی کر سکتا تھا لیکن عین وقت پر مصلحت اصلاح کا ایسا غلبہ ہوتا ہے کہ اور کوئی مصلحت پیش نظر رہتی ہی نہیں۔ اور یہ جبھی تک ہے جب تک میں نے اپنے ذمہ اصلاح کی خدمت سمجھ رکھی ہے اور اگر کبھی اس سے قطع نظر کر لی تو پھر میں انشاء اللہ خوش اخلاق بھی بن کر دکھلا دوں گا۔ میرا اصلی مصداق تو یہی ہے کہ کسی سے کچھ تعرض ہی نہ کروں اور اپنے آپ کو سب سے یکسو رکھوں بقول احمد جامؒ ؎

احمد تو عاشقی بہ مشیخت تراچہ کار　　دیوانہ باش سلسلہ شد شد نہ شد نہ شد

(اے احمد! تو عاشق ہے تیرا بزرگی سے کیا کام؟ تو دیوانہ ہی رہ سلسلہ ہوگا تو ہوگا نہ ہوگا تو نہ ہوگا)

اور بقول عارف شیرازیؒ۔

رند عالم سوز را با مصلحت بینی چہ کار　　کار ملک ست آنکہ تدبیر و تحمل بایدش

(جہان کو آگ لگانے والے مَست کو مصلحتوں سے کیا واسطہ؟ حکومت کا کام تو ایسا ہے کہ جس کیلئے تدبیر اور برداشت کی ضرورت ہے۔)

معترضین کے ساتھ حسنِ ظن

اسی سوءِ ظن بنفسہ کی وجہ سے حضرت والا نے معترضین کے مقابلہ میں بھی کبھی رد کی کوشش نہیں فرمائی بلکہ ان کے اعتراضوں پر بھی بالخصوص جہاں مظنہ نیک نیتی کا تھا۔ اس نیت سے نظر فرمائی کہ اگر ان اعتراضات میں کوئی امر واقعی قابل قبول ہو تو اس کو قبول کر کے ان پر عمل کیا جائے۔

ایک معترض کی وجہ سے اپنے طریق پر نظر ثانی

چنانچہ حضرت والا اسی لحاظ سے وقتاً فوقتاً اپنے طریق اصلاح پر نظر ثانی بھی فرماتے رہے ہیں جیسا کہ رسالہ ''التبدیل من الثقیل الی التعدیل'' سے واضح ہے جس کو حضرت والا نے ایک ناصح نادان کے معترضانہ خط سے متاثر ہو کر حال ہی میں تصنیف فرمایا ہے۔ اور جس میں اس ترمیم کی تفصیل ہے جو حضرت والا نے اپنے طرز تربیت اور طریق اصلاح میں بلحاظ ناگواری طبائع تجویز فرمائی ہے اور جس کا ایک بہت مختصر مگر جامع مانع خلاصہ حضرت والا نے ایک دفتی پر خوشخط لکھوا کر اپنے سامنے رکھ لیا ہے تا کہ وہ پیش نظر رہے اور وقت پر ذہول نہ ہونے پائے اور اپنے تجویز کردہ دستور العمل پر عملدرآمد آسان ہو۔ اس سے اندازہ فرما لیا جائے کہ حضرت والا کو قوانین ضروریہ پر عمل کرنے کا خود بھی کس قدر اہتمام ہے۔ رسالہ مذکورہ کو مع ضمیمہ کے ناصح صاحب کے بعد کے توبہ نامہ کو مع حضرت والا کے جواب باصواب ولاجواب کے انشاء اللہ تعالیٰ حسن العزیز سے قریب ہی کی سطور میں اپنے موقع پر نقل کیا جائے گا۔

معترض کا اپنے اعتراض سے توبہ کرنا

پہلے تو معترض صاحب نے جوش انتقام میں مغلوب النفس ہو کر جو جی چاہا لکھ مارا اور ساتھ ہی اپنی نفسانیت پر پردہ ڈالنے کی غرض سے خط میں اپنی خیر خواہی و محبت و خلوص نیت کا یقین دلا دیا لیکن پھر جلدی ہی حضرت والا کی کتاب التکشف کے مطالعہ کی برکت سے منجانب اللہ ان کی خود بخود آنکھیں کھلیں اور ایسے ہوش درست ہوئے کہ انہوں نے فوراً حضرت والا کی خدمت میں ایک توبہ نامہ ارسال کیا جو قریب ہی کی سطروں میں بالفاظہ نقل کیا جائے گا جس میں انہوں نے صاف اور صریح لفظوں میں اپنے ان مفصلۂ ذیل رذائل اور تاثرات کا اظہار و اقرار کیا ہے۔ اپنی بدبختی، روسیاہی، گستاخی، بیباکی، جرأت اور نمک حرامی، اپنا تشدد، عناد، حرمان اور خسران دارین، اپنا مستحق زجر ہونا اور حضرت والا کا حق بجانب ہونا اپنا خواہ مخواہ کا مصلح بننا اور اپنے اس جرم کا ناقابل تلافی ہونا۔ پھر آخر میں اپنی ندامت و شرمساری کا اظہار اور عفو کی درخواست۔ اور ایک انہی صاحب نے کیا بہت سے معترضین نے اسی طرح اپنے اعتراضات سے بعد کو رجوع کیا ہے اور اپنی غلطی کا اعتراف کیا ہے جس سے الحق یعلو و لا یعلی کا ظہور ہوا ہے۔

معترضین پر خدائی وبال

ان معترضین میں سے بعض نے تو حقیقت سمجھ کر رجوع کیا اور بعض جب اپنی گستاخی اور بداعتقادی کی پاداش میں بمصداق (ع) باشیر پنجہ کردی و دیدی سزائے خویش۔ منجانب اللہ مبتلائے آلام و مصائب ہوئے اور ان کے قلب سے قرار و سکون ذوق و شوق انشراح و انبساط سارے آثار جمعیت غائب ہوئے اور اس طرح وہ ظاہری و باطنی دونوں لحاظ سے بمصداق ارشاد مولانا رومیؒ۔

گر جدا بینی زحق ایں خواجہ را گم کنی ہم متن وہم دیباچہ را

(اگر تو اس سردار کو حق سے دور دیکھے تو اصل اور شرح سب سے محروم ہوگا)

خاسر و غائب ہوئے تب مجبور ہو کر نادم و تائب ہوئے۔

ہر چند حضرت والا نے بغایت تواضع اپنے کو اس درجہ کا نہ سمجھ کر اور اس بناء پر بھی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کوئی عادت مستمرہ تو ہے نہیں ہمیشہ ایسی صورتوں میں اپنے ستانے والوں کے

ابتلاء کو اتفاق ہی پر محمول فرمایا اور ان کے اس گمان کی کہ حضرت والا کی شان میں گستاخی کرنے کی وجہ سے ان پر مصیبت آئی تغلیط ہی فرمائی۔ لیکن بمجوائے حدیث من عادیٰ لی ولیًا فقد آذنتہ للحرب اور بمجوائے ارشاد عارفین۔

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات با دُرد کشاں ہر کہ دراُفتاد براُفتاد

(ہم نے جزاء وسزا کے اس عالم میں بہت دفعہ تجربہ کیا ہے کہ جو تلچھٹ پینے والوں کے ساتھ بیٹھا وہی بلند ہوا)

ہیچ قومے را خدا رُسوا نہ کرد تا دلِ صاحب دلے نامد بہ درد

(جب تک کسی قسم نے کسی اللہ والے کا دل نہیں دُکھایا اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو رسوا نہیں کیا)

اہل اللہ کے دل دکھانے اور ان کو ستانے والوں کا اکثر یہی انجام ہوتا ہے کہ وہ مبتلائے آلام ومصائب ظاہری و باطنی کر دیئے جاتے ہیں جس کا بعض اوقات خود ان کو بھی احساس ہونے لگتا ہے اور پھر ان میں سے بعض متنبہ ہو کر تائب بھی ہو جاتے ہیں۔

شیخ کی بے ادبی کرنے کا نقصان

بالخصوص تعلق ارادت قائم کر لینے کے بعد پھر گستاخی اور بے ادبی کرنا تو خاص طور سے زیادہ موجب وبال ہوتا ہے چنانچہ خود حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ اس تعلق میں بعض اعتبارات سے معصیت اتنی مضر نہیں ہوتی جتنی بے ادبی مضر ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ معصیت کا تعلق تو اللہ تعالیٰ سے ہے اور چونکہ وہ تاثر و انفعال سے پاک ہیں اس لیے توبہ سے فوراً معافی ہو جاتی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ویسا کا ویسا ہی تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ بخلاف اس کے بے ادبی کا تعلق شیخ سے ہے اور وہ چونکہ بشر ہے اس لیے طالب کی بے ادبی سے اس کے قلب میں کدورت پیدا ہو جاتی ہے جو مانع ہو جاتی ہے تعدیۂ فیض سے۔ اھ۔

پھر حضرت والا نے فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے اس کی خوب مثال دی تھی۔ فرمایا کہ اگر کسی چھت کی میزاب کے مخرج میں مٹی ٹھونس دی جائے تو جب آسمان سے پانی برسے گا تو گو وہ چھت پر تو نہایت صاف وشفاف حالت میں آئے گا لیکن جب میزاب میں ہو کر نیچے پہنچے گا تو بالکل گدلا اور میلا ہو کر۔ اسی طرح شیخ کے قلب پر جو ملاء اعلیٰ سے فیض و

انوار نازل ہوتے رہتے ہیں ان کا تعدیہ ایسے طالب کے قلب پر جس نے شیخ کے قلب کو مکدر کر رکھا ہے مکدر صورت ہی میں ہوتا ہے جس سے اس طالب کا قلب بجائے منور و مصفا ہونے کے تیرہ و مکدر ہوتا چلا جاتا ہے۔ حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ اپنے شیخ کے قلب کو مکدر کرنے اور مکدر رکھنے کا طالب پر یہ وبال ہوتا ہے کہ اس کو دنیا میں جمعیت قلب کبھی میسر نہیں ہوتی اور وہ عمر بھر پریشان ہی رہتا ہے لیکن چونکہ یہ ضروری نہیں کہ ہر فعل موجب تکدر شیخ معصیت ہی ہو اس لیے ایسی صورت میں اس فعل سے براہ راست تو کوئی دینی ضرر نہیں پہنچتا لیکن وہ بواسطہ اکثر سبب ہو ہی جاتا ہے دینی ضرر کا بھی جس کی ترتیب یہ ہوتی ہے کہ اول شیخ کے قلب کا تکدر سبب ہوتا ہے۔ طالب کے انشراح قلبی کے زوال کا اور پھر یہ عدم انشراح اکثر سبب ہو جاتا ہے کوتاہی اعمال کا اور پھر یہ کوتاہی اعمال سبب ہو جاتی ہے دینی ضرر اور اخروی وبال کا۔ گو عدم انشراح کی حالت میں بھی اگر وہ اپنے اختیار اور ہمت سے برابر کام لیتا رہے اور اعمال صالحہ کو بہ تکلف جاری رکھے تو پھر کوئی بھی دینی ضرر نہ پہنچے لیکن اکثر یہی ہوتا ہے کہ انشراح کے فوت ہو جانے سے اعمال میں بھی کوتاہیاں ہونے لگتی ہیں اور اس طرح بواسطہ دینی ضرر کا بھی اکثر تحقق ہو ہی جاتا ہے کیونکہ جو داعیہ عادیہ تھا یعنی انشراح وہ تو جاتا رہا اور بلا داعیہ اکثر کو عمل بہت دشوار ہوتا ہے۔ اھ۔

حضرت والاؒ کی تواضع

اسی سلسلہ میں حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ گو میں خود کوئی چیز نہیں لیکن جب کسی نے کسی شخص کو اپنا معتقد فیہ بنا لیا اور پھر بلا وجہ اس کے ساتھ خلاف اعتقاد معاملہ کر کے اس کو مکدر کر دیا تو اس صورت میں بھی ویسی ہی مضرتیں پہنچیں گی جیسی کاملین و مقبولین کو مکدر کرنے سے پہنچتی ہیں۔ اھ۔

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ یہ حضرت والا کی غایت تواضع ہے ورنہ آج حضرت والا کا مرکز رشد و ہدایت اور سرگروہ مشائخ وقت اور اشرف کاملین و مقبولین زمانہ ہونا روز روشن کی طرح ظاہر و باہر ہے کیونکہ اس زمانہ میں اور کسی سے ایسا عام اور تام بلکہ اس کے لگ بھگ بھی فیض دینی ظاہری و باطنی مخلوق خدا کو نہیں پہنچ رہا جو ایک امر مشاہد اور ایک صریح اور ناقابل انکار حقیقت ہے اور کیوں نہ ہو حسب ارشاد محققین (جس کی تصدیق مشاہدہ سے بھی

ہوتی ہے) یہ عادت الٰہیہ قدیمہ کو ہر زمانہ میں ایک ایسا امام دنیا میں ضرور موجود رکھا جاتا ہے جس سے امتیاز حق و باطل ہوتا رہے اور چونکہ وہ بمصلحت ہدایت عباد مؤید من اللہ ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اس کے منہ سے ہمیشہ حق بات ہی نکلتی ہے۔ نیز وہ ایسی مخصوص مقبولیت و محبوبیت عند اللہ سے مشرف فرمایا جاتا ہے کہ اہل عصر میں سے جو شخص اس کا معتقد نہیں ہوتا وہ گو عاصی تو نہیں ہوتا مگر برکات خاصہ سے محروم رہتا ہے۔

چونکہ اس زمانہ میں ظاہراً سوائے حضرت والا سلمہم اللہ تعالیٰ کے اور کوئی بزرگ اس شان کا نہ دیکھا گیا نہ سنا گیا لہٰذا بگمان غالب قریب بہ یقین حضرت والا ہی اس مذکورہ بالا سنت الٰہیہ قدیمہ کے فی زماننا مصداق معلوم ہوتے ہیں۔ واللّٰہ اعلم باسرارہ و اسرار اولیائہ۔

مذکورہ بالا ضمنی بیانات کے بعد اب حسب وعدہ حضرت والا کے رسالہ ''التبدیل من التثقیل الی التعدیل'' کو مع ضمیمہ کے اور معترض صاحب کے بعد کے توبہ نامہ کو مع حضرت والا کے جواب باصواب کے مکتوبات حسن العزیز سے اصل الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے اور صاحبان ذوق تو اس تبدیل پر بصد حسرت یہ شعر پڑھیں گے ؎

بچہ امید تواں زیستن اکنوں احسن ... فکر بیداد ہم از خاطر جاناں برخاست

(اب کس امید پر حسین زندگی گزاری جاسکتی ہے، کہ اب تو محبوب کے دل سے ظلم کا خیال ہی جاتا رہا)

رسالہ التبدیل من التثقیل الی التعدیل

بعد الحمد والصلوٰۃ: یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۵۴ھ کو ایک مقام سے ایک خط آیا جس میں دل کھول کر میرے طریق اصلاح و تربیت پر مجھ کو سب و شتم کیا گیا اور طریق مروج کے اتباع کی فرمائش کی گئی ہر چند کہ اس کے قبل بھی ایسے خطوط متعدد بار آچکے ہیں مگر اس میں خیر خواہی کا دعویٰ نہیں کیا گیا تھا اس لیے ان کے معاندانہ لہجہ پر غلبہ نظر کے سبب زیادہ قابل التفات نہیں سمجھا گیا۔ گو کسی قدر ان سے بھی متاثر ہو کر طرز عمل میں تغیر کیا گیا نیز اپنی حالت پر ہمیشہ نظر تنقیدی کی عادت کو بھی اس تغیر میں خاص دخل ہے چنانچہ حسن العزیز کے حصہ ملفوظات میں دور جدید کی سرخی کا مضمون جو کہ غرہ رمضان ۱۳۳۴ھ کا لکھا ہوا ہے اور ضمیمہ تتمہ خامسہ میں طور جدید کی سرخی کا مضمون جو کہ الامداد بابتہ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ میں

شائع ہوا ہے۔ اس دعویٰ پر کافی دلیل ہے مگر اس اخیر خط میں باوجودیکہ وہ اپنے کاتب کے اصول و فروع طریق سے محض بیخبر ہونے پر قطعی شہادت دے رہا ہے لیکن اس میں خیر خواہی و محبت و خلوص نیت کا یقین بھی دلایا گیا ہے جس کی تکذیب کا مجھ کو کوئی حق نہیں اس لیے اس کی ناواقفی پر نظر نہ کر کے اور اس کے دشنامی لہجہ کو حافظؔ کے اس مصرعہ (ع) بدم گفتی و خورسندم عفاک اللہ نکو گفتی) کے تحت میں داخل کر کے اور اسی کے ساتھ اپنے نفس کو بھی غوائل سے بری نہ پا کر خاص طور سے اس میں نظر کی گئی اور نظر کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ میرے طرز موجود کی مثال اس علاج کی سی ہے جس میں معالج صحت کے درجہ کاملہ کی تحصیل کے لیے اسباب مرض کے استیصال کا اہتمام کرتا ہے اور اس لیے ادویہ کی تلخی اور مریض کی ناگواری کی پروا نہ کر کے کامل النفع دوا تجویز کرتا ہے اور پرہیز میں بھی خفیف سے خفیف مضار سے بچانے کی سعی کرتا ہے اور مریض کی ادنیٰ کوتاہی اور بے پروائی پر اپنی ناراضی ظاہر کرتا ہے اور اگر لطف مفید نہیں ہوتا تو عنف کا استعمال کرتا ہے اور کاتب خط کی مثال اس علاج کی سی ہے جس میں معالج مریض کی ناتمام صحت پر قناعت کر کے دوا وہ تجویز کرے جس کو مریض خوشی سے گوارا کر لے اگرچہ مرض کا استیصال نہ ہو صرف قدرے کمی ہو جائے اگرچہ بعد چندے وہ پھر زور پکڑے یا اگر معتد بہ کمی بھی ہو گئی تھی لیکن استیصال نہ ہوا تھا اس لیے بعد چندے پھر عود کر آئے۔ اسی طرح اس کی بد پرہیزی میں بھی تسامح کرے کہ مہلک اشیاء سے تو روک ٹوک کرتا رہے لیکن مرض و مضعف اشیاء کی اجازت دے دے۔

یہ تو فرق کی تحقیق تھی طرز موجود اور اس کاتب ناصح کی تجویز میں۔ باقی ان دونوں کے نتیجہ میں جو فرق ہے وہ خود فرق مذکور سے ظاہر ہے کہ ایک میں نفع تام ہے گو مریضوں کی ناقدری و بے خبری سے عام نہ ہو اور دوسری تجویز میں نفع تام نہیں گو کم ہمت اور نادان مریضوں کے ہجوم سے صورۃً نفع عام متوہم ہو۔ پھر ان دونوں فرقوں کے بعد اس میں غور کیا گیا کہ اب تک تو طرز اول ہی کو اس لیے راجح سمجھ کر اختیار کیا جا رہا تھا کہ یہ طرز جس طرح اپنی غایت کے اعتبار سے راجح ہے اسی طرح اصول طریق کی موافقت کے سبب بھی راجح ہے۔ چنانچہ ائمہ طریق کے واقعات معالجات سے تو (جو کتب فن میں ہزاروں کی تعداد میں منقول ہیں) صراحۃً بلا تامل اور کتاب و

سنت سے بعض میں قدرے تامل کے ساتھ اور اکثر میں بلا تامل یہ موافقت ثابت ہے جو جابجا میری تقریرات وتحریرات میں متفرقا اور مسائل السلوک وتکشف وتشرف میں مجتمعا مذکور ہے۔

بہرحال اسی رجحان علمی وعملی کی بناء پر اب تک یہ معمول تھا لیکن پھر بھی احتیاطا اس خط کی بناء پر ایک دوسرے پہلو پر بھی نظر کی گئی وہ یہ کہ جن مریضوں کے نفع کے لیے یہ درد سر اختیار کیا جارہا ہے جب وہی اس کو ثقیل سمجھتے ہیں تو ایسی حالت میں طبیب کا یہ اہتمام بلیغ بالکل انلزمکموھا و انتم لھا کرھون اور مدعی سست گواہ چست کا مصداق ہے۔ جو کہ غیر ضروری ہے تو جانبین کی سہولت کے لیے عملاً اس قدر پر اکتفا مناسب ہے جس کو مریض گوارا کر سکے اور جس قدر اس میں نقص ہے تعلیماً اس پر تنبیہ کر دی جائے تا کہ ایک درجہ تک اس میں تلبیس و خیانت سے بھی صیانت رہے عادت عامہ کی بھی رعایت ہو جائے آگے اپنے نفع نقصان کو وہ خود دیکھ لے۔ اس صورت میں اس طرز تربیت کی شان تبلیغ عام کی سی رہ جائے گی جس میں مبلغ کے متعلق ارشاد ہے۔ قُلْ یٰٓاَیُّھَاالنَّاسُ قَدْ جَآءَ کُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ فَمَنِ اھْتَدٰی فَاِنَّمَا یَھْتَدِیْ لِنَفْسِہٖ وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْھَا وَمَآاَنَا عَلَیْکُمْ بِوَکِیْلٍ.

جیسا طرز سابق کی شان تادیب خاص کی سی تھی جس کے متعلق ارشاد ہے

"کلکم راع وَکلکُم مسؤل عنْ رعیته الحدیث" اور چونکہ عدم التزام کی حالت میں جس کی علامت گرانی ہے احقر کو طالبین کے ساتھ راعی ورعیت کا سا تعلق نہیں اس لئے مجھ کو یہ دوسرا طرز اختیار کرنا بھی جائز ہے اور چونکہ اس وقت طالبین کا غالب مذاق یہی ہے اس لیے اب اس جائز کو اختیار کر لینے کا ارادہ کر لیا ہے۔ لوگ کڑوی دواؤں سے بچیں گے۔ میں مشقت اور مشقت کے صلہ میں گالیوں سے بچوں گا۔ اگر کسی کو نفع کامل حاصل کرنا مطلوب ہوگا اس کے لیے اس نفع ناقص کے ساتھ میری کتابوں کا انضمام انشاء اللہ تعالیٰ کافی ہو جائے گا۔ میں بلا ضرورت کیوں غم میں پڑا بقول مشہور قاضی جی تم کیوں دُبلے کہنے لگے شہر کے اندیشہ سے۔

باقی اس طرز جدید کی جزئیات وخصوصیات کا انضباط جامع مانع عبارت میں متعسر و متعذر ہے البتہ اجمالی اشارہ ان عنوانات سے ہوسکتا ہے۔ تحمل۔ تامل۔ تجمل تامل۔ تجمل تحمل۔ تمہل تسہل یہ تحریر اسی تبدیل کی اطلاع کے لیے ناظرین کے سامنے لائی گئی

ہے اور دو اعتبار سے اس کے دو لقب ہو سکتے ہیں۔ ایک اعتبار تو یہ ہے کہ میرے نزدیک طرز سابق تعدیل تھا اب اس سے تنزل کر کے زیادہ تخفیف و تسہیل کی گئی۔ اس اعتبار سے تو اس کا لقب "التنزیل من التعدیل الی التسھیل" ہے اور ایک اعتبار یہ ہے کہ معترضین کے نزدیک وہ طرز سابق تشدد اور تثقیل تھا اور دوسرا طرز تعدیل ہے اس اعتبار سے اس کا لقب "التبدیل من التثقیل الی التعدیل" ہے اور چونکہ اس تبدیل میں مذاق عامہ کی رعایت کی گئی ہے اس لیے تسمیہ میں بھی اسی کی رعایت سے دوسرے لقب کو تجویز کرتا ہوں چنانچہ سرنامہ پر آپ کو یہی ملے گا۔ واللہ ھو الھادی فی المقاصد والمبادی۔

اور ہر چند میں یہ بھی جانتا ہوں کہ بعض معترضین یا نادان محبین اس پر بھی قناعت نہ کریں گے اس سے بھی تنزل کی رائے دیں گے مگر میں اس سے اس لیے معذور ہوں کہ میرے نزدیک اس سے تنزل تربیت ہی کا کوئی درجہ نہیں بلکہ صاف ترک تربیت ہے۔ البتہ اگر کسی وقت حالات خاصہ مقتضیۂ ترک تربیت رونما ہوں گے جیسے خدا کرے فاعلین تربیت کا وجدان یا خدا نہ کرے قابلین تربیت کا فقدان اس وقت اس ترک کو بھی جائز سمجھ کر اختیار کرلوں گا اور یہ ترک عام ہے۔ باقی ترک خاص وہ عدم مناسبت کی صورت میں اب بھی کسی خاص شخص کے لیے تجویز کیا جا سکتا ہے۔

فی الاول للآیۃ و لتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر الخ۔

وفی الثانی الحدیث اذا رأیت شحاً مطاعاً وھوی متبعا

ودنیا موثرۃً واعجاب کل ذی رای برأیہ فعلیک

بخاصۃ نفسک ودع امر العامۃ۔

ولیکن ھذا اخر الکلام واللہ المستعان . وعلیہ التکلان۔

فی کل مرام ثالث جمادی الاول ۱۳۵۴ھ۔

ضمیمہ عملیہ

اس تبدیل کی حقیقت تو مشاہدہ پر موقوف ہے مگر رفع انتظار عائبین کے لیے مختصر تنقیح اس کی ماضی وحال کے تقابل کے طور پر بطور نمونہ کے پیش کی جاتی ہے۔

ماضی	حال
۱۔اس احتمال سے کہ متوسط نقل مضمون میں تغیر وتبدل نہ کردے (گو بلا قصد ہی ہو) صاحب معاملہ سے خود خطاب کیا جاتا تھا جس سے بعض اوقات مخاطب مغلوب ہوجاتا تھا۔	۱۔کسی متوسط کے ذریعہ اس کی غلطی پر متنبہ کیا جاتا ہے اور حتی الامکان واسطہ خطاب ایسے شخص کو تجویز کیا جاتا ہے جس میں احتمال تغییر مضمون کا نہ ہو۔
۲۔غلطی کے وجوہ خود بیان کیے جاتے تھے جو بصورت دعاوی ہوتے تھے اگر چہ بہ دلیل بیان کیے جاتے تھے مگر طبعاً دعویٰ کا اثر اباء عن القبول ہوتا ہے۔	۲۔مقصود کے مبادی و مقدمات بدیہیہ مخاطب سے قبول کرا کے مقصود کو خود مخاطب سے تسلیم کرالیا جاتا ہے جس کا حاصل اقرار ہے طبعاً اس کا اثر قبول ہوتا ہے
۳۔خطاب بلا واسطہ میں جب مخاطب بے اصول جواب دے تغیر میں زیادت ہوکر لہجہ تیز ہوجاتا تھا کم فہم مخاطب اس کو ناراضی سمجھ کر رنجیدہ ہوجاتا تھا۔	۳۔اب توسط میں اس کی نوبت ہی نہیں آسکتی اس لیے بجائے رنجیدہ ہونے کے شرمندہ ہوتا ہے۔
۴۔مکالمت کے ختم پر فیصلہ تجویز کر کے اس کو اطلاع کردی جاتی تھی جس کی صورت حکومت جیسی ہوتی تھی جو بعض اوقات اس کو ناگوار ہوتا تھا۔	۴۔اب غلطی تسلیم کرا کر خود اس سے فیصلہ تجویز کرایا جاتا ہے اگر اس کا فیصلہ ناکافی ہوتا ہے۔ اس کا غلط ہونا ظاہر کر کے دوسرے فیصلہ کیلئے کہا جاتا ہے اور اخیر فیصلہ کے بعد اکثر اپنی طرف سے اس میں تخفیف کردی جاتی ہے جس کو وہ غنیمت سمجھتا ہے اور خوشی سے قبول کرتا ہے۔

۵۔ چونکہ طبعاً بھی اور بضرورت ہجوم مشاغل بھی اور مخاطب کو کلفت انتظار سے بچانے کے لیے بھی فیصلہ فوراً نافذ کر دیا جاتا تھا اور اس کے بعد بعض اوقات اس میں نظر ثانی کی گنجائش محسوس ہوتی تھی۔	۵۔ نظر ثانی کی مصلحت کو مصالح مذکورہ پر ترجیح دیکر نفاذ میں کسی قدر توقف کیا جاتا ہے۔

اور باوجود اس کے اب بھی اپنی رائے پر نہ وثوق ہے نہ اپنے طرز عمل ماضی یا حال پر ناز ہے۔ بشریت ہے جس کے باب میں خُلِقَ الانسانُ ضَعِیْفاً اور خُلِقَ الاِنسَانُ مِنْ عجل ارشاد ہے جس کا حاصل علم وعمل کا نقص ہے اس لیے ہر حال میں گو نیت یہی ہے کہ ان ارُیدُ الا الا صلاحَ مااستَطعتُ مگر پھر بھی اس نیت کے متعلق یہی التجا ہے وما توفیقی اَلّا باللّٰہ علیہ تو کلت والیہ اُنیبُ. اور صیغہ استغفار کے ساتھ یہ دعا ہے جو صالح علیہ السلام کے ارشاد سے ماخوذ ہے۔ اَستَغفِرُ رَبّی ثُمّ اَتُوبُ اِلَیہِ انّ ربیّ قریب مجیب۔

تنبیہ: یہ التزامات اکثری ہیں ولا کثر حکم الکل جس میں کسی معارض قوی مصلحت سے یا ذہول سے استثناء بھی ممکن الوقوع ہے۔ اسی طرح یہ سب مراتب توقع مناسبت تک ہیں ورنہ سنت خضریہ ھذا فراق بینی و بینک معمول بہا ہے۔

نوٹ: اس کے بعد ۱۱۔ جمادی الاخریٰ ۴۵ھ کو ان ہی معترض صاحب کا توبہ نامہ آیا جس کو مع جواب نقل کیا جاتا ہے۔

نقل خط: مکرم ومحترم جناب مولانا صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ورضوانہ۔ کچھ عرصہ ہوا یہ بدبخت روسیاہ خدمت والا میں بے اجازت چلا گیا۔ آپ نے اس مستحق کو خوب زجر فرمائی سو آپ حق بجانب تھے میں نے یہاں آکر مصلح بن کر آپ کو خط لکھا کہ اتنا غصہ اور ہتک نہ چاہیے۔ رسول اللہ کا ایسا سلوک نہ تھا اور بہت بے باکانہ الفاظ لکھے۔ سو اب اس نمک حرام نے آپ کی تصنیف تکشف سے متشددین اور معاندین کا بیان پڑھا ہے اور بہت نادم ہے اور شرمسار محروم۔ میں نے خسران دارین لینے میں بڑی جرأت کی۔ کیا آپ

مجھے للہ یہ گستاخی معاف فرماتے ہیں یا میرا جرم ناقابل تلافی ہے۔ فاعف عنے۔

نقل جواب السلام علیکم۔ اگر معافی کے یہ معنے ہیں کہ قیامت میں مواخذہ نہ کروں دنیا میں بدؤعا نہ کروں۔ غیبت نہ کروں تو معاف ہے چنانچہ میں نے کسی کو نام بھی نہیں بتلایا بلکہ بستی کا نام بھی نہیں بتلایا کہ کسی کے دل میں بغض نہ ہو جائے اور اگر یہ معنے ہیں کہ دوستوں کا سا تعلق رکھوں یا خط وکتابت یا ملاقات کی اجازت دوں تو معاف نہیں تا کہ پھر کسی پر ظلم نہ کرو۔ ۱۲۔ ج ۲ ۵۴ھ

معترض کے ساتھ خیر خواہی

یہاں ایک امر اور قابل غور عرض ہے کہ باوجود ناگواری کے جو معترض کے گستاخانہ لہجہ اور بیہودہ اعتراضات سے پیدا ہوئی تھی حضرت والا نے اتنی رعایت فرمائی کہ نہ معترض کا خط کسی کو سنایا بلکہ اسی وقت اسے چاک فرما دیا۔ جیسا کہ حضرت والا کا معمول ہے اور نہ معترض کا نام اور پتہ کسی کو بتایا بلکہ اس درجہ اہتمام کے ساتھ چھپایا کہ ڈاک خانہ کی مہر کو بھی قلم زد فرما دیا اور اس طرح کہ کوئی پڑھ نہ سکے اور احقر نے صوبہ کا نام دریافت کیا تو وہ بھی نہ بتایا اور فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ اس صوبہ سے بھی کسی کو بغض نہ ہو اور وہاں کے رہنے والے محبین کو شرمندگی بھی نہ ہو۔

ایک دقیق مسئلہ کی وضاحت

علاوہ بریں حضرت والا نے معترض کے توبہ نامہ کے جواب میں ایک مسئلہ دقیق کی تعلیم بھی فرمائی کہ معافی اور چیز ہے دل ملنا اور چیز ہے کیونکہ بشاشت قلب امر غیر اختیاری ہے جو بعض حالتوں میں فوت ہونے کے بعد پھر عمر بھر بھی پیدا نہیں ہوتی۔ چنانچہ حضرت والا اس کی تائید میں حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے واقعہ کو نقل فرمایا کرتے ہیں جو اس باب میں نص صریح ہے۔ فرمایا کرتے ہیں کہ حضور سے زیادہ کس کا قلب منور ومطہر اور وسیع وعالی ہوسکتا ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں بھی حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان کے اسلام لانے کے بعد بھی بشاشت پیدا نہ ہوئی تو ہم لوگ تو چیز ہی کیا ہیں حالانکہ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے جرم کی معافی اسلام لانے کے بعد یقیناً ہو چکی تھی کیونکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے **الاسلام یھدم ما کان قبلہ** لیکن اس جرم کی نوعیت ہی ایسی تھی

کہ باوجود معافی ہوجانے کے بھی اس کا اثر بشکل رنج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں موجود رہا کیونکہ قبل اسلام لانے کے حضرت وحشی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو نہایت بیدردی کے ساتھ غزوہ احد میں شہید کیا تھا جس کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت وحشی رضی اللہ عنہ پر نظر پڑتے ہی استحضار ہوجاتا تھا اوران کی طرف سے قلب مبارک میں انقباض پیدا ہوجاتا تھا۔ یہاں تک کہ بالآخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت وحشی رضی اللہ عنہ سے صاف فرمادیا کہ **هل تستطيع ان تغيب وجهک عني** اور وہ شام تشریف لے گئے اور پھر جیسی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی مبارک تھی کبھی اپنا چہرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دکھایا۔ بمصداق۔

اُرِيدُ وِصالَه وَ يُرِيدُ هجري فَاترُک مَااُرِيدِ لِمَا يُرِيدُ

(میں اس کا وصال چاہتا ہوں اور وہ مجھ سے جدائی چاہتا ہے لہٰذا میں اپنا ارادہ اس کی خواہش کی وجہ سے چھوڑتا ہوں۔)

میل من سوئے وصال وقصد او سوئے فراق ترک کام خود گرفتم تا برآید کام دوست

(میرا میلان وصال کی طرف ہے اور اس کا ارادہ جدائی کی طرف ہے میں نے اپنا مقصد چھوڑ دیا ہے تاکہ میرے دوست کا مقصد پورا ہوجائے۔)

اس واقعہ کو بخاری شریف جلد ثانی غزوہ احد باب قتل میں حمزہؓ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔ **قال وحشي في حديث طويل حتىٰ قدمت علىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما رانى قال انت وحشي قلت نعم قال انت قتلت حمزة قلت قدكان من الامرما بلغک قال فهل تستطيع ان تغيب وجهک عني قال فخرجت الخ۔**

(ف) اس واقعہ کے چند ضروری اجزاء فتح الباری سے بھی نقل کیے جاتے ہیں۔ **في فتح البارى في رواية فلما خرج وفد الطائف ليسلموا تغميت على المذاهب فقلت الحق باليمن اوالشام اوغيرها وفي رواية الطيالسى فاردت الهرب الى الشام فقال لى رجل ويحک والله مایاتی محمدا(صلى الله عليه وسلم) احد بشهادة الحق الاخلىٰ عنه قال فانطلقت فما شعربى الاواناقائم على**

راسه اشهد بشهادة الحق و ايضاً فی الفتح وعند يونس بن بكير فی المغازی عند ابن اسحق قال فقيل لرسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم هذا وحشي فقال دعوة رجل واحد للاسلام احب الی من قتل الف كافر و عندالطبرانی فقال يا وحشي اخرج فقاتل فی سبيل اللّٰه كما كنت تصد عن سبيل اللّٰه(ج ۷)

اس واقعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ معافی کے لیے بشاشت لازم نہیں۔

حضرتِ والا کے طریق اصلاح کے لوازم

حضرت والا کے اس طریق اصلاح بطرز سیاست کے متعلق ایک ضروری تنبیہ بھی قابل عرض اور قابل غور ہے وہ یہ کہ اس طریق خاص کے اختیار کرنے کا ہر شخص ہر گز اہل نہیں لہذا عام مصلحین اس کے اختیار کرنے کی ہر گز جرأت نہ کریں ورنہ وہ کورانہ تقلید کر کے اپنا بھی اور طالبین اصلاح کا بھی ناس کریں گے۔ یہ تو صرف ان خاص الخاص حضرات ہی کا منصب ہے جو نفسانیت سے بالکل نکل چکے ہیں اور جو حدود کی حفاظت پر پورے قادر ہیں محض تقلید سے اس منصب خاص کی اہلیت نہیں پیدا ہوسکتی۔

کورانہ تقلید کرنے والوں کے لیے تو حضرت شیخ فریدالدین عطار قدس سرہٗ کا یہ ارشاد ہے ؎

تو صاحب نفسی اے غافل میان خاک خوں مخور
کہ صاحب دل اگر زہرے خورد آں انگبیں باشد

(تو نفس کا بندہ ہے، اے غافل تو خاک وخون نہ چاٹ (ذلیل نہ ہو) صاحب دل اگر زہر بھی کھائے تو وہ شہد بن جاتا ہے۔)

جس کی تفسیر میں حضرت مولانا رومیؒ ارشاد فرماتے ہیں ؎

صاحب دل راندارد آں زیاں　　　گرخورد اوزہر قاتل راعیاں

(دل والے کو کوئی نقصان نہیں ہوتا اگر چہ وہ قتل کرنے والی زہر ہی کیوں نہ کھالے)

آنکہ صحت یافت از پرہیز رست　　　طالب مسکین میاں تپ درست

(جس نے صحت پالی اسے پرہیز سے چھٹکارا مل گیا اور مسکین طالب بخار میں درست رہتا ہے)

ورتو نمرودی ست درآتش مرد ‏ ‏ ‏ رفت خواہی اول ابراہیم شو

چوں نہ سباح نے دریائی ‏ ‏ ‏ درمیفگن خویش از خودرائی

اوزقعر بحر گوہر آورد ‏ ‏ ‏ اززیاں ہاسود برسر آورد

(وہ سمندر کی تہہ سے موتی نکال لایا، نقصانوں سے نفع کما لایا)

کاملے گر خاک گیرد زر شود ‏ ‏ ‏ ناقص ارزر برد خاکستر شود

(کامل اگر مٹی اٹھائے تو وہ بھی سونا بن جاتی ہے، ناقص اگر سونا اٹھائے تو وہ بھی مٹی ہو جاتا ہے)

جہل آید پیش او دانش شود ‏ ‏ ‏ جہل شد علمے کہ در ناقص رود

(اس کے سامنے جہالت آئے تو وہ بھی علم بن جاتی ہے اور ناقص میں جو علم آئے وہ علم بھی جہالت بن جاتا ہے)

ہرچہ گیرد علتے علت شود ‏ ‏ ‏ کفر گیرد کاملے ملت شود

(جو بیماری کو پکڑتا ہے تو وہ خود بیمار ہو جاتا ہے اور کامل اگر کفر کو لے تو وہ بھی مسلمان ہو جاتا ہے)

اور دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں۔

کار پاکاں را قیاس ازخود مگیر ‏ ‏ ‏ گرچہ ماند درنوشتن شیر و شیر

(پاک لوگوں کے معاملات کو اپنے اوپر قیاس نہ کرا گرچہ شیر اور شیر (دودھ) لکھنے میں ایک جیسا ہے)

ہردوگوں زنبور خور دند از محل ‏ ‏ ‏ لیک شد زاں نیش وزاں دیگر عسل

(ایک ہی جگہ سے دو مکھیاں چوستی ہیں مگر ایک میں ڈنک بنتا ہے اور دوسری میں شہد)

ہرچہ مردم می کند بوزینہ ہم ‏ ‏ ‏ آں کند کز مرد بیند دمبدم

(انسان جو کچھ کرتا ہے، بندر بھی وہی کچھ کرتا ہے، وہ آدمی کو جس طرح کرتے ہوئے دیکھتا ہے اسی وقت اس کی نقل اتارتا ہے)

اوگماں بردہ کہ من کردم چواُو ‏ ‏ ‏ فرق را کے بیند آں استیزہ جُو

(اس کا خیال یہ ہوتا ہے کہ میں نے اسی کی طرح کر دکھایا ہے وہ شر پسند فرق کو کب سمجھتا ہے)

اسی مضمون کو حضرت عارف شیرازیؒ اسی طرح فرماتے ہیں۔

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند ‏ ‏ ‏ نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند

(ہر وہ آدمی جس نے اپنا چہرہ لال کرلیا وہ دلبری نہیں جانتا، اور ہر شیشہ رکھنے والا بادشاہی نہیں جانتا)

نہ ہر کہ طرف کلہ کج نہاد وتند نشست　　کلاہ داری و آئین سروری داند

(ٹیڑھی ٹوپی پہن کر اور سنجیدہ ہو کر بیٹھنے والا ہر آدمی منصب وسرداری کے اصول نہیں جانتا)

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجا ست　　نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

(یہاں تو ہزاروں ایسے راز ہیں جو بال سے بھی باریک ہیں، ہر سر مونڈوانے والا قلندری نہیں جانتا)

غرض جو حضرت والا کی تقلید کرلے وہ پہلے اپنے اندر حضرت والا کا سا سوءِ ظن بنفسہ بھی تو پیدا کرے جس کی وجہ سے حضرت والا باوجود ہر طرح اہل ہونے کے اپنے اس طرز پر برابر نظر ثانی فرماتے رہتے ہیں پھر حضرت والا کی سی شفقت ورعایت اور حضرت والا کا سا ترحم ورفق بھی تو اپنے اندر دیکھ لے۔ جس کی وجہ سے حضرت والا کی ہر سیاست اہل کے لیے نافع اور موجب برکت ہی ثابت ہوتی ہے اور بجائے وحشت ونفرت کے حضرت والا کی جانب قلوب کو اور بھی زیادہ کشش ہوتی ہے اور طالبین کا ہجوم بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔

اس کے متعلق خود حضرت والا کا ایک ارشاد یاد آیا۔ ایک مولوی صاحب نے حضرت والا کی سیاست کے متعلق یہ آیت پڑھی۔ وَلَوْ کُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوا مِنْ حَوْلِکَ اور اس سے استدلال کیا کہ یہ سختی قابل ترک ہے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ اس آیت سے تو میری ہی تائید ہوتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ میں فظ اور غلیظ القلب نہیں ہوں ورنہ انفضاض اس کے لیے لازم ہے اور یہاں یہ لازم یعنی انفضاض منتفی ہے۔ پس ملزوم یعنی فظاظت اور غلظت بھی منتفی ہوئی پس اس میں تو میری ہی تائید ہوگئی۔

حضرت کے طرز اصلاح کا ایک خاص فائدہ

نیز حضرت والا کے اس طرز سیاست میں اور بھی بہت سی مصلحتیں ہیں۔ خود فرمایا کرتے ہیں کہ اگر میرے یہاں عرفی اخلاق ہوتے تو اس قدر ہجوم ہوتا کہ جو کچھ میں نے دینی خدمت کی ہے اور کررہا ہوں وہ ہرگز ممکن نہ ہوتی۔ نیز اس ہر بونگ میں آنے والوں کو

کوئی موقع ہی خاص نفع حاصل کرنے کا نہ مل سکتا۔ نیز مخلصین وغیر مخلصین میں بالکل امتیاز نہ رہتا۔ خلط مبحث ہو جاتا۔ اب جتنے ہیں بفضلہ تعالیٰ وہ قابل اطمینان تو ہیں کیونکہ ایسا ویسا تو میرے یہاں ٹھہر ہی نہیں سکتا۔

سیاست کے ساتھ رعایت کا انوکھا واقعہ

حضرت والا کی عین سیاست کے وقت بھی انتہا درجہ کی رعایت اور حفظ خدود کے صدہا واقعات ہیں جن میں سے اس جگہ صرف دو واقعے عرض کر کے اس مضمون کو جو طویل ہوتا چلا جارہا ہے ختم کر دوں گا۔ ایک واقعہ تو احقر کا دیکھا ہوا ہے اور ایک خود احقر پر گزرا ہوا ہے۔ دیکھا ہوا واقعہ تو یہ ہے کہ ایک بار حضرت والا نے ایک نو وارد دیہاتی طالب کو اس کی کسی بے عنوانی پر بہت زور سے ڈانٹ کر اپنے پاس سے اٹھا دیا وہ بیچارہ سمجھا کہ میں نکال دیا گیا اس لیے خانقاہ سے باہر جانے کے لیے پھاٹک کی طرف جانے لگا۔ حضرت والا نے پھر ڈانٹ کر فرمایا کہ ادھر کہاں جاتا ہے مسجد کی طرف کیوں نہیں جاتا۔

احقر یہ شفقت دیکھ کر عش عش کرنے لگا کہ سبحان اللہ غصہ کے وقت بھی کس قدر رعایت ہے کہ ڈانٹ بھی رہے ہیں اور اپنے پاس سے اٹھا بھی دیا ہے لیکن قطع تعلق نہیں کرتے اور خانقاہ سے نہیں جانے دیتے خود روک رہے ہیں لیکن اس شان کے ساتھ کہ سیاست میں بھی فرق نہ آنے پائے۔

مرتب کا اپنا واقعہ

اور دوسرا معاملہ جو خود احقر کے ساتھ ہوا وہ یہ ہے کہ ایک بار احقر کو کسی بے عنوانی پر ظہر کے بعد کی مجلس میں ڈانٹا تھا۔ عصر کی جماعت کے بعد لیکن مصلیوں کے منتشر ہونے کے قبل بہ غایت شفقت خاص طور سے احقر سے فرمایا کہ خواجہ صاحب میں ٹہلنے کے لیے جنگل جارہا ہوں کیا آپ بھی ساتھ چلیں گے۔ میں نے عرض کیا جی ہاں اس گفتگو کے بعد حضرت والا نے کچھ دیر توقف فرمایا اور خاموش بیٹھے رہے۔ اور مقتدی بھی صف باندھے بدستور بیٹھے رہے۔ پھر حضرت والا اٹھے اور احقر کو ساتھ لے کر ٹہلنے تشریف لے گئے۔ راستہ میں احقر

سے اس اظہار خصوصیت کا یہ منشاء ظاہر فرمایا کہ جن لوگوں کے سامنے ڈانٹا گیا تھا ان کے قلب میں جو بے وقعتی پیدا ہوئی ہو اس کا تدارک ہو جائے اور کچھ دیر توقف فرمانے کا یہ راز فرمایا کہ جب اس اظہار خصوصیت کا حاضرین پر اچھی طرح اثر ہو چکے تب اٹھوں ورنہ اگر میں وہ بات کہہ کر فوراً ہی اٹھ بیٹھتا تو نہ کسی کو سوچنے کا موقع ملتا نہ اس کا استحضار اور اثر ہونے پاتا۔

سبحان اللہ اس واقعہ سے جذبات کی کتنی دقیق رعایت اور نفسیات میں حضرت والا کی کس درجہ مہارت ثابت ہوتی ہے۔

عود الی السابق

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ میں مدرسہ عالیہ دیوبند کے پچھلے بڑے جلسہ میں حضرت والا کی تشریف آوری اور اپنی حاضری کا حال عرض کر رہا تھا جس کے ضمن میں حضرت والا کی شان جلال کا ذکر استطراداً چھڑ گیا جس کا احقر کو اول بار مشاہدہ اسی جلسہ میں ہوا تھا۔ پھر اس ذکر کے سلسلہ میں بعض بزرگوں کے اندر جو فطری طور پر شان جلال ہوتی ہے استطراداً ہی اس کی تحقیق بھی شروع ہو گئی جس کی بابت کلام بہت طویل ہو گیا کیونکہ یہ مسئلہ بہت مہتم بالشان تھا اور چونکہ اس کے متعلق لوگ بہت غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں۔ اس لیے اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اس کے سارے پہلوؤں پر مفصل گفتگو کی جائے۔ لہٰذا اس موضوع کے متعلق حضرت والا کی جو جو تقریرات بے تکلف یاد آ سکیں اور جو تحریرات وقت پر بسہولت مہیا کی جا سکیں ان کو احقر لکھتا چلا گیا یہاں تک کہ بعون اللہ تعالیٰ شدہ شدہ ایک بڑا ذخیرہ مجتمع ہو گیا جس کا پہلے سے نہ قصد تھا نہ گماں فالحمد للہ۔

چونکہ حضرت والا کی شان تحقیق و تدقیق بفضلہ تعالیٰ مسلم طور پر اس درجہ بڑھی ہوئی ہے کہ جس مسئلہ پر بھی بحث فرماتے ہیں بالخصوص جو باطنی امور کے متعلق ہو اس پر ایسی جامع مانع تقریر فرماتے ہیں کہ اس کا کوئی پہلو نظر انداز نہیں ہونے پاتا اور پھر اس کے متعلق کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں رہتی لہٰذا یہ ذخیرہ بفضلہ تعالیٰ بہت ہی نادر حقائق و دقائق سے مملو اور اس موضوع پر بالکل کافی و وافی و شافی ہے اور اس کے متعلق ہر اشکال کا رافع ہر اعتراض کا

قاطع ہر غلط فہمی کا دافع اور ہر اشتباہ کا نافی ہے۔ گو اس استطرادی مضمون سے بیان سابق مؤخر ہو گیا لیکن الحمدللہ ایک دوسرا اہم مقصود حاصل ہو گیا جو اس باب ارشاد و افاضہ باطنی سے بہ نسبت اس مضمون کے جو بیان کیا جا رہا تھا تعلق بھی زیادہ رکھتا ہے۔

احقر کی تھانہ بھون میں پہلی حاضری

اب میں پھر بیان سابق یعنی تذکرہ شرکت جلسۂ دیوبند کی طرف عود کرتا ہوں جلسہ ختم ہونے کے بعد احقر حضرت والا کے ہمراہ دیوبند سے تھانہ بھون حاضر ہوا اور یہ احقر کی تھانہ بھون میں سب سے پہلی حاضری تھی اور خانقاہ امدادیہ اشرفی کی زیارت کا سب سے پہلا موقع تھا۔ جس کا نظارہ ایک انگریزی پڑھے ہوئے اور کالجوں میں زندگی بسر کیے ہوئے اور تصویر کا صرف ایک ہی رخ دیکھے ہوئے شخص کے لیے ایک بہت ہی عجیب و غریب اور پر لطف و پر کیف نظارہ تھا۔

خانقاہ کا قابل رشک ماحول تھا

جس کو دیکھیے ثقہ صورت متشرع لباس کوئی تلاوت کر رہا ہے کوئی نماز پڑھ رہا ہے کوئی ذکر میں مشغول ہے کوئی مراقبہ میں محو ہے کوئی درس دے رہا ہے۔ کوئی تصنیف کر رہا ہے کوئی مطالعہ کتب میں لگا ہوا ہے۔ بالخصوص پچھلی رات کو تو عجیب ہی سماں ہوتا تھا۔ دوران ذکر میں کوئی آہیں کھینچ رہا ہے۔ کسی پر گریہ طاری ہے۔ کوئی بیتاب ہو ہو کر تڑپ رہا ہے۔ کوئی غایت ذوق و شوق میں ہاتھ پاؤں پٹک رہا ہے۔ کوئی چیخ رہا ہے۔ کوئی کیف میں اشعار پڑھ رہا ہے کوئی رو رو کر دعائیں مانگ رہا ہے اور لطف یہ کہ اندھیرے میں ایک کو دوسرے کی خبر نہیں کہ کس پر کون سی کیفیت طاری ہے۔ غرض ہر ذاکر ریا سے مطمئن ہو کر اور خوب جی کھول کھول کر اپنے دل کی بھڑاس نکال رہا تھا اور احقر بھی ایک گوشہ میں بیٹھا ہوا مجلس ذکر کی اس مجموعی کیفیت سے لطف اندوز ہو رہا تھا اور تمنائیں کر رہا تھا کہ کاش حضرت والا کی نظر توجہ مجھ بے کیف پر بھی ہو جائے اور میرے اندر بھی یہی کیفیات پیدا ہو جائیں۔ گویا بزبان حال یہ کہہ رہا تھا۔

آنکہ جہاں رابہ نگہ زندہ کرد　　کاش بما ہم نظرے داشتے

(جس نے اپنی ایک نگاہ سے جہان کو زندہ کر دیا ہے کاش وہ ہم پر بھی ایک نظر کرتا)

چنانچہ حضرت والا کا تصور کر کے کہ گویا اپنے دولت خانہ ہی میں بیٹھے ہوئے سب خانقاہ والوں کو تڑپا رہے ہیں اور اس منظر سے متاثر ہو ہو کر مجمع ذاکرین میں بیٹھا ہوا میں حسب حال اور مناسب موقع اشعار تصنیف کرتا رہا اور حضرت والا کو خیال میں مخاطب بنا بنا کر نہایت کیف کے ساتھ ان اشعار کو پڑھتا رہا۔ ان اشعار میں سے دو شعر اب تک یاد ہیں جن کو اس وقت کی کیفیت ظاہر کرنے کے لیے نقل کرتا ہوں ۔

اک وار ادھر بھی قاتل کر دے ہمیں بھی شامل
مقتل میں تیرے ہر سو بسمل تڑپ رہے ہیں
کبھی آکے تم بھی دیکھو ، سر قتل گہ تماشہ
کہیں سر کٹے پڑے ہیں کہیں دل تڑپ رہے ہیں

خانقاہ کے ماحول کا اثر

غرض خانقاہ میں پہنچ کر مجھ کو ایسا معلوم ہوا کہ میں کسی اور ہی دنیا میں پہنچ گیا جس کو روحانی دنیا کہنا زیبا ہے۔ ذکر اللہ کی دلکش صدائیں قلب غافل کو بھی ذاکر بنا دیتی تھیں۔ بقول احقر ؎

دل اینجا میکند اللہ اللہ   کہ ہر دم بشنود اللہ اللہ

(دل جس وقت بھی اللہ اللہ کی آواز سنتا ہے تو وہ سینہ میں اللہ اللہ کہتا ہے)

اس پر اپنے ایک اہل حدیث عزیز کا جو اہل دل بھی تھے اور جو ایک بار احقر کے ہمراہ خانقاہ میں حاضر ہوئے تھے مقولہ یاد آیا کہ یہاں تو بڑا لطف ہے اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے سوتے جاگتے ہر وقت اور ہر حال میں ذکر اور تلاوت ہی کی آوازیں کانوں میں پڑتی رہتی ہیں۔ میں تو جہاں چاہتا ہوں لیٹ جاتا ہوں اور پڑا ہوا سنا کرتا ہوں اور مزے لیا کرتا ہوں اور اسی کیف میں سو بھی جاتا ہوں اور جب آنکھ کھلتی ہے تو پھر وہی دلکش صدائیں کانوں میں پڑنے لگتی ہیں یہاں تو بڑا مزا ہے۔ اھ۔

خانقاہ کی مجلس

جلسہ دیوبند کے بعد بہت سے شرکاء جلسہ حضرت والا کے ہمراہ تھانہ بھون بھی حاضر

ہوئے تھے۔ حاضرین مجلس کی کثیر تعداد کو دیکھ کر حضرت والا نے فرمایا کہ یہاں بھی گویا ایک چھوٹی سی جلسی ہوگئی۔ مہمانوں کی کثرت اور جگہ کی قلت کی وجہ سے حضرت والا کی نشست گاہ کی پشت پر جو بسمت جنوبی یعنی شمال رو یہ حجرہ ہے وہ احقر کو ایک اور صاحب کی شرکت میں قیام کے لیے مرحمت فرمایا گیا تھا۔

احقر اسی حجرہ میں تھا اور مناجات مقبول کی منزل پڑھ رہا تھا کہ حضرت والا تشریف لاکر بیٹھ گئے اور مہمانوں کو حسب معمول مطلع فرمادیا کہ جس کا جی چاہے وہ آکر پاس بیٹھ سکتا ہے چنانچہ سب حاضر ہوگئے اور دونوں سہ دری بھر گئیں۔ چونکہ اس زمانہ میں حضرت والا کی نشست گاہ حجرہ مذکورہ کے دروازہ سے بالکل ملی ہوئی تھی اس لیے بوجہ حضرت والا کے اپنی نشست گاہ پر تشریف لاکر بیٹھ جانے کے احقر حجرہ سے نکل کر شریک مجلس نہ ہوسکا اور اندر ہی بیٹھا ہوا مناجات مقبول پڑھتا رہا۔ حضرت والا نہایت جوش وخروش کے ساتھ حاضرین مجلس کو ملفوظات سے بہرہ اندوز فرمارہے تھے اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ افادات میں اس درجہ منہمک ہیں کہ کسی اور طرف مطلق توجہ ہی نہیں، لیکن سینہ مبارک میں جو عشق حقیقی کی آگ بھری ہوئی تھی اور قلب مطہر کو جو ہر وقت محبوب حقیقی کی لو لگی ہوئی تھی اس کا مجھ کو کسی قدر اندازہ اس حالت سے ہوا جو اس وقت بے اختیار احقر پر ظاہر ہوئی اور یہ میرا وجدان ہے جو دوسروں پر حجت نہیں۔

نگہ ناز کی تاثیر میرا دل سمجھا ۔۔۔ شمع کے سوز کو پروانہ محفل سمجھا

مجلس کے وقت مجھ پر اثر

تفصیل اس حالت کی یہ ہے کہ جب حضرت والا حاضرین مجلس سے نہایت شغف کے ساتھ باتیں فرمارہے تھے تو دوران گفتگو میں بار بار اسی طرح سانس لے رہے تھے جیسے کوئی کسی کیفیت غریبہ کے غلبہ کے وقت سانس لیا کرتا ہے۔ یعنی سانس کو کسی قدر جھٹکا دے دے کر نتھنوں سے بار بار باہر کو نکال رہے تھے۔ احقر کو جب حجرہ کے اندر مناجات مقبول پڑھتے پڑھتے اس طرح التفات ہوا تو معاً یہ محسوس ہوا کہ حضرت والا کے اس طرح سانس نکلنے کے وقت فوراً ایک آگ سی میرے سینہ کے اندر بھر جاتی ہے اور دل میں ایک سوزش سی پیدا ہونے لگتی ہے۔ چونکہ احقر فطرۃً بہت وہمی اور شکی مزاج کا واقع ہوا ہے اس لیے کچھ دیر تک تو اس اثر

کو محض خیال سمجھتا رہا لیکن جب ہر بار یہی کیفیت پیدا ہوتے دیکھی تو یقین ہو گیا کہ جب حضرت والا کے قلب پر سوز میں آتش عشق زیادہ مشتعل ہونے لگتی ہے تو اس کی ظاہری سوزش کو سانس کے ذریعے فرو کرنے لگتے ہیں بالخصوص جب بعض اوقات بیک وقت دو تین بار اسی طرح سانس کو نتھنوں سے باہر نکالتے تب تو احقر کے قلب میں بہت ہی جلن پیدا ہو جاتی اور ایسا معلوم ہونے لگتا کہ گویا قلب سے اسم ذات جہر وضرب کے ساتھ دمادم نکل رہا ہے۔

جب مجھ کو یہ کیفیت محسوس ہوئی تو میں سمجھا کہ یہ کوئی وقت خاص ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے قلب پر بواسطہ حضرت والا کوئی فیضان خاص ہو رہا ہے۔ لہٰذا میں ہمہ تن اسی کیفیت کی جانب متوجہ ہو گیا اور مناجات مقبول کا پڑھنا بھی منقطع کر دیا پھر تو یہاں تک اثر بڑھا کہ غایت تاثر کی وجہ سے میں نے بیٹھے بیٹھے اپنی کہنیاں زمین پر ٹیک دیں اور بے اختیار کراہنے کی سی آواز بھی نکلنے لگی لیکن میں ضبط سے کام لیتا رہا کیونکہ حضرت والا حجرہ کے دروازہ سے بالکل ملے ہوئے ہی تشریف فرما تھے۔ پھر بھی حضرت والا تک تھوڑی بہت آواز پہنچ ہی گئی چنانچہ بعد کو مزاحاً فرماتے تھے کہ مجھے حیرت تھی کہ اس وقت حجرہ کے اندر کون ہے کوئی جن تو نہیں آ گیا۔ اھ۔

احقر تو اس وقت قابو سے بھی باہر ہو جاتا لیکن خیریت یہ ہوئی کہ حسن اتفاق سے حضرت والا نے بوجہ جگہ تنگ ہونے کے دستی پنکھا جھلنے والے صاحب کو حجرہ کے دروازہ کے اندر بٹھا دیا ان کی وجہ سے بغرض اخفائے حال میں سنبھل کر بیٹھ گیا لیکن پھر بھی قلب میں وہی کیفیت پیدا ہوتی رہی۔ بہت دیر کے بعد جب مجلس ختم ہوئی تو احقر بھی باہر نکلا۔ اس وقت حضرت والا نے متعجب ہو کر فرمایا کہ اچھا آپ اندر ہی بیٹھے رہے مجھے اندر سے کچھ آواز سی تو سنائی دی تھی لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ آپ بیٹھے ہوئے ہیں مجھے حیرت تھی کہ حجرہ تو خالی ہے پھر یہ آواز کیسی۔ کوئی جن تو نہیں آ گیا۔ اھ۔

حضرت پر سوز و گداز کا غلبہ

اس زمانہ میں حضرت والا پر اس قدر سوز گداز کا غلبہ تھا کہ اس کا ظاہر پر بھی اثر پڑتا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک بار میں حضرت والا کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو مجھے ایسا معلوم

ہوتا تھا جیسے ہی کسی تنور کے پاس بیٹھ ہوا ہوں۔ باوجود اس کے کہ اس وقت ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی لیکن پیشانی پر پسینہ آ آ جاتا تھا یہاں تک کہ احقر نے حضرت والا سے بھی اشارۃً عرض کر دیا کہ ہوا تو چل رہی ہے پھر یہ گرمی کیوں محسوس ہو رہی ہے۔ حضرت والا موقع بہ موقع لمبا سانس لے لے کر صمیم قلب سے لفظ اللہ بھی کہتے رہتے تھے جس سے اندرونی سوز و گداز کا پتہ چلتا تھا اور اٹھتے بیٹھتے عجیب عجز و نیاز کے لہجہ میں ''اے میرے مالک'' بھی کہتے اور یہ دونوں معمول کم و بیش اب بھی جاری ہیں۔

حضرت کے ہر ارشاد کو اپنے اوپر منطبق کرنا

اسی پہلی حاضری خانقاہ میں ایک اور عجیب کیفیت بھی احقر پر طاری ہوئی وہ یہ کہ حضرت والا جس قسم کی بھی گفتگو کسی سے فرماتے یا جو بھی واقعہ بیان فرماتے خواہ کسی موضوع کے متعلق ہو دینی یا دنیوی اس کو میں من و عن خود اپنے ہی کسی نہ کسی حال باطنی پر منطبق پاتا اور ساتھ کے ساتھ اس کے ہر ہر جزو کی توجیہات اور وجہ انطباق بھی ذہن میں خود بخود بلا تکلف آتی چلی جاتی اور میں یہ سمجھتا کہ ان سب حکایات و تقریرات میں حضرت والا کا روئے سخن میری ہی طرف ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو میرے لیے سراپا ہدایت ہی ہدایت بنا دیا تھا۔ مثلاً ایک بار حضرت والا تلاوت فرماتے ہوئے ریل کی پٹڑی پر صبح کی مشی کے لیے تشریف لئے جا رہے تھے اور احقر کو بھی غایت عنایت سے خوشی کے ساتھ ہمراہ چلنے کی اجازت مرحمت فرما دی تھی۔ راستہ میں چند کالی بھجنگ بھینسیں ریلوے لین کو عبور کرتی ہوئی ملیں۔ ان کو دیکھ کر حضرت والا نے احقر سے فرمایا کہ بھینسیں ایسی کریہہ صورت ہوتی ہیں کہ اگر ان سے دودھ کی توقع نہ ہوتی تو ان کو کبھی کوئی پالنا گوارا نہ کرتا۔ اھ۔

احقر کو ہجوم وساوس کی ہمیشہ شکایت رہتی ہے احقر یہ سمجھ کہ حضرت والا وساوس کے متعلق میری تسلی فرما رہے ہیں کہ اس طریق میں بھی ان بھینسیوں کی طرح وساوس خطور کرتے ہیں جو بہت ناگوار اور مکروہ معلوم ہوتے ہیں لیکن چونکہ ان سے نفع باطنی حاصل ہوتا ہے اس لیے ان کو گوارا کیا جاتا ہے۔ غرض اسی طرح حضرت والا کے ہر قول کو میں اپنے کسی نہ کسی حال پر منطبق پاتا تھا اور خواہ کوئی مخاطب ہو میں سمجھتا تھا کہ حضرت والا در پردہ مجھی سے خطاب فرما رہے ہیں۔ بمصداق

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں   گفتہ آید در حدیث دیگراں

(یہ بہت ہی اچھا ہے کہ محبوبوں کے راز دوسروں کے واقعات میں بیان کئے جائیں)
بلکہ اس کا اتنا یقین ہوگیا تھا کہ اس قسم کی بعض باتوں کا جواب احقر بھی انہیں اشارات میں عرض کر دیتا تھا اور بعض خود سمجھ لیتا تھا کہ حضرت والا بھی میرے اس اشارہ کو سمجھ گئے ہیں۔

علم اعتبار کی بشارت

جب احقر نے اپنا یہ سب حال حضرت والا کی خدمت میں عرض کیا تو فرمایا کہ میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم اعتبار عطا فرمایا ہے۔ پھر علم اعتبار کی حقیقت بیان فرمائی کہ ایک شے سے دوسری شے کی طرف بربنائے مناسبت ذہن کے منتقل ہو جانے کو علم اعتبار کہتے ہیں اور اسی کو علم تعبیر بھی کہتے ہیں جس کو اس علم سے مناسبت ہوتی ہے وہ معبر خواب ہوتا ہے کیونکہ خواب میں حقائق اکثر صور مثالیہ میں متمثل ہوتی ہیں پھر ایک بزرگ کی حکایت بیان فرمائی کہ انہوں نے ایک ککڑیاں بیچنے والے کو جو یہ صدا لگاتے ہوئے سنا کہ الخیار العشرة بدانق تو لفظ خیار سن کر ان کا ذہن بجائے ککڑیوں کے خیار کے دوسرے معنی یعنی اچھے لوگوں کی طرف منتقل ہو گیا اور یہ کہہ کر جب خیار کی اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ قدر و قیمت ہے کہ ایک دانق میں دس دس تو ہم جیسے اشرار کا کیا حال ہوگا ایک چیخ ماری اور بیہوش ہو کر گر گئے پھر فرمایا کہ بعض صوفیہ نے جو تفسیرات قرآنیہ لکھی ہیں وہ اسی قسم کی تعبیرات سے مملو ہیں۔ مثلاً سورہ بقر میں بقر سے مراد نفس لیا ہے اور غضب یہ ہوا کہ بعض جاہل صوفی اس قسم کی تفسیرات کو اصل تفسیر سمجھنے لگے جو ان کی سخت غلطی ہے۔

علم اعتبار چلے جانے پر حضرت کا تسلی دینا

غرض حضرت والا کی اس بشارت سے کہ احقر کو علم اعتبار عطا ہوا ہے مجھ کو بڑی مسرت ہوئی اور جب کچھ عرصے کے بعد یہ حالت فرو ہوگئی اور احقر نے اس فقدان پر اظہار حسرت کیا تو فرمایا کہ کچھ غم نہ کیجئے۔ دیکھئے درخت پر پہلے جھوٹے پھول آتے ہیں اور جو جھڑ جاتے ہیں پھر سچے پھول آتے ہیں جن سے پھل پیدا ہوتے ہیں۔ افسوس کی کوئی بات نہیں اس قسم کی تغیرات تو اس طریق میں لازم عادی ہیں۔ علم اعتبار کیا چیز ہے آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ اس سے بھی بڑھ کر دولتیں عطا ہوں گی کچھ فکر نہ کیجئے۔ اھ۔

خدمت اقدس سے روانگی کے وقت بشاشت

جب کچھ دن حضرت والا کی خدمت بابرکت سے بہرہ یاب اور لطف اندوز ہو کر احقر رخصت ہونے لگا تو کچھ نقد ہدیہ پیش کرنے کے لیے اپنی اچکن کی اوپر والی جیب سے روپیہ نکالنے لگا چونکہ جیب تنگ تھی اس لیے روپیہ نکالنے میں تکلف ہوا اور کچھ دیر لگی۔ حضرت والا نے مزاحاً فرمایا کہ روپیہ نہیں نکلتا تو اچکن ہی اتار کر مجھے دیئے جایئے میں خود نکال لوں گا۔ اس پُر لطف فقرہ نے احقر کے قلب سے اس کیفیت ہیبت و بستگی کو بالکل زائل کر دیا جو حضرت والا کی شان جلال کے مشاہدہ سے جس کا اتفاق احقر کو پہلی ہی بار ہوا تھا مرعوب ہو کر پیدا ہو گئی تھی۔ اور غالباً اسی کیفیت کو محسوس فرما کر حضرت والا نے یہ معاملہ بھی فرمایا تھا تاکہ چلتے وقت احقر کی طبیعت منشرح ہو جائے کیونکہ جذبات پر حضرت والا کی بہت نظر رہتی ہے۔ چنانچہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ رخصت کرتے وقت بہت بشاشت کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ بجز ان مواقع کے جن میں سیاست کا مقتضا اس کے خلاف ہو۔ ایسے مواقع پر تو رخصت کے وقت بالقصد یاد دلا دیتے ہیں کہ دیکھو تم مجھ کو اپنی حرکتوں سے اذیت دے کر جا رہے ہو اس کو یاد رکھنا تاکہ آئندہ کسی کو نہ ستاؤ۔ اھ۔

احقر غایت محبت سے وقت بے وقت حضرت والا کے ساتھ ہی لگا رہتا چنانچہ جب مکان تشریف لے جاتے اس وقت بھی ہمراہ ہو لیتا ایک مرتبہ اس پر تنبیہ فرمائی کہ آپ میں غلو بہت ہے اس تنبیہ سے بھی مرعوب رہنے لگا تھا۔

مشاہدۂ شان جلال کو میں نے اپنے عریضہ میں جس کا کچھ حصہ اب تک پرانے خطوط میں محفوظ ہے واپسی پر عجب عاشقانہ رنگ سے لکھا تھا۔ اقتباس ملاحظہ ہو۔

''اب کی بار حضور کی صفت جمال اور شان جلال جو محض تربیت خدام کے لیے تھی دونوں سے مستفید ہوا اور نہ ابھی تک لاڈ ہی لاڈ میں پلا تھا۔

صفت جمال بھی ہے شانِ جمال بھی ہے — تری سادگی کے قربان ترے بانکپن کے صدقے

اگر احقر کی کوئی گستاخی ناگوار خاطر اقدس ہوئی ہو یا ہو تو للہ معاف فرمایئے گا کیونکہ بظن خود میں حضور کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ سادگی و محبت' ناواقفیت و جہالت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ رخصت کے وقت حضور کے شفقت بھرے الفاظ نے تمام گرانی جو حضور کی شان جلال

نے پیدا کردی تھی قطعاً زائل کردی اور اب تک اس کا مزا لیتا ہوں اس وقت بے حد انبساط ہوا تھا اور اب بھی جب سوچ لیتا ہوں تو عجیب حظ حاصل ہوتا ہے۔ انتہیٰ بلفظہ۔

خانقاہ میں طاری ہونے والی کیفیت کے متعلق عریضہ

احقر پر جو کیفیت حجرہ میں بیٹھے بیٹھے طاری ہوئی تھی جس کی تفصیل اوپر بیان کی جا چکی ہے احقر نے اس کا بھی مفصل حال تھانہ بھون سے واپس آ جانے پر بذریعہ عریضہ عرض کیا تھا کیونکہ بہ زمانۂ حاضری تھانہ بھون زبانی عرض کرنے کی جرأت ہی نہ ہوئی تھی۔ اس کیفیت کا حال لکھنے کے علاوہ احقر نے یہ بھی لکھا تھا کہ افسوس مجھ کو اپنے امراض باطنی کے اظہار کی بھی قابلیت نہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود حضور پُرنور پر میرے امراض روشن فرما دیا کرے تاکہ حضور خود ہی ان کی اصلاح فرماتے رہیں۔ حضرت والا نے اس عریضہ کا جو جواب ارسال فرمایا تھا وہ ایسا پُر کیف اور پُر اثر اور رنگین تھا کہ اس نے مجھ کو بے خود کر دیا۔

حضرت کا جواب اور اس کا اثر

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جس وقت وہ جواب مجھ کو ملا ہے میں اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ اس کو دیکھتے ہی وہی کیفیت میرے قلب میں پھر عود کر آئی جو تھانہ بھون میں طاری ہوئی تھی اور جس کے متعلق یہ جواب تھا اور جو مفقود ہو چکی تھی اور جس کے فقدان پر احقر نے اپنے عریضہ میں بہت اظہار حسرت کیا تھا اور استدعائے توجہ کے ساتھ آخر میں یہ شعر بھی غایت شوق میں خود تصنیف کر کے لکھا تھا۔

بہر حق پھر اک توجہ کی نظر کر دیجئے　　　عشق حق کی آگ سے سینہ مرا بھر دیجئے

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت والا کا کرامت نامہ دیکھتے ہی پھر ویسی ہی سوزش سینہ میں پیدا ہو گئی اور جب پڑھنا شروع کیا تب تو وہ عود شدہ کیفیت یہاں تک بڑھی کہ میں کھانا چھوڑ کر مکان کے بالا خانہ پر چلا گیا اور بھائی سے کہہ گیا کہ اوپر نہ آئیں۔ پھر اوپر پہنچ کر تنہائی میں چارپائی پر پڑا ہوا خوب لوٹتا اور تڑپتا رہا۔ اس مزیدار جواب کو مزے لے لے کر اتنی مرتبہ پڑھا اور اتنے لوگوں کو سنایا کہ اس کا اکثر حصہ بلفظہ یاد ہو گیا اور اب تک یاد ہے حالانکہ اس کو پچیس

سال سے بھی زیادہ عرصہ ہوگیا ہے۔ اور جواب کا پرچہ بھی گم ہوگیا ہے گو خود احقر کے عریضہ کا کچھ حصہ اب تک محفوظ ہے جو ذوق وشوق کے مضامین سے لبریز ہے۔ جس نے بھی وہ جواب سنا وہی تڑپ گیا اور اب بھی جس کو سناتا ہوں عش عش کرنے لگتا ہے بالخصوص حضرت والا کے جوابات کے موجودہ طرز سے موزانہ کرنے کے بعد تو بہت ہی تعجب ہوتا ہے۔

بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں حضرت والا پر عاشقانہ رنگ کا بہت غلبہ تھا اور اب حکیمانہ رنگ غالب ہے جو انفع واکمل ہے۔ چنانچہ خود حضرت والا نے بھی اس جواب کو ایک بار احقر سے سن کر فرمایا کہ اس زمانہ میں میں خود بھی تو بہت بے چین تھا اور اب تو بالکل روکھا پھیکا ہوگیا ہوں اور پھر یہ مثال دی کہ بعض موسموں میں تو کھچڑی کم کھائی جاتی ہے چٹنی زیادہ مثلاً گرمیوں اور لُو دھوپ کے زمانہ میں برخلاف اس کے سردیوں میں کھچڑی زیادہ کھائی جاتی ہے اور چٹنی صرف کبھی کبھی بس ایک دو انگلی چاٹ لی۔ گو کھچڑی اس کے مقابلہ میں بالکل روکھی پھیکی ہوتی ہے لیکن جزو بدن وہی زیادہ ہوتی ہے۔ چٹنی تو محض ایک چاٹ کی چیز ہے۔ اھ۔

متوسط و منتہی کا فرق

اسی مضمون کو ایک بار اور طرح بیان فرمایا تھا۔ صبح کی مشی کے لیے تلاوت فرماتے ہوئے تشریف لیے جا رہے تھے۔ احقر بھی ہمراہ تھا راستہ میں دو کھیت پڑے ایک تو پک چکا تھا اور ایک میں ابھی پھول ہی آ رہا تھا جو پک چکا تھا وہ تو بالکل خشک تھا اور دوسرا نہایت خوش منظر اور ہرا بھرا۔ فوراً فرمایا کہ متوسط اور منتہی میں بس ایسا ہی فرق ہے جیسا ان دو کھیتوں میں گو دیکھنے میں تو یہ ہرا بھرا کھیت نہایت خوش منظر ہے لیکن ابھی وہ سوائے اس کے اور کسی کام کا نہیں کہ کاٹ کر بیلوں کو کھلا دیا جائے۔ بس جانوروں کا چارہ ہے اور کچھ بھی نہیں۔ اور دوسرا گو دیکھنے میں تو بالکل سوکھا سا کھا روکھا پھیکا ہے لیکن اس میں دانہ پڑ گیا ہے اور پک سوکھ کر بالکل تیار ہوگیا ہے جب چاہیں کاٹ کر اس سے غذا حاصل کرلیں جو انسان کا مدار حیات ہے اور جو کھیت کا اصل مقصود ہے۔ اھ۔

اس کی چند مثالیں باب شرف بیعت واستفاضۂ باطنی میں بھی گزر چکی ہیں جن کے اعادہ کی حاجت نہیں۔

حضرت والا کے جواب کا اقتباس

غرض حضرت والا کا وہ زمانہ بہت ہی جوش وخروش کا زمانہ تھا اس لیے اس زمانہ کے جوابات خطوط بھی بہت رنگین اور پُرجوش ہوتے تھے۔ چنانچہ احقر کے عریضہ مذکورہ کا حسب ذیل جواب ارقام فرمایا۔ آپ کا خط آیا حرفاً حرفاً پڑھا۔ بہت لذت آئی پس لکھنے والے کو لکھتے وقت کیا کچھ لذت آئی ہوگی۔

ساقی ترا مستی سے کیا حال ہوا ہوگا
جب تونے یہ مے خام شیشہ میں بھری ہوگی

یہ سب نیرنگیاں حضرت عشق طال بقاؤہ کی ہیں جن پر آپ کو مبارکباد دیتا ہوں نوشید و خروشید سب فال نیک ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اسی طرح۔

تادمِ آخر دمے آخر بود
کہ عنایت باتو صاحب سربود

(آخر دم تک اسی طرح حالات جاری رہیں تا کہ تمہارے ساتھ صاحب نسبت کی عنایات جاری رہیں)

آپ بیکار فکروں میں نہ پڑیے۔

من غمِ تومیخورم تو غم مخور
برتومن مشفق ترم ازصد پدر

(میں تیرا غم کھاتا ہوں تو غم نہ کر، میں تجھ پر سو باپ سے بھی زیادہ مہربان ہوں۔)

کبھی طالب کی توجہ سے اس کے قلب کو شیخ سے اتصال ہو کر شیخ کے قلب کی کیفیات متعدی ہونے لگتی ہیں یہ جو حکایت آپ نے لکھی ہے وہ اسی قبیل سے ہے۔اھ۔

کیفیت کے متعلق احقر کا گمان اور حضرت کا جواب

حضرت والا کی اس تحقیق سے احقر کے اس گمان کی تصدیق ہوتی ہے کہ وہ جو مجھ پر اثر ہوا تھا وہ حضرت والا ہی کی کیفیات قلبیہ کا انعکاس تھا۔ حضرت والا نے جو اپنے جواب میں مذکورہ بالا شعر تحریر فرمایا تھا اس نے مجھ کو خاص طور سے کئی دن تک مست رکھا یہاں تک کہ اسی بحر و قافیہ میں خود میں نے بھی حسب حال کچھ اشعار تصنیف کر لیے تھے جن میں سے یہ دو شعر اب تک یاد ہیں۔

جس قلب کی آہوں نے دل پھونک دیے لاکھوں
اس قلب میں یا اللہ کیا آگ بھری ہوگی

جنت میں ملے گا سب جس میں جسے راحت ہو
ہم کو تو پسند اپنی شوریدہ سری ہوگی

واقعی اس زمانہ میں شورش وسوزش اس درجہ محبوب تھی کہ جب بعض اوقات کچھ سکون سا محسوس ہونے لگتا تو یہ خیال ہوتا کہ کہیں مطلوب تک جلد رسائی نہ ہو جائے ورنہ پھر یہ شورش طلب کا لطف کہاں رہے گا۔ اس وقت یہ خبر نہ تھی کہ۔

اے برادر بے نہایت در گہیست　　　ہر چہ بروے می رسی بروے میست

(اے بھائی یہ بڑی بلند مرتبہ بارگاہ ہے، تو جس مرتبہ پر بھی پہنچ جائے تو اس کی انتہاء کو نہیں پہنچ سکتا)

نہ گردد قطع ہرگز جادۂ عشق از دویدنہا　　　کہ می بالد بخود ایں راہ چوں شاخ از بریدنہا

(عشق کا راستہ دوڑنے سے کبھی ختم نہیں ہوتا کیونکہ یہ راستہ طے کرنے سے اسی طرح بڑھتا ہے جس طرح شاخ کاٹنے سے بڑھتی ہے)

چونکہ احقر ہمیشہ بغرض اصلاح اپنا کچا چٹھا اور خطرات و وساوس تک حضرت والا کے حضور میں عرض کرتا رہتا تھا جیسا کہ حضرت والا کا بھی حضرت حاجی صاحبؒ کے ساتھ یہی طریق عمل خود حضرت والا ہی سے سنا تھا۔ اس لیے میں نے اپنے اس بے تکے خیال کو بھی حضرت والا کی خدمت میں عرض کر دیا اس پر حضرت والا نے ہنس کر فرمایا کہ آپ کا بھی عجیب مذاق ہے چونکہ یہ خیال ناشی تھا شدت اشتیاق سے نہ کہ نعوذ باللہ اعراض سے بقول کسی مغلوب الحال کے (ع) ”من لذت درد تو بہ درماں نفروشم“ (میں تیرے درد کی لذت علاج کے بدلہ میں نہیں بیچتا) نیز محض خطرہ کے درجہ میں تھا اس لیے حضرت والا نے اس پر بجائے اظہار نفرت کے محض اظہار تعجب فرمایا۔

تھانہ بھون کی حاضری کا عشق

پہلی بار کی حاضری تھانہ بھون کے بعد تو پھر حاضری کا ایسا چسکا لگا کہ تھانہ بھون بقول شخصے گھر آنگن ہو گیا۔ چنانچہ میری واپسی کے بعد پہلے عریضہ میں جس کا آخری حصہ اب تک محفوظ ہے یہ جملہ بھی موجود ہے ”حضور کی زیارت اور وہ بھی تھانہ بھون کی زیرت کو بے حد

جی ترستا ہے طبیعت سیر ہو ہی نہیں سکتی۔ پھر اللہ تعالیٰ جلد نصیب کرے۔ آمین'' جب کوئی چھٹی پڑتی خواہ دو ہی دن کی ہوتی نہایت اشتیاق کے ساتھ بیتابانہ بلکہ اکثر آخری شنبہ اور اتوار کی چھٹی میں فتح پور جیسے دور دراز مقام سے حاضر ہوتا۔ حالانکہ مشکل سے صرف بارہ گھنٹے ہی خدمت بابرکت میں قیام کے لیے ملتے اور بہت سے روپیہ کرایہ میں صرف ہوجاتے۔

مختصر حاضری میں کثیر فیض رسانی

ایک بار تو سہارنپور کے جلسہ میں جہاں حضرت والا بھی تشریف لے گئے تھے اور کچھ بیمار تھے صرف پانچ گھنٹے ہی قیام کے لیے ملے تھے کیونکہ صرف ایک دن یعنی اتوار ہی کی چھٹی تھی لیکن بفضلہ تعالیٰ اس قلیل قیام میں کثیر فیض لیکر آیا کیونکہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ احقر کو سب سے پہلے اسی حاضری میں خاص قوت کے ساتھ حضور مع اللہ کی کیفیت قلب میں محسوس ہوئی تھی جو حضرت والا کی خاص توجہ کی برکت تھی کیونکہ احقر کے اتنے لمبے سفر اور اتنے مختصر قیام سے حضرت والا بہت متاثر ہوئے تھے۔ ہر حاضری میں مجھے حضرت والا کی توجہ کا اس قدر اثر محسوس ہوتا تھا کہ میں لوگوں سے یہ کہا کرتا تھا کہ اگر پچاس روپیہ بھی خرچ ہوجائیں اور صرف اتنا موقع مل سکے کہ ایک نظر حضرت والا مجھے دیکھ لیں اور ایک نظر حضرت والا کو میں دیکھ لوں تب بھی اس ایک نظر کے مقابلہ میں پچاس روپیہ کی کچھ بھی پروا نہ کروں بلکہ اس کو نہایت ارزاں اور بسا غنیمت سمجھوں بقول اے۔

ایکہ یک دیدار تو دیدارہا　　　اے نثار دید تو دینا رہا

(اے وہ کہ تیرا ایک دیدار کئی دیداروں پر قربان اے وہ کہ تیری ایک نظر پر ڈھیروں دنیا قربان)

جما دے چند دادم جاں خریدم　　　بحمداللہ عجب ارزاں خریدم

(میں چند پتھر دے کر جان خرید لی ہے، اللہ کا شکر ہے کہ میں نے بہت ہی سستی خریدی ہے)

دل پر جبر کر کے حاضر ہونا

چونکہ حضرت والا سے بارہا نہایت شدومد کے ساتھ صحبت شیخ کے منافع سنتا رہتا تھا اس لیے گو کبھی نفس مزاحمت بھی کرتا تب بھی حسب ارشاد حضرت والا کو نیک کاموں میں

دل کے چاہنے نہ چاہنے پر مدار کار نہ رکھنا چاہیے ہمت اور اختیار سے کام لینا چاہیے۔ ٹکٹ لیکر یہ کہتا ہوا اپنے آپ کو ریل گاڑی کے اندر داخل کر دیتا۔

ع۔ ''دل پہ قابو نہیں تن پر تو ہے قابو اپنا'' جب عقلاً اس کا استحسان معلوم ہے پھر پس و پیش کی کوئی وجہ نہیں ٹکٹ خریدنا اختیار میں ہے ریل میں بیٹھ جانا اختیار میں ہے پھر چاہے نفس کچھ ہی کہتا رہے۔

نیز بارہا لمبی لمبی رخصتیں بلا تنخواہ اور نصف تنخواہ پر لے لے کر حاضر خانقاہ رہا اور اگر کبھی بوجہ فطری تلون اور امور دنیا سے طبعی دلچسپی کے دل اُچاٹ ہونے لگتا تو امیر مینائی مرحوم کا یہ شعر پڑھ دیتا۔

لاکھ اُبھارے وحشتِ دل کوئے جاناں سے امیر
میں نہ صحرا کی طرف جاؤں نہ گلشن کی طرف

حضرت والا کی معیّت میں سفر

نیز حضرت والا کی معیّت میں لمبے لمبے سفر بھی کیے کیونکہ علاوہ قلبی اشتیاق کے حضرت والا سے یہ بھی سن چکا تھا کہ اگر موقع ملے تو طالب کو کبھی کبھی شیخ کے ساتھ سفر بھی کرنا چاہیے۔ کیونکہ سفر میں زیادہ معیّت رہتی ہے اور مختلف قسم کے سابقے پڑتے ہیں جس سے دل کھل جاتا ہے اور رل جاتا ہے اور باہم مناسبت پیدا ہو جاتی ہے اور مناسبت ہی پر فیض کا دار و مدار ہے۔ نیز ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ معیّت سفر اصلاح میں بھی بہت معین ہوتی ہے کیونکہ سفر میں شیخ کو طالب کے مختلف قسم کے حالات و معاملات کے مشاہدہ کا موقع ملتا ہے جن پر وہ روک ٹوک کرسکتا ہے۔ یہ موقع حضر میں مستبعد ہے اسی طرح طالب کو بھی شیخ کے بعض ایسے معاملات سے سبق حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے جن کا اتفاق حضر میں نہیں ہوتا۔ اھ۔

چند سبق آموز واقعات

حضرت والا کی معیّتِ سفر تو بالخصوص علاوہ نہایت پُر لطف ہونے کے نہایت ہی نافع ثابت ہوتی تھی کیونکہ اول تو حضرت والا کا ہر معاملہ سبق آموز ہوتا تھا اور خود بھی مواقع ضرورت

میں بکثرت روک ٹوک فرماتے رہتے تھے جس کی کچھ تفصیل باب سفر میں عرض کی جا چکی ہے۔
غرض احقر کو حضرت والا کے اس ۲۸ سال کے تعلق میں الحمد للہ حضرت والا کے سفر و حضر کے ہزار ہا قسم کے نہایت سبق آموز اور دلچسپ دلچسپ حالات و واقعات و معاملات دیکھنے اور ملفوظات و ارشادات و نصائح سننے کا موقع نصیب ہوا ہے جو احاطۂ بیان سے باہر ہیں۔ بالخصوص ان کے تاثرات جو قلب میں موجود ہیں وہ تو کسی طرح بیان میں آ ہی نہیں سکتے۔ بقول احقر

زباں بے دل ہے اور دل بے زباں ہے ہائے مجبوری
بیاں میں کس طرح وہ آئے جو دل پر گزرتی ہے

تاہم بطور نمونہ چند مسلسل واقعات کو تو اوپر بیان کیا جا چکا ہے اور چند متفرق واقعات و ملفوظات و مکتوبات کو جو بے تکلف یاد آتے چلے جائیں گے بلا لحاظ اس کے کہ وہ دوسرے سالوں میں قلمبند کیے جا چکے ہیں یا نہیں ذیل میں بعنوان واقعہ بیان کیے دیتا ہوں لکھوائے۔

گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را　　تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را

واقعہ نمبر ۱: ایک مولوی صاحب کی غلطی کی اصلاح

ایک بار کی حاضری میں یہ واقعہ ہوا کہ ایک اہل علم ذاکر شاغل نے جو مقیم خانقاہ تھے اپنے کسی دوست کو اپنے حالات باطنی لکھ کر بذریعہ ڈاک بھیج دیئے اور لکھا کہ یہاں ایسے ایسے برکات حاصل ہو رہے ہیں تم بھی آ کر حاصل کرو۔ اس کی حضرت والا کو اتفاق سے خبر ہو گئی چونکہ حضرت والا کو طالبین کے اندر سے رذائل نفس کے ازالہ کا بے حد اہتمام رہتا ہے اور اصلاح نفس کو بمقابلہ اذکار و اشغال واجب التقدیم سمجھتے ہیں اس لیے ان کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوئے بعد ظہر وہ اتفاقاً حضرت والا کے پاس ہو کر گزرے تو اس وقت سرسری طور پر چپکے سے تنبیہ فرمائی کہ تمہیں اپنے حالات باطنی جو اسرار ہیں دوسرے پر ظاہر کرتے ہوئے شرم نہ آئی جس میں ایک گونہ دعویٰ بھی ہے۔ پھر بعد عصر انہوں نے بغرض عرض حال پرچہ دینا چاہا تو نہایت غصہ کے لہجہ میں جھڑک دیا اور لینے سے انکار فرما دیا اور فرمایا کہ جناب اب تو آپ ماشاء اللہ کامل ہو گئے ہیں۔ میں کاملین کی اصلاح کرنے کا اہل نہیں ہوں۔ اب

آپ کسی اور جگہ تشریف لے جایئے۔ میں آپ کی اصلاح نہیں کر سکتا۔ پھر حضرت والا نے ان کا اسباب نکلوا کر باہر رکھوا دیا اور خانقاہ سے نکل جانے کا حکم صادر فرما دیا۔ اس پر وہ صاحب دھاڑیں مار مار کر رونے لگے لیکن چونکہ حضرت والا باوجود انتہا درجہ رقیق القلب ہونے کے کبھی حسب ارشاد خود اپنی طبیعت کو عقل پر غالب نہیں آنے دیتے۔ لہٰذا باوجود ان کے رونے اور عرض معروض کرنے کے اپنے حکم اخراج کو جو سراسر مصلحت پر مبنی تھا نہیں بدلا۔

حضرت والا کی پرجوش تقریر

چونکہ نماز عصر کے بعد ہی یہ قصہ چھڑ گیا تھا اس لیے سب مقتدی ابھی صف باندھے ہی بیٹھے تھے جس میں احقر بھی شامل تھا۔ حضرت والا وہیں بیٹھے ہوئے دیر تک عبدیت و فنا کے مقصود اصلی ہونے پر نہایت ہی مؤثر اور پُر جوش تقریر فرماتے رہے۔ سب مقتدیوں پر ایک سکتہ کا عالم طاری تھا اور احقر کو تو اپنی ناکارگی و نا اہلی کا اس درجہ استحضار رہا کہ مارے شرم کے صف سے کسی قدر پیچھے کو ہٹ گیا کیونکہ اپنی گندی حالت پر نظر کر کے اپنے آپ کو اس قابل نہ پایا کہ دینداروں کی صف میں بھی بیٹھ سکوں۔

اسی تقریر میں حضرت والا نے یہ بھی فرمایا کہ لوگ کشف کو بڑا کمال سمجھتے ہیں حالانکہ یہ کوئی چیز نہیں کیونکہ اس کو قرب میں کچھ بھی دخل نہیں۔ بعضوں کو کشف سے فطری مناسبت ہوتی ہے۔ بعضوں کو نہیں جیسے بعضوں کی نظر پیدائشی طور پر دور بیں ہوتی ہے بعضوں کی نزدیک بین۔ پھر مسجد کے سقاوہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ فرض کیجئے ایک شخص کی نظر تو صرف سقاوہ ہی تک پہنچتی ہے اور ایک کی باہر سڑک تک تو کیا جس کی نظر سڑک تک پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ مقرب ہو گیا۔ یہ تو محض نظر کی ایک قسم ہے اس کو قرب سے کیا علاقہ۔ اسی طرح طبائع مختلف ہوتی ہیں۔ بعضوں کو کشف سے فطرۃً ہی مناسبت نہیں ہوتی وہ لاکھ ریاضت و مجاہدہ کریں انہیں عمر بھر بھی کشف نہیں ہوتا بھلا کشف کو بزرگی سے کیا تعلق۔ اصل چیز تو عبدیت ہے۔ واللہ اگر کسی کو لاکھ کشف ہوں اور وہ پھر اپنے وجدان کی طرف رجوع کرے تو وہ محسوس کرے گا کہ میرے قرب میں ذرہ برابر بھی ترقی نہیں ہوئی۔ برخلاف اس کے

اگر دو چار مرتبہ بھی سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھ کر اپنے وجدان کو دیکھے تو اس کو صاف محسوس ہوگا کہ کچھ نہ کچھ اللہ تعالیٰ کے ساتھ قرب بڑھ گیا۔ اہل ذوق جب چاہیں اس کا تجربہ کرلیں۔ اھ۔

غرض دیر تک مضمون عبدیت ہی پر تقریر فرماتے رہے۔

احقر پر تقریر کا اثر

احقر پر اس تقریر کا یہ بھی ایک خاص اثر ہوا تھا کہ تمام وساوس جن کے ہجوم سے میں ہمیشہ نہایت سخت پریشان رہا کرتا تھا بالکلیہ مندفع ہوگئے یہاں تک کہ پھر سوچنے سے بھی نہیں آتے تھے مجھے اس مزمن مرض سے شفایاب ہو جانے کی اس درجہ مسرت ہوئی جیسے عین حالت یاس میں دوبارہ زندگی حاصل ہوگئی ہو۔ یا گویا از سر نو ایمان کی دولت نصیب ہوئی ہو جس پر اگر سلطنت بھی قبضہ میں ہوتی تو نثار کردینے کو جی چاہتا تھا اور اس وقت نہایت ذوق و شوق کے ساتھ یہ مصرع وردِ زبان تھا۔ ع۔ بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را۔

وساوس کے لیے مرض کا لفظ میں نے مجازاً استعمال کیا ورنہ حضرت والا تو ہجوم وساوس کو مرض ہی نہیں قرار دیتے کیونکہ مرض باطنی تو وہی ہوتا ہے جس میں کوئی ضرر دینی ہو اور وساوس میں بنص صریح لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْساً اِلاَّ وُسْعَھَا دینی ضرر مطلق نہیں۔ بلکہ اگر کوئی ہجوم وساوس کی یا محض میلان الی المعاصی بلا عمل وعزم عمل کی شکایت کرتا ہے تو سب سے پہلے یہی ضابطہ کا سوال فرماتے ہیں کہ اس میں دینی ضرر کیا ہے۔

احقر پر بیخودی کا طاری ہونا

الغرض احقر کو وساوس کی دیرینہ شکایت رفع ہو جانے سے بے حد مسرت ہوئی اور جس وقت حضرت والا مذکورہ بالا تقریر فرما کر تشریف لے جانے لگے تو احقر نے مجملاً اس اثر کا حال عرض کیا جس پر مسرت کے لہجہ میں فرمایا کہ جی ہاں نافع تقریر تھی۔ حضرت والا تو تشریف لے گئے لیکن احقر پر برابر وہی کیفیت طاری رہی جو حضرت والا کی تقریر دل پذیر سے پیدا ہوئی تھی۔ یہاں تک کہ میں بعد مغرب حضرت والا کی سہ دری میں تنہا بیٹھا ہوا اسی کیفیت میں سرشار حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کی ایک مناجات کا یہ شعر

نہایت مزلے لے لے کر پڑھنے لگا۔

تو کر بیخبر ساری خبروں سے مجھ کو الٰہی رہوں اک خبردار تیرا

پھر تو حضوری حق کا اس قدر غلبہ ہوا کہ اس کے سرور و کیف نے مجھ کو بے خود کر دیا یہاں تک کہ میرے ہاتھ پاؤں بھی بے قابو ہو گئے۔ جب یہ کیفیت زیادہ بڑھی تو بے اختیار جی چاہا کہ حضرت والا کی خدمت میں پہنچ کر قدموں میں لوٹنے لگوں۔ چنانچہ فوراً اٹھ کر حضرت والا کے دولت خانہ کی طرف چلا۔ چونکہ ہاتھ پاؤں بالکل بے قابو ہو رہے تھے اس لیے لڑکھڑاتا کانپتا اور دیواروں کا سہارا لے لے کر اپنے آپ کو گرنے سے سنبھالتا ہوا دولت خانے پر پہنچا۔ وہاں حضرت والا کے خادم دیرینہ بھائی نیاز خاں ملے۔ وہ میری حالت کو دیکھ کر گھبرا گئے۔ پوچھا خیریت تو ہے۔ میں نے کراہتے ہوئے کہا کہ بھائی ذرا حضرت والا کو بلا دو۔ حضرت والا اندر تشریف فرما تھے۔ انہوں نے فوراً میری اس حالت کی اطلاع کی۔ حضرت والا اس وقت اتفاق سے ڈھیلہ لیے ہوئے ٹہل ٹہل کر چھوٹا استنجا خشک فرما رہے تھے۔ میری حالت غیر سن کر گھبرائے ہوئے اسی حال میں باہر تشریف لے آئے اور پوچھا کہ خیریت تو ہے کیا حال ہے۔ احقر دیکھتے ہی قدموں پر گر پڑا اور عرض کیا کہ حضرت نے آج مجھ کو بڑی دولت عطا فرما دی۔ میں تو پڑا لوٹ رہا تھا اور جوش مسرت میں خوشی کے آنسو بہا رہا تھا اور بار بار دیوانہ وار یہی عرض کر رہا تھا کہ حضرت نے تو میرے اوپر آج بڑا ہی احسان کیا۔ بڑے سخت مرض سے نجات بخشی۔ بڑی دولت عطا فرمائی۔ اس وقت مجھ کو نہ پورا ہوش تھا نہ بالکل بے ہوشی کچھ بین بین سی حالت تھی۔

حضرت والا کا ایک ہاتھ تو گھرا ہوا تھا صرف ایک ہاتھ خالی تھا اس سے مجھ کو اٹھایا اور بھائی نیاز خاں کی مدد سے مجھ کو لا کر ایک چارپائی پر جو قریب ہی بچھی ہوئی تھی لٹا دیا اور میرے قلب پر اپنا دست مبارک رکھ رکھ کر بار بار فرمانے لگے کہ ذرا دل کو سنبھالئے ذرا دل کو سنبھالئے چونکہ میرے ہوش اچھی طرح بجا نہ تھے میں چارپائی پر پڑا ہوا حضرت والا ہی کے ہاتھوں سے اپنے مسرت کے آنسوؤں کو پوچھنے لگا اور بے تکلف ہو ہو کر عرض کرنے لگا کہ آج تو حضرت کو بھی میری اس حالت پر بڑی خوشی ہو رہی ہوگی۔ حضرت والا نے نہایت

مسرت کے ساتھ فرمایا کہ جی ہاں کیوں نہیں مجھ کو تو اپنے سب احباب کی خوشحالی سے مسرت ہوتی ہے پھر فرمایا کہ اس حالت کو اصطلاح صوفیہ میں بسط وانس کہتے ہیں جو قبض وہیبت کے مقابل ہے۔ الحمد للہ جو حالات اور جگہ برسوں کے مجاہدوں میں بھی نہیں پیدا ہوتے ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ کے یہاں بفضلہ تعالیٰ ہفتوں میں حاصل ہو جاتے ہیں۔ اھ۔

فائدہ: حضرت والا کی احسان شناسی

ف۔ یہ حضرت والا کا غایت ادب وعقیدت اور انتہائی منت شناسی وادائے حق محبت ہے کہ اپنے سارے کمالات کو حضرت حاجی صاحبؒ ہی کی طرف منسوب فرماتے ہیں اور نہایت وثوق کے ساتھ فرمایا کرتے ہیں کہ مجھے تو اپنی حالت اچھی طرح معلوم ہے آخر حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں حاضری کے قبل بھی تو میں تحصیل علوم اور مدرسی کئے ہوئے تھا لیکن وہ باتیں حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں حاضری کے بعد ذہن میں آنے لگیں وہ اس سے پہلے کبھی خواب وخیال میں بھی نہ آتی تھیں لہذا یہ حضرت حاجی صاحبؒ کا فیض نہیں تو اور کیا ہے۔ اھ۔

اسی مضمون کے متعلق حضرت والا کا ایک اور نہایت کار آمد ملفوظ یاد آیا۔ کسی سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ تکمیل کے بعد بھی بقائے فیض کی شرط یہ ہے کہ اپنے شیخ کے ساتھ عمر بھر اعتقاد اور امتنان کا تعلق قائم رکھا جائے۔ ہاں تکمیل کے بعد تعلیم کی حاجت البتہ نہیں رہتی۔ اھ۔

احقر کی بیخودی کا آہستہ آہستہ ختم ہونا

اس استطرادی فائدہ کے بعد میں پھر بیان واقعہ کی طرف عود کرتا ہوں حضرت والا کی توجہ کی برکت سے جب کچھ دیر بعد اس کیفیت میں جس کا میں ذکر کر رہا ہوں کچھ افاقہ ہوا اور مجھے قدرے سکون ہو گیا تو میں اٹھ کر ادب سے بیٹھ گیا پھر حضرت والا اندر تشریف لے گئے۔

احقر حضرت والا ہی کا مہمان تھا اور ایک صاحب اور بھی مہمان تھے ہم دونوں کے لیے اندر سے کھانا آیا جس میں پلاؤ بھی تھا۔ گو احقر کو قدرے سکون ہو گیا تھا لیکن ابھی کیفیت بالکل فرو نہ ہوئی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں پلاؤ کو لقموں سے نہ کھا رہا تھا

بلکہ مٹھی میں بھر بھر کر کھیل سا کرتا جاتا اور کھاتا جاتا تھا اور جوش مسرت میں دیوانہ وار قہقہے لگا رہا تھا۔ دوسرے مہمان صاحب کو میری اس حالت کی تو کچھ خبر بھی نہیں وہ میری اس حرکت پر اعتراض کرنے لگے لیکن بھائی نیاز نے ان سے کہہ دیا کہ یہ اس وقت معذور ہیں ان سے کچھ نہ کہیے ان کی اس وقت حالت اور ہے اس پر مجھ کو یہ شعر یاد آتے ہیں۔

ما اگر قلاش وگر دیوانہ ایم　　مستِ آں ساقی وآں پیمانہ ایم

(ہم اگر بے سروسامان و دیوانہ ہیں تو اس ساقی اس کے پیمانہ کی مستی کی وجہ سے ہیں)

مکن عیب درویش حیران و مست　　کہ غرض است ازاں میزند پاؤ دست

(حیران و مدہوش فقیر پر عار نہ کریوں کہ اس کا کوئی مقصد ہے جس کے لئے وہ ہاتھ پاؤں مار رہا ہے)

ان مولوی صاحب کی توبہ و معافی

یہ تو احقر کی حالت کا بیان ہوا۔ اب ان مولوی صاحب کا بھی حال سنئے جن کی بدولت حضرت والا کی تقریر پر تاثیر سننے میں آئی تھی جس نے مجھ کو خود رفتہ کر دیا تھا۔

حضرت والا نے ان کو تنبیہاً و تہدیداً خانقاہ سے نکال ہی دیا۔ پھر وہ جا کر کسی اور مسجد میں رہے۔ تین چار دن تک سخت پریشانی اٹھانے اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں توبہ و استغفار اور گریہ وزاری کرنے کے بعد انہوں نے حضرت والا کی خدمت میں دوسرے کی معرفت طلب معافی کا پرچہ بھیجا۔ چونکہ ان کو کافی تنبیہ ہو چکی تھی اور قلب سے عجب و پندار بالکل نکل چکا تھا جس کا احساس حضرت والا کے قلب مطہر کو ہو گیا۔ اس لیے حضرت والا نے معافی عطا فرما دی اور تحریر فرما دیا کہ اب میں آپ کی طرف سے اپنے قلب میں مطلق کدورت نہیں پاتا۔ جو وجداناً علامت ہے آپ کے قبول توبہ کی لہٰذا اب آپ کو پھر خانقاہ میں آ جانے کی اجازت ہے چنانچہ وہ پھر حاضر خانقاہ ہو کر مشغول ذکر و شغل ہو گئے۔ وہ صاحب حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ العزیز سے بیعت تھے اور بعد وفات مولاناؒ حضرت والا سے اصلاح کے طالب ہوئے تھے وہ صاحب خود احقر سے فرماتے تھے کہ مجھ کو ان تین چار دنوں میں بے انتہا منافع حاصل ہوئے پھر تو وہ بفضلہ تعالیٰ صاحب اجازت ہو

کر تشریف لے گئے اور ملک بنگال میں ان سے مخلوق کثیر کو فیض پہنچا پھر انتقال فرما گئے جس کو عرصہ دراز ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ بخشے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ صد ہا بار کا تجربہ اور مشاہدہ ہے جس کی بعض نظائر اپنے موقع پر عرض بھی کی جا چکی ہیں کہ حضرت والا کی سیاست بس تنقیہ کا خاصہ رکھتی ہے جس سے آن کی آن میں کامل تصفیہ ہو جاتا ہے اور وہ سیاست بس اس آیت کی مصداق ہوتی ہے۔ عسیٰ ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم جس کی تصدیق صاحب کو بعد میں ہوتی ہے جس وہ اس کے نتائج نافعہ مشاہدہ کرتا ہے۔ فائدہ اس کل واقعہ سے حضرت والا کی شان ارشاد اور قوت افاضہ ظاہر و باہر ہے۔

واقعہ نمبر۲: ایک مصرعہ سے احقر پر کیفیت طاری ہونا

ایک بار حضرت والا بہ عزم سفر ریلوے اسٹیشن تھانہ بھون پر ریل کے انتظار میں تشریف فرما تھے۔ احقر بھی حاضر تھا کیونکہ حضرت والا کے ہمراہ سفر میں رہنے کا قصد تھا۔ چونکہ حضرت والا حسب معمول احتیاطاً ریل کے وقت سے پہلے اسٹیشن پہنچ گئے تھے اس لیے کچھ دیر انتظار کرنا پڑا۔ اور چونکہ حسب عادت بہت سے حضرات حضرت والا کو رخصت کرنے اسٹیشن تک آئے تھے اس لیے حضرت والا سب کو اپنے ملفوظات سے مستفیض اور لطف اندوز فرما رہے تھے۔ چنانچہ ایک صاحب کا تذکرہ فرمایا جو قاری تھے اور حضرت والا کے مدرسہ میں مدرس تھے کہ وہ اکثر لٹھ کندھے پر رکھے ہوئے اور ایک پائینچہ پنڈلیوں تک چڑھائے ہوئے مدرسہ میں ٹہلا کرتے۔ میں نے جو انہیں ایک بار اس حال میں دیکھا تو میں نے کہا کہ ہاں قاری صاحب ذرا یہ مصرعہ بھی گنگناتے جایئے۔ ع۔ ان دنوں جوش جنوں ہے ترے دیوانوں کو۔ اس وقت حضرت والا نے نہ معلوم کس کیفیت سے متاثر ہو کر مصرعہ پڑھا تھا کہ اس کو سنتے ہی میرے اندر بھی ایک جوش جنوں ہی کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ مجھے اس وقت پانی کی ضرورت تھی پانی پینے کے واسطے لوٹا ہاتھ میں لیے چلا جا رہا تھا اور اسی مصرعہ کو نہایت کیف کے ساتھ مزے لے لے کر گنگناتا جا رہا تھا۔ واپسی تک یہی مصرعہ ورد زبان رہا۔

جب حضرت والا سے آنکھیں دو چار ہوئیں تو حالت کا ایسا غلبہ ہوا کہ میرے ہاتھ پاؤں قابو سے باہر ہونے لگے اور گرنے کے قریب ہو گیا۔ اس وقت مجھ کو بڑی پریشانی لاحق

ہوئی کہ اگر مجمع عام کے سامنے زمین پر گر گیا تو بڑی ہنسائی ہوگی۔ لہٰذا خاص اہتمام کے ساتھ بمشکل اپنے آپ کو سنبھالے رہا یہاں تک کہ ریل آ گئی اور حضرت والا مع اپنے رفقاء کے ایک ڈبہ میں بیٹھ گئے۔ جناب حافظ عبداللطیف صاحب مہتمم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور اور جناب حافظ عبدالمجید صاحب تھانوی بھی رفیق سفر تھے۔ احقر مہتمم صاحب سے ملا ہوا بیٹھا تھا۔ ریل میں بیٹھ کر بھی حالت کا غلبہ بدستور باقی رہا۔ مجھے اسی طرح یاد ہے کہ میں جیٹھا ہوا بے قابو ہو کر مہتمم صاحب کی طرف جھک جھک پڑتا تھا اور ان کے اوپر گر گر پڑتا تھا۔ اور ڈر ڈر کر اپنے دل میں بلکہ چپکے چپکے زبان سے بھی کہہ رہا تھا اگر یہ حالت بڑھی تو لوگ کیا کہیں گے۔ جب کسی طرح یہ حالت فرو نہ ہوئی تو اپنی جیب میں سے ایک مستعمل لفافہ نکال کر اس کو پھاڑ کر پشت کی طرف جہاں کچھ لکھا ہوا نہ تھا یہ شعر لکھ کر حضرت والا کی خدمت میں پیش کر دیا۔

دل میرود ز دستم صاحبدلاں خدارا ۔۔۔ دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا

(اے دل والو میرا دل ہاتھ سے جا رہا ہے، خدا کیلئے اس درد میں جو راز ہے وہ ظاہر ہو جائے)

کیونکہ یہ شعر اس وقت بالکل احقر کے حسب حال تھا۔ حضرت والا نے اس پرچہ کو پڑھ کر عجب انداز کے ساتھ فرمایا کہ کیا میں اس کو اپنے پاس تعویذ بنا کر رکھ لوں۔ اس پر لطف ارشاد سے اس کیفیت میں بجائے سکون ہونے کے اور ترقی ہوگئی۔ پھر تھوڑی دیر بعد حافظ عبدالمجید صاحب سے فرمایا کہ اچھا حافظ جی ذرا پنسل تو دیجئے۔ لایئے خواجہ صاحب کو اس پرچہ کا جواب ہی لکھ دوں پھر حافظ جی سے پنسل لے کر میرے شعر کے نیچے یہ شعر تحریر فرما دیا۔

گرچہ بدنامیست نزد عاقلاں ۔۔۔ مانمی خواہیم ننگ و نام را

(اگرچہ عقلمندوں کے ہاں بدنامی ہے مگر ہم شہرت و ناموری نہیں چاہتے)

اور پھر میرا پرچہ مجھ کو واپس فرما دیا مجھے حیرت ہوگئی کہ ہنسائی اور بدنامی ہی کا تو میں اندیشہ کر رہا تھا اور اسی کے متعلق حضرت والا نے جواب میں شعر تحریر فرما دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت والا کو میری اس کل حالت کا اچھی طرح احساس اور انکشاف ہو گیا ہے۔ پھر کچھ دیر بعد حضرت والا کی توجہات کی برکت سے اور احقر کی جانب بار بار نظر فرمانے کے

اثر سے مجھ کو الحمد للہ سکون ہو گیا۔ بمصداق قول احقر۔

جادو سا کیا یہ اے نگہ یار کر دیا مجذوب سے بھی مست کو ہشیار کر دیا

فائدہ: اس واقعہ سے بھی حضرت والا کی قوت افاضہ اور اس زمانہ کا غلبہ ذوق وشوق اور جوش وخروش ظاہر وباہر ہے۔

واقعہ نمبر ۳: حضرت کے ارشادات سے تسلی ہونا

(۱)۔ حضرت والا طالب کی تسلی ایسے مؤثر اور دل پذیر عنوان سے فرماتے ہیں کہ عین یاس کی حالت میں بھی فوراً ڈھارس بندھ جاتی ہے۔ اور تسلی محض الفاظ میں ہی کی نہیں ہوتی بلکہ تسلی کا جو مضمون یا بشارت تقریراً یا تحریراً ارشاد فرماتے ہیں اس کو سنتے ہی اور دیکھتے ہی مخاطب اپنے اندر حاساً بھی محسوس کرنے لگتا ہے اور حضرت مولانا رومیؒ کے ارشاد (ع) وعدہا باشد حقیقی دلپذیر، کا فوراً ہی ظہور اور مشاہدہ ہو جاتا ہے۔ اس امر کا کہ حضرت والا کے یہاں طالبین کی بڑی تسلی ہوتی ہے موافقین اور مخالفین منتسبین اور غیر منتسبین سب کو اقرار ہے چنانچہ حال میں ایک اپنے ہی حضرات کے سلسلہ کے ایک شیخ نے اپنے کچھ الجھے ہوئے حالات ایک دوسرے ہم سلسلہ شیخ کے پاس استعلاجاً پہنچائے تو مؤخر الذکر شیخ نے باوجود حضرت والا سے بعض امور میں سخت اختلاف ہونے کے فرمایا کہ ایسے الجھے ہوئے حالات کا حال تو بس تھانہ بھون ہی میں ہوسکتا ہے۔ اھ۔ سچ ہے۔ **الفضل ماشهدت به الاعداء۔**

(۲)۔ ایک اور شیخ کے مرید نے حال ہی میں حضرت والا کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ مجھ کو اپنے حالات عرض کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے کیونکہ مجھ کو حضرت کے مواعظ پڑھ کر بہت تسلی ہوئی ہے۔ بالخصوص وساوس تو محض حضور کے تصور ہی سے دفع ہو جاتے ہیں یہ بھی لکھا کہ اگر چہ مجھ کو اپنے شیخ سے عقیدت ہے لیکن حضور کی عقیدت غالب ہے اور یہ بھی لکھا کہ میری پریشانی کا سبب یہ ہے کہ میں نے بیعت میں عجلت کی۔ اھ۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا دیکھئے بیعت میں عجلت کرنے کے یہ نتائج ہیں اور میں جو بیعت میں عجلت سے منع کیا کرتا ہوں اور دیر کیا کرتا ہوں اس کی یہی وجہ ہے۔

(۳)۔ حضرت والا کی خدمت میں دوسرے شیوخ کے مریدین کے اکثر اسی قسم کے

خطوط آتے رہتے ہیں اور حضرت والا بضرورت اس شرط پر کہ اپنے پیر سے سوءِ ظن نہ رکھیں محض تعلیم حاصل کرنے کی اجازت مرحمت فرما دیتے ہیں۔

(۴)۔ ایک انگریزی کے طالب علم کو دفعتہً منجانب اللہ مطلوب حقیقی کی ایسی طلب دامن گیر ہوئی کہ وہ انگریزی چھوڑ چھاڑ کر پیر کی تلاش میں نکلے۔ اتفاق سے ان کے قریب ایک بدعتی پیر تھے جو بہت مشہور تھے ان سے جا کر مشورہ لیا تو خدا کی شان کہ باوجود اختلاف مشرب انہوں نے بھی ان کو حضرت والا ہی سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا۔ لیکن حضرت والا نے ان صاحب کو دیوبند میں تحصیل علوم کرنے اور بغرض سہولت وہیں حضرت مولانا دیوبندیؒ سے بیعت ہو جانے کا مشورہ دیا چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ ف۔ واقعات مذکورہ میں اہل واقعت کے نام قصداً نہیں ظاہر کیے گئے تا کہ کسی کو ناگواری نہ ہو اور صرف انہیں واقعات میں نہیں بلکہ اس رسالہ اشرف السوانح کے اکثر واقعت میں ایسا ہی کیا گیا ہے۔

تسلی کے متعلق احقر کے واقعات

اب اس مضمون تسلی کے متعلق احقر اپنے بھی چند خاص واقعات عرض کرتا ہے اور چونکہ وہ سب ایک ہی باب کے واقعت ہیں اس لیے ان سب کو ایک واقعہ قرار دے کر واقعہ نمبر ۳ ہی کے ذیل میں مجتمعاً تحریر کیے دیتا ہے۔

کیفیت کے تغیر کی مثال

ایک بار احقر نے نہایت حسرت کے ساتھ عرض کیا کہ حضرت جو کچھ صفائی باطن حضور کی صحبت بابرکت سے حاصل ہوتی ہے وہ حضرت سے جدا ہونے کے بعد مکروہات دنیا میں پھنس کر رفتہ رفتہ سب غت ربود ہو جاتی ہے۔ یہ سن کر فوراً نہایت تسلی بخش لہجہ میں فرمایا کہ جی پھر مضائقہ ہی کیا ہے آپ اپنے کپڑے میلے کر ڈالتے ہیں دھوبی ان کو دھو دیتا ہے۔ آپ پھر میلے کر ڈالتے ہیں دھوبی پھر دھو دیتا ہے۔

تپ دق اور نسبتِ باطنی

ایک بار میں نے عرض کیا کہ حضرت ایک تو معمولی مریض ہوتا ہے۔ کھانسی زکام یا

جاڑہ بخار کا اور ایک مریض ہوتا ہے تپ دق کا۔ میں تپ دق کا مریض ہوں لہذا بہت زیادہ محتاج توجہ ہوں۔ فرمایا کہ مبارک ہو یہ تو علامت ہے نسبت باطنی کی کیونکہ نسبت باطنی بھی تپ دق کی طرح رگ رگ میں سرایت کر جاتی ہے اور کبھی زائل نہیں ہوتی۔ مطلب یہ کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ جس کیفیت کو آپ مرض سمجھ رہے ہیں وہ مرض ہی ہے بعضے آثار مشترک ہوتے ہیں مرض میں اور حال محمود میں جیسے سرایت۔

اصلی قلب

ایک بار عرض کیا کہ حضرت میرے قلب کی بھی عجیب ڈانواڈول حالت ہے۔ فرمایا کہ اصلی قلب تو آپ ہی کا ہے کیونکہ قلب کے معنی ہی یہ ہیں کہ جو ایک حالت پر نہ رہے منقلب ہوتا رہے۔

الجھن و سلجھن

ایک بار احقر نے اپنی کسی باطنی پریشانی کے متعلق لکھا کہ سخت الجھن میں ہوں تحریر فرمایا کہ یہ الجھن مقدمہ ہے سلجھن کا ان مع العسر یسرا (ع) چونکہ قبض آمد تو در وے بسط بیں۔ اھ۔
یہ جواب لطائف کے تذکرہ میں بھی اوپر نقل کیا جاچکا ہے۔

(۵)۔ اسی طرح ایک عریضہ کے جواب میں جس میں ظاہری و باطنی پریشانیوں کا حال عرض کیا گیا تھا تحریر فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ فلاح دارین حاصل ہوگی دل یہی گواہی دیتا ہے۔ یہ جواب بھی اوپر بہ سلسلہ واقعہ ترک ڈپٹی کلکٹری نقل کیا جاچکا ہے۔

(۶)۔ ایک مرتبہ احقر نے اپنے حالات کا عریضہ لکھا جس میں یہ بھی عرض کیا تھا کہ حضور کے تذکرہ کا شوق اس درجہ غالب ہے کہ جوش میں آکر بعض اوقات اوروں کے سامنے اپنے مخفی حالات کا بھی ضمناً ذکر کر ڈالتا ہوں حالانکہ مبتدی کے لیے اظہار اسرار بوجہ مضر ہونے کے ممنوع ہے۔ جواب تحریر فرمایا کہ سب حالات محمود ہیں صرف تلوین کا تمکین سے مبدل ہونا باقی ہے۔ سو انشاء اللہ تعالیٰ اسی طرح ہو رہے گا۔ ہانڈی میں کیسے کیسے جوش اٹھتے ہیں اور یہ سب علامات ہیں اس کے قطع منازل کی تکمیل کی طرف پھر آخر میں خود کیسا سکون ہو جاتا ہے۔ یہ اس کی تمکینی حالت ہے۔

رع۔ کلبۂ احزاں شود روزے گلستاں غم مخور۔ خالی گانا بطور خود تنہائی میں جیسا کہ آپ نے لکھا ہے کچھ مضائقہ نہیں۔ رع۔ کہ نوشیدو جوشیدو مستی کنید۔ کسی ناکارہ کے تذکرہ میں اگر اپنا اظہار حال ہوجائے تو چونکہ بقصد نہیں اس لیے مذموم نہیں۔ رع۔ کہ عشق ومشک را نتواں نہفتن۔

(۷)۔ ایک عریضہ میں احقر نے عدم انضباط اوقات کی شکایت لکھی۔ تحریر فرمایا کہ میں حالت موجودہ ہی میں آپ کو کامیابی کی بشارت دیتا ہوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ آپ ہرگز محروم نہ رہیں گے۔ میرے اس قول کی دلیل۔

ندریں رہ می تراش ومی خراش　　　　تادمے آخر دمے فارغ مباش

(اس راستہ میں اپنے آپ کو سنوارنے میں مشغول رہ اور آخر دم تک بھی کوئی لمحہ فارغ نہ رہ)

تادم آخردم آخر بود　　　　کہ عنایت باتو صاحب سر بود

(آخری دم تک کوشش جاری رہنی چاہیے تاکہ صاحب نسبت کی عنایات تجھ پر جاری رہیں)

کوئے نومیدی مرو کامید ہاست　　　　سُوے تاریکی مرو خورشید ہاست

(مایوسی کی گلی میں نہ جا کہ ابھی بڑی امیدیں ہیں، اندھیرے کی طرف نہ جا کیونکہ بہت سارے سورج موجود ہیں)

اضاعت واطاعت

اسی طرح ایک عریضہ میں احقر نے یہ شکایت لکھی تھی کہ انضباط کا پختہ عزم کرلیا تھا لیکن پھر ٹوٹ گیا۔ اس مضمون کے جواب میں یہ تحریر فرمایا کہ خیر اضاعت وقت میں بھی اطاعت بخت کا مسئلہ حل ہوا کہ انسان تقدیر حق کے سامنے عاجز ہے کہ ارادہ تو کیا تھا ضبط اوقات کا اور ہوگیا خبط اوقات انشاءاللہ تعالیٰ اس مسئلہ کا منکشف ہونا بھی ترقی کا زینہ تھا۔

(فائدہ) اس عریضہ کا پورا جواب اپنی بیعت کے واقعات میں ضمناً نقل کیا جاچکا ہے۔

بابِ حقیقت

ایک بار احقر نے عریضہ لکھا کہ اب کی بار کی حاضری میں حضرت والا کے فیض صحبت سے بفضلہ تعالیٰ قلب میں ایک ایسی اچھی کیفیت پیدا ہوگئی تھی کہ اس قسم کی کیفیت اس سے

پہلے کبھی پیدا نہ ہوئی تھی لیکن افسوس کہ واپسی کے بعد کچھ دن باقی رہ کر رفتہ رفتہ بالکل زائل ہوگئی۔ اس پر ایک ایسی لطیف تحقیق تحریر فرمائی کہ جو ہمیشہ کے لیے گویا مشعل راہ ہوگئی اور اگر طالبین ہمیشہ اس کو اپنے پیش نظر رکھیں تو تقلبات طریق سے کبھی پریشان نہ ہوں۔ تحریر فرمایا کہ کسی کیفیت کا طاری ہونا اور چندے جاری رہنا یہ بھی بس غنیمت ہے۔ ہمیشہ رہنے کی چیز تو صرف عقل اور ایمان ہے۔ باقی سب میں آمد و رفت رہتی ہے۔ اھ۔ اس جواب سے احقر کو بے حد نفع ہوا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا باب حقیقت مفتوح ہوگیا۔

ناامیدی کی طرف مت جاؤ

احقر ہجوم وساوس سے بہت پریشان رہا کرتا تھا جن سے اپنے ایمان کے متعلق بھی تردد پیدا ہوگیا تھا بالآخر گھبرا کر ایک عریضہ میں اپنے سب وساوس تحریر کر دیئے اور عرض کیا کہ اب حضرت والا ہی ایسے حالات میں تحریر فرمائیں کہ مجھ میں ایمان ہے یا نعوذ باللہ خدانخواستہ میں اس حالت سے محروم ہی ہوں۔ لیکن یہ ملحوظ خاطر رہے کہ یہ فیصلہ ایک مجدد اور قطب الارشاد کے یہاں سے ہوگا اگر وہاں سے بھی مایوسی ہوئی تو پھر میرا کہیں ٹھکانا نہیں بڑی جرأت کر کے توکلا علی اللہ یہ سوال کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی خیر رکھے۔ اھ۔ اس پر حضرت والا نے ایمان کی بشارت دے کر یہ شعر تحریر فرمایا۔

کوئے نومیدی مرو کامید ہاست　　　　سوئے تاریکی مرو خورشید ہاست

(مایوسی کی گلی میں نہ جا کیونکہ ابھی بہت امیدیں ہیں، اندھیرے کی طرف نہ جا کیونکہ بہت سارے سورج موجود ہیں)

احقر نے یہ بھی لکھا تھا کہ اگر میرے یہ ناگفتہ بہ حالات معلوم فرما کر حضور نے مجھ کو چھوڑ دیا اور نظر توجہ ہٹالی تو پھر یہ سمجھ لیجئے کہ سوائے جہنم کے میرا کہیں ٹھکانا نہ ہوگا۔ اس پر تحریر فرمایا کہ خدا نہ کرے توجہ کیوں ہٹانے لگا پھر یہ شعر تحریر فرمایا۔

بندۂ پیر خراباتم کہ لطفش دائم است　　　　زانکہ لطف شیخ و زاہد گاہ ہست و گاہ نیست

(میں تو ے خانہ کے سردار کا غلام ہوں جس کا کرم ہر وقت رہتا ہے اس لئے کہ متقی

و پرہیز گار کا کرم تو کبھی ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا)

سرمایۂ تسلی

ایک بار احقر خدمت میں فیض در جت سے رخصت ہوتے وقت بہت دلگیر ہونے لگا تو نہایت شفقت کے لہجہ میں فرمایا کہ دلگیر ہونے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ الحمدللہ سرمایۂ تسلی ہر وقت پاس ہے۔ یعنی تعلق مع اللہ۔

مٹنے کو آیا ہوں

ایک بار احقر معتد بہ رخصت لے کر بغرض اصلاح حاضر خانقاہ ہوا تو آتے ہی ایک پرچہ پر اپنا تصنیف کردہ یہ شعر لکھ کر پیش کیا۔

نہیں کچھ اور خواہش آپ کے در پر میں لایا ہوں
مٹا دیجئے یہاں مٹنے کو آیا ہوں

فوراً نہایت وثوق کے لہجہ میں فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ ایسا ہی ہوگا۔ اھ۔

سب مشکلوں کا حل

ایک بار احقر نے اپنے بہت سے امراض باطنی لکھ کر پیش کیے اور اپنی اصلاح سے مایوسی ظاہر کی کہ (ع) تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم۔ اور لکھا کہ اتنے سارے امراض سے کیونکر نجات ممکن ہے۔ تحریر فرمایا کہ کچھ بھی مشکل نہیں صرف دو چیزوں کا التزام کر لیجئے۔ استحضار اور ہمت۔
سبحان اللہ سبحان اللہ کیا مختصر اور جامع مانع گر تعلیم فرما دیا جو تمام اصطلاحات کو حاوی ہے اور یہ وہ کلی ہے جس کے اندر اصلاح کی ہر چھوٹی سے چھوٹی جزئی داخل ہے جس کو تمام اصطلاحات کی گویا میزان الکل کہنا چاہیے۔ احقر پر تو اس جواب کو پڑھ کر حال طاری ہو گیا تھا اور ان دو لفظوں کے متعلق اس کثرت سے مضامین کا ورود ہوا تھا کہ اگر اس وقت لکھنے بیٹھ جاتا تو ایک رسالہ کا رسالہ تصنیف ہو جاتا اس کا ارادہ بھی ہوا لیکن افسوس تساہل نے پورا نہ ہونے دیا پھر وہ سب مضامین ذہن سے نکل گئے۔ البتہ اس گر کی سہولت استحضار کے لیے ایک شعر میں محفوظ کر لیا تھا جواب تک یاد ہے۔ وہ یہ ہے۔

عجب یہ نسخۂ اکسیر ہے اصلاح امت کا ۔۔۔۔ بتایا ہے جو حضرت نے استحضار و ہمت کا

واقعی اگر اپنے عیوب کا استحضار رکھا جائے اور وقت پر ہمت سے کام لیا جائے تو کسی گناہ کا صدور ہی نہ ہو۔ اور ہمت کے متعلق حضرت والا نے فرمایا ہے کہ جس ہمت کے بعد کامیابی نہ ہو وہ ہمت ہی نہیں بلکہ ہمت کی محض نیت ہے۔ ف۔ سبحان اللہ ہمت کی کیا نفیس اور قابل استحضار حقیقت ظاہر فرمائی ہے۔

اگلی پچھلی کوتاہیاں معاف

چونکہ احقر بہت ہی بے تکا اور بدانتظام واقع ہوا ہے اور ادھر حضرت والا نہایت درجہ منتظم بقول احقر۔

ان کو ملی فرزانگی ہم کو ملی دیوانگی

مجذوب ہم وہ ہوشیار ایک اسطرف ایک اُسطرف

اس لیے اس ناکارہ سے حضرت والا کو اکثر اذیت پہنچتی تھی اور اب بھی بکثرت پہنچتی رہتی ہے۔ لہٰذا ایک بار احقر نے معذرت چاہی فوراً نہایت شفقت سے فرمایا کہ اگلی پچھلی سب کوتاہیاں معاف ہیں۔ بے فکر رہیے پھر یہ آیت پڑھی **لیغفر لک اللہ ماتقدم من ذنبک و ماتاخر**۔ اللہ تعالیٰ مجھے فہم سلیم اور توفیق ادب عطا فرمائے تاکہ مجھ سے کبھی حضرت والا کو کسی قسم کی ایذا نہ پہنچے۔ آمین ثم آمین۔

تسلی سے متعلق طالبین کے واقعات

مضمون تسلی کے متعلق احقر اور دیگر طالبین کے بھی بعض واقعات اس مقام پر عرض کیے جاتے ہیں۔

رحمت اور فرحت

ایک صاحب نے لکھا کہ معمولات تو بفضلہ تعالیٰ جاری ہیں لیکن قلب میں فرحت نہیں پیدا ہوتی۔ تحریر فرمایا کہ خدا کا شکر کیجئے رحمت تو ہے فرحت نہیں ہے نہ سہی۔ فرحت تو محض اس کی ایک لونڈی ہے۔ انشاءاللہ وہ بھی اپنی باری میں حاضر ہو جائے گی۔ اھ۔ حضرت والا کی برکت سے اس لطیف اور دلپذیر جواب کو پڑھتے ہی ان کی طبیعت فوراً منشرح ہو گئی چنانچہ انہوں نے دوبارہ حضرت والا کو لکھا کہ حضرت والا کی دعا کی برکت سے الحمدللہ وہ

لونڈی بھی حاضر ہوگئی ہے۔

ان صاحب کے والد بزرگوار جو ریاست کدورہ کے دیوان رہ چکے تھے اور شاعر بھی تھے اور بہت اچھا ذوق ادب رکھتے تھے اس جواب پر عش عش کرنے لگے اور حیرت کرتے تھے کہ مولانا کو یہ نوابوں اور بیگمات کی اصطلاحیں کہاں سے معلوم ہوگئیں۔ فرحت عموماً لونڈیوں کا نام بھی ہوا کرتا ہے اور لونڈیوں کی باریاں بھی مقرر رہتی ہیں۔ احقر ان کو حضرت والا کے مطبوعہ مواعظ سنایا کرتا تھا۔ ایک دن فرمانے لگے کہ مولانا تو نثر میں شاعری کرتے ہیں۔

مباح خیالات

ایک بار احقر نے حضرت والا کے حسن تعلیم اور مضمون تسلی کے تذکرہ میں حضرت والا سے عرض کیا کہ ایک مرتبہ احقر کی والدہ صاحبہ نے بواسطہ احقر حضور سے شکایت کی تھی کہ دوران ذکر میں ادھر ادھر کے فضول فضول خیالات بہت پریشان کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ بچپن تک کے واقعات بھی خواہ مخواہ یاد آنے لگتے ہیں تو حضور نے فرمایا تھا کہ ایسے خیالات کا کچھ غم نہ کریں بلکہ مباح خیالات کو غنیمت سمجھیں کیونکہ وہ وقایہ ہو جاتے ہیں معاصی کے خیالات کے اگر ان سے دل بالکل خالی ہو جائے تو پھر معاصی کے خیالات آنے لگیں۔ البتہ جب اللہ تعالیٰ اپنے ذکر کا غلبہ نصیب فرمادیں گے تب یہ بھی جاتے رہیں گے۔

تسلی کا فائدہ

احقر سے اس (مذکورہ بالا) واقعہ کا ذکر سن کر حضرت والا نے فرمایا کہ یہ جو کچھ میں مباح خیالات یا وساوس کے متعلق کہا کرتا ہوں وہ سب اپنی ہی گزری کہا کرتا ہوں۔ استدلالی طور پر نہیں بلکہ اپنا مشاہدہ بیان کیا کرتا ہوں۔ کیونکہ یہ سب حالتیں خود مجھ پر بھی گزر چکی ہیں ورنہ محض تحقیق کے طور پر کہتا تو مبتلا کو تسلی ہرگز نہیں ہوسکتی تھی۔ اس وقت تو بڑی کلفتیں اٹھائیں لیکن اب تو میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھ کو سارے عقبات کی سیر کرادی۔ ایک مخالف سے ایک شخص نے باطن کے متعلق مشورہ لیا تو اس نے میرا نام لیکر کہا کہ تسلی اگر چاہتے ہو تو وہاں جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے تسلی دینے میں اس شخص کو خاص

مہارت عطا فرمائی ہے۔ ویسے محض تحقیق کرنا چاہو تو چاہے جہاں جاؤ پھر حضرت والا نے فرمایا کہ یہ سب حضرت حاجی صاحبؒ کا رنگ ہے۔ وہاں کی برابر کہیں تسلی دیکھی ہی نہیں اور واقعی اس سے جس قدر سلوک طے ہوتا ہے کسی سے نہیں ہوتا کیونکہ اس سے حق تعالیٰ کے ساتھ محبت کا تعلق پیدا ہوجاتا ہے اور محبت ہی اقرب طرق ہے۔ اسی لیے مجھ کو اس کا بڑا اہتمام رہتا ہے کہ طالبین کے قلوب میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کی جائے۔ اھ۔ ف۔ یہ واقعہ حسن العزیز جلد اول میں بھی مذکور ہے۔

اللہ والوں کا شیطان کچھ نہیں بگاڑ سکتا

ایک صاحب سے جو وساوس سے سخت پریشان تھے مفصل مضامین تسلی بیان فرما کر آخر میں فرمایا کہ میاں بھلا جس کے سر پر اللہ ہو پھر اس کو کیا فکر شیطان اس کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ (ع) دشمن اگر قوی ست نگہباں قوی تراست خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **اِنّہ لیسَ لَہ سلطان علی الذین اٰمنو اوعلیٰ ربھم یتو کلون** ۔اھ۔

کارِ خود کن

ایک مخلص دیندار نے جو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہٗ العزیز سے بیعت ہیں مدرسہ دیو بند کے موجودہ فتنہ وفساد کے سلسلہ میں بعض علماء وممبران مدرسہ کے خلاف بدظنی کے وساوس پیدا ہونے کی بہت طویل داستان لکھی اور لکھا کہ چونکہ ان سب حضرات سے بوجہ خاص دیو بندی خیال اور سلسلہ امدادیہ میں داخل ہونے کے پختہ عقیدت مندی ہے اس لیے کسی صاحب کی طرف بھی بدگمانی کا خیال نہیں ہوسکتا اور گو یہ سیاہ کار اس قابل کہاں جو بزرگان دین کی رائے اور مصلحت میں دخل دے سکے لیکن میرا ناقص خیال جس طرف یقین کے ساتھ جھکتا ہے اس طرف سے ہٹنا دشوار ہوجاتا ہے لہٰذا مجبوری ہے اور سخت خلجان میں ہوں احقر کا اطمینان فرمایا جائے۔ الخ۔

حضرت والا نے اس کا حسب ذیل بہت مختصر مگر نہایت تسلی بخش اور جامع مانع جواب ارقام فرمایا جو یہ ہے۔ آپ نے اپنے دین کی درستی کے لیے بہت محنت کی انشاء اللہ اس کا

اجر ملے گا چونکہ ہر مریض کے لیے جدا نسخہ نافع ہوتا ہے۔ اس لیے جو نسخہ آپ کے لیے نافع ہے لکھتا ہوں وہ یہ ہے کہ (ع) کار خود کن کار بیگانہ مکن۔ زبان و قلم و قلب سے سکوت رکھیں پریشانی پر صبر کریں نہ کسی کے معتقد رہیں نہ کسی سے بد اعتقاد کیونکہ یہ دونوں چیزیں ایذادہ ہیں۔ قیامت میں اس کی پوچھ بھی آپ سے نہ ہوگی۔ والسلام۔

خطرہ اور قطرہ

ایک صاحب نے غلبہ خشیت میں لکھا کہ مجھ کو بڑا خطرہ ہے۔ تحریر فرمایا کہ یہ خطرہ تو بحر معرفت کا قطرہ ہے اللہ تعالیٰ اس کو بڑھا کر دریا کر دے۔ اھ

دریائے محبت کی موجیں

ایک صاحب نے لکھا کہ کبھی قبض ہے کبھی بسط کبھی غم ہے کبھی خوشی عجیب حالت ہے۔ اھ۔

خط بہت طویل تھا لیکن حضرت والا نے صرف اس کے ایک گوشہ پر بہت ہی مختصر سا جواب لکھ کر بھیج دیا جس پر بلا مبالغہ دریا کو کوزہ میں بند کرنا صادق آتا ہے۔ تحریر فرمایا کہ مجموعی حالت قابل شکر ہے جس کے سب اجزاء ایک ہی دریائے محبت کی موجیں جن کی حرکت بھی پُر بہار اور سکون بھی موجب قرار۔ مبارک۔ اطمینان سے اپنے کام میں لگے رہیے میں بھی دعا میں مشغول ہوں۔ اھ

وساوس کفریہ کا علاج

ایک صاحب جائیداد رئیس وساوس کفریہ میں مبتلا تھے۔ انہوں نے اپنا مفصل حال لکھ کر پیش کیا اور آخر میں عرض کیا کہ اگر حضور یہ اطمینان دلا دیں گے کہ وجود باری تعالیٰ دلائل عقلیہ قطعیہ سے ثابت ہے تو مجھے بلا دلائل معلوم کیے ہی اطمینان ہو جائے گا کیونکہ میں حضور کی عقل کا بے حد معتقد ہوں۔ اس پر حضرت والا نے غایت وثوق اور نہایت شد و مد کے ساتھ تحریر فرمایا کہ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ کا وجود ایسے دلائل عقلیہ قطعیہ سے ثابت ہے کہ بڑے سے بڑے فلسفی منکر کو بھی ساکت کیا جا سکتا ہے اور ابھی گنجائش انکار نہیں۔ اھ

اس جواب کو پڑھتے ہی صاحب موصوف کی ساری پریشانی دفع ہو گئی اور یہاں تک

مسرت کا جوش بڑھ کہ اس خوشی میں حضرت والا سے بیساختہ یہ اجازت طلب کی کہ میں اپنی سب جائیداد حضور کے نام ہبہ کردوں لیکن حضرت والا بھلا اس کو کیوں قبول فرمانے لگے تھے۔

ایک وکیل صاحب کو جواب

کل ہی کی بات ہے یعنی ۲۵۔رجب ۱۳۵۴ھ کو جمعہ کے بعد کی مجلس میں ایک بہت معتقد اور نہایت دیندار وکیل صاحب کے خط کے بعض فقرے اور ان فقروں کے متعلق اپنے جوابات سنائے۔ وہ وکیل صاحب حضرت والا کی خدمت میں بیس بائیس روز قیام کرکے حال ہی میں واپس گئے ہیں۔ انہوں نے لکھا کہ حضرت یہاں کی تو دنیا ہی بدلی ہوئی ہے۔ حضرت نے اس کا جواب ارقام فرمایا کہ خیر الحمد للہ دین تو بدلا ہوا نہیں۔ اھ۔

یہ بھی ان وکیل صاحب نے لکھا کہ وہاں ہر بات میں انوار معلوم ہوتے تھے یہاں نہیں معلوم ہوتے تحریر فرمایا کہ وہ (یعنی عدم انوار ۱۲) بھی خیر ہے۔ (ع) کہ آب چشمہ حیوان درون تاریکسیت اھ۔ پھر اس جواب کے متعلق زبانی فرمایا کہ یہ محض شاعری نہیں بلکہ حقیقت ہے کیونکہ ایسی حالت میں اگر کوئی نیک عمل کرتا ہے تو اس کو اجر زیادہ ملتا ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ اخیر زمانہ میں دین کا سنبھالنا ایسا مشکل ہوگا جیسے چنگاری کو ہاتھ میں پکڑنا۔ اس زمانہ میں اگر کوئی ایک عمل نیک کرے گا تو اس کو پچاس عملوں کا ثواب ملے گا۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ منا او منھم یعنی ہم میں کے پچاس یا ان میں کے پچاس ارشاد فرمایا منکم یعنی تم میں کے پچاس۔ اھ۔

پھر حضرت والا نے فرمایا کہ میں تو کہا کرتا ہوں کہ اگر اس وقت کوئی ایک نیک کام کرے اس کو پچاس ابوبکرؓ کے برابر ثواب ملتا ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ ہے بارکی اس تاریکی میں ف۔ سبحان اللہ حضرت والا کے بھی کیا پر لطف الفاظ ہوتے ہیں اور کیسے اعلیٰ معانی ہوتے ہیں۔ بس بالکل یہ شعر صادق آتا ہے۔

بہار عالم حسنش دل و جاں تازہ میدارد برنگ اصحاب صورت را بہ بوار باب معنی را

ان وکیل صاحب نے یہ بھی لکھا کہ وہاں سے آنے کے بعد ابھی تک طبیعت متوحش ہے۔ اس کا جواب حضرت والا نے یہ ارقام فرمایا کہ یہ تو رحمت ہے اگر مانوس ہو جاتی تو یہ علامت تھی عدم احساس کی۔ اھ۔ غرض نہایت تسلی بخش جوابات تحریر فرمائے جو حقیقت کے

بھی بالکل مطابق تھے۔

دو پہلوانوں کی کشتی

ایک طالب اصلاح نے کشاکش نفس کی شکایت کی تو نہایت شفقت کے ساتھ فرمایا کہ بھائی جب دو پہلوانوں میں کشتی ہوتی ہے تو یہ نہیں ہوتا کہ ایک تو زور لگائے جائے اور دوسرا اپنے ہاتھ پاؤں ڈھیلے ہی ڈال دے۔ اور اپنے مقابل کو خود موقع دے دے کہ وہ اس کو آسانی سے پچھاڑ سکے۔ یہ تو نفس سے کشتی ہے اپنا سارا زور لگانا چاہیے پھر اگر پورا غلبہ نہ حاصل ہو تو کم از کم یہ تو ہو کہ کبھی تم نے اس کو پچھاڑ دیا کبھی اس نے تم کو پچھاڑ دیا لیکن ہمت کسی حال میں نہ ہارنا چاہیے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ دیکھیں گے کہ یہ بیچارہ اپنا سازور لگا رہا ہے تو غلبہ بھی عطا فرما دیں گے۔ غرض ہمت نہ ہارنا چاہیے اور مایوس نہ ہونا چاہیے۔

غفلت کا علاج

ایک صاحب اجازت نے گھر پہنچ کر عریضہ لکھا کہ وہ حالت قلب کی جو خانقاہ میں تھی وہ رخصت ہوتی جاتی ہے اس کے بقا کی اگر کوئی صورت ہو تو فرمائی جائے۔ حضرت والا نے اس کا جواب تحریر فرمایا کہ اگر ایسا ممکن ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ سے یوں نہ فرماتے **ولکن یا حنظلة ساعة و ساعة** اھ۔ انہوں نے یہ بھی لکھا تھا کہ قلب کی حالت نہایت خراب ہے غفلت قلب میں گھر کر گئی دعا بھی اور علاج بھی فرمایا جائے اس کا جواب تحریر فرمایا کہ **العلاج بالضد و هو محل الاختیار و الجد**۔

مکتوب ملقب بہ تسہیل الطریق

ایک صاحب نے لکھا کہ اپنا حال ابتر ہی پاتا ہوں سوائے ادھیڑ بن کے اور کچھ نہیں۔ اس کا جواب ایسا جامع مانع تحریر فرمایا کہ جو عمر بھر کے لیے دستور العمل بنانے کے قابل ہے اور چونکہ وہ بہت مہتم بالشان مضمون ہے اس لیے احقر کی درخواست پر حضرت والا نے اس کا تسہیل الطریق نام بھی رکھ دیا ہے جس کو تربیت السالک سے نقل کیا جاتا ہے۔

اشرف السوانح - جلد۲ ک10

خود مشقت میں پڑنے کا شوق ہی تو اس کا علاج ہی نہیں باقی راستہ بالکل صاف ہے کہ غیر اختیاری کی فکر میں نہ پڑیں اختیاری میں ہمت سے کام لیں اگر کوتاہی ہو جائے ماضی کا استغفار سے تدارک کر کے مستقبل میں پھر تجدید ہمت سے کام لینے لگیں اور استعمال ہمت کے ساتھ دعا کا بھی التزام رکھیں اور بہت لجاجت کے ساتھ۔اھ۔

فائدہ: سبحان اللہ سبحان اللہ سارا طریق اس مختصر سے جواب میں آ گیا۔ دریا کو کوزہ میں بھر دیا ہے۔ کوئی اس زریں دستور العمل کی قدر کام کرنے والوں سے پوچھے اور ان سے جن کا اس پر عملدر آمد ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا کے طفیل سے ان ناکارہ کو بھی اس پر سختی کے ساتھ کاربند ہونے کی توفیق بخشے اور حضرت والا کے درجات اور علوم ومعارف کو روز افزوں ترقی بخشے اور ہمیشہ سلامت با کرامت رکھے۔ آمین آمین آمین۔

وساوس سے پریشان شخص کی تسلی

ایک صاحب نے جن کے شیخ حج کو گئے ہوئے تھے ہجوم وساوس سے پریشان ہو کر حضرت والا کی خدمت میں نہایت پر درد عریضہ لکھا۔ حضرت والا نے جواب میں ایسا تسلی بخش مضمون تحریر فرمایا کہ اس کو پڑھتے ہی ان کے سارے وساوس دور ہو گئے اور ساری پریشانی کافور ہو گئی چنانچہ انہوں نے پھر دوسرا عریضہ ارسال خدمت کیا جو تبویب تربیت السالک باب ہشتم کے پہلے صفحہ کے حاشیہ سے لفظاً لفظاً نقل کیا جاتا ہے۔

الحمد للہ اب نہ وساوس کا ہجوم ہے نہ اوہام وہوا جس کا تلاطم قطعی طور سے نیست و نابود ہو گئے۔ حضور کا کس زبان سے اور کیسے شکریہ ادا کیا جائے جو اس آڑے وقت میں اس ناچیز اور سراپا قصور کی دستگیری فرمائی گئی ہے۔ آقائے عالم ذات بابرکات کو بایں فیوض وخیرات ہمیشہ ہمیشہ تا قیام قیامت قائم رکھیں اور نظر توجہ وشفقت کی بجانب بیچارہ مبذول۔ آمین

مختصر مگر حسب حال

احقر جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ ایک انہی صاحب کا کیا ہزاروں سرگشتگان طریق کا مشاہدہ ہے کہ حضرت والا سے رجوع کرتے ہی ساری حیرانی و پریشانی دور ہو جاتی ہے اور

گویا منزل مقصود قریب ہی نظر آنے لگتی ہے۔ اور یہ محض مضامین کا اثر نہیں بلکہ حضرت والا کی دعا وتوجہ اور مقبولیت عنداللہ کی برکت ہے۔ ورنہ محض الفاظ میں اس درجہ اثر کہاں بمصداق ارشاد حضرت مولانا رومیؒ۔

گر نبودے نالہ نے را ثمر — نے جہاں را پُر نہ کردے از شکر

(اگر نہر اور کسان نہ ہوتا تو گنا جہان کو شکر فراہم نہ کرتا)

خود حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ گو میرے جواب بہت مختصر ہوتے ہیں لیکن مبتلا کے اس قدر حسب حال ہوتے ہیں کہ اگر کوئی میرا خط پہنچنے کے وقت وہاں موجود ہو تب مکتوب الیہ پر ان جوابوں کا اثر دیکھے۔ بعضے تو بالکل خودکشی پر آمادہ ہو گئے تھے لیکن میرا خط پہنچتے ہی بفضلہ تعالیٰ ان کی پوری تسلی ہوگئی اور وہ اپنے اس ارادہ سے باز آ گئے۔

وساوس ایمان کی علامت ہیں

حسن اتفاق سے اسی وقت اس کی نظیر میں ایک طالب کا خط اور حضرت والا کا جواب تسلی مآب تبویب تربیت السالک حصہ ہشتم میں نظر سے گزرا جس کو مناسب موقع خیال کر کے یہاں نقل کیا جاتا ہے گو ضعیف سا احتمال ہے کہ محض حضرت والا کا جواب باب شرف بیعت واستفاضۂ باطنی میں حضرت والا کی تحریرات متعلقہ وساوس کے ضمن میں بھی نقل کیا جا چکا ہے لیکن ایسے مکررات سے اتنی طویل تصنیف میں بچنا مشکل ہے۔ بہر حال ایسے مفید مضامین کی تکرار بھی نفع سے خالی نہیں بلکہ زیادت نفع متصور ہے (اور تضاعف حظ میں گویا قند مکرر ہے) چنانچہ بلاقصد تشبیہ عرض ہے کہ قرآن مجید کے مکررات کا بھی یہی منشاء ہے کہ تکرار موجب ازدیاد استحضار ہو۔ لہٰذا ناظرین کرام سے باادب عرض ہے کہ اس تصنیف میں اگر کہیں شاذ و نادر مکررات نظر سے گزریں احقر کو معذور تصور فرمائیں۔ اس مختصر مگر ضروری تمہید کے بعد وہ حال مع جواب ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے وہو ہذا۔

(حال)۔ علاوہ ازیں ایک مرض صعب کا نہایت شاکی ہوں حتی الوسع اس کے دفعیہ کی کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ وہ مرض یہ ہے کہ بعض وقت وساوس وخطرات کا اپنے دل میں نشان بھی نہیں پاتا اور بعض وقت وساوس وخطرات کا اس قدر ہجوم ہوتا ہے اور

وساوس وخطرات بھی وہ کہ شاید کسی دہریہ کو بھی نہ آتے ہوں اس وقت دل چاہتا ہے کہ کسی ترکیب سے خودکشی کروں تاکہ خس کم جہاں پاک کا مصداق ہو جائے۔ ایسے نالائق و نابکار کو دنیا میں رہنا ہی نہیں چاہیے۔ اس لیے خدمت والا میں عرض پرداز ہوں کہ اس کے لیے خاص توجہ مبذول فرمادیں اور دعا سے امداد فرمادیں۔

(تحقیق) دعا سے کیا عذر ہے مگر یہ حالت خود مذموم ہی نہیں جس کو ایسا مہتم بالشان سمجھا جائے صحابہؓ سے اکمل و افضل تو کسی کی حالت نہ تھی۔ حدیثوں میں مصرح ہے کہ ان کو ایسے وساوس آتے تھے کہ وہ جل کر کوئلہ ہو جانا زیادہ محبوب سمجھتے تھے ان کو زبان پر لانے سے اور طبیب کامل صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکوان کے صریح ایمان کی علامت قرار دیا۔ پس جو امر علامت ایمان ہو اس پر اگر مسرت نہ ہو تو غم کے بھی کوئی معنی نہیں۔ والسلام۔

فائدہ: جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ حضرت والا جذبات انسانی کے لیے ایسے ماہر اور امراض روحانی کے علاج میں ایسے حاذق ہیں کہ طالب مذکور کو جو اس درجہ غم میں مبتلا تھے کہ خودکشی پر آمادہ تھے اس کا مشورہ نہیں دیا کہ اس حالت پر مسرور ہوں کیونکہ یہ تکلیف مالایطاق ہوتی اور مشورہ مفید نہ ہوتا۔ سبحان اللہ حکیم الامۃ کی یہی شان ہونی چاہیے۔

اسی طرح حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ جب کسی کے یہاں کوئی موت ہو جاتی ہے اور وہاں ضرورت وعظ کی سمجھتا ہوں تو معتد بہ زمانہ گزرنے کے بعد کہتا ہوں ورنہ تازہ تازہ غم میں اگر وعظ کہا جائے تو بالکل بیکار جائے۔ اھ۔

مریضہ کو تسلی

مضمون تسلی کے متعلق اتفاقاً ایک اور واقعہ بھی یاد آ گیا گو وہ باطن کے متعلق نہیں لیکن اس کا ذکر بھی اس جگہ بے موقع نہ ہوگا۔ احقر کی اہلیہ کا ایک ایسا آپریشن ہونے والا تھا جس میں جان کا خطرہ تھا۔ اور ہم سب لوگ نہایت درجہ پریشان تھے۔ انہوں نے حضرت والا کو نہایت مایوسی کا عریضہ لکھوایا اور دعا کی درخواست کی عین آپریشن کے دن حضرت والا کا جواب پہنچا کہ دل وجان سے دعا کرتا ہوں۔ انشاءاللہ تعالی آپریشن کامیاب ہوگا اور انشاء

اللہ تم اچھے ہو کر یہاں آؤ گی۔اھ

اس بشارت نے ہم مردہ دلوں کو زندہ کر دیا اور گویا از سر نو حیات بخشی۔ اور پریشانی میں بہت کچھ کمی ہوگئی اور بجائے یاس کے امید غالب ہوگئی۔ مریضہ کو بھی بہت کچھ سکون ہو گیا اور ایک گونہ اطمینان کے ساتھ آپریشن کے کمرہ میں قدم رکھا۔ اس قسم کی پیشین گوئی کرنا حضرت والا کا معمول نہیں لیکن مریضہ کی تقویت ہمت کے لیے جس کی اس وقت سخت ضرورت تھی احتمالاً اور توکلاً علی اللہ ایسا لکھ دیا چنانچہ بمصداق اس حدیث قولی کے کہ میرے بعض بندے ایسے ہیں کہ اگر وہ میرے اعتماد پر کسی بات پر قسم کھا بیٹھیں تو میں ان کی قسم کو سچا کر دوں۔

آپریشن نہایت کامیاب ہوا اور مریضہ بالکل اچھی ہوگئی اور پھر حضرت والا کی خدمت میں حاضری کا اتفاق بھی ہوا چنانچہ دو برس سے احقر کے ساتھ تھانہ بھون میں مقیم ہے۔ فالحمدللہ۔ سچ ہے۔

ع۔ می دہد یزداں مراد متقین (اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کا مقصد پورا کرتا ہے)

تمنا اور شوق میں فرق

ایک طالب کچھ دن کے لیے آ کر مقیم خانقاہ ہوئے تھے۔ انہوں نے کبھی حضرت والا کو کسی گفتگو کے سلسلہ میں حضرت حاجی صاحب کا ارشاد نقل فرماتے سن لیا کہ ایسی ہجرت سے کہ جسم تو مکہ میں ہو اور دل ہندوستان میں یہ اچھا ہے کہ جسم تو ہندوستان میں اور دل مکہ میں اس کو انہوں نے اپنے قیام خانقاہ کی حالت پر منطبق کیا تو یہ سوچ کر بہت پریشان ہوئے کہ مجھ کو تو بیوی بچے بہت یاد آتے ہیں اور خیال لگا رہتا ہے کہ آج سے گھر جانے کے اتنے دن باقی ہیں اس خیال لگے رہنے کی انہوں نے حضرت والا کو بذریعہ عریضہ اطلاع کی اور انا للہ کے ساتھ یہ لکھا کہ کیا اس خیال کی بناء بفحوائے ارشاد حضرت حاجی صاحبؒ میرا یہاں خانقاہ میں حاضر ہونا ہی اکارت گیا۔ حضرت والا نے نہایت تشفی بخش اور تحقیقی جواب ارقام فرمایا جو تربیت السالک سے نقل کیا جاتا ہے۔

یہ یاد آنا اور خیال لگا رہنا امور طبعیہ اور عیال کے حقوق شرعیہ سے ہے اور محمود ہے جو مرتبہ مذموم ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہجرت پر ایک گونہ تاسف ہو کہ میں سب کو چھوڑ کر یہاں چلا آیا۔ غرض تمنا اور چیز ہے جو مضر ہے اور شوق اور چیز ہے جو مضر نہیں۔ روزہ میں کھانے پینے کا

شوق ہوتا ہے کہ کب وقت آنے گا اور تمنا نہیں ہوتی کہ میں روزہ نہ رکھتا تو اچھا ہوتا۔''

فائدہ۔ سبحان اللہ کیا تحقیق و تدقیق ہے۔ تمنا اور شوق میں کیا باریک فرق نکالا ہے جہاں فلاسفہ اور جن کو آج کل بڑا ماہر نفسیات سمجھا جاتا ہے ان کا ذہن بھی نہیں پہنچ سکتا۔ یہ حقائق حضرات حکماء امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ ہی پر منکشف ہوتے ہیں۔

فطری میلانات پر قابو پانے کا کلیہ

ایک طالب نے شدید میلان الی الغنا کی شکایت لکھی اور لکھا کہ کبھی کبھی کسی بانسری بجانے والے کو بلوا کر بانسری بھی سنی ہے ہدایت فرمائی جائے اس کا جواب بھی تربیت السالک سے نقل کیا جاتا ہے جو لاجواب ہے۔ ملاحظہ ہو

کشش اور میلان کا بالکلیہ زائل ہو جانا تو عادۃً ممتنع ہے البتہ تدبیر سے اس میں ایسا ضعف اور اضمحلال ہو جاتا ہے کہ مقاومت صعب نہیں رہتی اور وہ تدبیر صرف واحد میں منحصر ہے کہ عملاً اس کشش کے مقتضا کی مخالفت کی جائے گو کلفت ہو اس کو برداشت کیا جائے اسی سے کسی کو جلدی کسی کو دیر میں علی اختلاف الطبائع اس کشش میں ضعف واضمحلال ہو جاتا ہے اور کف کے لیے قصد وہمت کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے مگر اس ضعف کے سبب اس قصد میں بسہولت کامیابی ہو جاتی ہے اور اس سے زیادہ توقع رکھنا امنیہ محضہ ہے۔ **الا ان یکون من الحوارق**۔ اس اصل سے تمام فطریات میں کام لینے سے پریشانی **هباء منثورا** ہو جاتی ہے **فتبصر و تشکر**۔ فائدہ سبحان اللہ تمام فطریات کے متعلق جن سے ساری دنیا عاجز اور پریشان ہے اور لاکھ تدبیریں کرتے ہیں مگر کامیابی نہیں ہوتی کیسا جامع مانع بے نظیر اور سہل کلیہ ارشاد فرمایا ہے اور تعدیل کی کیسی نافع اور یگانہ تدبیر تعلیم فرمائی ہے۔

محض توجہ کا اثر

احقر نے یہ بھی ہمیشہ تجربہ کیا جس کی تصدیق اپنے اور پیر بھائیوں سے بھی ہوئی کہ ادھر حضرت والا کو عریضہ لکھا نہیں اور ادھر پریشانیوں میں کمی واقع ہونا شروع ہوئی اور کرامت نامہ پہنچنے کے بعد تو بالکل ہی دفع ہو گئیں۔ بلکہ احقر کو تو اپنے گمان میں اکثر یہ بھی احساس ہو جاتا تھا کہ فلاں

وقت حضرت والا کی خدمت میں عریضہ پہنچے کیونکہ اس وقت حضرت والا کی توجہ کی برکت سے حضرت والا کی جانب ایک پرزور کشش محسوس ہونے لگتی تھی اور اس کا تجربہ تو اب بھی بحالت قیام خانقاہ گاہ گاہ ہوتا رہتا ہے کہ اگر احقر کی عدم موجودگی مجلس میں کبھی حضرت والا کو احقر سے کوئی کام ہوتا ہے تو حضرت والا کے یاد فرمانے کا یہ اثر ہوتا ہے کہ احقر کے قلب میں دفعۃً اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے ایک خاص کیفیت توجہ الی اللہ کی محسوس ہونے لگتی ہے جس سے میں اپنے گمان میں سمجھ لیتا ہوں کہ غالباً اس وقت حضرت والا مجھے یاد فرما رہے ہیں اور میری طرف متوجہ ہیں لیکن چونکہ یہ گمان یقین کے درجہ کا تو ہوتا نہیں اس لیے محض اس انجذاب کی بنا پر اپنا کام چھوڑ کر حاضر خدمت نہیں ہوتا۔

حضرت والاؒ کی توجہ سے کشش پیدا ہونا

ابھی دو تین دن ہی کا واقعہ ہے۔ احقر نے حضرت والا سے ایک شعر جو احقر کو بالکل ناتمام یاد تھا پوچھا تھا اس وقت حضرت والا نے اس کا صرف ایک یہ مصرعہ فرمایا۔ ع۔ گراز چشم دوری بدل حاضری۔ اور فرمایا کہ صرف یہی مصرعہ یاد ہے۔ پھر ظہر کے بعد مجلس کے وقت جبکہ احقر اپنے حجرہ میں جو حضرت والا کی نشست گاہ سے بہت فصل پر ہے۔ بیٹھا اسی رسالہ اشرف السوانح کے کام میں مشغول تھا۔ حضرت والا نے ایک پرچہ پر پورا شعر لکھ کر احقر کے پاس بھیجا وہ پورا شعر یہ ہے۔

سلام علیکم چودر خاطری ۔۔۔ گراز چشم دوری بدل حاضری

(جب تو میرے دل میں ہے تو تجھے سلام ہو، اگر چہ نظر سے دور ہے مگر دل میں تو موجود ہے)

ادھر تو حضرت والا اس شعر کو لکھ کر احقر کے پاس بھیج رہے تھے اور ادھر احقر کے قلب میں وہی انجذابی کیفیت جس کا اوپر ذکر کیا گیا اس قدر شدت کے ساتھ محسوس ہوئی کہ واقعی میرا قصد ہو گیا کہ اسی وقت حاضر خدمت ہو جاؤں کیونکہ مجھ کو غالب گمان ہو گیا کہ حضرت والا اس وقت احقر کو ضرور یاد فرما رہے ہیں لیکن چونکہ کام میں مشغول تھا اس لیے اپنے گمان پر اعتماد نہ کر کے بیٹھا لکھتا رہا۔ جب پرچہ پہنچا تب اپنے گمان کا قریب بہ یقین ہونا معلوم ہوا۔ اور لطف یہ ہے کہ شعر مذکور کا مضمون بھی اسی قسم کا تھا اور اس حالت پر بالکل صادق آ رہا تھا۔ اس سے اور بھی گمان ہوتا ہے کہ ممکن ہے حضرت والا کے قلب میں بھی لکھتے وقت اس کے مضمون کا استحضار ہوا اور اس کا انعکاس احقر کے قلب پر بھی ہو گیا ہو۔ میں نے تو اس شعر کا یہ

مطلب سمجھ کر بڑا لطف لیا کہ گویا حضرت والا خود اس حقیر ناکارہ ہی کو اس شعر سے خطاب فرما رہے ہیں کیونکہ میرے گمان میں اس وقت حضرت والا احقر کو گویا واقعی یاد فرما رہے تھے۔

اسی طرح کچھ عرصہ ہوا ایک بار احقر اوپر ایک صاحب کے حجرہ میں تھا اس وقت بھی احقر کو ایسی ہی کشش محسوس ہوئی تو فوراً مجھ کو وہی گمان ہوا کہ غالباً حضرت والا احقر کو یاد فرما رہے ہیں اور چونکہ اس وقت احقر فارغ تھا اس لیے حاضر خدمت ہونے کے لیے فوراً نیچے اترا تو دیکھا کہ واقعی حضرت والا ایک پرچہ ہاتھ میں لیے ہوئے اس انتظار میں تھے کہ کوئی ملے تو احقر کو طلب فرمائیں۔ اتنے میں میں خود ہی پہنچ گیا۔ فرمایا کہ میں تو اس وقت آپ کو بلانے ہی والا تھا۔ احقر نے اپنی اس قلبی کشش کا حال عرض کیا تو حضرت والا تبسم فرمانے لگے۔ حضرت والا ایسے امور کو قابل التفات نہیں سمجھتے اور اکثر محض خیال کا اثر قرار دے دیا کرتے ہیں۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ جب کبھی اس قسم کی کشش احقر کو محسوس ہوتی ہے ہمیشہ حضور مع اللہ کی صورت میں ہوتی ہے یعنی فوراً حضور مع اللہ کی کیفیت وقت کے ساتھ محسوس ہونے لگتی ہے جس کو میں حضرت والا کی توجہ قلبی کا اثر سمجھ کر یہ گمان کرنے لگتا ہوں کہ اس وقت حضرت والا احقر کی طرف متوجہ ہیں اور یاد فرما رہے ہیں۔

تحریر کے نقوش کا اثر

اس کشش کے متعلق مجھے اپنے پرانے زمانہ کے تاثرات بھی اچھی طرح یاد ہیں۔ جب کبھی حضرت والا کا کوئی کرامت نامہ پہنچتا محض حضرت والا کی تحریر کے نقوش ہی کو دیکھ کر قلب میں ایک خاص کیفیت پیدا ہو جاتی خواہ اس وقت میں کسی شغل میں ہوتا چنانچہ ایک دفعہ عین سرکاری دربار کے موقع پر بھی اثر محسوس کرنا اب تک یاد ہے۔

حضوریٔ حق کی کیفیت پیدا ہونا

جب کبھی حاضری خدمت کے بعد رخصت ہو کر جاتا تو بفضلہ تعالیٰ و بتوجہات حضرت والا راستہ میں قلب کے اندر حضوری حق کی ایسی پُر لطف اور پر زور کیفیت محسوس ہوتی کہ جس سے راستہ بھر سرشار رہتا۔ یہاں تک کہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک بار حضوری حق کا اتنا غلبہ ہوا کہ میں دیوانہ وار اپنے دونوں ہاتھوں سے بار بار مشتاقانہ اس طرح حلقہ باندھنے لگا جیسے کوئی اپنے محبوب سے بغل گیر ہو رہا ہو۔ ایک بار راستہ ہی میں حضرت

حافظ شیرازیؒ کے اس شعر کو پڑھتے پڑھتے بے اختیار ہو گیا اور ہچکیاں لے لے کر رونے لگا۔

تو دستگیر شوائے خضر پے جستہ کہ من پیادہ میروم وہمرہاں سوار آنند

(اے خضر تو مجھ شرمسار کی مدد کر کیونکہ میں پیدل جا رہا ہوں اور میرے ساتھی سوار ہیں)

دل میں کیف کا پیدا ہونا

ایک بار حضرت والا کی خدمت بابرکت میں ایک ماہ قیام کر کے رخصت ہوا تو قلب میں نہایت کیف لے کر رخصت ہوا جس سے متاثر ہو کر راستہ ہی میں بے اختیار کچھ اشعار بھی ہو گئے جن میں سے بعض اب تک یاد ہیں جن کو اس غرض سے عرض کیا جاتا ہے کہ ناظرین کرام کو بھی اس کیفیت کا کسی قدر اندازہ ہو جائے وہ اشعار یہ ہیں۔

مجھ پہ یہ لطفِ فراواں میں تو اس قابل نہ تھا تیری اس رحمت کے قرباں میں تو اس قابل نہ تھا

یہ تہی دستِ ازل بھی تیرے در سے اے کریم لے چلا ہے بھر کے داماں میں تو اس قابل نہ تھا

ہے احد معبود اپنا اور نبی خیر الورا شیخ بھی ہے قطب دوراں میں تو اس قابل نہ تھا

ذوق وشوق کے ساتھ حاضری

جس طرح خدمت فیض درجت سے رخصت ہونے کے بعد کی بعض کیفیات عرض کی گئیں اسی طرح جس ذوق وشوق کے ساتھ حاضری ہوئی تھی اس کا بھی تھوڑا بہت ذکر مناسب مقام ہوگا۔

یہ تو عرض ہی کیا جا چکا ہے کہ کثیر اخراجات برداشت کر کر کے چند گھنٹوں کے قیام کی مہلت ملنے پر بھی دور دراز مقامات سے حاضر ہوا کرتا تھا۔ نیز لمبی لمبی رخصتیں نصف تنخواہ و بلا تنخواہ تک کی لے لے کر مہینوں بلکہ بعض مرتبہ برسوں خدمت بابرکت میں مقیم رہتا تھا چنانچہ اب بھی بعون اللہ تعالیٰ دو برس چار ماہ کی رخصت لے کر حاضر خدمت ہوں اور جب کبھی حاضر ہوا نہایت ذوق وشوق اور جوش وخروش کے ساتھ حاضر ہوا اور اکثر فرط مسرت میں حسب حال اشعار بھی بے اختیار کہنے لگتا تھا اور ہر حاضری گویا اس شعر کی مصداق ہوتی تھی۔

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

(اے محبوب تیری جدائی کی آگ نے دل کو کباب کر دیا ہے، تیرے دیدار کے شوق کے سیلاب نے جسم کو کھوکھلا کر دیا ہے)

ایک بار بہت دن بعد حاضری کا اتفاق ہوا تھا اس موقع پر بہت سے اشعار لکھے تھے جن میں سے چند اشعار بطور نمونہ حالت کے اندازہ کے لیے ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔

نہیں جانا ہوا جانب میخانہ برسوں سے
بھرا ہے دل میں شوقِ نعرۂ مستانہ برسوں سے
کبھی کعبہ تھا دل اب تو یہ ہے بتخانہ برسوں سے
ترستا ہوں تجھے اے جلوۂ جانانہ برسوں سے
ہے برگشتہ کسیکی نرگس مستانہ برسوں سے
لئے پھرتا ہوں میں اپنا تہی پیمانہ برسوں سے
دل پُر شوق روز اس بزم میں اس طرح جاتا ہے
کہ دیکھی ہو نہ جیسے صورت جانانہ برسوں سے

بلا تنخواہ لمبی رخصت لیکر حاضر ہونا

ترک ڈپٹی کلکٹری سے قبل احقر نے لمبی رخصت بلا تنخواہ لے لی تھی اور قصد کر لیا تھا کہ جب تک محکمہ تعلیم میں جگہ نہ ملے گی جس کی درخواست پیش کر رکھی تھی اس وقت تک ملازمت پر نہ جاؤں گا۔ اس موقع پر بہت سے اشعار لکھے تھے۔ مثلاً۔

جو ہم ترک علائق کر کے کوئے یار میں آئے
تو خارستاں سے گویا گلشن بی خار میں آئے
یکایک کھل گئیں آنکھیں جو بزم یار میں آئے
اٹھے پردے ہٹیں تاریکیاں انوار میں آئے
غزلخواں شادماں رقصاں گہے گریاں گہے خنداں
عجب انداز سے ہم کوچۂ دلدار میں آئے
مقام وجد ہے ایدل مگر جائے ادب بھی ہے
بڑے دربار میں پہنچے بڑی سرکار میں آئے

چھڑا کر جان اپنی بے طرح مجذوب بھاگا ہے
خدا ہی ہے جو وہ اب لوٹ کر گھر بار میں آئے

خانقاہ میں حجرہ ملنے پر فرطِ مسرت

اسی موقع پر حضرت والا سے یہ معلوم کر کے کہ احقر کے قیام کے لیے ان دو حجروں میں سے ایک حجرہ مرحمت فرمایا گیا ہے جو خانقاہ کے پھاٹک کے اوپر ہیں اور جن میں سے دوسرا اس زمانہ میں خود حضرت والا کے استعمال میں تھا تو غایت مسرت میں اس کے متعلق بھی کچھ اشعار لکھے جن میں سے بعض عرض کیے جاتے ہیں۔

قلب و جگر ہیں داغدار ایک اسطرف ایک اُسطرف
پہلو میں ہیں دو گلعذار ایک اس طرف ایک اُسطرف
وہ نشر میں انوار کے ہم کسب میں انوار کے
ہیں مہر و مہ مشغول کار ایک اسطرف ایک اُسطرف
سیدھی نظر بھی ہے غضب ترچھی نظر بھی ہے ستم
یہ تیغ دو رکھتی ہے دھار ایک اسطرف ایک اُسطرف
وہ جا رہے ہیں دیکھتے گاہے ادھر گاہے اُدھر
چلتے ہوئے کرتے ہیں وار ایک اسطرف ایک اُسطرف
ہم کو ملی دیوانگی ان کو ملی فرزانگی
مجذوب ہم وہ ہوشیار ایک اسطرف ایک اُسطرف

حاضری کے سفر کے دوران جوش وخروش

غرض جب حاضر ہوتا نہایت ذوق و شوق کے ساتھ حاضر ہوتا اور راستہ بھر نہایت جوش و خروش کا عالم طاری رہتا چنانچہ ایک بار ریل میں چند ہم مذاق احباب کا ساتھ تھا جو پیر بھائی بھی تھے تو راستہ بھر حضرت والا کے تصور میں نہایت کیف کے ساتھ اس شعر کو پڑھتا رہا۔

بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق   عمر بگذشت و نشد آگاہ عشق

(جو آدمی بغیر کسی راہنما کے عشق کے راستہ پر روانہ ہوا اس کی عمر گزر گئی اور وہ عشق سے واقف نہ ہوا)

چونکہ رفیق سفر اپنے ہی پیر بھائی تھے اور پرانے بے تکلف دوست بھی تھے اور پھر پُر سوز و گداز شاعر بھی تھے اس لیے کیف بڑھتا ہی چلا گیا۔ یہاں تک کہ ریل کے ڈبہ میں جس میں سوائے ہم لوگوں کے اور فوجی نیپالیوں کے اور کوئی نہ تھا نیپالی لوگ ہم لوگوں کے اس کیف سے متاثر ہو کر خود بھی گانے بلکہ بعض ناچنے بھی لگے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر ساتھیوں نے مجھ سے کہا کہ دیکھئے یہ لوگ بھی آپ کے جوش و خروش سے متاثر ہو گئے ہیں۔

خدمت اقدس میں پہنچ کر سکون ہونا

خلاصہ یہ ہے کہ حاضر ہوتے ہوئے بھی اور رخصت ہوتے ہوئے بھی راستہ بھر نہایت کیف کا عالم طاری رہتا تھا لیکن حضرت والا کی خدمت اقدس میں پہنچ کر سکون ہو جاتا تھا بمصداق شعر حضرت شیفتہؒ ؎

زپیش تو فرزانہ دیوانہ خیزد　　　بہ بزم تو دیوانہ عاقل نشیند

(تیرے سامنے سے عقل مند دیوانہ ہو کر اٹھتا ہے اور تیری مجلس سے دیوانہ بھی عقل مند ہو کر بیٹھتا ہے)

استفسار پر حضرت والا نے اس کی وجہ بھی ارشاد فرمائی کہ بعد میں شوق کا غلبہ ہوتا ہے اور قرب میں اُنس کا۔ شوق میں جوش و خروش ہوتا ہے اور اُنس میں سکون۔ اھ

جامع عرض کرتا ہے کہ اس سکون کی وجہ سے بعض اوقات طالب غلطی سے یہ سمجھنے لگتا ہے کہ میں بالکل کورا ہو گیا چنانچہ ایک صاحب اجازت نے اپنے دوران قیام خانقاہ میں اپنے آپ کو کورا سمجھ کر اس کی شکایت لکھی اور حضرت حافظؒ کا یہ شعر بھی نہایت حسرت کے ساتھ لکھا ؎

شراب لعل و جائے امن و یار مہرباں ساقی　　　دلا کے بہ شود کارت اگر اکنوں نخواہد شد

(خالص شراب، پرامن جگہ اور مہربان دوست پلانے والا ہے، اے دل اگر اب بھی کام نہ بنا تو کب بنے گا؟)

حضرت والا نے ان کی اس عنوان سے تسلی فرمائی کہ آفتاب کے سامنے چاند بے نور معلوم ہوتا ہے مگر دراصل وہ بے نور نہیں ہوتا بلکہ وہ آفتاب سے برابر کسب نور کرتا رہتا ہے البتہ آفتاب کے سامنے اس کو اپنا نور محسوس نہیں ہوتا۔ کورا ہو جانے پر حضرت والا کا ایک

لطیفہ بھی یاد آ گیا جس کو طائف میں بھی عرض کیا جا چکا ہے اور یہاں بھی بمناسبت مقام تجدید نشاط کے لیے عرض کیا جاتا ہے۔ ایک صاحب نے شکایت کی کہ میں تو بالکل کورا ہو گیا یعنی کیفیات سے فرمایا کورا ہونا برا نہیں کوڑ ہونا برا ہے۔ بلا سے کورا ہو لیکن کوڑ نہ ہو۔

حاضری اور واپسی کے متعلق تازہ اشعار

احقر جس جوش و خروش کے عالم میں حاضر خدمت سراپا برکت ہوا کرتا تھا اور بفیض توجہات حضرت والا جس درجہ سکون و طمانینت اپنے قلب میں لیکر رخصت ہوتا تھا اس کا حال سطور بالا میں لکھتے وقت ان دونوں کیفیات کا گویا پھر علی التعاقب ورود ہوا جس سے متاثر ہو کر ببرکت انفاس حضرت والا محض اتفاق سے ان ہر دو کیفیات کے متعلق کچھ فارسی اشعار ہو گئے جن کو مناسب مقام سمجھ کر اور اس خیال سے کہ شاید طالبین کے لیے نافع ہوں ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ اتفاق کا لفظ میں نے اس لیے عرض کیا کہ پیشتر صرف حاضری کے متعلق ایک صاحب کیف کی ایک پُر کیف غزل کی طرف ذہن منتقل ہوا جس کا صرف ایک مصرعہ اور ایک شعر یاد رہ گیا تھا اس کو جو پڑھنا شروع کیا بالخصوص اس قصد سے کہ جس شعر کا صرف ایک مصرعہ یاد تھا اس پر مصرعہ لگا دیا جائے تو پھر اسی بحر و قافیہ میں اشعار کی آمد شروع ہو گئی یہاں تک کہ دونوں کیفیات کے متعلق دو بڑی بڑی غزلیں ۳۳۔۳۳ اشعار کی تیار ہو گئیں۔ طبیعت تو بہت طرارے بھر رہی تھی لیکن میں نے بہ جبر ۳۳ کے مبارک عدد پر جو تسبیح فاطمیؓ کے اجزاء کا عدد ہے اپنے قلم کو روک دیا اور ہر دو قسم کے اشعار کو اسی عدد پر ختم کر دیا تاکہ اصل مقصود کے لکھنے میں زیادہ حرج واقع نہ ہو۔

حاضری کے متعلق جو اشعار ہیں ان کا عنوان ''سفر تھانہ بھون'' ہے اور رخصت کے متعلق جو اشعار ہیں ان کا عنوان ''واپسی از تھانہ بھون'' ہے چونکہ سفر تھانہ بھون کے اشعار تلوین پر دلالت کرتے ہیں اور واپسی از تھانہ بھون کے اشعار تمکین پر اس لیے حضرت والا نے اس مجموعہ کا نام ''تمکین بعد التلوین'' تجویز فرمایا ہے جو نہایت ہی موزوں ہے۔ اب اشعار ملاحظہ ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ نصلی علی رسولہ الکریم

تمکین بعد التلوین

(سفر تھانہ بھون)

بحالت تلوین

(۱) در ہوائے کوئے جاناں میروم — ہمچو خس افتاں و خیزاں میروم

میں محبوب کی گلی کی محبت میں جا رہا ہوں، تنکے کی طرح اڑتا و گرتا جا رہا ہوں۔

(۲) وہ چہ باشوق فراواں میروم — مست و سرشار و غزلخواں میروم

کیا خوب کہ کتنے بڑے شوق کے ساتھ جا رہا ہوں، مست، مدہوش اور غزل کہتے ہوئے جا رہا ہوں۔

(۳) گو دریدہ جیب و داماں میروم — بیں مراچوں گل چہ خنداں میروم

اگرچہ پھٹا ہوا دامن و گریباں لے کر جا رہا ہوں پھر بھی دیکھو کہ کس طرح پھول کی طرح کھلا ہوا جا رہا ہوں۔

(۴) گو بایں حال پریشاں میروم — سرخوش و شاداں و فرحاں میروم

اگر اس پریشان حالی کے ساتھ جا رہا ہوں پھر بھی خوش و خرم جا رہا ہوں۔

(۵) سُوئے آں رشک گلستاں میروم — سر بصحرا پا بہ جولاں میروم

اس جگہ کی طرف جس پر گلستان کو بھی رشک آتا ہے، جنگل میں سے گزر کر اور پاؤں میں بیڑیاں پہن کر جا رہا ہوں۔

(۶) گو بیاباں در بیاباں میروم — شادماں در بر گلستانم میروم

اگرچہ جنگل ہی جنگل قطع کرتا ہوا جا رہا ہوں پھر بھی اس گلستان کے خیال میں خوش جا رہا ہوں۔

(۷) ہست گو اندیشۂ جاں میروم — می روم ہاں می روم ہاں میروم

اگرچہ جان کا اندیشہ ہے پھر بھی جا رہا ہوں، جا رہا ہوں ہاں جا رہا ہوں، ہاں جا رہا ہوں۔

(۸) سر بکف آتش بہ داماں میروم در تلاش آب حیواں میروم
سر ہتھیلی پر رکھ کر اور دامن میں آگ بھر کر جا رہا ہوں، آب حیات کی تلاش میں جا رہا ہوں۔

(۹) مست چوں ابر بہاراں میروم گاہ خنداں گاہ گریاں میروم
بہار کے بادل کی طرح مست جا رہا ہوں، کبھی ہنستا ہوا اور کبھی روتا ہوا جا رہا ہوں۔

(۱۰) در عجب انوار عرفاں میروم بیخود و مبہوت و حیراں میروم
معرفت کے عجیب انوارات میں جا رہا ہوں، بے خود، حیران اور خود رفتہ ہو کر جا رہا ہوں۔

(۱۱) سوئے کعبہ می رود ہر زاہدے من بسوئے کعبۂ جاں میروم
ہر متقی آدمی کعبہ کی طرف جاتا ہے اور میں کعبہ کی جان کی طرف جا رہا ہوں۔

(۱۲) می روم چوں مہر نے مثل قمر برسر اعداء نمایاں میروم
میں نہ سورج کی طرف جا رہا ہوں نہ چاند کی طرف بلکہ دشمنوں کے سامنے واضح ہو کر جا رہا ہوں۔

(۱۳) نزد آں کز وے شدہ تجدید دیں از پۓ تجدید ایماں میروم
اسکے پاس جا رہا ہوں جسکے ہاتھوں دین کی تجدید ہوئی ہے، میں ایمان کی تجدید کیلئے جا رہا ہوں۔

(۱۴) او حکیم الامت و من جاں بلب در حضورش بہر درماں میروم
وہ امت کا حکیم ہے اور میں نزع کی حالت میں ہوں، اس کی بارگاہ میں علاج کیلئے جا رہا ہوں۔

(۱۵) آنکہ مے از ساقی کوثر بیافت پیش اوامے میفروشاں میروم
جس نے ساقی کوثر سے فیض پایا ہے، اے مے فروشوں میں اس کے پاس جا رہا ہوں۔

(۱۶) کام ولب خشک وخم خالی بدوش بیں چہ پُر شوق و پُر ارماں میروم
خشک لبوں کیساتھ، خالی جام کندھے پر رکھ کر، دیکھ کہ کس طرح شوق اور ارمان لے کر جا رہا ہوں۔

(۱۷) کاسہٗ در دست و زنبیلے بہ بر بے سروساماں بہ سلطاں میروم
ہاتھ میں کاسہ اور بغل میں زنبیل لے کر بے سروسامانی کی حالت میں بادشاہ کے پاس جا رہا ہوں۔

(۱۸) گو منم یک بلبل بے بال و پر در ہوائے شوق پراں میروم
اگر چہ میں ایک بے بال و پر بلبل ہوں لیکن شوق کی ہوا میں اڑتا ہوا جا رہا ہوں۔

(۱۹) گو منم مورِ ضعیف و ناتواں — بیں کہ بر تختِ سلیماں میروم
اگر چہ میں کمزور و بے ہمت چیونٹی ہوں مگر دیکھ کہ حضرت سلیمانؑ کے تخت پر جا رہی ہوں۔

(۲۰) از وفورِ شوق او درد شتہاء — تیز تر ہم از غزالاں میروم
اس کے شوق کی زیادتی کی وجہ سے میں صحراؤں میں بھی ہرنوں سے زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ جا رہا ہوں۔

(۲۱) بیں چساں پروانہ وار آتش بجاں — سُوئے آں شمع فروزاں میروم
دیکھ کہ میں کس طرح پروانے کی طرح جان کو جلانے کیلئے اس روشن شمع کی طرف جا رہا ہوں۔

(۲۲) چنگ و عود و مطرب و ساقی و خم — باچگو نہ سازو ساماں میروم
سارنگی و بربط و ساز اور ساقی و جام لے کر کس طرح کے ساز و سامان کیساتھ جا رہا ہوں۔

(۲۳) جام در دست و صراحی در بغل — در گروہِ پاک بازاں میروم
ہاتھ میں جام اور بغل میں صراحی لے کر، پرہیزگاروں کی جماعت میں جا رہا ہوں۔

(۲۴) ہست روحم در عجب وجد و طرب — واہ چہ شوقست اینکہ رقصاں میروم
میری روح عجیب مستی و کیفیت میں ہے واہ یہ بھی کیسا شوق ہے کہ رقص کرتے ہوئے جا رہا ہوں۔

(۲۵) آتشِ عشق افگنم در سینہ ہا — الحذر بائسوزِ پنہاں میروم
سینوں میں عشق کی آگ جلاتا ہوں، بچیئے کہ میں پوشیدہ درد لے کر جا رہا ہوں۔

(۲۶) گریہ شوق است ایں از درد نیست — دُر فشاں چوں ابر نیساں میروم
یہ شوق کا رونا ہے درد کی وجہ سے نہیں ہے، بیساکھ کے بادل کی طرح موتی بکھیرتا ہوا جا رہا ہوں۔

(۲۷) محو و مستغرق بیادِ جانِ جاں — غافل از احباب و خویشاں میروم
محبوب کی یاد میں مصروف و کھویا ہوا ہوں، دوستوں اور رشتہ داروں کو بھلا کر جا رہا ہوں۔

(۲۸) چیست مال و زر چہ باشد خانماں — من ز جاں ہم دست افشاں میروم
مال و دولت اور گھر کیا چیز ہے میں تو جان سے بھی ہاتھ دھو کر جا رہا ہوں۔

(۲۹) دارم از فضل خدا امید ہا — گو بزیرِ چرخ گرداں میروم
مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل سے بڑی امیدیں ہیں، اگر چہ آسمان کے نیچے حیران ہو کر جا رہا ہوں۔

(۳۰) باز سوداشد منِ مجذوب را باز سوئے کوئے جاناں میروم
پھر مجذوب کا عشق بھڑک اٹھا ہے، پھر محبوب کی گلی کی طرف جارہا ہوں۔

(۳۱) برلبِ مجذوب ایں ورد است وبس باز سوئے کوئے جاناں میروم
مجذوب کے لبوں پر فقط یہی ورد ہے کہ پھر محبوب کی گلی کی طرف جارہا ہوں۔

(۳۲) ہستم آں مجذوب دیوانہ کہ من باخودی دست و گریباں میروم
میں ایسا مجذوب ودیوانہ ہوں کہ خود اپنے آپ سے جھگڑتا ہوا جارہا ہوں۔

(۳۳) جذب دلبر کارفرما دردل است زاں من مجذوب زنیساں میروم
دل میں محبوب کی کشش کارفرما ہے اسی لئے میں دیوانہ گھر چھوڑ کر جارہا ہوں۔

واپسی از تھانہ بھون (بحالت تمکین)

(۱) ازدر تو باچہ عنواں می روم خار دردل گل بداماں میروم
تیرے در سے کس طرح جارہا ہوں، دل میں کانٹے اور دامن میں پھول لے کر جارہا ہوں۔

(۲) آمدہ بودم بتوچوں سائلے ازدرِ دولت چو سلطاں میروم
میں تیری بارگاہ میں سائل کی طرح آیا تھا اور دولت خانہ سے بادشاہوں کا سا بن کر جارہا ہوں۔

(۳) آمدہ بوُدم بتو بے برگ و بار سبزوشاداب و گل افشاں میروم
میں تیری خدمت میں بغیر پتوں اور پھل کے آیا تھا، اور اب سبز، شاداب اور پھول بکھیرتے ہوئے جارہا ہوں۔

(۴) آمدہ بوُدم بتوبے مایۂ از درت باگنج پنہاں میروم
میں تیرے دربار میں بغیر سرمایہ کے آیا تھا اور اب تیرے در سے پوشیدہ خزانہ لے کر جارہا ہوں۔

(۵) آمدہ بوُدم بتو ناکام عشق کامراں در عین حرماں میروم
میں تیری بارگاہ میں عشق میں ناکام ہو کر آیا تھا اور اب عین محرومی کے باوجود کامیاب ہو کر جارہا ہوں۔

(۶) آمدہ بوُدم بتو جویان یار یاردر پہلو و جُویاں میروم
آپ کے پاس یار کی تلاش میں آیا تھا اور اب یار کو پہلو میں پا کر جارہا ہوں۔

(۷) آمدہ بودم بتو من باہمہ　بے ہمہ از راہ پنہاں میروم

آپکی خدمت میں سب کیساتھ آیا تھااوراب سب سے کٹ کر خفیہ راستہ سے جارہا ہوں۔

(۸) آمدہ بودم بتو با صد تعب　از رہِ نزدیک وآساں میروم

آپکی بارگاہ میں سینکڑوں مشکلوں کے ساتھ آیا تھا اور اب نزدیک وآسان راستہ سے جارہا ہوں۔

(۹) آمدہ بودم بتو باصد ہجوم　یا ہم ازسایہ گریزاں میروم

آپکی بارگاہ میں بڑے ہجوم کے ساتھ آیا تھا یا یہ ہے کہ اپنے سایہ سے بھی کنارہ کرتے ہوئے جارہا ہوں۔

(۱۰) آمدہ بودم بتو بت دربغل　از درِ فیضت مسلماں میروم

آپ کی بارگاہ میں بغل میں بت چھپائے آیا تھا اور اب آپ کے فیض سے مسلمان ہوکر لوٹ رہا ہوں۔

(۱۱) آمدہ بودم بتو باجام وخم　یابایں تسبیح و قرآں میروم

آپکے پاس جام اور شراب کے مٹکے لے کر آیا تھا اور اب یہ تسبیح وقرآن ساتھ لے کر جارہا ہوں۔

(۱۲) آمدہ بودم بتو سوزاں چوبرق　یا خنک چوں ماہ تاباں میروم

آپکی خدمت میں بجلی کی طرح جلتا ہوا آیا تھا یا یہ ہے کہ روشن چاند کی طرح ٹھنڈا ہوکر لوٹ رہا ہوں۔

(۱۳) آمدہ بودم بتو پادر ہوا　صد سکون دردل خراماں میروم

آپ کی خدمت میں انتہائی بے چینی کی حالت میں حاضر ہوا تھا، اوراب سَو سکون کے ساتھ ٹہل کر جارہا ہوں۔

(۱۴) آمدہ بودم بتو سودا بسر　یار دردل سربہ ساماں میروم

آپ کے پاس میں اپنے ذہن میں خالی خیال لے کر آیا تھا یا یہ ہے کہ دل میں معرفت کے انوار بھر کر واپس جارہا ہوں۔

(۱۵) آمدہ بودم بتو نعرہ زناں　دم بخود سردرگریباں میروم

آپکے پاس نعرے لگاتا ہوا آیا تھا اب خاموش ہوکر اور سر کو گریبان میں جھکائے جارہا ہوں۔

(۱۶) آمدہ بودم بتو نالہ کناں　　مہر برلب دل بہ افغاں میروم
آپکے پاس فریاد کرتے ہوئے آیا تھا اور اب لبوں پر مہر لگا کر دل کو مطمئن کر کے جارہا ہوں۔

(۱۷) آمدہ بودم بتو در شوق دید　　از وفور جلوہ حیراں میروم
آپ کی خدمت میں دیدار کے شوق سے حاضر ہوا تھا اور اب جلوؤں کی کثرت سے حیران و سرگردان ہو کر لوٹ رہا ہوں۔

(۱۸) آمدہ بودم بتو پروانہ وار　　سربسر شمع شبستاں میروم میروم
آپ کی بارگاہ میں پروانہ کی طرح آیا تھا اور اب روشن شمع بن کر جارہا ہوں۔

(۱۹) آمدہ بودم بتو ظلمت فشاں　　ضوفگن چوں مہر رخشاں میروم
آپ کے پاس تاریکی بکھیرتے ہوئے آیا تھا اور اب چمکتے ہوئے چاند کی طرح روشنی پھیلاتا ہوا جارہا ہوں۔

(۲۰) آمدہ بودم بتو سرشار و مست　　محترز از مے پرستاں میروم
آپکی خدمت میں مدہوش و مست ہو کر آیا تھا اور اب شرابیوں سے کنارہ کشی کر کے جارہا ہوں۔

(۲۱) آمدہ بودم بتو باچنگ و عود　　خود سراپا سازو الحاں میردم
آپ کے پاس سارنگی و ساز کے ساتھ آیا تھا اور اب خود ساز و سوز کا سراپا بن کر جارہا ہوں۔

(۲۲) آمدہ بودم بتو تر دامنے　　پاک باز و پاک داماں میروم
آپ کے پاس گناہوں سے بھیگا ہوا دامن لے کر آیا تھا اور اب پرہیزگار اور گناہوں سے پاک ہو کر جارہا ہوں۔

(۲۳) آمدہ بودم بتو نالاں و زار　　خندہ زن برنفس و شیطاں میروم
آپکے پاس تنگ ہو کر اور روتے ہوئے آیا تھا اور اب نفس و شیطان پر ہنستے ہوئے جارہا ہوں۔

(۲۴) آمدہ بودم بتو سر برفلک　　سربسجدہ زیر فرماں میروم
آپ کے پاس آسمان پر سر اٹھائے (یعنی تکبر کا مرض لے کر) آیا تھا اور اب حکم الٰہی کے سامنے سربسجود ہو کر جارہا ہوں۔

(۲۵) آمدہ بودم بتو نازاں بہ علم   باہمہ دانی چو ناداں میروم
آپ کے پاس علم کا ناز لے کر آیا تھا اور اب ساری معلومات کے باوجود ان پڑھوں کی طرح کا سا ہو کر جا رہا ہوں۔

(۲۶) آمدہ بودم بتو در جہل غرق   نکتہ چیں بر اہل یوناں میروم
آپ کے پاس جہالت میں غرق ہو کر آیا تھا اور اب یونانیوں کے اہل علم پر بھی نکتہ چینی کرتے ہوئے جا رہا ہوں۔

(۲۷) آمدہ بودم بتو چوں وحشیاں   یا فتم تہذیب انساں میروم
آپکے پاس وحشیوں کی طرح بن کر آیا تھا اور اب انسانوں کی تہذیب سیکھ کر جا رہا ہوں۔

(۲۸) آمدہ بودم بتو زاغاں شعار   ہمنوائے عندلیباں میروم
آپکے پاس کووں جیسی خصلتوں کے ساتھ آیا تھا اور اب بلبلوں کا ہمنوا بن کر جا رہا ہوں۔

(۲۹) آمدہ بودم بتو مثل زناں   سربکف مانند مرداں میروم
میں آپکے پاس عورتوں کی طرح بن کر آیا تھا اور اب مردوں کی طرح سر پر کفن باندھ کر جا رہا ہوں۔

(۳۰) آمدہ بودم بتو من پا بہ گل   العجب سرو خراماں میروم
آپکی بارگاہ میں کیچڑ میں لت پت ہو کر آیا تھا اور اب حیرت ہے کہ محبوب نازنین بن کر جا رہا ہوں۔

(۳۱) آمدہ بودم بتو من بدتریں   بہتریں از صد ہزاراں میروم
میں آپ کے پاس بدترین ہو کر آیا تھا اور اب لاکھوں سے بہتر ہو کر جا رہا ہوں۔

(۳۲) گو بدم مجذوب من ننگ زماں   شکر اشرف فخر دوراں میروم
اے مجذوب اگر چہ میں برا ہوں سارے زمانہ میں بدنام ہوں، حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی کا شکر ہے کہ زمانہ کا فخر ہو کر جا رہا ہوں۔

(۳۳) شاکرم اے مدعی نے لاف زن   ہاں نہ پنداری کہ نازاں میروم
اے دعویداروں میں شکر ادا کرنے والا ہوں نہ کہ شیخیاں مارنے والا لہذا یہ نہ سمجھنا کہ میں اتراتا ہوا جا رہا ہوں۔

تسلی کے لئے مراقبہ

یہاں تک جو تسلی کے متعلق واقعات عرض کیے گئے وہ ایسے تھے جن میں حضرت والا نے طالبین کی تسلی فرمائی تھی اب ایک واقعہ ایسا بھی عرض کیا جاتا ہے جس میں حضرت والا نے خود اپنے آپ کو تسلی دی ہے۔ ایک سخت ناگوار واقعہ کے موقع پر فرمایا کہ الحمدللہ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حاکم اور حکیم ہونے کا مراقبہ قلب میں ایسا پختہ کر دیا ہے کہ بڑے سے بڑے حادثہ کے وقت بھی خواہ وہ ظاہر کے متعلق ہو یا باطن کے جس کو پریشانی کہتے ہیں وہ لاحق نہیں ہوتی۔ بس بفضلہ تعالیٰ یہ اچھی طرح ذہن نشین ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ حاکم بھی ہیں اور حکیم بھی حاکم ہونے کی حیثیت سے تو انہیں پورا اختیار حاصل ہے کہ اپنی مخلوق میں جس وقت چاہیں اور جس قسم کا چاہیں تصرف فرمائیں ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی ہر قسم کے تصرف کا ہر وقت پورا اختیار اور حق حاصل ہے۔ کسی کو ذرا بھی مجال چون و چرا نہیں۔ اور حکیم ہونے کی بناء پر یہ اطمینان ہے کہ ان کا جو بھی تصرف ہوگا وہ سراسر حکمت ہی ہوگا پھر پریشانی کی کوئی وجہ نہیں۔ اھ۔ (فائدہ) سبحان اللہ کیا اعلیٰ درجہ کا مراقبہ ہے۔ اگر اس کو پختہ کر لیا جائے تو ظاہری یا باطنی کسی قسم کی بھی پریشانی لاحق نہ ہو۔ اب اسی متبرک واقعہ پر احقر اس مضمون تسلی کو جو بلا قصد بڑھ گیا ختم کرتا ہے اور اپنے چند اور متفرق واقعات دوسرے مضامین کے متعلق عرض کر کے اپنی اس کپاس کہانی ہی کو ختم کر دے گا اور پھر انشاء اللہ تعالیٰ بعض ارشادات عامہ نیز تربیت باطن کے متعلق حضرت والا کے بعض طرق خاصہ کے قلمبند کرنے کی کوشش کرے گا۔ اللہ تعالیٰ میری مدد فرمائے۔ وما توفیقی الا باللّٰہ علیہ توکلت و الیہ انیب۔

واقعہ نمبر۴: خیالی گناہوں کا علاج

احقر ان گناہوں کے باب میں جو محض خیال کے متعلق ہیں سخت خلجان میں رہتا تھا۔ یہاں تک کہ اپنے کو قریب قریب مردود ہی سمجھ لیا تھا اور خیالات فاسدہ کے ہجوم نے زندگی تلخ کر رکھی تھی اور اپنی اصلاح سے قریب قریب مایوس ہی ہو چکا تھا کیونکہ خیال ایک ایسی چیز ہے کہ غیر محسوس طور پر نہایت سرعت کے ساتھ آن کی آن میں کہیں کا کہیں پہنچ جاتا ہے

اور وقت پر پریشانی میں یہ امتیاز کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے کہ اس کے حدوث یا بقاء کا کون سا درجہ تو اختیاری ہے اور کون سا غیر اختیاری۔ نیز خیال کا دفعیہ بھی نہایت دشوار ہوتا ہے۔ غرض عملی گناہوں سے بچنا جن کا جوارح سے تعلق ہے ان گناہوں کی نسبت کہیں زیادہ سہل ہے جن کا تعلق خیال سے ہے اول الذکر کی تشخیص بھی سہل علاج بھی آسان۔ ثانی الذکر کی بوجہ غیر مرئی اور محل خلط ہونے کے تشخیص بھی دشوار اور علاج بھی مشکل۔

حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم کی خدمت میں انتہائی پریشانی کی حالت میں عریضہ تحریر کیا گیا تو حضرت والا نے باوجود نہایت پیچیدہ حالت ہونے کے قلم برداشتہ ایسا اکسیر علاج تجویز فرمایا کہ جس مرض کو پہاڑ سمجھ لیا گیا تھا وہ هباءً منثورًا ہو گیا اور جو زندگی بالکل تلخ نظر آ رہی تھی اس خلجان کے دور ہو جانے سے بفضلہ تعالیٰ گویا ہمیشہ کے لیے خوشگوار نظر آنے لگی۔ کیونکہ ایسا سہل جامع اور کلی علاج تحریر فرمایا جس کو ہمیشہ کے لیے بآسانی دستور العمل بنایا جا سکتا ہے اور تمام خیالی گناہوں مثلاً کبر عجب' سوءِ ظن خیالات شہوانی' حسد' کینہ' بغض وغیرہ وغیرہ سب سے بشرط استحضار نہایت سہولت کے ساتھ اپنے آپ کو بچایا جا سکتا ہے۔

ارشاد فرمودہ علاج میں یہ بھی خوبی ہے کہ علاج بھی ہے اور اختیاری یا غیر اختیاری ہونے کا معیار تشخیص بھی۔ حضرت والا کی دعا و توجہ برکت سے عریضہ کے جواب کو جس میں علاج تحریر فرمایا گیا تھا پڑھتے ہی احقر کے تخیلات ایسے زائل ہو گئے جیسے تھے ہی نہیں۔ امید قوی ہے کہ جس کو ذرا بھی طریق سے مناسبت ہو گی وہ حضرت والا کے ارشاد فرمودہ کلیہ سے جو ذیل میں تربیت السالک سے نقل کیا جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ اپنے جملہ امراض باطنیہ خیالیہ کا بسہولت علاج کر سکے گا۔ اس جواب باصواب کی نافعیت اور جامعیت پر نظر فرما کر حضرت والا نے اس کا ایک مستقل نام بھی تجویز فرما دیا ہے جو اسم بامسمیٰ ہے۔ یعنی علاج التخیل احقر سے سن کر بہت سے طالبین نے ان کی نقلیں لیں جس سے ان کی نافعیت اور ضرورت عامہ ظاہر ہوتی ہے وہ جواب یہ ہے۔

اس کا تو سہل علاج یہ ہے کہ جب ایسے تخیلات کا ہجوم ہو اپنے قصد و اختیار سے کسی نیک خیال کی طرف فوراً متوجہ ہو جانا اور متوجہ رہنا چاہیے۔ اس کے بعد بھی اگر تخیلات باقی رہیں یا نئے

آ ئیں ان کا رہنا یا آ نا یقیناً غیر اختیاری ہے کیونکہ مختلف قسم کے دو خیال ایک وقت میں اختیاراً جمع نہیں ہو سکتے۔ بس اشتباہ رفع ہو گیا اور اگر بالاختیار اچھے خیال کی طرف توجہ کرنے میں ذہول ہو جائے تو جب تنبہ ہو ذہول کا تدارک تو استغفار سے اور پھر اسی تدبیر استحضار سے کام لیا جائے۔

یہ طریق عمل اس قدر سہل ہے کہ اس سے سہل کوئی چیز ہی نہیں بس اس کو دستور العمل بنا کر بے فکر ہو جانا چاہیے۔ انتہیٰ بلفظہ۔

واقعہ نمبر ۵: مستحبات میں برتاؤ کا اختلاف

احقر ایک بار سفر دہلی میں حضرت والا کے ہم رکاب تھا۔ ایک روز حسب معمول صبح کی مشی کے لیے تلاوت فرماتے ہوئے تشریف لے گئے جو صاحبان ساتھ ہو لیے تھے ان کو ساتھ چلنے سے ممانعت فرما دی کیونکہ جن لوگوں سے پوری طرح دل نہ کھلا ہوا ہو ان کے ساتھ رہنے سے توجہ بٹتی ہے سب کے ہمراہ احقر بھی واپس جانے لگا تو مجھ کو بلا لیا۔ پھر راستہ میں فرمایا کہ ممانعت تو ان کے لیے تھی جن سے بے تکلفی نہیں۔ پھر فرمایا کہ اگر ہر عورت یہ چاہنے لگے کہ میرے ساتھ بی بی کا سا تعلق رکھا جائے تو یہ اس کی حماقت ہے۔

حضرت والا اس کے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ پہلے مدتوں میں اس غلطی میں رہا کہ سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا چاہیے جس کی وجہ سے بہت تنگیاں اٹھائیں لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ حقیقت منکشف فرما دی کہ اس کی ضرورت نہیں کیونکہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جو معاملہ خصوصیت کا حضرات شیخین کے ساتھ تھا وہ تو دوسرے حضرات صحابہ کے ساتھ نہ تھا چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو اپنی مجلس شریف میں دیکھ دیکھ کر خوش ہوا کرتے تھے اور تبسم فرمایا کرتے تھے اور اسی طرح وہ دونوں حضرات بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے اور تبسم فرماتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ واجبات میں یکساں برتاؤ ضروری ہے۔ مستحبات میں نہیں۔ اھ۔

واقعہ نمبر ۶: تصور شیخ

احقر کو آج تک اپنا وہ زمانہ ذوق وشوق کا یاد ہے جبکہ احقر ایک بار نہایت کیف کے

ساتھ حضرت والا کو دیکھ دیکھ کر یہ مصرعہ دیر تک پڑھتا رہا (ع) ''او در من و من درو ے چوں بو بہ گلاب اندر'' اور نہایت قوت کے ساتھ ہر بار یہ تصور بندھ جاتا تھا کہ گویا حضرت والا سرتا سر میرے اندر سما گئے ہیں اور میں سرتا سر حضرت والا کے اندر سما گیا ہوں جس سے دیر تک بہت ہی لطف اندوز ہوتا رہا اس پر حضرت والا کا ملفوظ یاد آیا کہ اگر بے اختیار تصور شیخ بندھ جائے تو مضائقہ نہیں بلکہ نافع ہے ورنہ حق تعالیٰ ہی کا تصور رکھے کیونکہ وہی مطلوب و مقصود اصلی ہے۔ حضرت حاجی صاحبؒ کی یہی تعلیم تھی۔ اھ۔

واقعہ نمبر ۷: متوسط و منتہی کی مثال

ایک بار حضرت والا کے ہمراہ احقر بھی صبح کی مشی میں موجود تھا۔ راستہ میں دائیں بائیں دو کھیت ایسے ملے جن میں سے ایک تو پک کر بالکل خشک ہو گیا تھا اور دوسرے میں ابھی پھول ہی آ رہا تھا اور وہ نہایت ہرا بھرا خوش منظر اور پُر بہار تھا۔ حضرت والا کے تو دل میں بس ایک ہی چیز بسی ہوئی ہے اور وہی ہر وقت ہر حال میں پیش نظر رہتی ہے اور ادنیٰ مناسبت سے اسی کی طرف ذہن فوراً منتقل ہو جاتا ہے چنانچہ ان دونوں کھیتوں کو ملاحظہ فرماتے ہی احقر سے فرمایا کہ دیکھئے بس یہی فرق متوسط اور منتہی کی حالتوں میں ہوتا ہے جو ان دو کھیتوں میں ہے۔ متوسط کی حالت تو اس ہرے بھرے کھیت کی سی ہے جو دیکھنے میں تو نہایت خوش منظر ہے لیکن حالت موجودہ میں وہ سوائے اس کے اور کسی کام کا نہیں کہ بس کاٹ کر بیلوں کو کھلا دیا جائے۔ صرف مویشیوں کا چارہ ہے اور بس برخلاف اس کے یہ گیہوں کا کھیت جو پک کر خشک ہو گیا ہے دیکھنے میں تو بالکل بے رونق روکھا پھیکا سوکھا ساکھا ہے لیکن اس میں دانہ پڑا ہوا اور غلہ بھرا ہوا ہے جو کاشت کا اصلی مقصود ہے جب چاہو اس سے غلہ حاصل کر لو اور غذا کے کام میں لے آؤ۔ غرض ایک تو محض مویشیوں کا چارہ ہے اور دوسرا انسان کی غذا۔ اسی طرح متوسط میں محض کیفیات ہی کیفیات ہوتی ہیں جو عام نظر میں بہت باوقعت ہوتی ہیں اور بزرگی کی علامات میں سے سمجھی جاتی ہیں۔ برخلاف اس کے منتہی گو کیفیات سے بظاہر بالکل خالی نظر آتا ہے لیکن وہ اصلی دولت سے مالا مال ہوتا ہے۔ اھ۔

فائدہ سبحان اللہ کیسی منطبق مثال ہے۔ اس واقعہ کا اجمالی ذکر اوپر بھی ضمناً آچکا ہے۔

واقعہ نمبر ۸: دل کے نقش ونگار

ایک بار احقر کی موجودگی میں جا نمازوں کے منقش ہونے کی مذمت فرمار ہے تھے کہ نقش ونگار سے نماز میں دل بٹتا ہے۔ پھر فرمایا کہ میں تو پھولدار کپڑے بھی پسند نہیں کرتا گو میں خود اس میں مبتلا ہوں لیکن الحمدللہ میں اپنے ابتلاء کی وجہ سے اس کو اچھا نہیں بتلاتا۔ پھر فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک پھولدار چادر ہدیۃً آئی آپ نے نماز کے بعد اس شخص سے دوسری سادہ چادر منگوائی اور اس کو علیحدہ کر دیا اور فرمایا کہ قریب تھا کہ اس کے نقش ونگار میرے قلب کو مشغول کر لیتے جب نبی کو مشغولی کا احتمال ہوا تو آج ہم میں ایسا کون ہے جو یہ دعویٰ کر سکے کہ ہمارا قلب نقش ونگار میں مشغول نہیں ہو سکتا۔ پھر فرمایا کہ کپڑوں پر تو نقش ونگار کیا پسند ہوتے جو محققین ہیں وہ تو کہتے ہیں کہ قلب بھی بے نقش ونگار ہونا چاہیے۔ اور قلب کے نقش ونگار وہ ہیں جن کا نام مواجید واحوال ہے۔ قلب ان سب قصوں سے علی الاطلاق خالی ہونا چاہیے۔ بس عبدیت محضہ خالصہ ہونا چاہیے پھر فرمایا کہ مبتدیوں کو مواجید واحوال سے بہت رغبت ہوتی ہے اور محققین کو ان سے نفرت ہوتی ہے۔ لیکن یہ خود ایک حال ہے بیان کرنے سے تھوڑا ہی سمجھ میں آ سکتا ہے بلکہ خود پیش آئے یہ سمجھ میں نہیں آ سکتا پھر فرمایا کہ مولاناؒ مثنوی میں فرماتے ہیں۔

دل کہ او بستہ غم و خندیدن است　　　　تو بگو کے لائق آں دیدن است

(جس نے اس کے ساتھ دل لگایا (اس کی نشانی) غم کے ساتھ بھی ہنسنا ہے، تو ہی بتا ورنہ وہ دیکھنے کے کہاں لائق ہے)

عاشقی زیں ہر دو حالت برتر است　　　　ایں نہ آں عشق است کز خشک وتر است

(عاشقی ان دونوں حالتوں سے برتر ہے یہ وہ عشق نہیں ہے جو تنگی وفراوانی سے ہوتا ہے۔)

ان اشعار پر فرمایا کہ مولاناؒ کا ارشاد اپنی تائید میں یاد آ گیا اس سے جی خوش ہوا کیونکہ ظاہر میں یہ ایک نئی سی بات معلوم ہوتی ہے جو میں کہہ رہا تھا لیکن اب ثابت ہو گیا کہ یہ نئی بات نہیں ہے بلکہ پرانے محققین کے ارشاد سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

ایک بار احقر کو بھی حضرت والا نے میرے ایک عریضہ حالات کے جواب میں یہی اشعار تحریر فرمائے تھے اور ان کے علاوہ یہ بھی شعر تھا۔

باغ سبز عشق کو بے منتہا است — جز غم و شادی درو بس میوہ ہا است

(عشق کے سبز باغ کی کوئی حد نہیں ہے، سوائے غم وخوشی کے اس میں سب پھل موجود ہے)

احقر نے اس موقع پر حضرت والا کو یہ شعر بھی یاد دلا دیا اور عرض کیا کہ حضرت والا نے ان اشعار کو احقر کے عریضہ کے جواب میں بھی تحریر فرمایا تھا اس پر حضرت والا نے تبسم فرما کر فرمایا کہ آپ کے پاس یہ شیر ہیں پھر بھی آپ بھیڑیوں سے ڈرتے ہیں۔ یہ اس لیے فرمایا کہ احقر اکثر حضرت والا سے ہجوم وساوس کی شکایت کرتا رہتا تھا۔

فائدہ: یہ واقعہ حسن العزیز جلد اول میں بھی مذکور ہے جو احقر ہی کے قلمبند کیے ہوئے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔

واقعہ نمبر ۹: ذکر کے وقت ثمرات کا تصور

ایک بار احقر سے یا عام گفتگو کے سلسلہ میں فرمایا کہ ذکر کے وقت ثمرات کا منتظر نہ رہے نہ کوئی کیفیت یا حالت اپنے لیے ذہن میں تجویز کرے بس اپنی تجویز کو مطلق دخل ہی نہ دے۔ سارے احوال کو حق تعالیٰ کے سپرد کر دے۔ پھر جو اس کے حق میں بہتر اور اس کی استعداد کے مناسب ہوگا وہ خود عطا فرما دیں گے۔ (ع) ''کہ خواجہ خود روشِ بندہ پروری داند'' بس ذکر کے وقت معتدل توجہ ذکر کی طرف یا اگر آسانی سے ہو سکے تو مذکور کی طرف کافی ہے اور معتدل کی قید اس واسطے لگائی گئی کہ توجہ میں زیادہ مبالغہ کرنے سے قلب و دماغ ماؤف ہو جاتے ہیں جس سے پھر ضروری توجہ میں بھی خلل پڑنے لگتا ہے۔ اس کے متعلق ایک اور بات بھی بہت ضروری ہے وہ یہ کہ طبیعت میں ثمرات کا تقاضا نہ پیدا ہونے دے کیونکہ اس سے علاوہ تشویش کے جو مخل جمعیت ہے اور جمعیت ہی اس طریق میں مدار نفع ہے بعض اوقات یاس تک نوبت پہنچ جاتی ہے مجھے خود اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔ میری طبیعت میں فطری طور پر تقاضا اور جلدی بہت ہے اور یہ خدائے تعالیٰ کی رحمت ہے ورنہ مجھ سے اتنی

خدمت دین کی نہ ہوسکتی۔ اسی تقاضا اور عجلت کی وجہ سے یہاں تک پریشانی کی نوبت پہنچی تھی کہ مجھ کو خودکشی تک کے وساوس آنے لگے تھے۔ بس ہر وقت طبیعت میں یہی تقاضا رہتا تھا کہ جو کچھ حاصل ہونا ہے جلد حاصل ہو جائے دیر کیوں ہو رہی ہے۔ اھ۔

واقعہ نمبر ۱۰: رخصت پر عمل

ایک بار یہ سلسلہ گفتگو احقر کی موجودگی میں فرمایا کہ میں تو بعض احوال میں رخصت پر عمل کرنے کو بہ نسبت عزائم پر عمل کرنے کے اصلاح سمجھتا ہوں کیونکہ جو شخص ہمیشہ عزائم پر عمل کرتا ہے اس کو ہمیشہ اپنے عمل پر نظر ہوتی ہے اور جو کچھ عطا ہوتا ہے اس کو بمقابلہ اپنے عمل کے کم سمجھتا ہے۔ اس کے دل میں یہ شکایت پیدا ہوتی ہے کہ دیکھو میں اتنے دن سے ایسی مشقت زہد و تقوی کی اٹھا رہا ہوں اور اتنا عرصہ ذکر و شغل کرتے ہوگیا اور اب تک کچھ بھی نصیب نہ ہوا یہ کس قدر گندہ خیال ہے۔ برخلاف اس کے جو بعض دفعہ رخصتوں پر بھی عمل رکھتا ہے اس کو اپنے عمل پر نظر کبھی ہو ہی نہیں سکتی وہ اپنے ذکر و شغل کو بھی یوں ہی گپڑ سپڑ سمجھتا ہے۔ اس کو جو کچھ بھی عطا ہوتا ہے اسے بمقابلہ اپنے عمل کے ہمیشہ زیادہ سمجھتا ہے اور درصورت عدم ورود کیفیات وغیرہ کے بھی اس کو کبھی شکایت نہیں پیدا ہوسکتی کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ میں عمل ہی کیا کر رہا ہوں جو ثمرات کا مستحق ہوں اور سابق الذکر شخص ہمیشہ ثمرات عظیمہ کا منتظر رہتا ہے اور درصورت عدم عطا اس کو شکایت پیدا ہوتی ہے۔ بہرحال رخصت پر عمل کرنے والے کی نظر میں ہمیشہ حق تعالیٰ کی عطاؤں کا پلہ مقابلہ خود اس کے اعمال کے بھاری رہتا ہے جس سے اس کو طبعاً حق تعالیٰ کے ساتھ محبت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔

بات یہ ہے کہ ہمارے قلوب بالخصوص اس زمانہ میں ایسے ضعیف ہیں کہ بدا مشاہدہ رحمت کے حق تعالیٰ سے محبت کا تعلق پیدا نہیں ہوتا اور یہ تقریر عام طور سے تو کہنے کے قابل بھی نہ تھی کیونکہ لوگ عمل میں سست ہو جائیں گے لیکن چونکہ اس کے عدم اظہار میں اس سے زیدہ اندیشہ ضرر تھا اس لیے کہہ دی گئی اور پھر جب یہ ظاہر کر دیا گیا کہ یہ تقریر عام طور سے کہنے کے قابل نہیں ہے تو اس سے معلوم بھی ہوگیا کہ اس مضمون میں غلط فہمی کا اندیشہ ہے گویا یہ تنبیہ ہے کہ اگر غلط فہمی ہونے لگے تو کسی محقق سے رجوع کرے از خود کوئی غلط معنی نہ سمجھ لے۔ چنانچہ غلط فہمی ہی

کے دفعیہ کے لیے میں نے شروع میں یہ قید لگائی تھی کہ میں صرف بعض احوال میں رخصت پر عمل کرنے کو اصلح سمجھتا ہوں باقی فی نفسہ عزائم پر عمل کرنا ہی افضل ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

زہد کی حقیقت

اسی گفتگو کے سلسلہ میں ایک اہل علم نے سوال کیا کہ زہد کی تو بڑی فضیلت ہے۔فرمایا کہ زہد ترک لذات کا نام نہیں بلکہ محض تقلیل لذات زہد کے لیے کافی ہے یعنی لذات میں انہماک نہ ہو کہ رات دن اسی کی فکر رہے کہ یہ چیز پکنی چاہیے وہ چیز منگوانی چاہیے کہیں کے چاول اچھے ہیں تو وہاں سے چاول آرہے ہیں کہیں کی بالائی مشہور ہے تو کہہ رہے ہیں کہ بھائی وہاں سے بالائی لیتے آنا نفیس نفیس کپڑوں اور کھانے ہی کی فکر میں لگے رہنا البتہ یہ زہد کے منافی ہے۔ ورنہ اگر بلا تکلف اور بلا اہتمام خاص کے لذات میسر آجائیں تو یہ حق تعالیٰ کی نعمت ہے شکر کرنا چاہیے۔اسی طرح بہت کم کھانا بھی زہد نہیں ہے نہ یہ مقصود ہے۔ کیونکہ ہمارے کم کھانے سے نعوذ باللہ کوئی خدا تعالیٰ کے خزانہ میں توفیر تھوڑا ہی جمع ہو جائے گی یہ تھوڑا ہی سمجھا جائے گا کہ بڑے خیر خواہ سرکار ہیں۔پوری تنخواہ بھی نہیں لیتے۔وہاں ان باتوں کی کیا پرواہ ہے لیکن ہاں اتنا بھی نہ کھاوے کہ پیٹ میں درد ہو جائے۔ ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ کا تو یہ مذاق تھا کہ نفس کو خوب آرام سے رکھے لیکن اس سے کام بھی خوب لے۔میرا تو یہ خیال ہے (ع) کہ مزدور خوشدل کند کار بیش۔جس دن معلوم ہوتا ہے کہ آج اچھی چیز پکی ہے اس دن کام کرتے وقت یہ خوشی رہتی ہے کہ فارغ ہو کر اچھی چیز کھانے کو ملے گی۔نفس کے واسطے کوئی ابھارنے والی چیز ضرور ہونی چاہیے۔حضرت حاجی صاحبؒ نے ایک روز فرمایا کہ میاں اشرف علی پانی ہمیشہ ٹھنڈا پینا چاہیے کہ ہر بن مو سے الحمدللہ نکلے ورنہ گرم پانی پی کر زبان تو الحمدللہ کہے گی لیکن دل شریک نہ ہوگا۔

واقعہ نمبر ۱۱: متوسط و منتہی کی کیفیات

ایک بار حضرت والا مسجد کے سقاوہ سے گرم پانی لینے کے لیے خود تشریف لے گئے کیونکہ حضرت والا کسی ایسے شخص سے کوئی کام نہیں لیتے جس سے دل کھلا ہوا نہ ہو۔اور اس

وقت کوئی ایسا شخص موجود نہ تھا جب سقاوہ کا ڈھکن کھولا تو اندر سے نہایت لطیف بھاپ نکلی جو بہت بھلی معلوم ہوئی۔ اور ساتھ ہی نیچے سے ایندھن کا دھواں بھی اٹھا جس نے آنکھوں میں سوزش پیدا کر دی۔ بعد کو اس واقعہ کا ذکر کر کے فرمایا کہ یہی فرق متوسط اور منتہی کی کیفیت میں ہوتا ہے۔ کیفیت سے خالی تو منتہی بھی نہیں ہوتا لیکن اس کی کیفیات میں نہایت لطافت ہوتی ہے جیسی بھاپ میں اور لطافت اس لیے ہوتی ہے کہ وہ روحانیت سے ناشی ہوتی ہیں۔ برخلاف اس کے متوسط کی کیفیات میں شورش اور سوزش ہوتی ہے لطافت نہیں ہوتی جیسے دھوئیں میں کیونکہ وہ نفسانیت بمعنی طبیعت نہ بالمعنی العرفی سے ناشی ہوتی ہیں۔

واقعہ نمبر ۱۲: ریاضات اور جذبۂ غیبی

ایک بار ہوا بالکل بند تھی اور سخت حبس ہو رہا تھا۔ پسینے چل رہے تھے۔ بعد نماز فرض خدام چاروں طرف کھڑے ہو کر حضرت والا کو پنکھا جھلنے لگے اور چونکہ حضرت والا کو سنتیں پڑھنی تھیں۔ حضرت والا بھی پسینہ خشک کرنے کے لیے تھوڑی دیر کھڑے رہے کیونکہ نماز پڑھنے کی حالت میں تو حضرت والا کسی کو پنکھا جھلنے ہی نہیں دیتے جس کی وجہ یہ ہے کہ نماز میں بھی مخدومیت کی شان بنانا حضرت والا کو غلبہ عبدیت کے اثر سے طبعاً سخت گراں ہوتا ہے غرض سب لوگ پنکھا جھل ہی رہے تھے کہ اتنے میں دفعتہً ہوا کا ایک ٹھنڈا جھونکا آیا اور روح کو تروتازہ کر گیا۔ حضرت والا نے فوراً پنکھے رکوا دیے اور فرمایا کہ سبحان اللہ اس قدرتی ہوا کے ایک جھونکے نے جو فرحت بخشی وہ اتنے پنکھوں میں بھی حاصل نہیں ہو رہی تھی۔ واقعی ہزار پنکھے ایک طرف اور قدرتی ہوا کا ایک ٹھنڈا جھونکا ایک طرف۔

پھر فرمایا کہ بس اسی طرح ہزار ریاضت و مجاہدات سے بھی وہ بات پیدا نہیں ہوتی جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک جذبہ میں پیدا ہو جاتی ہے۔ ہزار ریضت و مجاہدات ایک طرف اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک جذبہ غیبی ایک طرف۔ اھ۔

فائدہ: بس احقر حضرت والا کے اسی جذب خداوندی کے مضمون پر اپنی اس طویل داستان کو ختم کرتا ہے ورنہ احقر کے سنے اور دیکھے ہوئے تو ہزار ہا ملفوظات و واقعات ہیں کہاں تک بیان کیے جائیں اگر مزید شوق ہو تو حسن العزیز جلد اول ملاحظہ فرمائی جائے جس میں احقر

نے اپنے سنے ہوئے ملفوظات اور لکھے ہوئے واقعات کی ایک معتدبہ مقدار قلم بند کر لی ہے۔

تنبیہ ضروری

احقر نے جو اپنے واقعات و حالات باب ہذا میں عرض کیے ہیں ان سے صرف حضرت والا ہی کی قوت فیضان اور شان ارشاد کا ظاہر کرنا مقصود تھا کیونکہ اگر واقعات کے ضمن میں اور پھر وہ بھی خود کاتب سوانح کے واقعات کے ضمن میں حضرت صاحب سوانح کے حالات وارشادات تعلیمیہ بیان کیے جائیں تو وہ زیادہ اوقع فی النفس اور مقنع ہوتے ہیں۔ غرض یہ احقر کے واقعات محض حضرت مولانا رومیؒ کے اس شعر کے مصداق تھے۔

خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں   گفتہ آید در حدیث دیگراں

(سب سے زیادہ اچھا یہ ہوتا ہے کہ محبوبوں کے راز دوسروں کی کہانیوں میں بیان کیے جائیں)

ورنہ اپنے ذاتی حالات کا لکھنا میرے لیے واقعی سخت موجب خجلت تھا بلکہ اب بھی ہے یہاں تک کہ یہ خیال ہوتا ہے کہ ان سب حالات کو حذف کر دیا جائے لیکن اب جبکہ مسودہ بیضہ کی صورت میں بھی آ چکا ہے ایسا کرنا نہایت دشوار ہے۔ نیز اتنا وقت بھی نہیں کہ جو مضامین ان حالات کے ضمن میں حضرت والا کے متعلق معرض تحریر میں آ چکے ہیں ان کو از سر نو لکھا جائے لہٰذا ناظرین کرام سے استدعا ہے کہ مقصود اصلی یعنی حضرت والا کے حالات مبارکہ کو پیش نظر رکھیں اور اس ناکارہ کے ناگفتہ بہ حالات سے قطع نظر فرمائیں اور میری اصلاح حال اور حصول مقصود کے لیے حسبۃً للہ دعا فرمائیں۔

اب آخر میں احقر تائیداً حضرت والا کا وہ جملہ نقل کرتا ہے جو خود حضرت والا نے احقر کے ایک عریضہ کے جواب میں تحریر فرمایا تھا جس کی پوری نقل اوپر گزر چکی ہے وہ جملہ یہ ہے کہ اگر کسی ناکارہ (یعنی خود حضرت والا) کے تذکرہ میں اپنا اظہار حال ہو جائے تو چونکہ بقصد نہیں اس لیے مذموم نہیں۔ اھ۔

غرض حضرت والا کے تذکرہ میں خود اپنے بھی حالات کے اظہار کی احقر کو بہت پرانی اجازت ملی ہوئی ہے۔

بعضے ارشادات وافاضات حکمت آیات
حضرت حکیم الامت دامت فیوضہم العالیہ

(از تربیۃ السالک رقم زدہ حضرت ممدوح بقلم فیض رقم خود)

اب حسب وعدہ حضرت حکیم الامت کے بعض ارشادات وافاضات حکمت آیات تربیت السالک مطبوعہ وغیر مطبوعہ سے نقل کیے جاتے ہیں اور وہ خاص حضرت والا کے قلم فیض رقم کے تحریر فرمائے ہوئے ہیں۔ تربیت السالک حضرت حکیم الامت کے مطب روحانی کے تیر بہدف معالجات امراض نفسانی کا مجموعہ ہے۔ جس کو ایک مکمل قرابادین تصوف کہنا زیبا ہے۔ اس میں صدہا طالبین اصلاح کے خطوط مع حضرت والا کے جوابات درج ہیں اور بحمد اللہ تعالیٰ یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ اللّٰھم زد فزد ثم زد فزد اس میں سے سو مختلف احوال باطنی کے متعلق ارشادات کیف ما اتفق طور پر منتخب کر کے ہدیہ ناظرین کئے جاتے ہیں اور چونکہ یہ مجموعہ سر بسر حکمت سے لبریز ہے اس لیے بہ مناسبت صد پند لقمان ان کو صد پند اشرف سے ملقب کیا جاتا ہے۔ ہر پند ایک جداگانہ موضوع کے متعلق ہے اور بعض نمبروں میں ایک ہی موضوع کے متعلق متعدد ارشاد بھی مناسبت کی بناء پر بمصلحت توضیح شامل کر دیے گئے ہیں۔ بخوف تطویل طالبین کے خطوط کا تو محض خلاصہ بطور روایت بالمعنی کے درج کیا گیا ہے لیکن اس طور پر کہ ان کا حاصل بجنسہٖ محفوظ رکھا گیا ہے اور حضرت والا کے ارشادات کو بالفاظہا نقل کیا گیا ہے کیونکہ یہاں پر زیادہ تر انہی کا قلمبند کرنا مقصود تھا۔

تربیت السالک تمام تر عجیب وغریب حقائق باطنی سے لبریز ہے جس کو بلا مبالغہ ایک گنجینۂ جواہرات کہا جا سکتا ہے۔ احقر نے بخوف تطویل بہت قلم روک کر اور اپنے دل کو مار کر صرف سو کے عدد پر اکتفا کیا ورنہ جس ارشاد پر بھی نظر پڑتی تھی بس جی چاہتا تھا کہ اس کو بھی اپنے انتخاب میں شامل کر لوں اور یہ شعر ہو بہو صادق آرہا تھا۔

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم　　　کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا ست

(سر کی چوٹی سے لیکر پاؤں تک جہاں بھی دیکھتا ہوں، حسن کا نظارہ دل کا دامن کھینچ کر کہتا ہے کہ بس یہی جگہ سب سے زیادہ خوبصورت ہے)

جن صاحبوں کو مزید ارشادات کے مطالعہ کا شوق ہو وہ اصل تربیت السالک کو ملاحظہ فرمائیں دوران انتخاب میں بنظر اصلاح جب احقر منتخب کردہ ارشادات کو حضرت والا کے سامنے پڑھتا تو نہ صرف حاضرین مجلس بلکہ خود حضرت والا بھی متاثر ہو ہو جاتے اور بے اختیار فرماتے کہ بھلا یہ مضامین میں اپنی معلومات سے لکھ سکتا تھا ہرگز نہیں۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہ طالبین کی اصلاح کے لیے میرے قلم سے بوقت ضرورت ایسے مضامین نافعہ لکھوا دیئے۔ چنانچہ اس وقت جب میں سوالات کو سنتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ ان کا جواب کیا ہونا چاہیے تو بالکل سمجھ میں نہیں آتا اور ہر سوال کو سن کر تحیر ہوتا ہے کہ ایسے مشکل سوال کا کیا جواب دیا ہوگا اور جب جواب سنتا ہوں تو تعجب ہوتا ہے کہ کیا یہ میرا ہی لکھا ہوا جواب ہے کیونکہ ایسے جوابات واقعی میری معلومات سے کہیں زیادہ بالاتر ہیں۔ اگر یہ جوابات میری معلومات کا نتیجہ ہوتے تو میری معلومات تو اس وقت بھی وہی ہیں۔ اس وقت کیوں جوابات ذہن میں نہیں آتے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی تائید تھی ورنہ میری کیا حقیقت ہے کہ میں ایسے جوابات لکھ سکوں۔

یہ بھی تحدثا بالنعمۃ نہ کہ فخراً ارشاد فرمایا کہ اگر انہی سوالات کو دوسرے حضرات اہل طریق کی خدمت میں پیش کر کے جوابات حاصل کیے جائیں تب ان جوابات کی قدر ہو۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ فن کے تمام ضروری مسائل کی تحقیق و تدوین کئی صدی تک کے لیے ہوگئی ہے اور ایسی تعمیم کے ساتھ کئی صدی سے نہ ہوئی تھی۔ یہ سب محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور بڑے میاں یعنی (حضرت حاجی صاحبؒ) کی برکت ہے۔ اھ۔

اس ضروری تمہید کے بعد ارشادات منتخبہ کا مذکورہ بالا مجموعہ ملقب بہ صد پند اشرف پیش کیا جاتا ہے۔ و باللہ التوفیق وھو خیر رفیق۔

صد پند اشرف

یعنی بعضے ارشادات وافاضات حکمت آیات

حضرت حکیم الامت دامت فیوضہم العالیہ منتخب از تربیت السالک

۱۔شبہات نہ آنے کی تمنا

ایک طالب نے لکھا کہ میری تمنا ہے کہ شبہے نہ آئیں تحریر فرمایا کہ کل کو یہ تمنا کرنا کہ بخار نہ آئے۔ اھ۔اس سے پہلے یہ تحریر فرما چکے تھے کہ بلا اختیار شبہ آنا خدا اور رسول کو سچا سمجھنے کے منافی نہیں۔اھ۔

۲۔موت کا خوف

ایک طالب نے لکھا کہ مجھ کو موت سے بہت وحشت ونفرت ہے حالانکہ وہی ذریعہ ہے خدا تعالیٰ سے ملاقات کا اور صوفیائے کرام کے نزدیک تو موت سے زیادہ محبوب کوئی چیز ہی نہیں۔تحریر فرمایا کہ یہ غلط ہے بعض مسلم بزرگوں کو میں نے موت سے ایسا ہی ڈرتا ہوا دیکھا ہے۔منشاء اس کا ضعف قلب ہے جو بالکل مذموم نہیں۔اھ۔انہی طالب نے یہ بھی پوچھا کہ صوفیائے کرام نے کیا ذرائع حاصل کیے جن کی وجہ سے ان کو موت سے نفرت یعنی کراہت بالکل جاتی رہی۔جواب تحریر فرمایا کہ ان کی قوت قلب ہے یا قوت وارد اور دونوں غیر مطلوب ہیں محض موہوب ہیں۔اھ۔

۳۔بدعتی سے نفرت

ایک طالب کے سوال کے جواب میں تحریر فرمایا کہ بدعتی سے نفرت کبر نہیں البتہ اگر وہ توبہ کرلے اور پھر بھی اس سے نفرت رہے یہ کبر ہے ورنہ بغض فی اللہ ہے۔اھ۔

۴۔تلاوت اور اوراد

ایک طالب نے کلام مجید کی تلاوت کے فضائل دیکھ کر چاہا کہ سوائے تلاوت کے اور سب وظائف واوراد ترک کردوں۔تحریر فرمایا کہ یہ بھی خبر ہے کہ کسی چیز کی طرف زیادہ کشش اسی وقت ہوتی ہے جب دوسری چیزیں بھی ہوں ورنہ اس سے طبیعت اُکتا جاتی ہے۔(ع)

گر نیست غنیچے نہ دہد لذتے حضور۔اس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ سلف نے ایسا نہیں کیا۔اھ۔

۵-حصول نسبت اور زوال کبر کے آثار

(۵)۔ایک خلیفہ خاص نے دریافت فرمایا کہ حصول نسبت کے آثار غیر متخلفہ کیا ہیں نیز زوال کبر کے بھی آثار غیر متخلفہ پوچھے تھے۔تحریر فرمایا کہ یہ سب امور ظنیہ ہیں جیسی صحت بدنیہ ظنی ہے مگر اقع ع ہی کو اس باب میں مثل یقین کہا جاتا ہے سو امر اول میں آثار دوام اطاعت و مشابہت اعمال اختیاریہ بہ امور طبعیہ و شذوذ مخالفت اور بعد مخالفت اتفاقیہ قلق شدید و تدارک بلیغ اور غلبہ ذکر لسانی و قلبی یعنی استحضار۔اور امر ثانی میں اصل وجدان ہے معالج کا اور آثار سے اس کی تائید ہو جاتی ہے یعنی واقعت کبر کا عدم صدور و غبہ آثار شکستگی و ندامت شدید بر صدور افعال موہمہ کبر۔اھ۔

۶-اللہ تعالیٰ سے محبت

ایک طالب نے لکھا کہ زبان پر ذکر اللہ ہے اور اندر خاک بھی اثر نہیں بفضلہ تعالیٰ اعمال میں تو فرق نہیں آتا مگر ظاہر ہوتا ہے کہ دل محبت سے خالی ہے اھ۔جواب تحریر فرمایا کہ کونسی محبت سے دل خالی ہے۔اعتقادی وعقلی سے یا انفعالی اور طبعی سے اگر شق ثانی ہے تو مضر نہیں اگر شق اول ہے تو اس میں خالی ہونے کا افسوس نہیں ہوا کرتا آپ کو افسوس کیوں ہے۔یہ افسوس خود دلیل ہے کہ آپ اس سے خالی نہیں۔اھ۔انہی طالب نے یہ بھی لکھا تھا کہ یہ تو یقینی ہے کہ حالت جیسی چاہیے ویسی بالکل نہیں ہے۔اھ۔جواب تحریر فرمایا کہ وہ دن ماتم کا ہوگا جس دن یہ سمجھو گے کہ جیسی حالت چاہیے تھی ویسی ہوگئی کیونکہ اس درگاہ میں تو حضرات انبیاء علیہم السلام بھی اپنی حالت کے متعلق یہی فیصلہ کرتے ہیں کہ جیسی حالت چاہیے تھی ویسی نہیں ہے۔**ماعبدناک حق عبادتک** کا حال ہوتا ہے۔اھ۔

۷-نظر بد سے تحفظ کا مراقبہ

ایک طالب نے لکھا کہ نظر بد کے تقاضہ کے وقت بندہ دل کو یہ بھی تسلی دیتا ہے کہ جس گناہ سے کچھ فائدہ حاصل نہ ہو اس کو کرنے سے کیا حاصل۔تحریر فرمایا کہ نہایت نافع اور

موثر مراقبہ ہے۔اھ۔

۸- وہ نظر جو معصیت نہیں

ایک طالب نے لکھا کہ چلتے پھرتے اگر کسی لڑکے یا عورت پر نظر پڑ جاتی ہے تو بندہ فوراً نظر کو ہٹا لیتا ہے اب دریافت کرنا یہ ہے کہ نظر اول معصیت کا سبب ہے یا نہیں۔اھ۔حضرت والا نے ذیل کا جواب تحریر فرمایا۔اس نظر اول میں قصد ہوتا ہے یا نہیں۔اگر حدوث میں قصد نہ ہو تو اس کے ابقاء میں قصد ہوتا ہے یا نہیں اگر ابقاء میں بھی قصد نہ ہو تو اس نظر سے جو صورت ذہن میں پیدا ہوتی ہے اس کے ابقاء یا اس سے التذاذ میں قصد ہوتا ہے یا نہیں۔اھ۔

انہوں نے یہ بھی لکھا کہ نظر ہٹانے کے بعد اس کی صورت ذہن میں ایک قسم کی تصویر ہو جاتی ہے مگر بعض وقت اس صورت کو ذہن میں آتے ہی فوراً دفع کرنا یاد نہیں رہتا۔اھ۔ اس پر حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ یاد رکھنے کا اہتمام ضروری ہے اگر ویسے یاد نہ رہے تو ایک پرچہ پر اس کی وعید لکھ کر وہ پرچہ اپنے کلائی یا بازو پر باندھ لیا جائے۔اھ۔

۹- جھوٹ کی عادت سے نجات

ایک طالب نے حضرت والا کے اس استفسار پر کہ جھوٹ اختیار سے بولتے ہو یا بلااضطرار یہ لکھا کہ یہ جھوٹ بولنا ہے تو اختیاری لیکن کثرت انہماک سے اضطراری جیسا ہو چکا ہے حضرت اس کا علاج فرمائیں۔اھ۔اس پر حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ جب ہمت و اختیار سے چھوڑ دو گے اور بہ تکلف اس کی عادت کر لو گے تو اسی طرح عدم صدور اضطراری جیسا ہو جائے گا یہی علاج ہے۔اھ۔

۱۰- مشرکین و معاندین کی کتب کے مطالعہ کا اثر

ایک صاحب فضل ایک دوسرے شیخ سے مرید ہیں ان کو بسلسلہ انگریزی ترجمہ قرآن مجید معاندین کے اعتراضات کے جواب دینے کے لیے معاندین کی کتابیں پڑھنے میں مشغولی رہتی ہے۔انہوں نے حضرت والا کو لکھا کہ ایک معاملہ اپنے قلب کا عرض کرتا ہوں جس زمانہ میں کتب تصوف کا مطالعہ زیادہ رہتا ہے خصوصاً مثنوی کلید مثنوی (یعنی شرح مثنوی مصنفہ حضرت والا) احیاء العلوم وغیرہ کا اس زمانہ میں قلب میں ایک خاص انشراح

محسوس ہوتا ہے اور طبیعت میں لینت و رقت اور خواب بڑے بڑے پاکیزہ نظر آنے لگتے ہیں۔ اب جب سے انگریزی میں ترجمہ قرآن میں اور معاندین کے اعتراضات کے جواب میں مشغولی ہے اس حالت میں نمایاں کمی پاتا ہوں۔ اب کتب تصوف کا مطالعہ بالکل ترک ہے اور بجائے اس کے ہزار ہا ہزار صفحات عقائد مشرکین و معاندین اسلام کے پڑھ رہا ہوں کہیں یہ ظلمت و قساوت اسی کا نتیجہ تو نہیں۔ اھ۔

حضرت والا نے حسب ذیل جواب تحریر فرمایا۔

اس تفاوت کا یہی سبب ہے مگر اس کی حقیقت قساوت یا ظلمت نہیں کیونکہ حقیقی قساوت یا ظلمت ہمیشہ اعتقادی ہوتی ہے اور یہ کیفیت اور اثر طبعی ہے۔ جیسا ایک انقباض اور تکدر گوہ کھانے سے ہو یہ مشابہ ہے حقیقی قساوت و ظلمت کے اور ایک انقباض ہاتھ یا پاؤں میں نجاست لگ جانے سے ہو یہ مشابہ ہے اس کیفیت واثر زیر بحث کے۔ اور ظاہر ہے کہ گوہ کھانا بوجہ معصیت ہونے کے مضر باطن ہوتا ہے اور نجاست بدن کو لگ جانا مضر باطن نہیں ہوتا بلکہ اگر بقصد تطہیر اپنے جسد کے یا غیر کے جسد کے ہاتھ لگانا پڑے تو بوجہ طاعت ہونے کے باطن کو زیادہ نافع ہوگا۔ اور اس میں جو طبعی کدورت وکلفت ہوئی ہے وہ بوجہ مجاہدہ ہونے کے موجب اجر و قرب ہوگا اور اس کے بعد جو مٹی سے صابن سے رگڑ رگڑ کر ہاتھ دھویا جائے گا۔ پہلے سے زیادہ پاک صاف ہو جائے گا آپ ماشاء اللہ تطہیر میں مشغول ہیں آپ کی طہارت اور نورانیت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ البتہ ساتھ کے ساتھ صابن بھی استعمال میں رہے تو بہتر ہے یعنی کسی قدر مطالعہ تصوف و ذکر اللہ۔

١١- تلاوت کی عادت بنانے کا طریقہ

ایک طالب نے شکایت لکھی کہ ناظرہ قرآن شریف ایک پارہ بھی پڑھنا مشکل معلوم ہوتا ہے بلکہ اکثر ناغہ ہو جاتا ہے اور دیگر اذکار اور زبانی قرآن شریف دن بھر پڑھ کرے تو کوئی گرانی نہیں ہوتی۔ اھ۔

اس پر حسب ذیل جواب تحریر فرمایا۔

اگر قرآن حفظ نہیں تو نفس پر جبر کر کے زیادہ پڑھنا چاہیے اور برابر اس کا تصور رکھنا چاہیے کہ ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں نامہ اعمال میں ساتھ ساتھ درج ہو رہی ہیں اور ایسی دولت اور کس چیز سے نصیب ہو سکتی ہے اور یہ تصور ہے بھی امر واقعی کا کیونکہ حدیث میں یہ مضمون تصریحاً موجود ہے اس کے ساتھ ہی یہ مراقبہ بھی رکھنا چاہیے کہ حروف قرآن کی زیارت پر ثواب ملتا ہے اس مجموعی تصور سے وہ گرانی کم ہو جائے گی۔ اور شدہ شدہ ناظرہ زیادہ تلاوت کرنا آسان ہو جائے گا اور اگر قرآن آپ کو حفظ ہے اور زبانی بھی صحیح یاد ہے تو پھر حفظ پڑھنے سے بھی ثواب جو کہ اصل مقصود ہے حاصل ہے زیادہ اہتمام کی ضرورت نہیں۔اھ۔

۱۲-مُبتدی کی ایک کیفیت

ایک طالب نے لکھا کہ ان دنوں میری عجیب کیفیت ہے ہر وقت جی چاہتا ہے کہ بس اللہ اللہ کرتا رہوں۔ سوائے ذکر اسم ذات کے کسی چیز میں جی نہیں لگتا۔ حد یہ ہے کہ درس حدیث وتلاوت قرآن میں بھی جیسے پہلے جی لگتا تھا اب ویسا نہیں لگتا۔اھ۔

حضرت والا نے حسب ذیل جواب تحریر فرمایا۔

ابتداء میں ایسا ہی ہوتا ہے جیسا بچہ کو ہر وقت دودھ ہی مرغوب ہوتا ہے پھر وقت پر اس کے مناسب اشیاء مرغوب ہونے لگتی ہے۔اھ۔

فائدہ- از جامع اوراق۔ ایک اور طالب کو اسی قسم کی شکایت پر یہ تحریر فرمایا تھا کہ ابتداء میں ایسا ہی ہوتا ہے بعض کو انتہا میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے اور اکثر اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ ذکر میں ایک گونہ بساطت ہے اور قرآن وحدیث میں ایک گونہ ترکیب ہے اور بساطت یکسوئی سے اقرب ہے اور ترکیب بوجہ اختلاف اجزاء تشویش سے قریب ہے۔

۱۳-کبر کا امتحان

ایک طالب نے جو حاضر خانقاہ ہوئے تھے لکھا کہ فی الحال کبر نہیں معلوم ہوتا۔ دو چار باتیں حضرت بتلادیں تاکہ امتحان کروں کہ کبر باقی ہے یا جاتا رہا۔اھ۔

اس پر تحریر فرمایا کہ دو چار جزئیات امتحان کے لیے کافی نہیں بعض طبائع کی خاصیت یہ

ہے کہ بعض معاملات میں کبر پیدا نہیں ہوتا بعض میں ہوتا ہے اس لیے اس امتحان کی فکر میں نہ پڑیئے۔ اگر کسی خاص واقعہ میں شبہ پیش آئے گا اس کی اطلاع کر کے مشورہ مناسب ہوگا۔اھ۔ انہی صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ حضرت کی محبت کا غلبہ بہت ہے نماز میں بھی اکثر خیال ہوتا ہے اور کبھی کبھی خشوع کے لیے خیال کر لیتا ہوں۔اھ۔ اس پر تحریر فرمایا کہ نماز میں قصداً نہ کیا جائے۔اھ۔ انہی صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ جانے کو جی نہیں چاہتا مگر مدرسہ کی وجہ سے کل جانے کا ارادہ ہے۔اھ۔ جواب تحریر فرمایا کہ بعض بعد قرب سے زیادہ نافع ہوتا ہے۔اھ۔ انہی صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ حضرت کا خوف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ بولنے کی ہمت نہیں ہوتی۔اھ۔ تحریر فرمایا کہ اس کا منشاء مشوب بہ عظمت ہے۔ جو طریق میں نہایت نافع ہے۔اھ۔

۱۴-بدنظری سے نفرت

ایک طالب نے لکھا کہ بدنظری سے نفرت اپنے اندر نہیں پاتا نفس کو روکنے میں مجاہدہ کرنا پڑتا ہے۔اھ۔ تحریر فرمایا کہ نفرت مامور بہ ہے یا رغبت کے مقتضاء پر عمل نہ کرنا۔اھ۔

۱۵-ایک صاحبِ اجازت کی تواضع

ایک صاحب اجازت نے لکھا کہ اگر کوئی میرے پاس بیعت ہونے کو آتا ہے تو بے حد شرم آتی ہے کہ یہ تو مجھ سے ہر طرح اچھا ہے میں اس کو کیا بیعت کروں۔اھ۔ تحریر فرمایا کہ مرید کر لیا کریں تاکہ یہ تواضع اور زیادہ بڑھے۔اھ۔

۱۶-سخت مزاجی کا علاج

ایک صاحب نے جو ایک دوسرے شیخ سے بیعت ہیں لکھا کہ دین اور دنیا دونوں قسم کے معاملات میں بعض دفعہ سخت مزاجی کا ظہور نہایت شدت سے ہوتا ہے اور طبیعت بے قابو ہو جاتی ہے اھ۔ تحریر فرمایا کہ استحضار و عمل بتکلف کا تکرار یہی علاج ہے اس سے عادت ہو جائے گی۔اھ۔

انہی صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ نماز وغیرہ کے بارے میں جب بار بار کہنے سے بھی لوگ نہیں مانتے اور غصہ آتا ہے تو یہ خیال ہوتا ہے کہ غالباً یہ غصہ اپنے نفس کے لیے ہے کہ میرا کہا ان لوگوں نے کیوں نہیں مانا۔اھ۔ اس پر تحریر فرمایا کہ اس کا امتحان سہل ہے نقل کر

دیکھ جائے کہ اگر دوسرے واعظ کے ساتھ یہی معاملہ کریں تب بھی اتنی ہی یا اس کے قریب قریب ناگواری ہوتی ہے یا نہیں۔ اھ۔

۱۷- اصلاح کا طریق

ایک طالب نے لکھا کہ مجھے اصلاح کا طریق نہیں معلوم۔ طریق اصلاح تجویز فرما دیں۔ اھ۔ تحریر فرمایا کہ طریقہ یہ ہے کہ تم اپنے نفس کا ایک ایک عیب ظاہر کرو اور مجھ سے اس کا علاج پوچھو اور میں جو بتلاؤں اس پر عمل کرو اور عمل کر کے اطلاع دو۔ اھ۔

۱۸- نماز و تلاوت کی پابندی

ایک طالب نے لکھا کہ نماز و تلاوت میں طبیعت پر جبر کرنا پڑتا ہے۔ کوئی شاہراہ عمل ایسا تجویز فرما دیجئے کہ یہ جبر مبدل بمسرت و آسانی ہو جائے۔ اھ۔ تحریر فرمایا کہ اس کی کوئی تدبیر نہیں یہ امر نہ شیخ کے اختیار میں ہے نہ طالب کے اھ۔

اسی طرح ایک بی اے پاس طالب نے لکھا کہ نماز کو ضروری سمجھتا ہوں لیکن طبیعت ادھر نہیں آتی اور اگر آتی بھی ہے تو نماز میں کوئی لطف نہیں آتا اھ۔ پہلی بات کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ طبیعت آنا ضروری ہے یا لانا۔ اھ اور دوسری بات کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ لطف ضروری ہے یا عمل اھ۔

اسی طرح ایک طالب نے لکھا کہ معمولات میں سرور نہیں پیدا ہوتا۔ تحریر فرمایا کہ سرور مقصود ہے یا حضور اور حضور بھی اختیاری یا غیر اختیاری اھ۔

۱۹- عُجب کا علاج

ایک طالب نے عجب کی چند مثالیں لکھ کر علاج پوچھا۔ تحریر فرمایا کہ اگر استحضار نعم کے ساتھ اس کا استحضار بھی کر لیا جائے کہ یہ نعمتیں میرے استحقاق کی وجہ سے نہیں ہیں بلکہ موہبت الٰہیہ ہیں وہ اگر چاہیں ابھی سلب کر لیں اور یہ ان کی رحمت ہے کہ بلا استحقاق عطا فرما رکھی ہیں اور دوسروں کے متعلق اس کا استحضار کر لیا جائے کہ اگرچہ یہ لوگ ان خاص فضیلتوں سے خالی ہوں لیکن ممکن ہے کہ ان کو ایسی فضیلتیں دی گئی ہوں کہ ہم کو ان کی خبر نہ ہو اور ان کی وجہ سے ان کا رتبہ حق تعالیٰ کے نزدیک بہت زیادہ ہو تو ان دونوں استحضار کے بعد

جو سرور رہ جائے گا وہ عجب نہ ہوگا یا تو فرحت طبعی ہوگی جو مذموم نہیں اور یا شکر ہوگا جب منعم کے احسان کا بھی استحضار ہو جس پر اجر ملے گا۔ اھ۔

۲۰-رزائل کے علاج میں رسوخ

ایک استفسار کے جواب میں حضرت والا نے رزائل کے علاج میں رسوخ پیدا ہو جانے کی علامت یہ تحریر فرمائی کہ جب غفلت و ذہول نہ ہو اور ہمت میں تخلف نہ ہو یہی رسوخ ہے۔ اھ۔ اور ایک استفسار کے جواب میں جو بزبان فارسی تھا حصول رسوخ کا طریقہ یہ تحریر فرمایا۔ تکرار اور استحضار و اعتنیا د دائم و تدارک وقت کوتاہی بمعاقبت نفس بنوعے عبادات خاصہ مالیہ یا بدنیہ مثل انفاق چہار آنہ کہ بر نفس قدرے شاق باشد یا ادائے نوافل بمقدار معتد بہ کہ بر نفس قدرے گراں باشد وعلامت رسوخ آنست کہ ملکہ میسر شود کہ در صدور تکلف نباشد۔ اھ۔

۲۱-راہ سلوک کی غیر اختیاری کیفیات

ایک طالب نے لکھا کہ قبل بیعت حضرت سے محبت تھی مگر رعب معلوم ہوتا تھا اور اب بعد بیعت محبت تو الحمدللہ بہت ہے مگر رعب مطلق نہیں معلوم ہوتا ہے۔ اھ۔ جواب تحریر فرمایا کہ مبارک حالت ہے وہ پہلی حالت بھی مبارک تھی۔ اس طریق میں جو حالت غیر اختیاریہ بھی پیش آئے خیر محض ہے اور اس میں بے حد مصالح و منافع ہوتے ہیں جو اس وقت تو سمجھ میں نہیں آتے مگر آگے چل کر ایک وقت میں سب خود بخود سمجھ میں آنے لگتے ہیں۔ اھ۔

۲۲-نماز میں خیالات آنے کا علاج

ایک مبتدی طالب نے نماز میں خطرات آنے کی شکایت لکھ کر اس کی تدبیر پوچھی۔ جواب تحریر فرمایا کہ اپنی طرف سے کلمات واذکار کی طرف توجہ رکھنا چاہیے پھر اگر آویں مضر نہیں گر وہ توجہ ہٹ جائے تجدید کر لی جائے اور اس توجہ کے ہٹ جانے پر افسوس نہ کرنا چاہیے۔ اھ۔

۲۳-محبت عقلی اور محبت طبعی

ایک طالب نے لکھا کہ حضور کے ساتھ غلبہ محبت کا آج کل یہ حال ہے کہ معلوم ہوتا ہے

دل میں سوائے آپ کی محبت کے اور کوئی محبت نہیں ہے اور نہ کسی دیگر شخص کا خیال ہے آپ کو بحیثیت اپنے شیخ کے صاف لکھنا زیادہ بہتر ہوگا یعنی ان دنوں اللہ تعالیٰ کی محبت بھی کم محسوس کرتا ہوں۔اھ۔جواب تحریر فرمایا کہ یہ شبہ صحیح نہیں حق تعالیٰ کی محبت میں شان عقلیت غالب ہوتی ہے اور اپنے مجانس کی محبت میں شان طبیعت غالب ہوتی ہے اور سرسری نظر میں محبت عقلی محبت طبعی کے سامنے ضعیف و مضمحل معلوم ہوتی ہے اس سے وہ شبہ ہو جاتا ہے حالانکہ امر بالعکس ہے چنانچہ اگر اسی محبوب طبعی سے نعوذ باللہ حق تعالیٰ کی شان کے خلاف کوئی معاملہ قولی یا فعلی صادر ہو تو وہی محبوب فوراً مبغوض ہو جائے جس سے ثابت ہوا کہ حق تعالیٰ ہی کی محبوبیت غالب ہے۔اھ۔

۲۴۔نظر بد کا علاج

ایک نظر بد کے مریض کے استفسار پر تحریر فرمایا کہ بجز ہمت کے کوئی علاج نہیں اھ۔

۲۵۔نفسانی محبت کا علاج

ایک طالب کو اپنے ایک شاگرد سے نفسانی محبت ہوگئی انہوں نے لکھا کہ اگر کوئی ایسی صورت ہو کہ سلسلہ تعلیم باقی رہے اور کیفیت نفسانیہ منعدم ہو جائے تو ارشاد فرمایا جائے۔ اھ۔تحریر فرمایا کہ مجھ کو ایسی ترکیب نہیں آتی کہ۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردۂ　　　بازمی گوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش

(تو نے دریا کی تہہ میں مجھے تختہ سے باندھ دیا ہے پھر کہتا ہے کہ ہوشیار رہ دامن گیلا نہ کر)

۲۶۔نماز میں تلاوت پر تکبر کا علاج

ایک طالب نے لکھا کہ میں لوگوں کے اصرار سے لمبی سورتیں پڑھتا ہوں۔کبھی کبھی بعد نماز جی خوش ہوتا ہے کہ قرآن مجید بہت اچھا پڑھا دل میں یہ سوچ لیتا ہوں کہ یہ میرا کمال نہیں محض انعام الٰہی ہے کیا یہ اصلاح نفس کے لیے ٹھیک ہے۔اھ۔تحریر فرمایا کہ مسنون سورتوں میں جو چھوٹی ہوں وہ پڑھا کرو اور بہت جوش سے مت پڑھا کرو یہ عملی اصلاح ہے اور لفظی اصلاح کافی نہیں اھ۔

۲۷۔سکون مطلوب نہیں عمل مطلوب ہے

ایک بیوہ نے لکھا کہ شوہر مرحوم کے غم کی وجہ سے باوجود ڈیڑھ سال گزر جانے کے اس

قدر تڑپ ہے کہ ہر چند قلب کو راجع الی اللہ کرتی ہوں لیکن یک سوئی نہیں پیدا ہوتی۔ میری قلبی خواہش یہ ہے کہ حقیقی صبر ورضا کے ساتھ محبوب حقیقی رب العزت کی یاد میں دلجمعی سے عبادت میں گزار دوں۔ اھ۔ جواب تحریر فرمایا کہ برخورداری سکون مطلوب ہی نہیں عمل مطلوب ہے ظاہری بھی باطنی بھی ظاہری تو جانتی ہو باطنی ہر وقت کے واسطے وہ عمل جو اختیار میں ہو مثلاً صبر اختیار میں ہے وہی مطلوب ہوگا سکون ودلجمعی اختیار میں نہیں وہ مطلوب نہ ہوگا۔ اھ۔

۲۸-غیبت کا علاج

ایک طالب کے استفسار پر غیبت کا یہ علاج تحریر فرمایا (نمبر۱) استحضار عقوبت وقت غیبت (نمبر۲) تامل قبل تکلم (نمبر۳) معافی چاہنا بعد صدور غیبت (نمبر۴) کچھ جرمانہ اپنے اوپر نقد کا یا نوافل کا۔ اھ۔

کچھ دن بعد پھر انہی صاحب نے لکھا کہ ابھی یہ علاج پوری طرح راسخ نہیں ہوا۔ تحریر فرمایا کہ بتدریج راسخ ہو جائے گا لگا رہنا چاہیے۔ اھ۔

۲۹-میونسپلٹی کی ممبری

حضرت والا کے ایک صاحب اجازت کو لوگوں نے زبردستی میونسپلٹی کا ممبر تجویز کر دیا۔ انہیں سخت وحشت ہوئی۔ بالآخر یہ طے ہوا کہ اپنے پیر ومرشد سے پوچھ لو۔ چنانچہ انہوں نے حضرت والا سے عرض کیا کہ حضرت اقدس کچھ تحریر فرما دیں تاکہ گلوخلاصی ہو۔ اس پر حضرت والا نے حسب ذیل جواب تحریر فرمایا جب تک نسبت مع الخالق راسخ نہ ہو تعلق مع الخلق بلاضرورت سراسر مضرت ہے اور جو منفعت سوچی جاتی ہے کہ ادائے حق خلق ہے وہ حق خلق بھی جب ہی ادا ہوتا ہے کہ نسبت مع الخالق راسخ ہو جائے ورنہ نہ حق خالق ادا ہوتا ہے نہ حق خلق یہ تجربہ ہے اور ایک کا نہیں بلکہ ہزاروں اہل بصیرت کا۔ ہم سے اور آپ سے زیادہ اہل تمکین نے ایسے تعلقات کو چھوڑ دیا ہے حضرت ابراہیم بن ادہم بلخیؒ حضرت شاہ شجاع کرمانیؒ کے واقعات معلوم ہیں اور حضرات خلفائے راشدینؓ پر اپنے کو قیاس نہ کیا جائے۔

ع۔ کار پاکاں را قیاس از خود مگیر

۳۰- تقلباتِ حالات

ایک طالب نے اپنے تقلبات لکھے تھے۔ تحریر فرمایا کہ دل سے دعا ہے اور حالات کے انقلاب کے متعلق اکابر کی یہ تحقیق ہے۔

در بزمِ عیش یک دو قدح نوش کن برو   یعنی طمع مدار وصال دوام را

(عیش کی مجلس میں ایک دو پیالے پی اور جا، یعنی ہمیشہ کے وصال کی لالچ نہ رکھ)

۳۱- حُسن دیکھنے کی بیماری

ایک طالب نے حسن کے دیکھنے کا مرض لکھا تھا۔ حسب معمول استفسار فرمایا کہ حسن کا دیکھنا اختیاری ہے یا غیر اختیاری۔ انہوں نے جواب میں لکھا کہ بندہ کا دیکھنا اختیاری ہے مگر اس سے بچنے کے لیے استعمال اختیار دشوار معلوم ہوتا ہے۔ تنبیہاً تحریر فرمایا کہ کیا دشوار ہے کیا نفس کے روکنے سے کوئی بیماری ہو جاتی ہے یا سانس گھٹنے لگتا ہے یا اور کوئی تکلیف ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔ اھ۔

۳۲- ترکِ تعلقات کی حدود

ایک طالب نے لکھا کہ جی چاہتا ہے کہ گاؤں کو بیچ کر کاشتکاری دوسروں کے سپرد کر کے اور قطع تعلق کر کے اپنے اوقات کو عمل کے لیے مقصود کروں۔ تحریر فرمایا کہ کیا گاؤں اور زمین پر کاشت وغیرہ عمل سے مانع ہیں۔ اھ۔ انہوں نے یہ بھی لکھا کہ والدہ صاحبہ مخالف ہیں لیکن جناب شیخ سعدیؒ کے قول "تعلق حجاب ست کو اختیار کروں اور والدہ صاحبہ کی رائے کے خلاف کروں۔ اس پر تحریر فرمایا کہ پھر اس آیت کے کیا معنی ہیں۔ **ولقد ارسلنا رسلاً من قبلک وجعلنا لھم ازواجاً و ذریة**۔ خلاصہ یہ ہے کہ کیا اس سے ہر تعلق اور ہر حالت میں مراد ہے جو کام کرو سمجھ کر کرو۔ اھ۔

۳۳- مروّت کرنے کی حدود

ایک طالب نے لکھا کہ مروت مجھ کو بہت ہے جس سے بعض دفعہ خلاف شرع کام بھی

سرزد ہو جاتے ہیں۔ محض اس خیال سے کہ دوسرے کا دل نہ دکھے انکار اس قدر دشوار معلوم ہوتا ہے کہ پسینہ آ جاتا ہے۔ اھ۔ جواب تحریر فرمایا کہ دشوار ہونے سے غیر اختیاری ہونا لازم نہیں آتا۔ جہاں مروت کرنا خلاف شرع نہ ہو اس مروت پر عمل جائز ہے اور جہاں خلاف شرع ہو وہاں جائز نہیں گو دشواری اور تکلیف ہو اس تکلیف کو برداشت کرو اس کے سوا کوئی علاج نہیں۔ اھ۔

۳۴- ایک طالب کے حالات

ایک طالب کے خط کے مختلف اجزاء مع حضرت والا کے جوابات کے ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں کیونکہ اس سے بہت سے فوائد مستفاد ہوتے ہیں۔

(حال) تا بعدار معمولات ادا کیے جاتے ہیں مگر قلب کی حالت بدستور ہے۔

(تحقیق) کیا یہ نعمت نہیں کہ دو وقت روٹی ملے اور صحت و قوت بحال رہے گو اس میں ترقی نہ ہو۔

(حال) کوئی خاص حالت ایسی نہیں ہے جس کو حضور میں عرض کروں۔

(تحقیق) یہ حالت بھی تو قابل اطلاع کے تھی چنانچہ اطلاع پر ایک مفید بات معلوم ہوگئی مگر اس کا یاد رکھنا شرط ہے۔

(حال) نہ اپنے کو اس قابل پاتا ہوں کہ کچھ عرض معروض کر سکوں۔

(تحقیق) ناقابلی کا اعتقاد اس طریق میں یہی قابلی ہے۔

(حال) اس راہ سلوک میں اپنے کو ہیچ محض سمجھتا ہوں۔

(تحقیق) مبارک سمجھنا ہے۔

(حال) جو کچھ معمولات ادا کرتا ہوں محض عادۃً ادا کرتا ہوں۔

(تحقیق) کیا اچھے کام کی عادت نعمت نہیں۔

(حال) کچھ تو سونے والوں کی وجہ سے اور کچھ رفع تکان کے سبب سے چند روز سے بجائے جہر کے خفی کر لیا کرتا ہوں کوئی حرج تو نہیں۔

(تحقیق) بلکہ افضل و انفع ہے۔

(حال) اب میرا وقت اخیر آ پہنچا اب تک اپنے کو محض کورا سمجھتا ہوں۔

(تحقیق) مگر کور تو نہیں۔

(حال) بغیر حاضری حضور کے اور کوئی صورت کامیابی کی نظر نہیں آتی۔

(تحقیق) اطلاع بھی صورت کامیابی کی ہے۔اھ۔

۳۵-گناہ سے پرہیز پر استقامت

ایک طالب نے لکھا کہ حضور والا کے ارشاد کے موافق بدنظر اور بدخیال کو اختیار سے چھوڑ دیا۔ لیکن دل کی کمزوری کی وجہ سے ہمیشہ ثابت قدم رہنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اس پر تحریر فرمایا کہ اپنی طرف سے ثابت قدم رہو اور اللہ تعالیٰ سے دعائے استقامۃ کرتے رہو۔ اھ۔ اسی خط میں خواہشِ نفسانی سے نجات پانے کا علاج بھی پوچھا تھا۔ تحریر فرمایا کہ کل کو حرام غذا سے توبہ کر کے دعا کرانا کہ بھوک ہی سے نجات ہو جائے۔اھ۔

۳۶-شدت گرمی میں خشوع نہ رہنا

ایک طالب نے شکایت لکھی کہ بوجہ گرمی کی شدت کے نماز وغیرہ میں پہلا سا خشوع و خضوع نہیں ہوتا جواب تحریر فرمایا کہ معذوری ہے۔

۳۷-خوف واُمید کا اجتماع بڑی دولت ہے

ایک صاحب اجازت نے اپنے مفصل حالات لکھے جن میں یہ حال بھی تھا کہ اب اللہ میاں کا خیال بالکل بے کیف دل میں آتا ہے اور اس سے اس قدر انشراح قلب میں ہوتا ہے کہ میں بیان نہیں کرسکتا لیکن دریافت طلب یہ امر ہے کہ میری اعمالی کوتاہیوں کے ہوتے ہوئے یہ انعامات الٰہی اور حضور کے فیوض نامتناہی میرے شامل حال ہوسکتے ہیں یا میرے نفس نے یہ خیلات تراشے ہیں۔ اس کا جواب تحریر فرمایا کہ قلب میں دونوں احتمالوں کا جمع ہونا یہی بڑی دولت ہے جس کا حاصل الایمان بین الخوف والرجا ہے مبارک ہو۔اھ۔

۳۸-والدہ کی بات پر غصہ آنے کا علاج

ایک طالب نے لکھا کہ میری والدہ ہر بات پر طعن وتشنیع کرتی ہے جس پر میں غصہ

کرنے لگتا ہوں اور جھگڑنے لگتا ہوں علاج مرحمت فرمادیں۔ تحریر فرمایا کہ علاج یہ ہے کہ جواب مت دیا کرو بہرے بن جایا کرو۔ اھ۔

۳۹- اذکار کا صحیح طریقہ

ایک مبتدی طالب نے لکھا کہ حضور سے دور ہوں اذکار صحیح طریقہ سے کیونکر کروں۔ جواب تحریر فرمایا کہ یہ معلوم کرنا کیا مشکل ہے قلب اور زبان دونوں کو شریک رکھنا یہی طریق صحیح ہے۔ اھ۔ انہی صاحب نے یہ بھی درخواست کی تھی کہ اپنے فلاں مجاز سے فرمادیں کہ مجھے دوایک مرتبہ دوازدہ تسبیح کا ورد کرادیں اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ اس کی حاجت نہیں۔ یہ قیود غیر مقصود ہیں۔ مقصود صرف ذکر کرنا ہے۔ اگر کوئی نہایت موزوں رفتار سے چلتا ہو اور دوسرا غیر موزوں تو اصل مقصود منزل پر پہنچنا ہے جو دونوں رفتار سے حاصل ہو جاتا ہے آگے رہی موزونیت اس میں اور مصالح زائدہ ہیں جن پر منزل کی رسائی موقوف نہیں۔ اھ۔

انہی صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ صحیح طریقہ اذکار کا معلوم ہو جائے تاکہ ان کے ثمرات سے بہرہ اندوز ہوں تحریر فرمایا کہ ثمرات کی روح اجر و قرب ہے۔ اھ۔ انہوں نے لطائف ستہ کی کوشش کرنے کا بھی حال لکھا تھا۔ حضرت والا نے جواب تحریر فرمایا کہ حقائق مقصود ہیں لطائف مقصود نہیں۔ اھ۔

۴۰- واہیات خیالات کا دفعیہ

ایک طالب نے لکھا کہ ضعف قلب کی وجہ سے تہجد اور ذکر میں عجیب عجیب واہیات خیالات کا ہجوم ہوتا ہے کہ کہیں شیطان کسی شکل میں میرے سامنے نہ آجائے کوئی جن آکر میرے ساتھ نماز نہ پڑھنے لگے۔ حضرت والا نے جواب تحریر فرمایا کہ ایسی حالت میں اپنے شیخ کا تصور ان پریشان خیالات کا دافع ہو جاتا ہے مگر شیخ کو حاضر ناظر نہ سمجھے۔ اھ۔

۴۱- تحجات اور کبر کا فرق

ایک طالب نے کبر کے متعلق لکھا کہ فدوی ایک مرتبہ قرابت مندی میں گیا ہوا تھا اور وہاں مجھ کو خرید و فروخت کی ضرورت نہیں پڑا کرتی۔ وہاں گوشت کی دکان پر جانے کی

ضرورت نہیں ہوتی تھی مگر نہیں گیا تھا اور گونہ حجاب محسوس کیا تھا۔ جواب تحریر فرمایا کہ حجب اور چیز ہے اور کبر اور چیز ہے۔ حجاب کی حقیقت خجلت ہے جس کا سبب مخالف عادت ہے۔ حتیٰ کہ اگر اس شخص کی تعظیم کا سامان عادت کے خلاف کیا جائے اس سے بھی شرم دے۔ مثلاً کوئی ہاتھی پر بٹھلا کر دس بیس سوار جلو میں کر کے جلوس نکالے۔ اھ۔ اس پر ان صاحب نے لکھ کہ بظاہر تو معلوم ہوتا ہے کہ ضرور شرم آئے گی لیکن مجھ کو اپنے نفس پر ذرہ برابر اعتماد نہیں ہے اس لیے احتمال ہے کہ شرم نہ معلوم ہو اگرچہ احقر اس پر کوئی دلیل قائم نہیں کر سکتا۔ اھ۔ اس پر جواب تحریر فرمایا کہ جب تک اس کے خلاف دلیل نہ ہو یہ ظاہر اور غالب ہی معتبر ہے اور اگر علاج میں مبالغہ کو دل چاہے تو ایسے کام کرو جو شرع کے خلاف نہ ہوں مگر وضع کے خلاف ہوں اور عرفاً موجب ذلت ہوں۔ اھ۔

۴۲۔ اختیاری وغیر اختیاری گناہ کی تشخیص

ایک طالب علم نے جو زیر تربیت ہیں کچھ حوادث سے پریشانیاں اور کچھ بدنظری کی شکایت لکھ کر دعا اور اصلاح کی آسان صورت کی درخواست کی تھی اور یہ بھی لکھا تھا کہ ہر شے حسین کے دیکھنے کو طبیعت میں اس قدر تقاضا پیدا ہوتا ہے کہ باوجود نیچی نظر کر لینے کے پھر نظر اُٹھ جاتی ہے حالانکہ حضرت والا کے فرمان کے بموجب عذاب دوزخ وغیرہ کو سوچتا ہوں لیکن طبیعت کچھ ایسی مجبور ہوتی ہے جس کا رُکنا دشوار اور شاق نظر آتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ دل کے اندر سے کوئی پکڑ کر دل کو ابھار رہا ہے اس فعل بد سے نہایت ہی مجبور ہو گیا ہوں۔ اھ۔ اس کا حسب ذیل جواب ارقام فرمایا۔

حرفاً حرفاً پڑھا۔ غیر اختیاری مصائب پر تو اجر ملتا ہے ان کے ازالہ کی دعا بھی کرتا ہوں لیکن مصائب اختیاریہ یعنی معاصی پر نہ اجر ملتا ہے اور نہ اس کے ازالہ کی دعا ہو سکتی ہے کیونکہ اس کا ازالہ تو خود عبد کا فعل ہے اس دعا کی تو یہ مثال ہے کہ اے اللہ فلانا شخص فلاں کھانا کھانے لگے فلاں کھانا نہ کھائے اس دعا کے کیا معنی۔ البتہ توفیق کی دعا ہو سکتی ہے وہ بھی جبکہ فاعل اسباب کو جمع کرے اور اعظم اسباب قصد و ہمت ہے اور اس کے متعلق جو عذر خط کشیدہ

عبارت میں لکھا ہے بالکل غلط ہے سوچو کہ اگر ایسے موقع پر کہ نفس میں تقاضائے شدید ہو تمہارا کوئی بزرگ موجود ہو جو تمہاری اس نظر اٹھانے کو دیکھ رہا ہو تو کیا اس وقت تم ایسی بے حیائی کرسکتے ہو اگر کرسکتے ہو تو تم لاعلاج ہو اور اگر نہیں کرسکتے تو معلوم ہوا کہ نظر از خود نہیں اٹھتی نہ مجبوری ہوتی ہے نہ رُکنا شاق ہوتا ہے نہ کوئی اُبھارتا ہے سب کچھ تمہی کرتے ہو تو اس کے خلاف پر بھی تم قادر ہو سو تمہارا یہ عذر ویسا ہی بیہودہ عذر ہے جیسے ایک شاعر نے بکواس کی ہے۔

بیخودی میں لے لیا بوسہ خطا کیجئے معاف　　　اس دلِ بیتاب کی صاحب خطا تھی میں نہ تھا

۴۳۔ معمولات کی عدم پابندی پر افسوس

ایک طالب کو جو مدرس تھے اور جنہوں نے بوجہ کثرت کارِ تعلیم عدم مواظبت معمولات پر سخت افسوس کا اظہار کیا تھا یہ جواب تحریر فرمایا کہ افسوس بھی ایک درجہ میں مواظبت کا بدل ہے جب عدم مواظبت کسی عذر سے ہو۔ اھ۔

۴۴۔ بلاضرورت چیزوں کی تمنا کا علاج

ایک طالب نے لکھا کہ احقر جب بھی کوئی اچھی چیز کسی کے پاس دیکھتا ہے تو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ میرے پاس ہو تو بہت اچھا ہو پھر کوشش کرتا ہوں کہ وہ چیز مجھے کسی طرح سے حاصل ہو جائے۔ اس شخص سے زائل کرنے کو نہیں چاہتا بلکہ صرف اپنے پاس رکھنا مقصود ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجھ میں حرص دنیا ہے۔ اگر میرا یہ خیال صحیح ہو تو علاج ارشاد فرمایا جائے۔ اھ۔ اس کا حسب ذیل جواب ارقام فرمایا۔ مرض تو نہیں مگر مفضی الی المرض ہونے کا احتمال ہے علاج اس کا یہ ہے کہ بمجرد اس تمنا کے یہ عزم کیا جائے کہ اگر یہ چیز مجھ کو مل بھی گئی فوراً کسی کو ہبہ کردوں گا خصوص اس شخص کو جس کے پاس ایسی چیز پہلے سے موجود ہے یا اگر اس سے ایسی بے تکلفی نہ ہوئی تو کسی دوسرے کو دے دوں گا اور اگر وہ چیز اتفاق سے اپنی ضرورت کی ہوئی تو اس کے دام مسکین کو دے دوں گا۔ جب تک ایسی تمنا زائل نہ ہوگی اس وقت تک ایسا ہی کیا کروں گا۔ دعا بھی کرتا ہوں۔ بعد کو انہی صاحب کا خط آیا جس میں لکھا تھا کہ اس علاج سے بے حد نفع ہوا اب یہ خیال ہی بالکل جاتا رہا اور اگر

1 کبھی تھوڑا بہت ہوا بھی تو اس تصور سے کہ اس کی قیمت کسی مسکین کو دے دوں گا بالکل خواہش ہی جاتی رہی۔ اھ۔ اس پر حضرت والا نے مبارکباد تحریر فرمائی۔

۴۵-اعمال کی اہمیت

ایک طالب نے لکھا کہ نماز اور ذکر کے قبل اور بعد اکثر یہ خیال آتا رہا کہ اتنی محنت بیکار ہے میں کوئی بزرگ تو ہو ہی نہیں سکتا رہے احکام اس کی پابندی کرلی جائے تو اس کے لیے زیادہ فکر کی کیا ضرورت ہے کیونکہ بخشائش تو رحمت پر منحصر ہے۔ الخ۔ جواب تحریر فرمایا کہ ایک علاج یہ سوچنا ہے کہ اعمال صرف مغفرت ہی کے لیے نہیں بلکہ مالک کا حق ہے مملوک پر اور مغفرت مستقل تبرع وعنایت ہے۔ اھ۔

۴۶-برتری کی خواہش کا علاج

ایک طالب نے اپنا حال لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دین اور دنیا دونوں کے متعلق یہ ہوس ہوا کرتی ہے کہ جو چیز اور جو بات ہو وہ اعلیٰ درجہ کی ہو اور میں ہر فن میں سب سے بڑھ کر ہوتا۔ اھ۔ اس کا یہ علاج تحریر فرمایا جس دنیوی چیز کی تمنا ہو اس کے فنا کا استحضار تا کہ اس کا ہیچ اور بے نتیجہ ہونا مستحضر ہو اور اگر وہ دین میں مضر ہے تو اس کے نتیجہ بد کا بھی استحضار۔ اس مراقبہ کے بار بار استعمال کرنے سے یہ ہوس مضمحل ہو جائے گی اور اگر وہ امر دینی ہے تو اس کی تمنا محمود ہے۔ اس کے علاج کی ضرورت نہیں۔ البتہ شرط یہ ہے کہ جس کو وہ نعمت عطا ہوئی ہے اس سے زائل ہونے کی تمنا نہ ہو ورنہ وہ حسد اور حرام ہے اگر خدا نا کردہ ایسا ہوتا ہو تو اس کے متعلق مستقل سوال کیا جائے باقی اعتدال کی دعا بھی کرتا ہوں۔ اھ۔

۴۷-دینی افادہ کی شرط

ایک صاحب اجازت نے لکھا کہ میرے مزاج میں شرم وحیا زیادہ ہے۔ لوگوں کے ادب و لحاظ سے دل میں بہت الجھن پیدا ہوتی ہے۔ ایک گاؤں میں دو چار آدمیوں کو حضرت والا کی برکت سے دین کا بہت فائدہ ہوا ہے وہ بار بار بلانے کا تقاضا کرتے ہیں نہایت شرمندگی ہوتی ہے اس لیے عذر کر دیتا ہوں مگر وہ مانتے نہیں اس کے متعلق جو ارشاد عالی ہو اس پر عمل کروں۔ اھ۔

---

1 اشرف السوانح جلد۲ ک13

جواب تحریر فرمایا کہ جب تک شرم رہے ہو آیا کرو جب شرم اتر جائے مت جاؤ پھر شرم ہونے لگے چھپے جاؤ وعلی ہذا یہی دستور العمل رکھو۔ اھ

۴۸- ہر خیال ریاء نہیں ہے

ایک طالب نے لکھا کہ جب میں کسی سے حضرت کے مواعظ میں دیکھی ہوئی کوئی بات کہتا ہوں تو ریاء محسوس ہوتی ہے کہ تو جو کچھ کہتا ہے وہ تیرے افعال کے خلاف ہے اور یہ وعظ گوئی خلاف منصب ہے اس کا حضرت والا نے یہ جواب تحریر فرمایا۔ ریاء ہر خیال کا نام نہیں بلکہ جس خیال کی بناء قصد رضائے خلق بذریعہ دین ہو اور یہ اختیاری امر ہے۔ جب اس کا قصد نہ ہو وہ ریاء ہی نہیں اگرچہ وہم ریاء ہو۔ وہم ریاء وسوسہ ریاء ہے جس پر مواخذہ نہیں ایسے وہم سے عمل صالح کو ترک نہ کیا جائے اسی طرح ریاء کے متعلق ایک اور طالب نے لکھا کہ بعض مرتبہ کسی اچھے کام میں مصروف ہوتا ہوں اور اچانک کسی شخص پر نظر پڑ جاتی ہے تو اکثر و بیشتر یہ خیال ہوتا ہے کہ اس کام کو اور اچھی طرح کریں مجھے اتنا تو یقیناً معلوم ہے کہ یہ ریاء ہے لیکن یہ سمجھ کر انسان کیا چیز ہے جو اس کو دکھلا کر کام کریں فوراً اپنی نیت کو حق تعالیٰ کی طرف پھیر لیتا ہوں۔ کیا اس طرح نیت ٹھیک کر لینے سے وہ ریاء ریاء نہ رہے گی۔ اھ

اس کا جواب تحریر فرمایا کہ میرا مذاق اس میں یہ ہے کہ صرف تصحیح نیت اس میں کافی نہیں کیونکہ یہ تصحیح اس شخص کے نزدیک مقصود بالذات نہیں۔ مقصود بالذات تحسین عمل للخلق ہے اور تصحیح نیت اس تحسین کا آلہ تاکہ غائلہ ریاء سے بھی بچ رہوں اور مقصود نفس بھی حاصل ہو جائے تو جس اخلاص سے تحصیل ریاء مقصود ہو وہ مقدمہ ریاء ہونے کے سبب ریاء ہی ہے۔ اس صورت میں ریاء سے حفاظت کی صورت صرف یہ ہے کہ اس خطرہ کے بعد عمل میں تغیر نہ کرے اور اسی کے ساتھ نیت خالص رکھے۔ مجھ کو معلوم نہیں کہ دوسرے اطباء باطن کی اس میں کیا تحقیق ہے اگر اس کے خلاف بھی ہو تب بھی میں اپنے رائے پر قائم ہوں۔ ذوقیات میں ایک کا اجتہاد دوسرے پر حجت نہیں اھ۔

اسی طرح ایک طالب نے لکھا کہ دوران مرض میں مکان پر نماز پڑھنی پڑی تو جیسی مسجد کی

نماز میں طبیعت لگتی تھی مکان کی نماز میں نہیں لگتی تھی نیز مسجد میں رکعات بھی لمبی لمبی ہوتی تھیں۔ بہ نسبت مکان کے اب خلجان یہ ہے کہ کہیں یہ مسجد کی نماز میں زیادہ جی لگتا ہے بسبب ریاء کے نہ ہو۔ اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ نہیں بلکہ مسجد میں اس کے اسباب ایسے جمع ہیں کہ گھر میں نہیں۔

۴۹- خشیت میں تبسم

ایک اشکال کے جواب میں تحریر فرمایا کہ خشیت میں بھی طبعی تبسم پیدا ہوسکتا ہے جیسا غلبۂ خشیت میں طبعی جوع وعطش ونوم بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ اھ۔

۵۰- واردات پر عمل

ایک طالب کے حالات کے متعلق یہ جواب تحریر فرمایا کہ وارد اگر شریعت کے موافق ہو اتباع شریعت کی نیت سے عمل کیا جائے نہ کہ اتباع وارد کی نیت سے ناقصین کے لیے یہ سخت خطرہ کی چیز ہے۔ اھ۔

۵۱- بدگمانی کا علاج

ایک طالب کے استفسار پر بدگمانی کا یہ علاج تحریر فرمایا کہ جب ایسی بدگمانی قلب میں آئے اول علیحدہ بیٹھ کر یاد کرے کہ اللہ تعالیٰ نے بدگمانی سے منع فرمایا ہے تو یہ گناہ ہوا اور گناہ پر عذاب کا اندیشہ ہے تو اے نفس تو حق تعالیٰ کے عذاب کو کیسے برداشت کرے گا یہ سوچ کر توبہ کرے اور دعا بھی کرے کہ اے اللہ میرے دل کو صاف کردے اور جس پر بدگمانی ہوئی ہے اس کے لیے بھی دعا کرے کہ اے اللہ اس کو دونوں جہان کی نعمتیں عطا فرما۔ دن رات میں تین بار ایسا کرے کہ اگر پھر بھی اثر رہے دوسرے تیسرے دن ایسا ہی کرے اگر پھر بھی اثر رہے اب اس شخص سے مل کر کہے کہ بلا وجہ مجھ کو تم پر بدگمانی ہوگئی تم معاف کردو اور میرے لیے دعا کردو کہ یہ دور ہو جائے۔ اھ

۵۲- احوالِ باطنی میں کمی بیشی

ایک طالب نے اپنے احوال باطنی میں کمی کی شکایت لکھی تو تحریر فرمایا کہ ایسی کمی بیشی لازم

عادی ہے یکساں حال رہ ہی نہیں سکتا دوام تو اعمال پر ہوتا ہے نہ کہ احوال پر یہ تغیر مضر نہیں بلکہ اس میں مصالح ہیں جن کا مشاہدہ اہل طریق کو خود ہو جاتا ہے مثلاً غیبت کے بعد حضور میں زیادہ لذت ہونا اور مثلاً غیبت میں انکسار و ندامت کا غالب آنا اور مثلاً اپنے عجز کا مشاہدہ ہونا **و مثل ذالک** اھ۔

۵۳۔نماز میں یکسوئی کی تدبیر

ایک طالب کے استفسار پر نماز میں یکسوئی کی یہ تدبیر تحریر فرمائی کہ نماز میں توجہ ایک طرف رکھی جائے جس کی صورت یہ ہے کہ قیام کے وقت اس طرف التفات نہ کرے کہ اس کے بعد رکوع کرنا ہے۔ رکوع میں اس طرف التفات نہ کرے کہ اس کے بعد قومہ کرنا ہے وعلیٰ ہذا بلکہ ہر رکن میں صرف اسی رکن کو مقصود بالذات سمجھے اور اسی طرف متوجہ رہے۔ اسی طرح پھر دوسرے رکن میں الیٰ اٰخر الصلوٰۃ اگر ایسا کیا جائے تو نماز میں اس قدر یکسوئی ہوگی کہ ذکر میں بھی نہ ہوگی کیونکہ ذکر میں گو یکسوئی ہے مگر ہر وقت خطرہ رہتا ہے کہ دوسرا شخص آ کر اس یکسوئی کو فوت کر سکتا ہے یا خود ہی ذکر ترک کر کے کسی شغل میں لگ سکتے ہیں اور نماز میں اطمینان ہے کہ سلام پھیرنے تک کوئی شخص ہم کو اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکتا نہ خود کوئی کام کر سکتے ہیں۔ **وهذا الذی کتبت ورد علیٰ قلبی فی فرض الظهر وجربته فيه وفی سنته البعدية ولله الحمد**۔ اھ۔

۵۴۔فضول گوئی کا علاج

ایک طالب نے فضول گوئی کا علاج پوچھا تحریر فرمایا کہ فضول گوئی اختیاری ہے یا غیر اختیاری۔ اس پر انہوں نے لکھا کہ میری خوب سمجھ میں آ گیا کہ یہ اختیاری ہے اور یہی کیا سب اوامر و نواہی اختیاری ہیں۔ لیکن اگر کوئی چیز معین سہولت بتادی جائے تو بہت احسان ہو۔ اھ۔ اس پر تحریر فرمایا کہ کس کس چیز کے سہل ہونے کی تدبیر پوچھو گے اور اس حدیث کے کیا معنی کہو گے۔ **حفت الجنة بالمكاره**۔ اھ

۵۵۔مقصود اور اس کے حصول کا طریق

ایک طالب کو جنہوں نے اپنے خط میں اپنی سخت ناکارگی کا اظہار کیا تھا یہ تحریر فرمایا کہ

مقصود تو مقصود کا مشاہدہ ہے اور اس کا طریق مجاہدہ۔ مگر جب تک اس میں کمی رہے تو اس مشاہدہ مقصود کا مقدمہ عدم مجاہدہ کا مشاہدہ ہے۔ جس سے انشاء اللہ مجاہدہ کی توفیق ہو جاتی ہے پھر اس سے مقصود کا مشاہدہ نصیب ہوتا ہے جو کہ مقصود ہے۔ اسی ترتیب کا سلسلہ شروع ہے جو انشاء اللہ تدریجاً بخیر و خوبی ختم اور مکمل بھی ہو جائے گا لگا رہنا چاہیے۔ اگر کام میں کوتاہی ہو جائے۔ اس نہ لگے رہنے کے مشاہدہ میں لگا رہنا چاہیے انشاء اللہ تعالیٰ حرمان نہ ہوگا میں بھی دعا کرتا ہوں۔ اھ۔

۵۶- اپنے کو دوسروں سے اُدنیٰ سمجھنے کا مطلب

ایک طالب نے لکھا کہ حضور جب کسی شخص میں فی الواقع خداداد فضیلتیں موجود ہیں تو اب ان موجودہ فضیلتوں کو کس طرح اپنے میں معدوم سمجھ کر اپنے آپ کو دوسروں سے ادنیٰ اور فرو سمجھے۔ اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ اکمل سمجھنا جائز ہے مگر افضل بمعنی مقبول حق اور اس کو مردود و مطرود سمجھنا جائز نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ فی الحال اس کا کوئی عمل صالح ایسا ہو کہ اس کے تمام اعمال سے زیادہ پسندیدہ ہو اور اس میں کوئی رذیلہ ایسا ہو کہ اس کے سب رذائل سے زیادہ ناپسندیدہ ہو یا فی الحال نہ ہو تو فی المآل اسکا احتمال ہے پس ان دونوں احتمالوں کا مستحضر رکھنا علاج کے لیے کافی ہے انسان اس سے زیادہ کا مکلف نہیں۔ اھ۔

۵۷- نماز قضاء ہونے پر رنج

ایک طالب نے لکھا کہ پہلے کبھی میری صبح کی نماز قضا ہو جاتی تھی تو مجھ کو بہت رونا آتا تھا اور اب یہ حالت ہوگئی ہے کہ کبھی صبح کی نماز قضا ہو جاتی ہے تو کچھ رنج نہیں ہوتا۔ حضور والا مجھ کو دل پر سیاہی معلوم ہوتی ہے اصلاح فرمائیں۔ اس پر تحریر فرمایا کہ رنج طبعی مقصود نہیں رنج عقلی مقصود ہے وہ حاصل ہے۔ چنانچہ رنج نہ ہونے پر افسوس ہونا یہ رنج عقلی ہے۔ اھ

۵۸- نماز میں دھیان کا طریقہ

ایک طالب نے نماز میں خشوع کی دشواریاں لکھی تھیں جواب تحریر فرمایا کہ جیسے طبیعت کو آزاد چھوڑ دینا مضر ہے اسی طرح زیادہ مقید کرنے سے بھی تنگ ہو جاتی ہے۔ بس

نماز میں اتنی توجہ کافی ہے جیسے کسی کو کوئی سورت کچی یاد ہو اور سرسری طور پر سوچ کر پڑھتا ہے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں پھر اگر اس کے ساتھ بھی وساوس آئیں ذرا مضر نہیں۔ اھ

اسی طرح ایک ذی علم صاحب اجازت نے استفسار کیا کہ کسی طاعت میں دوسری طاعت مثلاً کسی شرعی مسئلہ کا قصداً سوچنا یا کسی سفر طاعت کا نظام ذہن میں قصداً طے کرنا مخل خشوع ہے یا نہیں۔ اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ یہ مسئلہ دقیق ہے قواعد سے اس کے متعلق عرض کرتا ہوں اس وقت دو حدیثیں میری نظر میں ہیں ایک مرفوع جس میں یہ جزو ہے۔ صلی رکعتین مقبلا علیهما بقلبه دوسری موقوف حضرت عمرؓ کا قول جس میں یہ جزو ہے انی لاجهر جیشی وانا فی الصلوٰة مجموعہ روایتین سے اخلاص کے دو درجہ مفہوم ہوئے ایک یہ کہ جس طاعت میں مشغول ہے اس کے غیر کا قصداً استحضار بھی نہ ہو اگرچہ وہ بھی طاعت ہی ہو دوسرا درجہ یہ ہے کہ دوسری طاعت کا استحضار ہو جائے اور ان دونوں میں یہ امر مشترک ہے کہ اس دوسری طاعت کا اس طاعت سے قصد نہیں ہے مثلاً نماز پڑھنے سے یہ غرض نہیں کہ نماز میں یکسوئی کے ساتھ تجہیز جیش کریں گے پس حقیقت اخلاص تو دونوں میں یکساں ہے اس میں تشکیک نہیں۔ عوارض کے سبب ان میں تفاوت ہو گیا اور درجہ اول اکمل اور دوسرا درجہ اگر بلا عذر ہے تو غیر اکمل ہے اور اگر عذر سے ہے تو وہ بھی اکمل ہے جیسے حضرت عمرؓ کو ضرورت تھی اور اس کا معیار اجتہاد ہے لیکن ہر حال میں اخلاص کے بالکل خلاف نہیں البتہ خشوع کے خلاف ہونا نہ ہونا نظری ہے۔ میرے ذوق میں بصورت عذر یہ خلاف خشوع بھی نہیں اگر ضرورت ہو آپ اس پر سوال کو منطبق کر لیجئے۔

اسی طرح ایک طالب نے یہ شکایت لکھی کہ تراویح میں قرآن شریف سنتے وقت خشوع و خضوع نہیں ہوتا ہر رکعت میں یہ عزم کر لیتا ہوں کہ اب جناب حق تعالیٰ کی طرف عجز و نیاز کے ساتھ خیال رکھوں گا مگر جب قرآن شریف شروع کرتا ہوں تو اسی خیال میں قرأت ختم ہو جاتی ہے کہ کہیں بھول نہ جاؤں بہت افسوس ہوتا ہے دعا فرمادیں کہ میری یہ تمنا پوری ہو۔ اھ۔ جواب تحریر فرمایا کہ خشوع سکون کا نام ہے اور یہ خیال کہ کہیں بھول نہ جاؤں حرکت ہے جو سکون کی ضد ہے اور کوئی شے اپنی ضد کے ساتھ مجتمع نہیں ہوتی اور یہ خیال طبعاً

لازم ہے اس لیے حصول خشوع اس حالت میں عدۂ متعذر ہے تو اس کا اہتمام ہی تکلیف
مالا یطاق ہے لیکن یہ خشوع نہ ہونا مضر اور قابل افسوس اس لیے نہیں کہ جو مقصود ہے خشوع
سے کہ غیر مقصود کی طرف توجہ نہ ہو وہ حاصل ہے پس گویا خشوع اگر صورتاً نہیں مگر معنی حاصل
ہے کیونکہ یہ خیال تکمیل ہے طاعت کی اور طاعت مقصود ہے پس یہ توجہ الی المقصود ہے۔
چنانچہ بعض احادیث فصل خشوع میں **لم یحدث فیها نفسه بشیئ من الدنیا** اور بعض
میں **الابخیر** وارد ہے اس کی توضیح رسالہ تشرف اول کتاب الصلوٰۃ میں قابل مطالعہ ہے۔
ہاں طبعاً ناگواری یہ نظیر ہے۔ استغفار عن الغین کی۔

تذکیر نعمت۔ یہ تحقیق منجملہ منن عظیمہ الہیہ ہے جس میں کسب کا دخل نہیں اس کی بے قدری نہ
کی جائے میں بھی اسی میں مبتلا تھا حق تعالیٰ نے حقیقت منکشف فرمائی آگے اپنی ہمت ہے۔ اھ

اسی طرح ایک طالب علم نے کوئی ایسا علاج پوچھا جس سے ہمیشہ توجہ الی اللہ رہے۔
جواب تحریر فرمایا کہ توجہ جو درجہ عمل میں ہے وہ اختیار میں ہے اس کا علاج قصد اور استحضار
ہے اور جو توجہ درجہ حال میں ہے وہ توجہ کے درجہ مذکورہ سے از خود حاصل ہو جاتی ہے۔ اھ

۵۹۔ شمس الفضائل لطمس الرذائل

ایک طالب نے کبر کے متعلق بہت سی تفصیلات و جزئیات لکھ کر یہ درخواست کی کہ
اگر مجھ میں تکبر ہے تو اس کا علاج تجویز فرمائیں۔ حضرت والا نے مفصل جواب تحریر فرمایا اور
اس کا ایک نام بھی بمناسبت نام سائل رکھ دیا یعنی **شمس الفضائل لطمس الرذائل** وہ
جواب ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

''یہاں کئی چیزیں ہیں متشابہ جن میں کبھی اشتباہ ہو جاتا ہے۔ کبر و عجب و حب جاہ و ریاو
خجلت پھر ہر ایک میں دو دو درجے ہیں۔ حقیقت و صورت تو یہ دس چیزیں ہیں اور ہر ایک میں
کلام طویل ہو سکتا ہے مگر مختصر بقدر ضرورت جس سے تھوڑی مناسبت والے کو ہر درجہ میں سمجھنے
میں ضروری بصیرت ہو سکتی ہے اور واقعات جزئیہ کو اس پر منطبق کر سکتا ہے لکھتا ہوں۔ باقی جس
کو مناسبت ضروری بھی نہ ہو اس کے لیے نہ کلیات کافی ہیں نہ جزئیات کے یہ تحریر کافی ہے

بلکہ اس کو ضرورت ہے کہ جب کوئی واقعہ پیش آئے اسے کسی محقق کے سامنے پیش کرے اگر تنقیح کی ضرورت ہو اس کا بھی جواب دے پھر جو وہ فیصلہ کرے اس کو علماً وعملاً قبول کرے۔

وہ مختصر کلام یہ ہے کہ تکبر کا حاصل یہ ہے کہ کسی کمال دنیوی یا دینی میں اپنے کو باختیار خود دوسرے سے اس طرح بڑا سمجھنا کہ دوسرے کو حقیر سمجھے تو اس میں دو جزو ہوں گے اپنے کو بڑا سمجھنا اور دوسرے کو حقیر سمجھنا یہ تو اس کی حقیقت ہے جو حرام اور معصیت ہے اور ایک اس کی صورت ہے کہ اس میں سب اجزاء ہیں بجز ایک جزو یعنی اختیار کے یعنی بلا اختیار ان اجزاء کا خیال آ گیا یہاں تک تو معصیت نہیں لیکن اس کے بعد اگر اس خیال کو باختیار خود اچھا سمجھا یا باوجود اچھا نہ سمجھنے کے باختیار خود اس کو باقی رکھا یہ حقیقت کبر کی ہو جائے گی اور معصیت ہوگی۔ اور یہ جو قید لگائی گئی ہے کہ دوسرے کو حقیر سمجھے یہ اس لیے کہ اگر کوئی واقعی بڑائی چھٹائی کا اس طرح معتقد ہو کہ دوسرے کو ذلیل نہ سمجھے تو وہ تکبر نہیں جیسے ایک شخص بیس برس کی عمر والا دو برس کے بچہ کو سمجھے کہ یہ مجھ سے عمر میں چھوٹا ہے یا ایک ہدایہ پڑھنے والا طالب علم نحو میر پڑھنے والے طالب علم کو سمجھے کہ یہ مجھ سے پڑھائی میں کم ہے یا ایک مالدار آدمی کسی مسکین کو سمجھے کہ مجھ سے مال میں کم ہے مگر اس کو حقیر نہیں سمجھتا تو وہ کبر نہیں البتہ اگر یہ تفاوت واقع کے خلاف ہو تو ایسا اعتقاد کذب ہوگا مگر کبر و کذب متغائر ہیں۔

مگر ایسی بڑائی چھٹائی کا اعتقاد گو کبر تو نہیں لیکن اگر وہ محل تفاوت عرفاً یا شرفاً کمال ہو تو یہ اعتقاد واحیاناً مفضی کبر کی طرف ہو جاتا ہے اس لیے سد ذرائع کے طور پر اس کا بھی وہی علاج کرنا چاہیے جو حقیقت کبر کا علاج ہے اور وہ ایک خاص مراقبہ ہے جس کی ایسے ہر وقت میں تجدید و تکریر کر لی جائے جبکہ اس تفاوت کی طرف التفات ہو وہ مراقبہ یہ ہے کہ (الف) گو میرے اندر یہ کمال ہے مگر میرا پیدا کیا ہوا نہیں حق تعالیٰ کا عطا فرمایا ہوا ہے اور (ب) عطا بھی کسی استحقاق سے نہیں ہوا بلکہ محض موہبت و رحمت ہے پھر (ج) عطا کے بعد بھی اس کا بقاء میرے اختیار میں نہیں بلکہ حق تعالیٰ جب چاہیں سلب کر لیں اور (د) گو اس دوسرے شخص میں فی الحال یہ کمال نہیں ہے مگر فی المآل ممکن ہے کہ میرے کمال سے زیادہ اس کو یہ کمال اسی طرح حاصل ہو جائے کہ میں اس کمال میں اس کا محتاج ہو جاؤں

اور (ہ) اگر فی المآل بھی نہ ہو جیسا بعض اوقات ظاہری اسباب سے اس کا گمان غالب ہو تا ہے تو فی الحال ہی اس شخص میں کوئی ایسا کمال ہو جو مجھ سے مخفی ہو اور دوسروں پر ظاہر ہو یا سب ہی سے مخفی ہو حق تعالی کو معلوم ہو جس کے اعتبار سے اس کے اوصاف کا مجموعہ میرے اوصاف کے مجموعہ سے اکمل ہو۔ اگر کسی کے کمال کا بھی احتمال قریب ذہن میں نہ آئے تو اس احتمال کو ذہن میں حاضر کرے کہ شاید یہ علم الٰہی میں مقبول ہو اور میں غیر مقبول ہوں۔ یا اگر میں بھی مقبول ہوں تو یہ مجھ سے زیادہ مقبول ہو تو مجھ کو کیا حق ہے کہ اسکو حقیر سمجھوں۔

اور (و) یہ خیال کرے کہ اگر بالفرض یہ سب امور میں مجھ سے کم ہی ہے تو ناقص کا کامل پر حق ہوتا ہے جیسا مریض کا صحیح پر ضعیف کا قوی پر فقیر کا غنی پر تو مجھ کو چاہیے اس پر شفقت و ترحم کروں اس کی تکمیل میں کوشش کروں اور اگر کسی طرح قدرت نہ ہو یا ہمت نہ ہو یا فرصت نہ ہو تو دعائے تکمیل ہی سہی اور اس خیال کے بعد تکمیل میں سعی شروع کر دے تو اس تدبیر سے اس کے ساتھ تعلق شفقت کا پیدا ہو جائے گا۔ اور طبعی خاصہ ہے کہ جس کی تکمیل و تربیت میں سعی کرتا ہے اس سے محبت ہو جاتی ہے اور محبت کے بعد تحقیر نہیں ہوتی اور (ز) یہ بھی نہ ہو تو اس کے ساتھ لطف و اخلاق کے ساتھ کبھی کبھی بات چیت کر لیا کرے اس کا مزاج پوچھ لیا کرے اس سے جانبین میں تعلق ہو جاتا ہے اور ایسے تعلق کے بعد تحقیر معدوم ہو جاتی ہے۔ البتہ اگر وہ شخص ایسا ہے کہ شرعاً اس سے بغض رکھنا مامور بہ ہے تو تدابیر مذکورہ میں سے بعض کا استعمال اس عارض کے سبب نہ کیا جائے گا مگر بعض کا پھر بھی بغض کے ساتھ اجتماع ہو سکتا ہے ان بعض کو استعمال کرے۔

یہ سب کلام تو تکبر کے متعلق تھا اور عجب میں صرف ایک قید کم ہے باقی سب اجزاء وہی ہیں یعنی اس میں دوسروں کو چھوٹا سمجھنا نہیں صرف اپنے کو بڑا سمجھنا ہے اس میں بھی حقیقت اور صورت کے ویسے ہی درجے ہیں اور وہی احکام ہیں اور معالجات مذکورہ میں سے جن میں سے دوسرے کا تعلق نہیں وہ سب معالجات اس میں بھی ہیں اور ایک چیز اشیاء خمسہ مذکورہ میں حُبّ جاہ ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جیسا اپنے کو اپنے دل میں بڑا سمجھتا ہے اس کی بھی کوشش کرتا ہے کہ دوسرے بھی مجھ کو بڑا سمجھیں اور میرے ساتھ تعظیم و اطاعت و خدمت کا معاملہ

کریں چونکہ اس کا منشاء بھی تکبر یا عجب ہی ہے اس لیے اس کے اقسام واحکام ودرجات و معالجات وہی ہیں جو کبر میں گزرے اور اشیاء خمسہ مذکورہ میں سے ایک چیز ریاء ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ کسی عمل دنیوی یا دینی کو لوگوں کی نظر میں بڑائی حاصل کرنے کا ذریعہ بنادے۔ اشیاء اربعہ مذکورہ میں یہ ذریعہ بنانے کی قید نہ تھی چونکہ یہ بھی کبر اور عُجب ہی سے پیدا ہوتا ہے اس میں بھی سب وہی درجات واقسام واحکام ومعالجت ہیں اور سب احکام کلی ہیں۔

کبھی کبھی خصوصیت مقام سے بعض نئی صورتیں یا نئے معالجات بھی ثابت ہوتے ہیں جو مُربی کی رائے پر متعین کیے جاتے ہیں۔ سب سے اخیر کی ایک قسم خجلت ہے وہ ایک طبعی انقباض ہے جو خلاف عادت کام کرنے سے یا حالت پیش آنے سے بلا اختیار نفس پر وارد ہوتی ہے اور سالک کو بعض اوقات غایت احتیاط کے سبب اس پر شبہ ہو جاتا ہے کبر وغیرہ کا مگر واقع میں وہ کبر نہیں ہوتا اور معیار اس کا یہ ہے کہ جس طرح یہ شخص ایک دنی یا خسیس کام کرنے سے شرماتا ہے اگر کوئی شخص اس کے ساتھ غایت درجہ کی تعظیم وتکریم کا معاملہ دل سے کرے تب بھی اس کو ویسا ہی انقباض ہوتا ہے یا نہیں اگر ہوتا ہے تو خجلت ہے ورنہ کبر یہ تو اس کی حقیقت ہے جو غیر اختیاری ہونے کے سبب مذموم نہیں اور ایک صورت ہے کہ واقع میں تو کبر وغیرہ ہے مگر نفس نے تاویل کر کے اس کو خجلت میں داخل کر کے تسلی حاصل کرلی۔ یہ اختیاری ہونے کے سبب مذموم ہے بلکہ دوسرے ذمائم مذکورہ سے بھی اشنع ہے کیونکہ تاویل کر کے غیر مباح کو مباح بنایا ہے جو اعلیٰ درجہ کی تلبیس وتدلیس ہے تو اور اقسام میں تو حقیقت مذموم تھی اور صورت غیر مذموم اور اس میں بالعکس جیسا مع الدلیل گزر چکا۔ چونکہ واقعات ثمانیہ میں سب اقسام کے اجزاء مذکور ہیں اس لیے سب اقسام کی تحقیق کی گئی (طالب کے خط میں کبر کی آٹھ مثالیں مذکور تھیں جن کے بارہ میں تحقیق مطلوب تھی ۱۲)

اب اخیر میں ایک معالجہ ممتدہ ذکر کرتا ہوں کیونکہ معالجات مذکورہ وقتی تھے جن سے اثر کا رسوخ نہیں ہوتا الا نادراً اور مبتدی کو ایک معتد بہا مدت تک اس معالجہ کی ضرورت ہے وہ یہ کہ بتکلف اوضاع واطوار وعادات قبیل اسجہ لوگوں کے اختیار کرے حتیٰ کہ تواضع راسخ ہو جائے گی مگر اس میں بھی اس کا خیال رکھے کہ غایت درجہ کی دناءت وخست کو اختیار نہ کرے

جس سے تواضع کی شہرت ہو جائے۔ اس کے بعد انہیں صاحب نے قلیل اسجاہ لوگوں کے اوضاع و طوار و عادات کی تفصیل پوچھی تو تحریر فرمایا کہ ان کی جزئیات کا استیعاب کیسے ہوسکتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ وہ امور اختیار کیے جن سے ایک گونہ نفس کو انقباض ہو مگر دوسروں کی نظر میں وہ قابل التفات نہ ہوں جس سے شہرت تواضع کا احتمال ہو۔ اھ

۶۰-کُلفت کا علاج

ایک طالب نے لکھا کہ خاکسار کو ایک مرض ہے کہ اگر کوئی شخص مجھے کسی قسم کی تکلیف و نقصان پہنچاوے تو چین نہیں آتا ہے جب تک اس سے انتقام نہ لوں۔ اھ۔ اس کا جواب تحریر فرمایا کہ چین نہ آنا معصیت نہیں صرف کلفت ہے جس کا تحمل مجاہدہ اور موجب اجر ہے تو چین نہ آنا مضر نہ ہوا بلکہ نافع ہوا باقی کلفت کا علاج یہ معلم دین کا منصب نہیں لیکن تبرعاً وہ بھی لکھے دیتا ہوں کہ چند روز تحمل کرنے سے یہی عادت ہو جائے گی پھر اس درجہ کلفت نہ ہوگی۔ اھ

۶۱-احباب و اقارب سے محبت کا مقصود

ایک طالب نے لکھا تھا کہ احباب و اقارب سے تعلق و محبت جیسی پہلے تھی اب نہیں اس پر افسوس ظاہر کیا اور یہ بھی لکھا تھا کہ یہ حالت سنت کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔ اس پر تحریر فرمایا کہ سب حالت ٹھیک ہے یہ سنت مقصود بالذات نہیں۔ مقصود بالذات ادائے حقوق ہے وہ حاصل ہے۔ بعض طبائع ایسی ہیں کہ اس سنت کا اہتمام کریں تو ان سے فرض ہی فوت ہو جائے یعنی تعلق بحق اس لیے ان کے حق میں یہی انفع و اصلح ہے جو پیش آ رہا ہے۔ اھ

۶۲-اپنی ذلّت برداشت نہ کرنا

ایک طالب نے لکھا کہ میں اپنے کو کسی سے بڑا نہیں سمجھتا مگر باوجود اس کے نفس اس بات کو بالکل برداشت نہیں کرتا کہ ذلت ہو بس دل یوں چاہتا ہے کہ کوئی عزت بے شک نہ کرے بڑا قطعاً نہ سمجھے مگر کوئی ایسی بات نہ کرے جس سے ذلت ہو۔ میلے کپڑے پہننے سے بھی عار آتی ہے کہ دیکھنے والے ذلیل سمجھیں گے۔ اھ

اس کا جواب تحریر فرمایا کہ شریعت میں یہی حکم ہے لا ینبغی للمومن ان یذل نفسه

جب تک حالت غالب نہ ہو یہی طریق ہے مگر جب حال غالب ہو جاتا ہے تو ذلت کو عزت سے زیادہ عزیز سمجھتا ہے مگر وہ غیر اختیاری ہے اگر نہ ہو تمنا نہ کرے اگر ہو جائے ازالہ نہ کرے۔ اھ

۶۳- کھانے کی حرص

ایک طالب نے لکھا کہ کثرت اکل اور حرص طعام کا مرض بہت عرصہ سے ہے جس کو تبلیغ دین میں سب گناہوں کی جڑ بتلایا ہے جواب تحریر فرمایا کہ جن کے قویٰ اچھے تھے ان کے حق میں یہ مرض ہو جاتا تھا اب خود قوی ضعیف ہیں اس لیے قلت اکل کی غرض خود حاصل ہے اب یہ مرض نہیں اھ۔ اسی طرح ایک طالب کو یہ تحریر فرمایا کہ تقلیل طعام فی نفسہ مقصود نہیں مقصود کسر قوت بہیمیہ ہے اور اس کسر سے بھی مقصود کف النفس عن المعاصی ہے پس اگر یہ کف عن المعاصی بدوں تقلیل طعام میسر ہو جائے تو تقلیل طعام ضروری نہیں بلکہ اس زمانہ میں اکثر اس سے ضعف ہو جاتا ہے جس سے دوسری مضرتیں جسمانی و نفسانی پیدا ہو جاتی ہیں اس لیے بلا ضرورت مناسب نہیں۔ اھ

۶۴- قبض و بسط کی حالتیں

ایک طالب نے ایک طویل خط میں اپنی متضاد حالتیں لکھی تھیں یعنی اولاً سخت پریشانی ناقابل تحمل جس میں خواب و خور سب اُڑ گیا اس کے بعد مبشرات رویا سے فرح و سُرور۔ اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ وہ پہلی حالت قبض کی تھی۔ دوسری حالت بسط کی اور قبض جتنا شدید ہوتا ہے اتنا ہی بسط قوی ہوتا ہے اس لیے ائمہ طریق نے فرمایا کہ قبض سے پریشان نہ ہونا چاہیے وہ سب مقدمات ہوتے ہیں بسط کے مبارک ہو۔ یہ حالات کس کو نصیب ہوتے ہیں مگر ایسی حالت میں غذائے لطیف اور مفرحات و مقویات کا استعمال رکھنا ضروری ہے گو دل نہ چاہے۔ اھ

۶۵- خطرہ پر پریشان ہونا

ایک طالب نے لکھا کہ میں معمولی سے خطرہ پر پریشان ہو جاتا ہوں معلوم ہوتا ہے کہ مجھ میں توکل نہیں ہے اس معصیت سے بچنے کا علاج ارشاد فرمادیں۔ اس کا جواب تحریر فرمایا کہ نہ یہ معصیت ہے نہ توکل کے خلاف ہے کیونکہ توکل کی حقیقت ہے غیر متصرف حقیقی سے

قطع نظر کرنا اور یہ قطع نظر اعتقاداً کرنا تو فرض ہے اور عملاً اسباب ظنیہ کے ترک سے بشرط تحمل مستحب ہے اور جو اسباب عادۃً یقینی یا مثل یقینی کے ہیں ان کا ترک کرنا معصیت ہے بجز اہل حال کے کہ ان کو اس کی بھی اجازت ہے اور یہ سب تفصیل اسباب دنیویہ میں ہے اور اسباب دینیہ کو ترک کرنا توکل نہیں ہے۔ اھ

۶۶-شک پیدا ہو جانے کی بیماری

ایک طالب نے لکھا کہ میری طبیعت کچھ شکی واقع ہوئی ہے مخالفین کے اعتراض سن کر یا کسی کتاب میں دیکھ کر طبیعت متردد ہو جاتی ہے اس سے بفضلہ تعالیٰ عمل میں تو کوئی فرق نہیں آتا البتہ عبادت میں وہ پہلی سی دلچسپی نہیں رہتی اور دل رنجیدہ اور اندوہگیں سا رہتا ہے۔ ساتھ ہی اس تردد کو مکروہ اور برا جانتا ہوں۔ اھ

جواب تحریر فرمایا کہ ایسی چیز مت دیکھو جس سے شک یا تردد پیدا ہو اور جو بلا قصد ایسی بات کان میں پڑ جائے اور یہی حالت پیدا ہو جائے تو اس کو کسی خاص تدبیر سے زائل کرنے کی ضرورت نہیں کہ اس اہتمام سے پریشانی بڑھے گی۔ اور ہمیشہ کے لیے ایک مستقل شغل ہو جائے گا بلکہ بجائے تدبیر کے اس سے بے التفاتی اختیار کرو اور کتنا ہی وسوسہ ستاوے بالکل پرواہ مت کرو البتہ دعا اور تضرع کرتے رہو اور اس کو کافی سمجھو انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد طبیعت صاف ہو جائے گی اور جب یہی عادت ہو جائے گی تو قلب میں ایسی قوت پیدا ہو جائے گی کہ وہ ایسی چیزوں سے متاثر نہ ہوگا یہ ہے حکمی نسخہ جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ابھی دو چار ہی دن ہوئے کہ عطا ہوا ہے جو بہت بڑا علم ہے والحمد للہ۔ اھ۔

۶۷-بخل کے دو درجے

ایک طالب کے استفسار پر تحریر فرمایا کہ بخل کے دو درجے ہیں۔ ایک خلاف مقتضائے شریعت اور یہ معصیت ہے۔ دوسرا خلاف مقتضائے مروت اور یہ معصیت نہیں۔ فضیلت تو یہ ہے کہ یہ بھی نہ ہو اور تدبیر اس کی یہ ہے کہ اس مقتضا کی مخالفت کی جائے لیکن اگر ہمت نہ ہو تو کوئی فکر کی بھی بات نہیں اھ۔

۶۸۔غفلت کا سبب اور علاج

ایک صاحب نے لکھا کہ مختصر سے مختصر ذکر کا معمول رہا تھا اس پر بھی مداومت نہیں ہوتی جماعت نماز میں بھی اکثر مسبوق ہونے کی نوبت آتی ہے جب ایسا ہوتا ہے تو آئندہ کے لیے حتی الوسع کا عزم کرلیتا ہوں مگر پھر جس دینی یا دنیوی مشغلہ میں ہوتا ہوں اس کو فوراً چھوڑ دینے اور جماعت اور تکبیر اولی کی طرف سبقت کرنے میں غفلت آجاتی ہے۔اس کا جواب تحریر فرمایا کہ اس کا سبب ضعف جسمانی ہے۔جس کا اثر عزم پر طبعاً ہوتا ہے۔جس میں ایک گونہ غیر اختیاریت کا بھی درجہ ہے مگر یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کہ اس کا احساس اور اس کا تعلق ہے۔اس میں لگا رہنا چاہیے۔انشاء اللہ اسی کی برکت سے درجہ مطلوبہ بھی میسر ہو جائے گا حقیقۃً یعنی وقوعاً یا حکماً یعنی اجراً واثراً یہ حالت ضعفاء کو بکثرت پیش آتی ہے لیکن۔

چھیڑ خوباں سے چلی جائے اسد گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

چلنے سے نہ رکیں۔

۶۹۔فضول گوئی کا علاج

ایک طالب نے فضول گوئی کا مرض لکھا اور اس کا سبب یہ لکھا کہ جب مجھ کو خوشی ہوتی ہے یا کوئی فکر نہیں ہوتا تو ایک جوش سا پیدا ہوتا ہے اور اس میں بہت باتیں کرتا ہوں۔یہاں تک کہ فحش اور غیبت تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور جب تک یہ نوبت نہیں آتی وہ جوش کم نہیں ہوتا اس کا یہ علاج تحریر فرمایا کہ علاج کی حقیقت ہے ازالہ سبب مرض جب مرض کا سبب جوش ہے خوشی کا۔اس کا علاج اس جوش کا فرو کرنا اور اس خوشی کو اس کی ضد یعنی فکر وغم سے مغلوب کرنا ہے اور سب سے زیادہ فکر وغم کی چیز موت واہوال بعد الموت ہیں یعنی واقعات برزخ ومحشر وصراط وعقوبات معاصی پس ایسے وقت میں ان واقعات کو مستحضر کرلیا جائے اگر ویسے استحضار ضعیف ہو تو کوئی کتاب اس مضمون کی لیکر مطالعہ شروع کر دیا جائے اور بہتر ہے کہ فوراً خلوت میں جا کر مراقبہ یا مطالعہ کیا جائے اس کا علاج تو فوراً ہو جائے گا پھر اگر ضعف طبیعت سے ہیبت کے غلبہ سے تکلیف ہونے لگے تو رحمت ورجاء کی حدیثوں کو مستحضر کرلیں

جائے بس اعتدال ہو جائے گا اور اصل خوشی رہ جائے گی جو مامور بہ ہے۔ قل بفضل اللّٰہ و برحمۃ فبذلک فلیفرحوا۔ اور یہ فضول حصہ خوشی کا زائل ہو جائے گا جو منہی عنہ ہے۔ لا تفرح ان اللّٰہ لا یحب الفرحین۔ اھ۔

۰۷- نماز میں وسوسے آنا

ایک طالب نے لکھا کہ نماز میں باوجود بار بار توجہ کرنے کے وساوس کا ہجوم رہتا ہے جواب تحریر فرمایا کہ عبد اپنے حد اختیار ہی تک کا مکلّف ہے اور اختیار اسی قدر ہے کہ حدیث النفس کو قصد وارادہ سے نہ لاوے اور جب بلا قصد وارادہ آجائے اس کو دفع کردے اور دفع کی سہل صورت یہ ہے کہ دوسری ایسی چیز کی طرف متوجہ ہو جائے جس کا عبادت سے تعلق ہے۔ اس کی کئی صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ذات حق کی طرف متوجہ ہو جائے خواہ تصور کے درجہ میں خواہ کسی تصدیق کے درجہ میں مثلاً اللہ تعالیٰ مجھ کو دیکھ رہے ہیں اور دوسرے یہ کہ حساب و کتاب کے آنے والے وقت کو مثل حاضر کے فرض کرلیا جائے کہ گویا میں اللہ تعالیٰ کے روبرو حساب کے لیے کھڑا ہوں اور مجھ کو حکم ہوا ہے کہ عبادت مطلوبہ کا نمونہ پیش کرو وہ اگر حسب پسند ہوئی تو حساب میں رعایت کا سبب ہو جائے گی۔ تیسرے یہ کہ فرض کرے کہ یہ گویا بالکل آخری نماز ہے شاید اس کے بعد عمر ختم ہو جائے اور پھر نماز نصیب نہ ہو۔ چوتھے یہ کہ گویا خانہ کعبہ میرے سامنے ہے اور اس پر تجلیات نازل ہو رہی ہیں اور اس سے وہ تجلیات میری طرف آرہی ہیں اور جتنی اچھی نماز پڑھوں گا وہ تجلیات زیادہ فائض ہوں گی۔ پانچویں یہ کہ جو الفاظ منہ سے نکلتے ہیں ان کی طرف توجہ رکھے۔ خواہ بلا تصور معانی کے خواہ مع تصور معانی کے اور اس توجہ کی سہل صورت یہ ہے کہ کوئی لفظ یاد سے نہ پڑھے بلکہ مستقل ارادہ سے پڑھے یا شیخ کامل اور کسی ایسی ہی چیز کا تصور تجویز کردے اس کا استعمال کرے۔ ان تدبیرات سے وہ وساوس جو بلا اختیار آئے تھے دفع ہو جائیں گے اور اول اول جب تک اس طریق کی مشق نہ ہو کبھی کبھی یہ تصورات زائل اور وساوس پھر حاضر ہو جاتے ہیں اس کا علاج یہ ہے کہ جب تنبہ ہو فوراً اس توجہ کی تجدید کرلی جائے۔ شدہ شدہ توجہ الی العبادت کو رسوخ ہو جائے گا اور اگر اس رسوخ میں دیر ہو گھبراوے نہیں اس عمل کو جاری رکھے کیونکہ یہ

رسوخ کا مکلّف نہیں عمل کا مکلّف ہے حتیٰ کہ اگر عمر بھر بھی رسوخ نہ ہو تو مقصود میں کوئی خلل نہیں کمال عبادت اور اجر اور قرب میں ذرا کمی نہ ہوگی۔

۷۱-غیبت کا علاج

ایک طالب کے استفسار کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ جب کبھی کسی کی شکایت زبان سے نکلے مجمع میں اس شخص کی خوبیاں بیان کرنا چاہیے کیونکہ کوئی نہ کوئی خوبی تو ہوگی۔ اھ

۷۲-عدم استقلال کا علاج

ایک طالب نے عدم استقلال کا علاج پوچھا تحریر فرمایا کہ العلاج بالضد اور اس ضد میں اول تکلف ہوتا ہے پھر اعتیاد پھر رسوخ بس نفس تکلف سے گھبراتا ہے یہی راز ہے عدم استقلال کا۔ ورنہ نفس اگر تکلف کی کلفت برداشت کرے تو عدم استقلال کی کوئی وجہ نہیں اور یہی علاج ہے۔

۷۳-مال کی طبعی محبت

ایک طالب نے حب مال کے کچھ آثار لکھ کر پوچھا کہ ان میں کوئی گناہ اور مفسدہ تو نہیں جواب تحریر فرمایا کہ الحمدللہ نہ کوئی مفسدہ ہے نہ گناہ ہے۔ یہ سب آثار حب مال کے تو ہیں مگر یہ حب طبعی ہے جو کہ مذموم نہیں نہ کہ حب اعتقادی یا عقلی جو کہ مذموم ہے۔ حضرت عمرؓ نے فتح فارس و مشاہدہ غنائم کے وقت یہی دعا کی تھی کہ اے اللہ آپ کا ارشاد ہے زین للناس حب الشهوات الا یه (جعلؔ المزین هو اللّٰہ تعالیٰ وهو احد وجوه الایة) جب آپ نے یہ حُب پیدا کی ہے تو فطری ہوئی اس لیے ہم اس کے ازالہ کی درخواست نہیں کرتے کہ جبلیات نہیں بدلا کرتے البتہ اس کی درخواست کرتے ہیں کہ اس حُب کو اپنے حُب میں معین فرمایا کہ یہ اسباب طاعت میں سے ہو جائے اور موانع طاعت کے جیسے (جیسے ناداری کی پریشانی وغیرہ) یہ سد باب ہو جائے کہ جبلیات کا ان کے مصرف میں صرف ہونا یہی ان کی تعدیل اور یہی مامور بہ ہے (اس میں اپنے ضعف اور حکمت تخلیق مال کی طرف بھی ارشاد فرما دیا)، اور یہی امر مصرح ہے دوسری آیت میں قل ان کان اباء کم و ابناء کم الی قوله تعالی احب الیکم من اللّٰه و رسوله (علق الوعید بالاحبیة لا بالحب) البتہ اس

حسب طبعی کے آثار بعض اوقات منجر ہو جاتے ہیں بعض غوائل کی طرف سو اس کا وہی تدارک ہے جو آپ نے کر یا فھنیأ لکم العلم والعمل واللہ اعلم۔

۴۷۔ شیخ ومعالج کی ضرورت کیوں ہے؟

ایک طالب نے یہ اشکال لکھا کہ جب مامورات ومنہیت شرعیہ اختیاری ہیں اور حضرت کی تصنیفات سے معلوم ہوا کہ سارے امراض کا علاج یہی ہے کہ اپنے اختیار سے رُکے تو پھر اس قائدہ کلیہ کے عم کے بعد شیخ اور معالج کی کیا حاجت باقی رہتی ہے جواب تحریر فرمایا کہ مامورات ومنہیات سب اختیری ہیں پس مامورات کا ارتکاب اور منہیت سے اجتناب بھی سب اختیاری ہیں لیکن اس میں کچھ غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ کبھی تو یہ کہ حاصل کو غیر حاصل سمجھ لیا جاتا ہے کبھی اس کا عکس مثلاً ایک شخص نے نماز میں خشوع کا قصد کیا اور وہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے حاصل بھی ہو گیا مگر ساتھ ہی ساتھ وساوس وخطرات کا ہجوم بھی ہوتا رہا یہ شخص اس کو خشوع کا مضاد سمجھ کر خشوع کو غیر حاصل سمجھا یا ابتدائی عبادت میں وساوس غیر اختیاری تھے مگر اسی سلسلہ میں وہ وسوس اختیاریہ کی طرف منجر ہو گئے اور یہ ابتداء کے دھوکہ میں رہ کر خشوع کو باقی سمجھا حالانکہ وہ زائل ہو چکا۔ اور کبھی غیر راسخ کو راسخ سمجھ لیا جاتا ہے۔ مثلاً دو چار خفیف حادثوں میں رضا بالقضاء کا احساس ہوا یہ سمجھ گیا کہ یہ ملکہ راسخ ہو گیا پھر کوئی بڑا حادثہ واقع ہوا اور اس میں رضا نہیں ہوئی یا درجہ مقصود تک نہیں ہوئی مگر یہ اسی دھوکہ میں رہا کہ اس میں رسوخ ہو چکا ہے اب بھی رضا معدوم یا ضعیف نہیں ہے اور حاصل کو غیر حاصل سمجھنے میں یہ خرابی ہوتی ہے کہ شکستہ دل ہو کر اس کا اہتمام چھوڑ دیتا ہے پھر وہ سچ مچ زائل ہو جاتا ہے اور اس کے عکس میں یہ خرابی ہوتی ہے کہ اس کا اہتمام ہی نہیں کرتا اور محروم رہتا ہے اور غیر راسخ کو راسخ سمجھنے میں بھی وہی خرابی عدم اہتمام تکمیل کی ہوتی ہے کبھی یہ غلطی ہوتی ہے کہ حاصل راسخ کو زائل سمجھ لیتا ہے۔ مثلاً شہوت حرام کی مقاومت کی اور وہ زمانہ غلبہ آثار ذکر کا تھا اس لیے داعیۂ شہوت کا حرام کا ایسا مضمحل ہو گیا کہ اس کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا پھر ان آثار کا جوش وخروش کم ہونے سے طبعی التفات گو درجہ ضعیفہ میں سہی ہونے لگا۔ یہ شخص یہ سمجھ گیا کہ مجاہدہ بیکار گیا اور شہوت حرام کا رذیلہ پھر عود کر آیا

پھر اصلاح سے مایوس ہو کر سچ مچ بطالت وخلاعت میں مبتلا ہو گیا۔

یہ چند مثالیں ہیں غلطیوں کی اور ان کے مضار کی اگر کسی شخص سے تعلق ہو اور اس پر اعتماد ہو تو اس کو اطلاع کرنے سے وہ اپنی بصیرت وتجارب کے سبب حقیقت سمجھ لیتا ہے اور ان اغلاط پر مطلع کرتا ہے اور یہ ان مضرتوں سے محفوظ رہتا ہے اور فرضاً سالک اگر ذکاوت و سلامت فہم کے سبب خود بھی مطلع ہو سکے مگر ناتجربہ کاری کے سبب مطمئن نہیں ہوتا اور مشوش ہونا مقصود میں مخل ہوتا ہے۔ یہ تو شیخ کا اصلی منصبی فرض ہے اور اس سے زیادہ اس کے ذمہ نہیں لیکن تبرعاً وہ ایک اور بھی خدمت کرتا ہے وہ یہ کہ مقصود یا مقدمہ مقصود کی تحصیل میں اور اسی طرح کسی ذمیمہ یا مقدمہ ذمیمہ کے ازالہ میں طالب کو مشقت شدہ پیش آتی ہے گو تکرار مباشرۃ اور تکرار مجانبت سے وہ مشقت اخیر میں مبدل بہ یسر ہو جاتی ہے لیکن شیخ تبرعاً کبھی ایسی تدابیر بتلا دیتا ہے کہ اول امر ہی سے مشقت نہیں رہتی یہ ایک اجمالی تحقیق تقریب فہم کے لیے ہے باقی ضرورت شیخ کا مشاہدہ اس وقت ہوتا ہے جب کام شروع کر کے اپنے احوال جزئیہ کی اس کو بالالتزام اطلاع کرتا رہے اور اس کے مشورہ کا اتباع کرتا رہے اور یہ اتباع کامل اس وقت ہو سکتا ہے جب اس پر اعتماد ہو اور اس کے ساتھ تعلق انقیاد ہو۔ اس وقت حساً معلوم ہو گا کہ بدن شیخ کے مقصود کا حاصل ہونا عادۃً متعذر ہے۔ الا نادراً والنادر کالمعدوم پھر اس ضرورت میں تفاوت فہم واستعداد کے اعتبار سے تفاوت بھی ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ متقدمین کو کم ضرورت تھی۔ اھ

۷۵۔ عمل بلا رسوخ

ایک طالب نے لکھا کہ کوئی محمود کیفیت راسخ نہیں، تحریر فرمایا کہ رسوخ کی طرف التفات نہ فرمایا جائے۔ رسوخ سے مقصود عمل ہے۔ عمل سے رسوخ مقصود نہیں۔ اگر عمل بلا رسوخ ہوتا رہے۔ مقصود حاصل ہے۔ اھ

اسی طرح ایک طالب نے حصول یقین کا طریقہ دریافت کیا تو تحریر فرمایا کہ اول بہ تکلف عمل کرنا چاہیے اس کی برکت سے یقین پیدا ہو جاتا ہے اور کوئی طریقہ نہیں اھ۔

۷۶-نفسانی شہوت کا علاج

ایک طالب نے نفسانی شہوت کے معاصی کا علاج پوچھا تحریر فرمایا کہ علاج یہی ہے کہ بزرگوں کے تذکرہ کی کتابیں پابندی سے دیکھو اور کسی وقت خلوت میں معاصی پر جو وعیدیں اور عقاب وارد ہوا اس کو سوچا کرو اور وسوسۂ معصیت کے وقت بھی ایسے ہی استحضار کی تجدید کرلو انشاء اللہ تعالیٰ نفس سے تقاضا جاتا رہے گا اور اگر خفیف میلان ہو تو اس کا مقابلہ ہمت سے کرو بدوں ہمت کے کوئی تدبیر کافی نہیں۔اھ

۷۷-غصہ کا علاج

ایک طالب کو غصہ کا یہ علاج تحریر فرمایا کہ مغضوب علیہ کو اپنے پاس سے جدا کر دیا جائے یا اس کے پاس سے خود جدا ہو جائیں اور فوراً کسی شغل میں لگ جائیں۔اھ

اسی طرح ایک طالب نے غصہ کا ترک پوچھا تو تحریر فرمایا کہ اس کا التزام کرلیں کہ جب ایسا ہو جائے اس مغضوب علیہ کو کچھ ہدیہ دیا کریں گو قلیل ہی مقدار میں ہو۔اھ

اسی طرح ایک طالب کو غصہ کا یہ تدارک تحریر فرمایا کہ ایسے بے جا اور بے حد غصہ پر دو وقت کا فاقہ کرو۔اھ

اسی طرح ایک طالب کے خط میں احقر نے غصہ کا یہ تدارک حضرت والا کا تحریر فرمایا ہوا دیکھا کہ جس پر غصہ کیا جائے بعد غصہ فرو ہو جانے کے مجمع میں اس کے سامنے ہاتھ جوڑے پاؤں پکڑے بلکہ اس کے جوتے اپنے سر پر رکھے ایک دو بار ایسا کرنے سے نفس کو عقل آ جائے گی۔اھ ف اعلیٰ درجہ کا علاج تو اخیر والا ہی ہے لیکن اگر اس کی ہمت نہ ہو تو بقیہ دو کا التزام بھی انشاء اللہ کافی ہوگا۔۱۲

(۷۸)۔مکتوب ملقب بہ روح الطریق

ایک ذی علم طالب نے بہت حسرت کے ساتھ لکھا کہ شاید خدام حضور والا میں ایک میں ہی ایسا ہوں گا جس کو وصول تو درکنار وصول کی حقیقت تک کا پتہ نہیں۔الخ۔اس کا حسب ذیل جواب ارقام فرمایا۔مقصود تو بحمد اللہ معلوم ہے یعنی رضا حق اب دو چیزیں رہ

گئیں طریق کا علم اور اس پر عمل۔ سو طریق صرف ایک ہے یعنی احکام ظاہرہ باطنہ کی پابندی اور اس طریق کی معین دو چیزیں ہیں ایک ذکر جس قدر پر دوام ہو سکے جو آپ نے شروع کیا ہے وہ بھی اسی کلیہ میں داخل ہے۔ دوسرے صحبت اہل اللہ کی جس کثرت سے مقدور ہو اور اگر کثرت کے لیے فراغ نہ ہو تو بزرگوں کے حالات و مقالات کا مطالعہ اسکا بدل ہے اور دو چیزیں طریق یا مقصود کی مانع ہیں۔ معاصی اور فضول میں مشغول۔ اور ایک امر ان سب کے نافع ہونے کی شرط ہے۔ یعنی اطلاع حالات کا التزام۔ اب اس کے بعد اپنی استعداد ہے۔ حسب اختلاف استعداد مقصود میں دیر سویر ہوتی ہے میں سب کچھ لکھ چکا۔

مکتوب ملقب بہ فتوح الطریق

اسی طرح ایک طالب نے لکھا کہ بزرگوں سے حاصل کرنے کی کیا چیز ہے اور اس کا کیا طریقہ ہے جواب تحریر فرمایا کہ کچھ اعمال مامور بہا ہیں۔ ظاہرہ بھی باطنہ بھی نیز کچھ اعمال منہی عنہا ہیں ظاہرہ بھی باطنہ بھی۔ ہر دو قسم میں کچھ علمی و عملی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ مشائخ طریق طالب کے حالات سن کر ان عوارض کو سمجھ کر ان کا علاج بتلا دیتے ہیں۔ ان پر عمل کرنا طالب کا کام ہے اور اعانت طریق کے لیے کچھ ذکر بھی تجویز کر دیتے ہیں۔ اس تقریر سے مقصود اور طریق دونوں معلوم ہو گئے۔ اھ

مکتوب ملقب بہ وضوع الطریق

اسی طرح ایک اور طالب نے پوچھا کہ میں ایک اناڑی آدمی ہوں حضور مطلع فرمائیں کہ بزرگوں سے کیا چیز حاصل کی جاتی ہے اور اس کے مطابق مجھ عامی مشغول کو طریق تعلیم ارشاد فرما دیں۔ اھ۔ اس کا جواب حسب ذیل تحریر فرمایا۔ نفس میں کچھ امراض ہوتے ہیں ان کا علاج کتابوں میں لکھا ہے مگر جیسے جسمانی امراض کا علاج گو کتابوں میں لکھا ہے لیکن پھر بھی طبیب کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی درجہ میں نفسانی امراض کے معالجہ میں شیخ یعنی معلم کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر یہ بات سمجھ میں آ گئی ہو تو پھر آگے امراض بتلاؤں گا پھر اس کے سمجھ جانے کے بعد علاج بتلاؤں گا۔ اھ

۷۹- مکتوب ملقب بہ تسہیل الطریق

جو پہلے بھی ایک موقع پر نقل کیا جا چکا ہے۔

ایک صاحب نے لکھا کہ اپنا حال ابتر ہی پاتا ہوں۔ سوائے اُدھیڑ بن کے اور کچھ نہیں۔ اس کا جواب حسب ذیل تحریر فرمایا۔ خود مشقت میں پڑنے کا شوق ہی ہو تو اس کا علاج ہی نہیں باقی راستہ بالکل صاف ہے کہ غیر اختیاری کی فکر میں نہ پڑیں۔ اختیاری میں ہمت سے کام لیں اگر کوتاہی ہو جائے ماضی کا استغفار سے تدارک کر کے مستقبل میں پھر تجدید ہمت سے کام لینے لگیں اور استعمال ہمت کے ساتھ دعا کا بھی التزام رکھیں اور بہت لجاجت کے ساتھ۔ اھ

۸۰- مکتوب ملقب بہ ایلم فی السم

ایک طالب نے اپنے خط میں کوئی ایسا وظیفہ یا طریقہ پوچھا تھا جس سے طاعات میں ترقی اور معاصی سے اجتناب میسر ہو۔ جواب تحریر فرمایا کہ طاعات اور معاصی دونوں امور اختیاریہ ہیں جن میں وظیفہ کو کچھ دخل نہیں رہا سو طریقہ امور اختیاریہ کا استعمال اختیار کے اور کچھ بھی نہیں۔ ہاں سہولت اختیار کے لیے ضرورت ہے مجاہدہ کی جس کی حقیقت ہے مخالفت (بمعنی مقاومت) نفس۔ اس کو ہمیشہ عمل میں لانے سے بتدریج سہولت حاصل ہو جاتی ہے میں نے تمام فن لکھ دیا۔ آگے شیخ کے دو کام رہ جاتے ہیں ایک بعض امراض نفسانیہ کی تشخیص دوسرے بعض طرق مجاہدہ کی تجویز جو کہ اُن امراض کا علاج ہے۔

مکتوب ملقب بہ الطم فی السّم

اسی طرح ایک اور طالب نے اپنے حالات لکھ کر اصلاح چاہی تھی جواب ارقام فرمایا کہ غیر اختیاری کے درپے نہ ہونا۔ اختیاری میں ہمت کرنا اس میں جو کوتاہی ہو جائے اس پر استغفار اور اس کا تدارک اور توفیق کی دعا کرنا یہی اصلح ہے۔

۸۱- غفلت بلا اختیار پر استغفار

ایک طالب نے یہ اشکال پیش کیا کہ جب کوئی وسوسہ بلا اختیار آیا تو اتنی دیر غفلت

ہوئی اس سے ہر بار استغفار کرتا ہوں اب اشکال یہ ہے کہ جب غفلت بلا اختیار ہو تو وہ گناہ نہیں اس سے استغفار کیسا اور جو استغفار نہ کروں تو اس کو بھی طبیعت نہیں مانتی۔ الخ

جواب تحریر فرمایا کہ وسوسہ اور اس کا جو لازم ہے غفلت جب اختیاری ہو بایں معنی گناہ نہیں کہ اس پر مواخذہ نہیں لیکن اپنی ذات میں نقص اور قبیح ہے اور استغفار جیسا رافع ذنب ہے ایسے ہی جابر نقص بھی ہے اسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم غین کے بعد جو آپ کے مذاق میں کمال سے متنزل تھا استغفار فرماتے تھے اھ۔

۸۲-توکل وتفویض کا فرق

ایک طالب نے توکل وتفویض کا فرق دریافت کیا۔ جواب تحریر فرمایا کہ توکل بعض کے لیے مطلق تدبیر ظنی کو ترک کرنا ہے اور بعض کے لیے یہ ہے کہ تدبیر غیر مباح اور انہماک فی التدبیر المباح کو ترک کردے۔ اور تفویض یہ کہ اس کے بعد اگر تدبیر میں ناکامی ہو یا وہ واقعہ تدبیر سے تعلق ہی نہ رکھتا ہو جیسے غیر اختیاری مصائب تو حق تعالیٰ پر اعتراض نہ کرے۔

تنبیہ- اس خط میں کئی جگہ تفویض کی وہ تفسیر کی گئی ہے جو رضا کی مشہور ہے سو یہ تفسیر بہ اعتبار حقیقت کے نہیں بلکہ بہ اعتبار اثر کے ہے حقیقت تو تفویض کی توکل کا اعلیٰ درجہ ہے اور اس درجہ علیا کا اثر یہ رضا ہے۔ بعض اور بزرگوں نے بھی اس کی تفسیر میں اس رضا کا اعتبار کیا ہے۔ **کما فی القشیریہ سمعت الاستاذ اباعلی الدقاق یقول التوکل ثلث درجات التوکل ثم التسلیم ثم التفویض فالمتوکل لیسکن الی وعدہ و صاحب التسلیم یکتفی بعلمہ و صاحب التفویض یرضی بحکمہ و سمعتہ یقول التوکل بدایۃ والتسلیم اوسطہ والتفویض نہایۃ**۔ اھ جواب لکھتے وقت ذہن میں یہ تفصیل حاضر نہ ہوئی۔ رفع غلط کے لیے اب تنبیہ کردی گئی۔ اھ

۸۳-مجاہدۂ ثانیہ

ایک طالب نے یہ لکھا کہ معصیتوں کا تقاضا عرصہ تک نفس کے مضمحل رہنے کے بعد اب پھر اسی شدت اور جوش وہیجان کے ساتھ ہونے لگا جس سے سخت حیران ہوں جواب تحریر فرمایا کہ

اکثر اہل طرق کو یہی حالت پیش آتی ہے کچھ گھبرانے کی بات نہیں۔ اس وقت جو نفس کا مقابلہ کیا جاتا ہے وہ مجاہدہ ثانیہ کہلاتا ہے اور اس مجاہدہ کا اثر انشاء اللہ تعالیٰ راسخ ہوگا اور شاذ و نادر کسی امر طبعی کا خفیف تقاضا یہ منافی رسوخ کا نہیں۔ اس تغیر و تبدل کی مثال حسیات میں ایسی ہے جیسے شب کے اخیر میں تاریکی کے بعد ایک نور ہوتا ہے جس کو صبح کاذب کہتے ہیں۔ ناواقف خوش ہوتا ہے کہ تاریکی گئی۔ پھر دفعتاً وہ نور زائل ہو جاتا ہے اور تاریکی چھا جاتی ہے مگر تھوڑے ہی دیر میں پھر دوسرا نور آتا ہے جس کو صبح صادق کہتے ہیں وہ قائم بلکہ ترقی پذیر ہوتا ہے۔

انہی صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ نفس کو روکنے میں سابق جیسی دشواری اور تنگی پیش نہیں آتی اس پر تحریر فرمایا کہ یہی علامت ہے کہ یہ عود الی الطبیعات ضعیف ہے ورنہ مقاومت دشوار ہو جاتی جیسے پہلے تھی۔ اھ۔ انہوں نے یہ بھی لکھا تھا کہ حیرانی یہ ہے کہ معمولات بجالانے میں نفس مخالفت نہیں کرتا البتہ معاصی کا تقاضا پیدا کرتا ہے نہ جانے یہ کیا مخفی چال ہے اور اس کی احقر کیا تدبیر کرے۔ احقر سابقہ ارشاد فرمودہ معالجات پر بدستور عمل کرتا ہے۔ تحریر فرمایا کہ بس یہی تدبیر ہے اسی سے انشاء اللہ تعالیٰ سب شکایتیں دور ہو جائیں گی اور جب کبھی ایسا ہو یہی علاج ہے۔ فارغ ہونے کا قصد ہی نہ کیا جائے۔ بخار کے موسم میں بعض کو ہمیشہ موسمی بخار ہوتا ہے مگر علاج اس کا یہی ہے کہ بخار کا نسخہ پیا جائے اس کی سعی بیکار ہے کہ بخار ہی نہ آوے۔ اھ

۸۴۔ ریاضات و تقربات کے فضول ہونے کے وسوسے آنا

ایک تنگدست طالب نے اپنے بہت سے وساوس واہیہ لکھ کر علاج پوچھا جن میں یہ وسوسہ بھی لکھا کہ راحت دنیا کا مدار اعمال صالحہ نہیں ہیں بلکہ آخرت کی راحت بھی فضل پر موقوف ہے پھر اعمال صالحہ مثلاً فکر و تہجد وغیرہ کی مشقت اگر نہ بھی ہو صرف ارکان اسلام پر قائم رہے تو کیا حرج ہے۔ الخ۔ اور یہ بھی لکھا کہ دعا مانگنے کو طبیعت نہیں چاہتی کہ اتنی مدت ہوگئی کوئی قبول بھی ہوئی ہو بس جو اللہ تعالیٰ چاہیں وہی ہوگا لیکن میں بجبر مناجات مقبول کی منزل پڑھ لیتا ہوں اسی طرح ایک ہفتہ سے ذکر میں طبیعت نہیں لگتی محض تعداد پوری کر لیتا ہوں الخ۔ روزگار کا بھی وظیفہ پوچھ تھا۔ ان سب باتوں کا حسب ذیل جواب تحریر فرمایا۔

علاج کلی اور مفید تو یہی ہے کہ ان وساوس کو اعتقاداً برا سمجھا جائے اور ان کے مقتضاء پر عمل

نہ کیا جائے یہ از خود دفع ہو جائیں گے، ور اگر دفع بھی نہ ہوں تو کچھ مضر نہیں بلکہ یہ ایک گونہ مجاہدہ ہے جس سے عمل کا اجر بڑھتا ہے لیکن اگر ان وساوس کی وجہ فساد ہی معلوم کرنے کا شوق ہو تو مجملاً اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ مقصود اعمال صالحہ سے راحت دنیا نہیں ہے بلکہ راحت آخرت ہے اور اس کا مدار جو فضل ورحمت ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ اعمال کو دخل نہیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ ملے گا تو عمل ہی سے لیکن جتنا ملے گا اتنا ثر اعمال میں نہیں وہ فضل ورحمت کا اثر ہے لیکن جو عمل ہی نہ کرے گا وہ قانوناً اس فضل ورحمت سے بھی محروم رہے گا باقی طبیعت کا لگنا یہ شرط قبول نہیں ہے اگر دوا پینے میں طبیعت نہ لگے تب بھی اس کی خاصیت یعنی صحت مرتب ہوگی رہی دعا وہ ضرور قبول ہوتی ہے مگر اس کے قبول ہونے کی وہ حقیقت ہے جو مریض کی اس درخواست کی منظوری کی حقیقت ہے کہ کسی طبیب سے درخواست کرے کہ میرا علاج مسہل سے کردیجئے اور وہ فوراً علاج شروع کردے مگر مسہل اس کی حالت کے مناسب نہ تھا اس لیے دوسرے طریق سے علاج شروع کر دیا اس کو کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ طبیب نے جب مسہل نہیں دیا تو مریض کی درخواست کو منظور نہیں کیا۔ اسی طرح اصل مطلوب دعا سے حق تعالیٰ کی توجہ خاص ہے اور عبد نے جو طریق معین اختیار کیا ہے یہ مقصود نہیں ہے بلکہ مقصود کا محض ایک طریق ہے جیسے اس مقصود کے اور بھی طرق ہیں لہٰذا وہ جس طریق سے توجہ خاص فرمادیں وہ اجابت دعا ہی ہے خواہ وہ عبد کا مجوزہ طریق ہو یا حق تعالیٰ کا مجوزہ طریق ہو یہ تو طاعات وحاجات میں کلام ہے باقی معاصی کا ارتکاب جو موصل الی النار ہو وہ ایسا ہے جیسے مریض کو بدپرہیزی سے لذت ملتی ہے اور اس سے صبر کرنے میں لذت فوت ہوتی ہے لیکن جو شخص جانتا ہے کہ لذت مقصود نہیں صحت مطلوب ہے وہ صبر کرے گا۔ اسی طرح جس شخص کو نجات آخرت مقصود ہے وہ راحت دنیا کو مقصود نہ سمجھے گا۔ رہی سزا گناہ کی کسی کو یہاں ملتی ہے کسی کو وہاں۔ اور تجویز مناسب بلکہ واجب یہی ہے کہ طاعات میں حتی الامکان مشغول ہوں۔ معاصی سے مجتنب رہیں اور مقصود صرف رضائے حق کو سمجھیں خواہ اس کا ظہور یہاں ہو یا وہاں ہو اور ایسی حالت میں روزگار کا وظیفہ پڑھنا وساوس میں اضافہ کرنا ہے۔ اھ

۸۵- کبر کی حقیقت

ایک صاحب نے جو سلسلہ بیعت میں داخل نہیں یہ لکھا کہ کبر کی مذمت اور اس کا علاج تو

جناب کی تحریروں اور مواعظ میں جابجا کثرت سے ملالیکن کبر کی حقیقت کبھی نظر سے گزرنا یاد نہیں پڑتا۔ نیز یہ بھی لکھا کہ اپنے ماتحتوں پر اگر زیادتی ہو جائے تو ان سے معافی مانگنے میں مصالح فوت ہوتی ہیں۔

اس کا حسب ذیل جواب ارقام فرمایا۔ ممکن ہے نہ لکھی ہو اگر یہ صحیح ہے تو وجہ ہو سکتی ہے کہ حقیقت اس کی ظاہر ہے کہ اپنے کو دوسرے سے بڑا سمجھنا آگے اس میں دو درجے ہیں ایک بلا اختیار خیال بڑائی کا آنا اور ایک بلا اختیار ایسا خیال کرنا پھر اول میں دو درجے ہیں۔ اس خیال کے مقتضاء پر عمل نہ کرنا پس یہ بھی بالکل مذموم نہیں دوسرے عمل کرنا یہ مذموم و معصیت ہے اسی طرح قصداً بڑا سمجھنا یہ بھی علی الاطلاق مذموم ہے گو اس کے مقتضاء پر عمل بھی نہ ہو۔ آپ نے جس غلطی میں ابتلاء عام لکھا ہے صحیح ہے مگر اس میں قدرے تفصیل ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض اوقات یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر ہم صریح الفاظ سے معافی مانگیں گے تو یہ گستاخ ہو کر زیادہ نافرمانی کرے گا۔ بعض اوقات یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ شرمندہ ہوگا اور یہ اس وقت تک عذر ہے جب اس سے تعلق رکھنا چاہیں ان صورتوں میں تو صرف اس کا خوش کر دینا امید ہے کہ قائم مقام معافی کے ہو جائے گا اور بعض اوقات اس سے تعلق ہی رکھنا نہیں۔ جیسے ملازم کو موقوف کر دیا یا وہ خود چھوڑ کر جانے لگا اس وقت ضروری ہے کہ زیادتی ہو جانے کی صورت میں اس سے صریح معافی مانگی جائے کیونکہ یہاں دونوں عذر نہیں اس میں اگر رکاوٹ ہو تو میرے نزدیک اس کا سبب ضرور کبر ہے گو اپنے کو بڑا نہ سمجھے گا مگر کبر کے مقتضاء پر عمل تو ہوا غایت سے غایت کبر اعتقادی نہ ہوگا مگر کبر عملی ضروری ہے اور اگر کوئی کبر کی تقسیم کو تسلیم نہ کرے تب بھی ظلم تو ہوا جس سے معافی مانگنا واجب ہے تو معافی نہ مانگنے میں اگر کبر کا گناہ نہ ہوا تو ظلم کا تو ہوا۔ اھ

(۸۶)۔ ایک طالب نے لکھا کہ نماز یا تلاوت میں جب یہ خیال کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ کو قرآن شریف سنا رہا ہوں تو پھر اس تخیل سے قوت فکریہ انتقال کر کے ادھر متوجہ ہو جاتی ہے کہ حق تعالیٰ خالق حروف زبان پر جاری فرما رہے ہیں پھر اس سے انتقال کر کے قوت فکریہ

اس طرف نکل جاتی ہے کہ حق تعالیٰ حاضر ناظر ہیں غرض سکون فکر کے متعدد طریق ہیں اسی تعدد کی وجہ سے سکون نہیں ہوتا بلکہ سکون حاصل کرنے میں تشتت ہو جاتا ہے اھ۔ اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ جو تشتت تحصیل جمعیت میں وہ ہو وہ اثر میں جمعیت ہی ہے مضر نہیں۔ اھ

۸۷- غیر اللہ سے کون سا تعلق مذموم ہے

ایک طالب نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے مکتوبات کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ باطنی امراض کا سردار ماسوائے حق کے ساتھ دل کی گرفتاری ہے اور دل کے گرفتار نہ ہونے کی یہ علامت ہے کہ ماسوائے حق کو کلی طور پر فراموش کر دے اور تمام اشیاء سے بے خبر ہو جائے حتیٰ کہ اگر تکلف سے بھی اشیاء کو یاد کرے تو اس کو یاد نہ آئیں۔ یہاں تک کہ ماسوائے حق کا خطور قلب پر ناممکن ہو جائے اھ۔ اس معیار پر نظر کرتا ہوں تو اس سے اپنے کو کورا پاتا ہوں۔ الحمد للہ جذر قلب میں تو ماسوا کا گزر نہیں مگر حوالی قلب میں غیر کا خطور بھی ہے اور یاد بھی ہے اھ۔

اس کا حسب ذیل جواب تحریر فرمایا۔

اکثر اہل مقام پر بھی کسی وقت حال کا غلبہ ہوتا ہے تو اس وقت مسائل کی تعبیر میں بھی جوش کا اثر ہوتا ہے میرے نزدیک عنوان تیز ہے مگر معنون وہی ہے جو نصوص سے مستفاد ہوتا ہے میں اس کو ایک اور سہل عنوان سے تعبیر کرتا ہوں جو حضرت مجدد صاحبؒ کے کلام کی قریب تفسیر ہے اور مشہور تعبیر سے قدرے واضح ہے وہ یہ ہے کہ گرفتاری سے مراد مطلق تعلق نہیں کیونکہ تعلق مغلوب مذموم نہیں بلکہ ایسا تعلق مراد ہے کہ محل تعلق کے بُعد یا فوت سے قلب پر ایسا اثر ہو کہ قلب کو ایسا بے چین کر دے کہ اسی کے تصور و حسرت میں اشتغال ہو جائے اور اسی اشتغال سے طاعات میں قلت وضعف آ جائے اور اگر یہ نوبت نہ پہنچے تو محض حزن کا اثر مانع نہیں ہے کیا حضرت یعقوب علیہ السلام کے حزن شدید کا کوئی انکار کر سکتا ہے اور کیا ان کی حالت کو کوئی مانع عن الحق کہہ سکتا ہے۔ اھ

انہی صاحب نے اس سے قبل یہ لکھا تھا کہ عرصہ سے اس کی طلب ہے کہ ذکر حق قلب میں ایسا

پیوستہ ہو کہ بھولنے کی کوشش بھی کروں تو بھول نہ سکوں اور غیر کا خطور قلب میں ناممکن ہو جائے۔ الخ

اس کا یہ جواب تحریر فرمایا تھا کہ یہ تو مجھ کو بھی نصیب نہیں نہ جی چاہتا ہے کیونکہ اس صورت میں محتاج نہ رہوں گا مضطر ہو جاؤں گا اھ۔ اس کے بعد انہوں نے مذکورہ بالا عریضہ لکھا جس کا جواب اوپر نقل کیا گیا۔

۸۸۔حُبِّ جاہ کا علاج

ایک طالب نے لکھا کہ میرے اندر حب جاہ ہے جی چاہتا ہے کہ لوگ میری تعریفیں اور ثنائیں بیان کیا کریں تعریف سے ایک فرحت اور خوشی ہوتی ہے اگر کوئی مذمت کرے یا تعریف سے خاموش رہے تو یہ نفس پر نہایت ناگوار گزرتا ہے۔ الخ

اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ ہر علاج میں مجاہدہ کی ضرورت ہے یعنی داعیہ نفس کے ذم کا استحضار اور اس داعیہ کی عملی مخالفت۔ اس مرض کا علاج بھی مرکب ہے انہی دو جزو سے۔ اول اس رذیلہ کی جو مذمتیں اور وعیدیں وارد ہیں ان کا ذہن میں حاضر کرنا بلکہ زبان سے بھی۔ ان کا تکرار کرنا۔ بلکہ ان مضامین سے اپنے نفس کو زبان سے خطاب کرنا کہ تجھ کو ایسا عقاب ہونے کا اندیشہ ہے۔ اسی کے ساتھ اپنے عیوب کا استحضار اور نفس کو خطاب کہ اگر لوگوں کو ان رذائل کی اطلاع ہو جائے تو کتنا ذلیل وحقیر سمجھیں تو یہی غنیمت سمجھ کہ لوگ نفرت وتحقیر نہیں کرتے نہ کہ ان سے توقع تعظیم ومداح کی رکھی جائے اور عملی جزو یہ ہے کہ مداح کو زبان سے منع کر دیا جائے اور اس میں ذرا اہتمام سے کام لیا جائے۔ سرسری لہجہ سے کہنا کافی نہیں اور اس کے ساتھ ہی جو لوگ ذلیل شمار کیے جاتے ہیں ان کی تعظیم کی جائے گو نفس کو گراں ہو اس پر عمل کر کے ایک ہفتہ کے بعد پھر اطلاع دی جائے۔ اھ

اسی طرح ایک طالب علم نے لکھا کہ میں کچھ عرصہ سے اپنے اندر ترفع کے آثار پاتا ہوں جواب تحریر فرمایا کہ انسان صرف مکلّف اس کا ہے کہ ان اخلاق رذیلہ کے مقتضیات پر عمل نہ کرے رہا یہ کہ اقتضایات ہی زائل یا ضعیف ہو جاویں اس کا نہ انسان مکلّف ہے نہ یہ بسہولت میسر ہو سکتا ہے۔ (ع) ''بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے'' اور نہ بوجہ تحصیل علوم کے آپ کے لیے اس کا یہ وقت ہے بس آپ جس قدر مکلّف ہیں آپ اس پر اکتفا کیجئے یعنی دل میں اعتقاد رکھیں

کہ میں سب سے کمتر ہوں اور اس اعتقاد کے لیے اپنے معائب کا استحضار معین ہوگا اور جن کی بے وقعتی ذہن میں آئے ان کی خوب تکریم کیجئے اور تکلف سے ان سے سلام کیجئے گو نفس کو ناگوار ہو ناگواری غیر اختیاری ہے اس پر مواخذہ نہیں ہے لیکن معاملہ اختیاری ہے اس میں اخلال موجب مواخذہ ہے انشاء اللہ تعالیٰ اس سے خود منشاء فساد بھی ضعیف ہو جائے گا۔ واللہ الموفق۔

۸۹- رضاء بالقضاء کا حصول

ایک طالب نے لکھا کہ رضا بالقضاء کے حصول کے لیے کوئی علاج تحریر فرمایا جائے اور اس کا معیار اور مقدار بھی کہ انسان اس کے متعلق کس قدر کا مکلّف ہے جواب تحریر فرمایا کہ رضا بالقضاء کی حقیقت ترک اعتراض علی القضاء ہے اگر الم کا احساس ہی نہ ہو تو رضا طبعی ہے اور اگر الم کا احساس باقی رہے تو رضا عقلی ہے اور اول حال ہے جس کا عبد مکلّف نہیں اور ثانی مقام ہے جس کا عبد مکلّف ہے تدبیر اس کی تحصیل کی استحضار رحمت و حکمت الٰہیہ کا واقعات خلاف طبع میں۔ اھ

۹۰- دوسرے کی برائی سے زیادہ اپنی کی نسبت زیادہ نفرت

ایک طالب نے لکھا کہ جو باتیں اپنے اندر خلاف شرع ہیں ان کو بھی برا اور قابل ترک سمجھتا ہوں لیکن اپنے نفس سے اتنی نفرت اپنے دل میں نہیں پاتا جتنی اور لوگوں سے ان کی خلاف شرع باتوں پر ہوتی ہے۔ اس وجہ سے اندیشہ کبر ہوتا ہے اھ۔ اس کا جواب حسب ذیل تحریر فرمایا۔

نفرت میں تفاوت ہونا کبر نہیں نفرت اعتقادی تو دونوں جگہ یکساں ہے اور عبد اسی کا مامور ہے اور یہ تفاوت نفرت طبعی میں ہے جیسے انسان کو اپنے پاخانہ سے نفرت کم ہوتی ہے اور دوسرے کے پاخانہ سے زیادہ ہوتی ہے۔ اور راز اس تفاوت کا تفاوت فی المحبت ہے اور ظاہر ہے کہ انسان کو اپنے نفس سے زیادہ محبت ہوتی ہے بہ نسبت غیر کے اور یہی وجہ ہے کہ ماں کو اپنے بچہ کے پاخانہ سے اتنی نفرت نہیں ہوتی جتنی غیر محبوب کے پاخانہ سے سو اس کا کبر سے کوئی تعلق نہیں اھ۔

۹۱- نسبت کی حقیقت

ایک صاحب کے استفسار پر نسبت کی حقیقت یہ تحریر فرمائی کہ نسبت کے لغوی معنی میں لگاؤ اور تعلق اور اصطلاحی معنی ہیں بندہ کا حق تعالیٰ سے خاص قسم کا تعلق یعنی اطاعت دائمہ و ذکر

غالب اور حق تعالیٰ کا بندہ سے خاص قسم کا تعلق یعنی قبول و رضا جیسے عاشق مطیع اور وفادار معشوق میں ہوتا ہے اور صاحب نسبت ہونے کی یہ علامت تحریر فرمائی کہ اس شخص کی صحبت میں رغبت الی الآخرت ونفرت عن الدنیا کا اثر ہوا اور اس کی طرف دینداروں کی زیادہ توجہ ہو اور دنیا داروں کی کم مگر یہ پہچان خصوص اس کا جز و اول عوام محجوبین کو کم ہوتی ہے اہل طریق کو زیادہ ہوتی ہے۔

اور اس استفسار کا جواب کہ فاسق اور کافر بھی صاحب نسبت ہوتا ہے یا نہیں۔ یہ تحریر فرمایا کہ جب نسبت کے معنی معلوم ہو گئے تو ظاہر ہو گیا کہ فاسق و کافر صاحب نسبت نہیں ہو سکتے۔ بعضے لوگ غلطی سے نسبت کے معنی خاص کیفیات جو ثمرہ ہوتا ہے ریاضت و مجاہدہ کا سمجھتے ہیں۔ یہ کیفیت ہر مرتاض میں ہو سکتی ہے مگر یہ اصطلاح جہلاء کی ہے۔

۹۲۔ صدق و اخلاص کی حقیقت

ایک ذی علم طالب نے صدق و اخلاص کے حقائق شرعیہ اور ان کے حصول کے لیے علاج اور معین دریافت کیا۔ جواب تحریر فرمایا کہ جس طاعت کا ارادہ ہو اس میں کمال کا درجہ اختیار کرنا یہ صدق ہے اور اس طاعت میں غیر طاعت کا قصد نہ کرنا یہ اخلاص ہے اور یہ موقوف ہے ما بہ الکمال کے جاننے پر اسی طرح غیر طاعت کے جاننے پر اس کے بعد صرف نیت اور عمل جز و اخیر رہ جاتا ہے یہ دونوں اختیاری ہیں۔ طریق تحصیل تو اسی سے معلوم ہو گیا آگے رہا معین وہ استحضار ہے وعدہ وعید کا اور مراقبہ نیت کا۔

مثال صدق کی نماز کو اسی طرح پڑھنا جس کو شریعت نے صلوٰۃ کاملہ کہا ہے یعنی اس کو مع آداب ظاہرہ و باطنہ کے ادا کرنا علیٰ ہذا تمام طاعات میں جو درجہ کمال کا شریعت نے بتلایا ہے مثال اخلاص کی نماز میں ریاء کا قصد نہ ہو جو کہ غیر طاعت ہے رضاء غیر حق کا قصد نہ ہو جو کہ غیر طاعت ہے اور اس کے متعلقات ظاہر ہیں۔

۹۳۔ حسد کا علاج

ایک طالب کی درخواست پر حسد کا یہ علاج ارقام فرمایا کہ جس پر حسد ہوتا ہے اسکی مدح مجمع میں کرنا وہ سامنے آجائے تو اس کی تعظیم کرنا اور اس کے لیے گاہ گاہ ہدیہ بھیجنا اس سے محسود کو محبت ہو جاتی ہے پھر حاسد کو محسود کی محبت ہو جاتی ہے اور محبوب پر حسد نہیں ہوتا۔ یہ ایک کلی علاج ہے جو جزئی

معالجت سے سہل الوصول اور سریع الحصول ہے اور حرص کا مستقل علاج بعد میں پوچھ لیا جائے۔

۹۴- زُہد کی حقیقت کا حصول

ایک طالب نے زہد کی ماہیت اور اس کا طریق تحصیل وتسہیل دریافت کیا تھا تحریر فرمایا کہ قلت رغبت فی الدنیا اس کی ماہیت ہے طریق تحصیل مراقبہ اس کے فانی ہونے کا اور امور غیر ضروری کی تحصیل میں انہماک نہ کرنا اور طریق تسہیل صحبت زاہدین کی اور مطالعہ حالات زاہدین کا۔

۹۵-کون سی رغبت ونفرت مقصود ہے

ایک طالب نے شکایت لکھی کہ نہ طاعات کی طرف طبعی رغبت ہے نہ معاصی سے طبعی نفرت تحریر فرمایا کہ رغبت ونفرت طبعیہ غیر مطلوب ہے۔ رغبت ونفرت اعتقادی کافی ہے یہی مامور بہ ہے اس کے مقتضاء پر بار بار عمل کرنے سے اکثر طبعی رغبت ونفرت بھی ہو جاتی ہے اگر نہ ہو تو بھی مضر نہیں۔

۹۶-طلب مقصود ہے وصول نہیں

ایک طالب نے اپنے حالات لکھ کر نہایت حسرت سے لکھا کہ حضور کب تک راستہ میں پڑا رہوں مجھے بھی پہنچایئے جواب تحریر فرمایا کہ الحمدللہ تمکین کے آثار نمودار ہونا شروع ہوئے۔ اس مکتوب کے مضامین سے بہت مسرت ہوئی انشاءاللہ یوماً فیوماً مقصود سے قرب ہوتا جائے گا۔

کوئے نومیدی مرو کامیدہا ست　　　سوئے تاریکی مرو خورشید ہا ست

(مایوسی کی طرف نہ جا کیونکہ بڑی امیدیں ہیں، اندھیرے کی طرف نہ جا کیونکہ کئی سورج موجود ہیں)

باقی اہل طریق کے یہاں مقرر ہے کہ طلب مقصود ہے وصول مقصود نہیں شرح اسکی یہ ہے کہ مقصود کے حصول کا قلب میں تقاضا نہ رکھے کہ یہ بھی حجاب ہے کیونکہ اس تقاضے سے تشویش ہوتی ہے اور تشویش برہم زن جمعیت وتفویض ہے اور جمعیت وتفویض ہی شرط وصول ہے اس کو خوب راسخ کر لیا جائے کہ روح سلوک ہے۔ وھو من خصائص المواھب الامدادیه فلما تنبه له شیخ من مشائخ الوقت۔اھ

۹۷- طالب کے احوال کا منشاء

ایک طالب نے لکھا کہ منگل کی رات کے دوران ذکر دوازدہ تسبیح میں کیا دیکھتا ہوں کہ ساری

مسجد روشن ہوگئی آنکھ کھول کر جو دیکھا تب بھی روشن معلوم ہوئی۔ جواب تحریر فرمایا کہ ایسے حالات اس مصلحت کے لیے بھی پیش آجاتے ہیں کہ سالک کو نشاط ہو اور طریق میں مشغولی سہل ہو۔ اھ

۹۸-خوف ورجا میں کمی بیشی

ایک طالب نے اپنے حالات لکھے جن میں یہ بھی تھا کہ پہلے اللہ تعالیٰ سے خوف کم اور رجا کی امید قوی تھی اور اب اس کا عکس اور حضور والا سے پہلے خوف زیادہ تھا اور اب اس کا عکس ہے یہ تغیر و تبدل کیوں ہوا۔ اس میں تردد ہے تشفی فرمائیں۔ اھ۔ اس کا حسب ذیل جواب ارقام فرمایا۔

دونوں کا جب ترقی و زیارت معرفت ہے مگر حق تعالیٰ کے کمالات غیر محدود و غیر متناہی ہیں لہٰذا اُنس و ہیبت میں تعاقب ہوتا رہتا ہے گاہے ایک ایسی تجلی ہوتی ہے جس سے اُنس ہوتا ہے اس کے بعد ایسی تجلی ہوتی ہے جس سے ہیبت ہوتی ہے پھر ایسی تجلی ہوتی ہے جس سے اُنس ہوتا ہے مگر پہلی تجلی اُنسی سے تفاوت ہوتا ہے اور مخلوق کے کمالات محدود و متناہی میں معرفت ہوتے ہوتے ان کا احاطہ ہو جاتا ہے اور احاطہ کا خاصہ ہے انتیاد اور انتیاد کا خاصہ ہے ہیبت کی کمی۔ اھ

۹۹-ذکر لسانی اور ذکر قلبی

ایک طالب نے لکھا کہ ذکر لسانی پہلے سے کم اور قلبی پہلے سے بہت زیادہ ہوتا جا رہا ہے۔ ذکر قلبی اکثر اوقات بہ آسانی جاری رہتا ہے مشغولی کار کے ساتھ بھی جاری رہتا ہے لیکن اکثر دماغی مصروفیت کے وقت بند ہو جاتا ہے۔ کوشش کرتا ہوں کہ ایسے وقت بھی بے تکلف جاری رہ سکے۔ جواب تحریر فرمایا کہ نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ ایک آن میں دو طرف توجہ نہیں ہوتی۔ لیکن اس جاری نہ رہنے سے کچھ ضرر نہیں باقی ذکر قلبی سو اگر اس وقت ذکر لسانی دشوار ہو تو اس پر اکتفا کا مضائقہ نہیں ورنہ محض قلبی پر اکتفا نہ کیا جائے ذکر لسانی بھی اس کے ساتھ ضروری ہے خواہ قلبی میں اس سے کچھ کمی ہی ہو جائے۔ اھ

۱۰۰-مکتوب مُفَرّحُ القلوب

ایک صاحب اجازت نے ایک طویل عریضہ لکھا جو اپنی نااہلی اور حالت زار کے حسرتناک حالات سے پُر تھا جن کا حاصل یہ تھا کہ عمر قریب ختم پہنچی لیکن دین کے کسی ایک شعبہ کی نسبت بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ صحیح ہے کس کس حالت کی اصلاح کروں۔ بالخصوص

جو شعبہ مشکل اور زیادہ قابل اہتمام ہے یعنی تکمیل اخلاق اس کا تو نام ہی لینا فضول ہے۔ اخلاق کا تو علم بھی پورا نہیں تا بہ عمل چہ رسد۔ بعض وقت یہ خیال ہوتا ہے کہ نہ جانے دل میں یمان بھی ہے یا نہیں اور نہ معلوم حق تعالیٰ کا ارادہ میرے ساتھ کیا ہے۔ اگر خدانخواستہ خدانخواستہ کچھ اور ارادہ ہوا تو کیا ہوگا۔ بعض وقت تو یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ خیال ہوتا ہے کہ اگر کچھ اور ارادہ نہ ہوتا تو اعمال حسنہ اور اصلاح کی توفیق کیوں نہ ہوتی کم سے کم کوئی ایک شعبہ تو دین کا درست ہوتا۔ راتوں کو میری نیند اڑ جاتی ہے جس وقت یہ خیال آتا ہے کہ آخر اس کا انجام کیا ہونا ہے اس وقت سوائے اس کے کہ اس دعا پر اکتفا کرتا ہوں اور کچھ نہیں بن پڑتا۔ **اللّٰھم لاتفعل بنا مانحن له اھل و افعل بنا ما انت له اھل**۔ الخ

غرض خط کیا تھا ایک بہت طویل اور دردناک داستان غم و حسرت تھی جس کو مکتوب مفرح القلوب کہنا چاہیے (مفرح بالقاف) اور آخر میں درخواست تھی کہ ہتد کوئی ایسی بات ارشاد فرمادیں جو اطمینان بخش ہو۔ حضرت والا نے حسب ذیل جواب ارقام فرمایا جس کو مکتوب مفرح القلوب کہنا زیبا ہے۔ (مفرح بالفاء)

پورا کامل بجز انبیاء کے کوئی نہیں اور وہ کاملین بھی اپنے کو کامل نہیں سمجھتے سب کو اپنے نقص نظر آتے ہیں خواہ وہ نقص حقیقی ہوں یا اضافی اور نقص نظر آنے سے مغموم بھی ہیں اور مغموم بھی ایسے کہ اگر ہم جیسوں پر وہ غم پڑ جائے تو کسی طرح جانبر نہیں ہو سکتے۔ کمال کی تو توقع ہی چھوڑنا واجب ہے۔ ہاں سعی کمال کی توقع بلکہ عزم واجب ہے اور اس کا یہی رنگ ہوگا جو آپ مشاہدہ کر رہے ہیں اس کی مثال وہ مریض ہے جس کی تندرستی سے تو مایوسی ہے مگر فکر صحت اور اس کی تدبیر کا ترک جائز نہیں سمجھا جاتا۔ اور نجات بلکہ قرب بھی کمال پر موقوف نہیں فکر تکمیل پر موعود ہے۔ **و اللّٰہ لا یخلف المیعاد**۔ بس اسی طرح سے عمر ختم ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت اور بڑی نعمت ہے۔ **وھذا ھو معنی ماقال الرومیؒ**۔

اندریں رہ می تراش و می خراش — تادم آخر دمے فارغ مباش

(اس راہ میں کھود کرید کرتا رہ اور آخر دم تک ایک لمحہ بھی فارغ نہ رہ)

تادم آخر دمے آخر بود — کہ عنایت باتو صاحب سر بود

(تاکہ آخری لمحہ میں آخری کوشش ہو اور نسبت والے کی عنایت تجھ پر قائم رہے)

سب سے اخیر میں خواہ اس کو اظہار حال کہئے یا آپ کی ہمدردی یا رفع التباس جو چاہے نام رکھئے یہ کہتا ہوں کہ میں بھی اسی کشمکش میں ہوں اگر اس کو مبارک سمجھتا ہوں جس کا یہ اثر ہے کہ یہ نہیں سمجھ سکتا کہ خوف کو غالب کہوں یا رجاء کو مگر مضطر ہو کر اس دعا کی پناہ لیتا ہوں جس سے کچھ ڈھارس بندھتی ہے۔ **اللّٰھم کن لی واجعلنی لک السلام فقط۔**[15]

بعضے ارشادات وافاضات حکمت آیات حضرت حکیم الامت دامت فیوضہم العالیہ

حسن العزیز جلد اول قلمبند کردہ احقر

تربیت السالک کے انتخاب سے فارغ ہونے کے بعد حسب وعدہ حسن العزیز جلد اول سے بھی سو (۱۰۰) ملفوظ منتخب کیے گئے جن میں خاص طور سے اصول تعلیم سلوک ارشاد فرمائے گئے ہیں لیکن چونکہ یہ ارشادات بضمن واقعات زبان فیض ترجمان سے صادر ہوئے ہیں اس لیے ان میں سے اکثر بہت طویل ہیں لہذا بخوف تطویل بجائے نقل کرنے کے ان ملفوظات کے صرف نمبر ذیل میں درج کیے جاتے ہیں اور چونکہ وہ بہت دلچسپ واقعات پر مشتمل ہیں اس لیے بہ مناسبت مجموعہ ماسبق یعنی صد پند اشرف میں اس مجموعہ کا لقب صد قند اشرف رکھا جاتا ہے۔ ناظرین کرام ان ملفوظات کو خاص طور سے اصل کتاب میں ملاحظہ فرمالیں بلکہ حسن العزیز جلد اول کل کی کل اس قابل ہے کہ اس کو اشرف السوانح کا جزو سمجھا جائے کیونکہ اس میں خود احقر کے دیکھے ہوئے اور سنے ہوئے اور قلمبند کیے ہوئے واقعات و ارشادات و حالات حضرت صاحب سوانح بہت مفصل بجمیع اجزائہا بطریق۔ واقعہ نگاری مذکور ہیں۔ جو علاوہ نہایت دلچسپ ہونے کے نہایت کار آمد اور نافع مضامین سے مملو ہیں۔

اسی طرح حسن العزیز کی دیگر جلدیں بھی نیز کمالات اشرفیہ اور انفاس عیسیٰ جو حضرت والا کے ارشادات وافاضات کے جامع و مانع اور مفید و نافع مجموعے ہیں خاص طور سے قابل ملاحظہ ہیں۔ اب سو ملفوظات مذکورہ بالا ملقب بہ صد قند اشرف کے نمبر ہائے موعودہ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں اور نمبروں کے ہندسوں کے ساتھ ساتھ الفاظ بھی لکھا جائے گا تاکہ کتابت یا طباعت کی غلطی سے خلط وخبط نہ ہونے پائے۔

---

[15] اشرف السوانح- جلد۲. ک15

صدقۂ اشرف

(یعنی حسن العزیز جلد اول کے سو منتخب ملفوظات بصورت نمبر)

حسن العزیز جلد اول کے ملفوظات نمبری ذیل خاص طور سے قابل ملاحظہ ہیں کیونکہ ان میں خاص طور سے صوفی تعلیم سلوک در اپنے خاص طرق تربیت ارشاد فرمائے گئے ہیں اور اس بناء پر وہ خاص طور سے باب ہذا ارشاد وظیفہ باطنی کے مناسب ہیں۔

۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
تیرہ	چودہ	سترہ	اٹھارہ	انیس	اکیس	تیئس	چوبیس
۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵	۱۶
پچیس	انتیس	چونتیس	پینتیس	چھتیس	انتالیس	چالیس	اکتالیس
۱۷	۱۸	۱۹	۲۰	۲۱	۲۲	۲۳	۲۴
اڑتالیس	پچاس	اکیاون	چھپن	انسٹھ	ساٹھ	چونسٹھ	پینسٹھ
۲۵	۲۶	۲۷	۲۸	۲۹	۳۰	۳۱	۳۲
چوہتر	چھہتر	ستتر	اناسی	اکیاسی	پچاسی	چھیاسی	چھیانوے
۳۳	۳۴	۳۵	۳۶	۳۷	۳۸	۳۹	۴۰
ایک سو ایک	ایک سو تین	ایک سو پانچ	ایک سو چھبیس	ایک سو [illegible]	ایک سو چون	ایک سو چھیاسٹھ	ایک سو بہتر
۴۱	۴۲	۴۳	۴۴	۴۵	۴۶	۴۷	۴۸
ایک سو پچھتر	دو سو پندرہ	دو سو سولہ	دو سو سترہ	دو سو چھبیس	دو سو چھبیس	دو سو چالیس	دو سو اڑتالیس
۴۹	۵۰	۵۱	۵۲	۵۳	۵۴	۵۵	۵۶
دو سو انچاس	دو سو پچاس	دو سو ستر	دو سو اناسی	دو سو بیاسی	دو سو پچاسی	دو سو اکانوے	تین سو تین
۵۷	۵۸	۵۹	۶۰	۶۱	۶۲	۶۳	۶۴
تین سو کتیس	تین سو بیاسی	تین سو ستانوے	چار سو	چار سو پانچ	چار سو گیارہ	چار سو سولہ	چار سو بیس
۶۵	۶۶	۶۷	۶۸	۶۹	۷۰	۷۱	۷۲
چار سو اکیس	چار سو بائیس	چار سو سینتیس	چار سو بیالیس	چار سو اڑتالیس	پانچ سو سولہ	پانچ سو تئیس	پانچ سو پینتیس
۷۳	۷۴	۷۵	۷۶	۷۷	۷۸	۷۹	۸۰
پانچسو چالیس	پانچسو کتیس	پانچسو پچاس	پانچسو چھیالیس	پانچسو انسٹھ	پانچسو چھیاسٹھ	پانچسو ستر	پانچسو بہتر
۸۱	۸۲	۸۳	۸۴	۸۵	۸۶	۸۷	۸۸
پانچسو چہتر	پانچسو پچاسی	پانچسو ستاسی	پانچسو بانوے	پانچسو چورانوے	چھ سو تین	چھ سو دس	چھ سو پندرہ
۸۹	۹۰	۹۱	۹۲	۹۳	۹۴	۹۵	۹۶
چھ سو انیس	چھ سو بائیس	چھ سو سینتیس	چھ سو اکتالیس	چھ سو پینتالیس	چھ چھیالیس	چھ سو انچاس	چھ سو پچاس
			۹۷	۹۸	۹۹	۱۰۰	
			چھ سو اکسٹھ	چھ سو اڑسٹھ	چھ سو اکہتر	چھ سو ستر	

تصوف کیا ہے اور کیسے حاصل ہوتا ہے

اب تک اس باب میں حضرت والا کے جتنے ارشادات متعلق بہ افاضہ باطنی موقع بہ موقع بصیرت افزائے ناظرین کرام ہوئے ہیں بالخصوص وہ تحریری ارشادات جو صد پند اشرف میں نقل کیے گئے ہیں ان سے علے رؤس الاشھاد مشاہد ہو گیا ہوگا کہ بعون اللہ تعالیٰ حضرت والا نے اس تصوف کو جو مدت مدیدہ سے عام طور پر سربسر ایک رازسربستہ سمجھا جاتا تھا بہمہ دلربائی و رعنائی منظر عام پر لا کھڑا کیا اور اس دولت باطنی کو جس کا حصول نہایت ہی دشوار خیال کیا جاتا تھا اور جس کو غلطی سے صرف خواص ہی کا حصہ سمجھ لیا گیا تھا اپنی ذات میں نہایت سہل الحصول اور قابل دسترس ہر خاص و عام ثابت فرما دیا اور اپنے اس ارشاد کو جو حسن العزیز جلد اول میں مذکور ہے من کل الوجوہ سچا کر کے دکھلا دیا کہ تصوف کوئی اجنبی چیز نہیں نہایت عقل کے موافق نہایت فطرت کے مطابق نہایت سہل اور نہایت دلچسپ چیز ہے اھ۔

اور فی الواقع حقیقی اسلام جس کا تصوف محض ایک مرادف ہے اسی شان کا ہونا چاہیے اور واقع میں وہ ہے بھی اسی شان کا۔

مضمون بالا کی تائید میں خود حضرت والا کا ارشاد بھی وعظ طریق القلندر سے مقتبساً درج ذیل کیا جاتا ہے وعظ مذکور کے ختم کے قریب نہایت وضاحت کے ساتھ طریق کی پوری حقیقت اور وصول الی المقصود کا نہایت جامع مانع دستور العمل اور اس کے سہل الحصول ہونے کو نہایت وثوق اور شدومد کے ساتھ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ

"رہ قلندر کی حقیقت تو بیان ہو چکی ہے مگر اس کا طریق عمل بیان کرنا بھی ضرورت ہے کیونکہ محض حقیقت کا معلوم ہو جانا عمل کے لیے کافی نہیں۔ لہٰذا رہ قلندر کی تحصیل کا طریق بھی بیان کرتا ہوں اور یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ وہ ایسا طریق ہے جو محبت اور عمل دونوں کا جامع ہے پس ان دونوں چیزوں کی تحصیل کا طریق معلوم ہونا چاہیے سو عمل کے متعلق تو خیر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہمت کرو عمل ہو جائے گا پس اس کا یہی طریق ہے لیکن سوال یہ ہے کہ محبت کیونکر پیدا ہو تو لیجیے میں اس کا ایک نسخہ لاکھوں روپیہ کا مفت بتائے دیتا ہوں وہ نسخہ

مرکب ہے چند اجزاء سے اور وہ سب چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں غور سے سنئے وہ چند چیزیں ہیں سب سے اول ہے عمل کیونکہ میں اول ہی تقریر میں عرض کر چکا ہوں کہ عمل میں خاصیت ہے محبت پیدا کر دینے کی اور اس کو بہت بڑا دخل ہے محبت پیدا کرنے میں چاہے تجربہ کرلو روز روز کسی کے پاس جایا کرو دیکھو محبت ہو جائے گی۔ پہلے تھوڑی ہوگی' پھر جاتے جاتے ایسا تعلق ہو جائے گا کہ بہت ہی زیادہ غرض یہ مسلم امر ہے کہ میل جول جتنا زیادہ ہوگا اتنی ہی زیادہ محبت ہوگی وہ جو کہتے ہیں پالے کی محبت اس کی یہی تو اصل ہے۔ غرض نیک عمل میں یہ برکت ہے کہ اس سے محبت حق پیدا ہو جاتی ہے۔

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم مدت سے نیک عمل کر رہے ہیں مگر محبت پیدا نہیں ہوئی۔ جواب یہ ہے کہ نیک عمل کے مفہوم میں ایک یہ ہی چیز تو نہیں کہ بس عمل کر لیا۔ بلکہ وہ مرکب ہے اور اجزاء سے بھی ایک جز تو عمل کرنا ہے دوسرا جز یہ ہے کہ عمل کو اس کے طریق کے مطابق کیا جائے مثلاً صرف ٹکریں مارنے کو نماز نہیں کہتے۔ نیک عمل جس طرح کیا جاتا ہے اور جو اس کا مامور بہ طریق ہے اس طریق سے اس کو کرو۔ پھر دیکھو محبت کیسے نہیں پیدا ہوتی۔ تیسری وجہ اثر نہ ہونے کی یہ ہے کہ تم نے عمل کو صرف عادت سمجھ کر کیا اور اس نیت سے نہیں کیا کہ اللہ کی محبت بڑھ جائے گی میں یہ نیت نہیں کی کہ اے اللہ آپ کی محبت پیدا ہو جائے سو اس نیت سے عمل کرو پھر دیکھو انشاء اللہ کیسا اثر ہوتا ہے بہر حال ایک جز تو اس نسخہ کا یہ ہے کہ نیک عمل میں بہ نیت ازدیاد محبت استقامت کے ساتھ مشغول رہو۔ دوسری بات ضروری یہ ہے کہ اللہ کا نام لو جی لگا کر یعنی تھوڑا تھوڑا اللہ اللہ بھی کرو۔ تیسری بات یہ ہے کہ اور بہت ہی ضروری ہے کہ اہل محبت کی صحبت اختیار کرو۔ اس سے لوگ بھاگتے ہیں۔ اول تو اس طرف توجہ ہی نہیں کہ کسی بزرگ کی خدمت میں جا کر رہیں۔ بس تھوڑی سی کتابیں پڑھ لیں اور سمجھ لیا کہ ہم کامل مکمل ہو گئے۔ بھلا نری کتابوں سے بھی کوئی کامل مکمل ہوا ہے ہاں تم مکمل تو ہو گئے یعنی کمبل پوش باقی نہ کامل ہوئے نہ مکمل۔ ارے بھائی موٹی بات ہے کہ بلا بڑھئی کے پاس بیٹھے کوئی بڑھئی نہیں بن سکتا حتیٰ کہ اگر بسولہ بھی بطور خود ہاتھ میں لے کر اٹھائے گا تو وہ بھی قاعدہ سے نہ اٹھایا جا سکے گا۔ بلا درزی کے پاس بیٹھے سوئی کے پکڑنے کا انداز بھی نہیں آتا۔ بلا خوشنویس کے پاس بیٹھے ہوئے اور بلا قلم کی گرفت اور خط کی کشش کو دیکھے ہوئے

ہر گز خوشنویس نہیں ہوسکتا۔غرض بدوں صحبت کامل کے کوئی کامل نہیں بن سکتا لہٰذا پیر کامل کی صحبت لازمی ہے۔ پھر تو ایسا ہوتا ہے کہ کبھی مرید پیر سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ مگر ابتداء میں تو کسی شیخ کامل کی صحبت کے بغیر چارہ نہیں اور آج کل اسی کی ضرورت کسی کی سمجھ میں نہیں آتی۔ کبھی کسی مصلح کے پاس گئے بھی تو وہاں تو ہوتی ہے اصلاح۔ پہنچتے ہی لتاڑ پڑنا شروع ہوگئی تو اب یہ حضرت گھبرائے کہ میاں کس مصیبت میں آ پھنسے۔ ہم تو آئے تھے بزرگ سمجھ کر انہوں نے لتاڑنا ہی شروع کردیا یہ کیسے بزرگ ہیں یہ کیسے اللہ والے ہیں؟

اس کی تو ایسی مثال ہے جیسے کوئی معدہ کا مریض طبیب کے پاس جاکر کہے کہ دیکھو جی ہم اپنے گھر حلوے کھایا کرتے تھے حلوے ہی ہمارے لیے تجویز کرنا۔ ذرا حماقت تو دیکھئے حالانکہ خدا کے فضل سے آپ کو دست بھی ہورہے ہیں۔ معدہ بھی خراب ہے ہضم بھی درست نہیں۔ یہ تو حضرت کی حالت اور حلوے کی فرمائش طبیب بھلا اس کی کیوں رعایت کرتا۔ اس نے اس کی حالت کے مناسب کڑوا مسہل تجویز کیا اور جب اس نے پینے سے انکار کیا اور تین پانچ کی تو گرا کر زبردستی چمچوں کے ذریعہ سے پلا دیا۔ لیکن اس نے قصداً قے کرکر کے سارے پیئے ہوئے مسہل کو پیٹ سے نکال دیا۔ آپ قے کرتے جاتے ہیں اور بڑبڑاتے جاتے ہیں کہ واہ جی ہم تو اپنے گھر حلوے کھایا کرتے تھے۔ حکیم جی نے نہ جانے کیا الابلا پلادی۔ کاش کوئی خیر خواہی سے کہتا کہ ارے بے وقوف تو کیا سمجھے تجھے جو اس وقت کڑوا مسہل پلا رہا ہے تو تیرے ساتھ وہ دشمنی نہیں کررہا ہے بلکہ دراصل وہ تجھے حلوے کھلانے کے قابل بنا رہا ہے۔ ابھی تیرا معدہ حلوے کے قابل نہیں۔ ایسی ہی حالت میں حلوے کھانے سے تو تجھے دست ہو رہے ہیں تو حضرت اصلاح تو اصلاح ہی کے طریقے سے ہوتی ہے۔ تم جو شیخ کے پاس اصلاح کی غرض سے آئے ہو تو اس کی سختی اور لتاڑ کو برداشت کرو اور اگر برداشت نہیں ہے تو اصلاح کی درخواست ہی نہ کرو۔ بھائی وہاں تو اصلاح اصلاح ہی کے طریقہ سے ہوگی۔ پھوڑا لے کر گئے ہو تو نشتر لگے ہی گا اب وہاں تو نشتر لگانا ضروری اور یہاں یہ حال۔

تو بیک زخمے گریزانی زعشق تو نامے چہ میدانی زعشق

(تو ایک زخم لگنے سے ہی عشق سے بھاگنے لگا ہے، تو عشق کے نام کے سوا کچھ بھی نہیں جانتا)

بس نام ہی نام ہے عشق کا۔ ایک ہی زخم لگا تھا کہ بھاگے وہاں کا تو ادب یہ ہے کہ۔

چوں گزیدی پیر نازک دل مباش — سست در یزندہ چو آب وگل مباش

ور بہ ہر زخمے تو پُر کینہ شوی — پس کجا بے صیقل آئینہ شوی

(اگر تو ہر چوٹ پر غصہ ہوتا ہے تو تو بغیر رگڑائی کے کس طرح صاف ہوگا)

یہ مصیبت ہوگئی ہے تو حضرت نرا وظیفہ اصلاح کے لیے ہرگز کافی نہیں۔ نرے وظیفے والے پیروں سے واللہ ثم واللہ جو کبھی اصلاح ہو۔ اصلاح تو ہوتی ہے اصلاح کے طریقہ سے۔ تو اہل محبت کے پاس جاؤ اور وہ جو کہیں وہ کرو۔ تھوڑے دنوں میں دل نور سے معمور ہو جائے گا۔ اور خدا کی قسم اس قدر محظوظ ہوگے کہ تمہاری نظر میں پھر سلطنت کی بھی کچھ حقیقت اور وقعت نہ رہے گی حضرت حافظؒ فرماتے ہیں۔

چو بیخود گشت حافظ کے شارد — بہ یک جو مملکت کاؤس و کے را

(جب حافظ بے خود ہو گیا ہے تو وہ بادشاہوں کی حکومت کو ایک جَو کے برابر بھی نہیں سمجھتا)

جناب میرے پاس قسم سے زیادہ کوئی ذریعہ یقین دلانے کا نہیں اے صاحب میں مکرر قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو اس طریق سے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کر لے گا وہ ایسا ہو جائے گا کہ پھر اس کو نہ موت کا خوف ہوگا نہ ذات الجنب کا نہ نمونیہ کا نہ بخار کا نہ قحط کا نہ وباء کا کوئی غم نہ رہے گا۔ بس بالکل جنت کی سی حالت ہو جائے گی۔ ہاں غم ہوگا تو ایک کہ اللہ میاں تو ناراض نہیں۔ خدا کے نزدیک میں کیسا ہوں۔ نہ جانے وہ مجھ سے راضی ہیں یا ناراض بس اس غم کے سوا اور کوئی غم نہ ہوگا۔ مگر یہ غم ایسا لذیذ ہے کہ ہزاروں خوشیاں اس پر نثار۔ اس شخص سے اگر کوئی کہنے لگے کہ لاؤ تمہارا یہ غم تو ہم لے لیں اور اس کے عوض اپنی ساری خوشیاں تمہیں دے دیں تو کبھی نہ بدلے گا۔ تو حضرت یہ دولت ملے گی اہل اللہ کے پاس جانے اور ان کا اتباع کرنے سے تو حاصل طریق کا یہ ہے کہ اعمال میں ہمت کر کے شریعت کے پابند رہو ظاہراً و باطناً اور اللہ اللہ کرو۔ اور کبھی کبھی اہل اللہ کی صحبت میں جایا کرو اور ان کی غیبت میں جو کتابیں وہ بتائیں ان کو پڑھا کرو۔ جی یہ چار چیزیں ہیں میں ٹھیکہ لیتا

ہوں کہ جوان چار پر عمل کر کے دکھلا دے گا وہ **یحبھم و یحبونہ** کا مصداق یعنی اللہ تعالیٰ کا محبوب اور محبّ ہو جائے گا۔ ضرور ہو جائے گا۔ ضرور بالضرور ہو جائے گا۔

تو صاحب اب اختیار ہے جو چاہے عمل کر کے دیکھ لے اور تجربہ کر لے اور اس کی ضرورت نہیں کہ مرید ہو جائے اجی کس کی پیری مریدی لئے پھرتے ہو یہ تو پکھنڈ ہے۔ بیعت کی ضرورت نہیں۔ اصل چیز بیعت کی روح یعنی اتباع ہے۔ غرض مرید ہونے کی ضرورت نہیں پیر کے کہنے کے مطابق کام شروع کر دو۔ بس ہو گیا تعلق۔ واللہ وہی نفع ہو گا جو پیری مریدی میں ہوتا ہے۔ اب لوگوں کا عجب حال ہے کہ کام بتاؤ تو نہ کریں۔ بس بیعت کا نام کرنا چاہتے ہیں۔ بیعت کیا ہے محض رسم ہی رسم رہ گئی ہے چنانچہ جو پیر ایسے ہیں کہ مرید تو کر لیتے ہیں لیکن کام کچھ نہیں بتلاتے ان سے تو لوگ بہت خوش ہیں اور میں مرید تو کرتا ہوں لیکن کام بتلاتا ہوں تو مجھ سے ناراض ہیں۔ یوں سمجھ رکھا ہے کہ وہ جو بھید ہیں فقیری کے وہ جو انجھر ہیں پریم کے وہ مریدوں ہی کو بتائے جاتے ہیں۔ یہ خیال ہے کہ مرید کرتے ہی پیر بس پریم کے دو انجھر بتا دے گا اور اللہ والے ہو جائیں گے۔ دہرے تھے انجھر دہرے تھے بھید ڈلے پتھر میاں خدا رسول کا نام لو اور احکام بجا لاؤ۔ بس یہی انجھر ہیں۔ اصلاح نفس کے طریقے پیر سے پوچھو یہی بھید ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ کیا باطنی طریق بس یہی ہے تو ہم بہ آواز دہل کہیں گے کہ ہاں یہی ہے اور اس طریق میں کبھی بڑے بڑے حالات بھی پیش آئیں گے بڑی بڑی کیفیات بھی طاری ہوں گی یہ سب ہو گا مگر یہ مقصود نہیں ہے۔

بھائی حالات تو سڑک کے پھولدار درخت ہیں۔ نظر آئے تو کیا نہ نظر آئے تو کیا۔ سڑک تک بہر حال قطع ہو گی۔ درختوں اور پھولوں کا نظر آنا نہ آنا سڑک کے قطع ہونے کے لیے ضروری نہیں۔ نظر پڑے گی تب قطع ہو گی نہ نظر پڑے گی تب قطع ہو گی بس چلتے رہنا شرط ہے اور بعضوں کو یہ درخت اور پھول عمر بھر بھی نظر نہیں آتے۔ واللہ جن حالات کو آپ بڑا کمال سمجھتے ہیں طریق میں بس ایسے ہیں جیسے سڑک پر دو طرفہ گلاب اور بیلے کے درخت لگے ہوں۔ کبھی نیچی نظر کر کے چلتے ہیں تو کیا راستہ قطع نہیں ہوتا۔ راستہ تو برابر قطع ہوتا ہے چاہے درخت نظر پڑے یا نہ پڑے۔

افسوس تصوف کا ناس کر دیا ہے ان جاہل صوفیوں نے اور فقیری کو ہاؤ بنا رکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ چلّے کھینچو بیوی کو طلاق دے دو، اولاد کو عاق کر دو، دروازہ کو تیغ کر دو۔ چالیس چنے رکھ لو اور ایک چنا روز کھاؤ۔ بدوں اس کے اصل فقیری ملتی ہی نہیں۔ میں کہتا ہوں واللہ دوشالوں میں۔ گدے تکیوں میں، سلطنت میں، مرغن کھانوں میں فقیری ملتی ہے مگر گھر میں نہیں شیخ کامل کی خدمت میں ملتی ہے۔

چنانچہ حضرت فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ جن کی شان اتنی بڑی ہے کہ مولانا رومؒ جیسے عارف کی ان کے بارہ میں یہ رائے ہے۔

ہفت شہرِ عشق را عطار گشت ۔۔۔ ماہنوز اندر خم یک کوچہ ایم

(عطار نے عشق کے سات شہر گھوم لئے اور ہم ابھی تک ایک گلی کے موڑ میں ہیں)

وہ فرماتے ہیں۔

گر ہوائے ایں سفر داری دلا ۔۔۔ دامن رہبر بگیر و پس بیا

(اے دل اگر تو اس سفر کی خواہش رکھتا ہے تو راہبر کا دامن تھام اور واپس نہ لوٹ)

درارادت باش صادق اے فرید ۔۔۔ تا بیابی گنج عرفاں را کلید

(اے فرید طلب میں سچا ہو جا، تاکہ تو معرفت کے خزانہ کی چابی پالے)

بے رفیقی ہر کہ شد در راہ عشق ۔۔۔ عمر بگذشت ونشد آگاہ عشق

(جو کہ عشق کی راہ میں بغیر رفیق کے چلا اس کی عمر گزر گئی اور وہ ابھی عشق سے واقف بھی نہ ہو سکا)

مگر شیخ ہونا چاہیے کامل اور کامل شیخ کی پہچان یہ ہے کہ شریعت کا پورا متبع ہو۔ بدعت اور شرک سے محفوظ ہو کوئی جہل کی بات نہ کرتا ہو، اس کی صحبت میں بیٹھنے کا یہ اثر ہو کہ دنیا کی محبت گھٹتی جائے اور حق تعالیٰ کی محبت بڑھتی جائے اور جو مرض باطنی بیان کرو اس کو بہت توجہ سے سن کر اس کا علاج تجویز کرے اور جو علاج تجویز کرے اس علاج سے دمبدم نفع ہوتا چلا جائے۔ اور اس کے اتباع کی بدولت روز بروز حالت درست ہوتی چلی جائے۔ یہ علامت ہے شیخ کامل کی۔ ایسا شخص اگر مل جائے تو وہ اکسیر اعظم ہے۔ تو یہ ہے طریقہ محبت پیدا کرنے کا۔ اس سے تو ہوگی محبت آگے رہا عمل تو اس کے لیے ضرورت ہوگی ہمت کی۔

اب ایک اور غلطی میں لوگ مبتلا ہیں کہ پیر بنا کر اس کو پلہ دار اور ذمہ دار اعمال کا سمجھتے ہیں۔ اس میں ان کا قصور نہیں کیونکہ ان کو بہکایا ہے دکانداروں نے انہوں نے جاہلوں کو یہ پٹی پڑھا رکھی ہے کہ تمہیں کچھ عمل کرنے کی ضرورت نہیں۔ سب ہمیں کرلیں گے بس اب وہ سچے پیروں سے بھی یہی توقع رکھتے ہیں چنانچہ میرے پاس خطوط آتے ہیں کہ صاحب تہجد کے لیے آنکھ نہیں کھلتی دعا کردو کہ آنکھ کھلا کرے میں لکھ دیتا ہوں کہ اچھا میں اس شرط پر دعا کروں گا کہ آپ میرے لیے یہ دعا کردیجئے کہ میری ایسی ٹانگیں ہوجائیں کہ میں روز کلکتہ پہنچ کر اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو اٹھادیا کروں۔ بیوقوف ہوئے ہو۔ اگر آنکھ نہیں کھلتی تو میں کیا کروں۔ میاں اٹھو کسی طرح اور اگر کسی طرح نہیں اٹھا جاتا تو عشاء کے بعد ہی تہجد کی رکعتیں پڑھ لیا کرو غرض ہر چیز کا علاج ہے۔

بعضے کہتے ہیں کہ وظیفہ پورا نہیں ہوتا۔ کوئی ایسی توجہ دیجئے کہ وظیفہ پورا ہوجایا کرے۔ بس سارے کام توجہ ہی سے چلانا چاہتے ہیں۔ لاؤ میں توجہ کی حقیقت ظاہر کردوں۔ صاحبو کہیں دوسروں کی توجہ سے بھی کام چلتا ہے جب تک کہ خود توجہ نہ کرے۔ اور ہمت سے کام نہ لے۔ سارا کام ہمت پر موقوف ہے۔ بیوقوف یوں سمجھتے ہیں کہ بس سب کچھ پیروں کے ہاتھ میں ہے۔ پیر تو بیچارے کیا چیز ہیں خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوطالب کے لیے بہت چاہا کہ مسلمان ہوجائیں مگر ہدایت نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا آپ کو ارشاد ہوا **انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشآء**۔ یعنی آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کرسکتے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ہی جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں۔ لیجئے جب خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی اپنی توجہ سے ہدایت نہ کرسکے تو پیر بیچارے تو کیا کرتے دیکھا آپ نے۔ اب تو صاحبو آپ کو توجہ کی حقیقت معلوم ہوگئی۔

غرض یہاں تو جو کچھ حاصل ہوتا ہے کام کرنے سے حاصل ہوتا ہے اور تم چاہتے ہو کہ کچھ نہ کرنا پڑے پیر کی توجہ ہی سے سب کام بن جائیں اور کمال حاصل ہوجائے۔ ارے بھائی جن سے یہ درخواست ہے پہلے ان سے تو تحقیق کرلو کہ انہیں جو کمال حاصل ہوا ہے وہ کاہے سے حاصل ہوا ہے۔ حضرت چکی پیسنے ہی سے حاصل ہوا ہے پہلے چکی پیسی پھر آٹا نکل آیا' پھر

پانی ڈال کر آٹا گوندھا پھر روٹی بنا کر توے پر ڈالی پھر وہ پک گئی پھر کھالی۔اب تم چاہتے ہو کہ کرنا تو کچھ نہ پڑے اور پیٹ بھر جائے۔تم چاہتے ہو کہ ایسا پیر ملے جو پکی پکائی کھلا دے۔ لیکن ایسا نہ ہوگا۔ ع۔ایں خیالست ومحالست وجنون۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو پکی پکائی کھلائی ہی نہیں اور کسی کی تو کیا ہستی ہے اور کیا مجال ہے۔حضور تو غایت شفقت سے بہت چاہتے تھے کہ پکی پکائی ہی کھلا دیں مگر غیرت حق اور مصلحت دین کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت نہ دی تو بھائی خوب سمجھ لو کہ کام کرنے ہی سے کام چلے گا۔بس طریق یہی ہے کہ کام کرو محنت کرو خدا برکت دے گا اگر کچھ حاصل کرنا چاہتے ہو تو بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ کام کرو اور محنت کرو جیسا کہ **یجاهدون فی سبیل اللّٰہ** سے میں ثابت کر چکا ہوں۔

خلاصہ یہ کہ جو پیر ایسا کامل مکمل ہو اور جس میں مذکورہ علامتیں ہوں اس کی خدمت میں رجوع کرو۔لیکن بیعت پر اصرار نہ کرو۔درخواست پر اگر وہ کر لے اس کی عنایت ہے باقی تم اس کو دق نہ کرو۔ پھر جو وہ کہے کرو۔اگر محنت کرا دے محنت کرو۔ذکر وشغل کرا دے ذکر وشغل کرو۔غرض اس کی فکر میں لگ جاؤ کہ کسی کامل مکمل کی صحبت میسر آئے۔اب آخر میں یہ عرض ہے کہ مقصود میں کوتاہی کرنے والے دو قسم کے لوگ ہیں ایک تو وہ جو عمل میں کوتاہی کرتے ہیں ان کو چاہیے کہ اپنے قصد کو پختہ کریں اور ہمت سے کام لیں۔دوسرے وہ ہیں جن میں محبت کی کمی ہے وہ اہل محبت کی صحبت اختیار کریں۔غرض یہ دونوں چیزیں لازم طریق ہیں۔ایک عمل دوسری محبت اول میں ہمت کی ضرورت ہے۔دوسری میں اہل اللہ کی صحبت اور ان کے اتباع کی انتہی ما فی طریق القلندر۔

حضرت حکیم الامت کے بعض خاص خاص طرق تربیت

اب حسب وعدہ حضرت والا کے بعض خاص خاص طرق تربیت بھی مختصراً عرض کئے جاتے ہیں۔ جن سے حضرت والا کی امتیازی شان ارشاد نمایاں ہوتی ہے اور چونکہ وہ بوجہ بالکل اصول صحیحہ کے مطابق اور موجودہ رنگ طبائع کے نہایت مناسب ہونے کے امر اصلاح میں غایت درجہ مؤثر اور نافع ثابت ہو چکے ہیں اس لیے اس قابل ہیں کہ مشائخ ان کو اپنا دستور العمل بنالیں لیکن محض نقل کافی نہ ہوگی۔ فہم اور سلیقہ اور مناسبت بہر حال شرائط ضروریہ میں سے ہیں۔ بمصداق ارشاد حضرت عارف شیرازیؒ (جو پہلے بھی ایک موقع پر عرض کیا جا چکا ہے۔)

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند　　　نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند

(چہرہ کو روشن کرنے والا ہر آدمی دلبری نہیں جانتا، ہر آئینہ رکھنے والا بادشاہی نہیں جانتا)

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست　　　نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

(یہاں بال سے بھی باریک ہزاروں نکتے ہیں، ہر سر منڈانے والا قلندری نہیں جانتا)

یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ اس جگہ استیعاب مقصود نہیں جو نہایت دشوار ہے بلکہ ناممکن کیونکہ حضرت والا کے طریق اصلاح و تربیت کی بہت سی ایسی خصوصیات بھی ہیں جو نہ زبان سے ادا ہو سکتی ہیں نہ قلم سے۔ صرف صحبت طویلہ اور بغور تتبع واقعات ہی سے ذوقاً ان کا ادراک و انکشاف ہو سکتا ہے۔ بمصداقِ ۔

خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست　　　بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

(یہی کشش، ناز اور اندازِ رفتار ہی حسن نہیں ہے بلکہ محبوبوں کے بہت سے اوصاف ایسے ہیں جن کا نام ہی نہیں ہے)

لہٰذا محض نمونہ کے طور پر حضرت والا کے بعض خاص اور صرف عملی اصول تربیت مختصراً عرض کئے جاتے ہیں جو آج کل معمول بہا ہیں۔ پھر انہی پر انشاء اللہ تعالیٰ اس باب کو

ختم کردیا جائے گا۔ **وماتوفیقی الا باللہ۔**

ہر چند نہ استیعاب مقصود ہے نہ اس وقت کوئی خاص ترتیب ذہن میں ہے بلکہ خیال یہ ہے کہ کیف ما اتفق حضرت والا کے جو اصول خاصہ یاد آتے چلے جائیں گے ان کو لکھتا چلا جاؤں گا تاہم اس مصلحت سے کہ یاد آنے میں قدرے سہولت ہو جائے اور خلط سے بھی کسی قدر حفاظت رہے احقر مذکورہ ذیل پانچ عنوان قائم کیے لیتا ہے تاکہ ہر عنوان کے تحت میں اسی کے مناسب اصول لکھتا چلا جائے اور حوالے کی سہولت کے لیے ہر عنوان کے ذیلی نمبر بھی جداگانہ لگائے جائیں گے۔ وہ پانچ عنوانات یہ ہیں۔

(۱)۔اصول متعلقہ بیعت (۲)۔اصول متعلقہ تعلیم وتربیت

(۳)۔اصول متعلقہ خط وکتابت (۴)۔اصول متعلقہ واردین (۵)۔اصول متفرقہ

جس طرح اسی باب کے پچھلے دو مجموعوں کے نام صد پند اشرف اور صدقہ اشرف رکھے جا چکے ہیں اسی طرح اس مجموعہ کا نام بھی بلحاظ عدد عنوانات پانچ گنج اشرف تجویز کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس خزانہ بے بہا کو بسہولت وبحسن وخوبی مجتمع کرادے اور مقبول فرما کر مجھ تہی دست کے لیے ذخیرہ آخرت اور از قبیل باقیات الصالحات بنادے اور اس سے مسلمانوں کو تاقیامت متمتع فرماتا رہے۔ اور اس احقر ناکارہ کو بھی حضرت والا سے کامل مناسبت عطا فرما کر حضرت والا کے حقائق ومعارف کا جو سراسر علوم حضرت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ سے مستفاد ہیں۔ حامل اور حضرت والا کے زریں اصول کا جو بالکل قرآن و حدیث اور عقل سلیم کے موافق ہیں۔ عامل بنادے۔ (آمین ثم آمین)

گو اچھی طرح جانتا ہوں کہ اس نااہل کی طرف سے یہ دعا چھوٹا منہ بڑی بات ہے کیونکہ مجھ جیسے فاسد الاستعداد اور ناکارہ کی کیا ہستی اور کیا اوقات ہے۔ بلکہ اپنی حیثیت پر نظر کرتے ہوئے تو اس کی قبولیت ہی میرے نزدیک وقوعاً منجملہ مستبعدات ہے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ وعم نوالہ کی بڑی ذات ہے اس لیے اگر اصل دعا نہ بھی قبول ہوئی تب بھی انشاءاللہ تعالیٰ اس دعا سے بہرحال مجھ کو دارین میں امید اجر وبرکات ہے۔ وری امید پر اس کی جرأت بھی کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ میری اس امید کو پورا فرمائے۔ (آمین ثم آمین) نیز

اصل دعا کی قبولیت سے بھی کلی مایوسی نہیں حسب ارشاد حضرت مولانا رومیؒ۔

تو مگو مارا بداں شہ بار نیست   با کریماں کارہا دشوار نیست

(تو یہ نہ کہہ کہ بادشاہ سے ہمارا تعلق نہیں ہے، نیک لوگوں کیلئے کام مشکل نہیں ہیں)

اب بنام خدا تعالیٰ پنج گنج اشرف کو بہ ترتیب عنوانات مذکورہ بالا لکھنا شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ میری مدد فرمائے اور بسہولت و بحسن وخوبی اتمام کو پہنچائے۔ آمین یا رب العالمین۔

پنج گنج اشرف

(یعنی اشرف المشائخ حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم کے بعض خاص خاص اصول ارشاد و افاضۂ باطنی)

(عنوان اول)

اصول متعلقہ بیعت

۲۔ اعتقاد میں غلو کی اصلاح

چونکہ آج کل بیعت کو عموماً لوازم طریق سے سمجھ لیا گیا ہے حالانکہ اصل چیز استفاضہ ہے اس لیے حضرت والا اس غلو فی الاعتقاد کی اس طرح عملی اصلاح فرماتے ہیں کہ اگر کوئی بیعت کی درخواست کرتا ہے تو اول اس سے بیعت کی غایت دریافت فرماتے ہیں اور جب تک وہ صحیح غایت نہیں بتلاتا برابر استفسارات فرماتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ یا تو حضرت والا کے استفسارات ہی سے سمجھ کر (جو ہمیشہ اس قسم کے ہوتے ہیں کہ طریق سے ادنیٰ مناسبت رکھنے والا ان سے بہ سہولت صحیح جواب مستنبط کر سکتا ہے) وہ خود ہی صحیح غایت بتا دیتا ہے یا اپنے عجز کا اقرار کر کے خود حضرت والا سے پوچھتا ہے اور پھر خود حضرت والا اس کو صحیح غایت بتلا دیتے ہیں اور شروع ہی میں بطور خود اس لیے نہیں بتاتے کہ جو بات مخاطب کی قوت فکریہ پر بوجھ پڑنے کے بعد سمجھ میں آتی ہے یا بتائی جاتی ہے وہ اس قدر پختگی کے ساتھ ذہن نشین ہوتی ہے کہ پھر کبھی ذہن سے نہیں نکلتی اور اسی نافعیت کی بناء پر حضرت والا تمام دوران تربیت میں اسی طریق تفہیم کا بکثرت استعمال فرماتے رہتے ہیں۔

غرض اگر کوئی طالب حضرت والا کے استفسار کے جواب میں بیعت کی غایت رضائے

حق متعین کرتا ہے تو فرما دیتے ہیں کہ یہ غایت تو بیعت پر موقوف نہیں۔ اس کے حصول کے لیے تو تعلیم اور تعلیم پر عمل ہی کافی ہے اور اگر وہ بیعت کی یہ غایت بتاتا ہے کہ شیخ سے مناسبت اور تعلق خاص پیدا ہو جائے تاکہ اس کی تعلیم زیادہ مؤثر ہو اور اس پر عمل آسان ہو جائے تو پھر یہ استفسار فرماتے ہیں کہ آیا صرف مرید ہی کو شیخ سے مناسبت ہو جانا کافی ہے یا اس کے علاوہ شیخ کو بھی مرید سے مناسبت ہونا ضروری ہے جب اس سے یہ اقرار کرا لیتے ہیں کہ جانبین میں مناسبت ہونا ضروری ہے تو فرماتے ہیں کہ اس کے لیے تو نری بیعت کافی نہیں بلکہ اور چیزیں بھی ضروری ہیں مثلاً کچھ دن پاس رہنا۔ خصوصیات مزاج کا تتبع اور ان کی رعایت کرنا۔ چندے تعلیمی خط و کتابت جاری رکھنا وغیرہ۔ غرض جانبین کی مناسبت کے لیے نری بیعت کافی نہیں۔ بلکہ شیخ کو تو طالب کے ساتھ زیادہ تر اس کے برتاؤ سے مناسبت پیدا ہوتی ہے اھ۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت والا طالبین بیعت کے غلو فی الاعتقاد کی بڑے اہتمام سے اصلاح فرماتے ہیں اور جب یہ اطمینان ہو جاتا ہے کہ ان کے عقیدہ میں بجائے غلو کے اعتدال پیدا ہو گیا ہے تو پھر اس کا بھی انتظار نہیں فرماتے کہ وہ خود بیعت کی درخواست کریں بلکہ بعض صورتوں میں از خود ان کے اشتیاق کو پورا فرما دیتے ہیں۔

ایک طالب کو عرصہ کے بعد بیعت کرنا

چنانچہ ایک صاحب کو جو عرصہ سے بیعت پر اصرار کر رہے تھے پہلے تو سختی کے ساتھ انکار فرما کر مایوس کر دیا لیکن تعلیمی خط و کتابت برابر جاری رہی پھر کچھ دن بعد جب وہ حاضر ہوئے تو چونکہ وہ اصرار موقوف کر چکے تھے اور باوجود نادار ہونے کے فیض صحبت حاصل کرنے کے لیے دور کا سفر کر کے آئے تھے اور پھر ان کی تنگدستی نہ معلوم کب ان کو آنے کی اجازت دیتی ان وجوہ سے از خود ان کے دیرینہ اشتیاق بیعت کو پورا فرما دیا۔

ایک طالب سے حلف نامہ لکھوانا

اسی طرح ایک دوسرے طالب جن کی تعلیم ایک مجاز کے سپرد ہے سالہا سال سے بیعت کے مشتاق تھے اور ہدیہ پیش کرنے کے بھی بہت شائق رہتے تھے لیکن بوجہ کم فہمی و بے فکری اور

غوفی الاعتقاد کے ہمیشہ حضرت والا کو اپنی بے عنوانیوں سے سخت ایذائیں پہنچاتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت والا نے رکی ہدیہ اور بیعت سے ان کو بالکل یکسو کر دینے کی سخت ضرورت محسوس فرما کر ان سے ایک حلف نامہ لکھوایا کہ نہ کبھی عمر بھر ہدیہ پیش کریں گے نہ درخواست بیعت کریں گے۔ اس کے بعد حضرت والا نے دیگر خدام سے اپنا خیال ظاہر فرمایا کہ ابھی تک وہ انہی قصوں میں رہتے تھے اب جمعیت کے ساتھ اپنے کام میں لگیں گے جس سے انشاء اللہ تعالیٰ ان کو بہت نفع ہوگا اور اپنا یہ خیال بھی ظاہر فرمادیا کہ اگر میں دیکھوں گا کہ وہ اب یکسو ہوگئے ہیں تو ارادہ ہے کہ کبھی میں ان کو خود ہی بیعت کروں گا۔ اھ

بعض حضرات کا تعلیم کے بعد بیعت ہونا

احقر کے علم میں بعض ایسے حضرات بھی ہیں جنہوں نے حضرت والا سے دس دس برس تک محض تعلیم طریق حاصل کی اور اس درمیان میں انہیں نہ کبھی درخواست بیعت کی جرأت ہی ہوئی نہ انہوں نے اس کی کوئی ضرورت ہی سمجھی۔ کیونکہ وہ حضرت والا سے بیعت کا ضروری نہ ہونا ہمیشہ سنتے رہتے تھے۔ اس کے بعد ایک بار کی حاضری میں بیعت کا دفعتہً خیال پیدا ہوا تو احباب سے مشورہ کرنے کے بعد حضرت والا سے درخواست کی۔ حضرت والا نے فرمایا کہ میں تو ہمیشہ یہی سمجھا کہ آپ مجھ سے بیعت ہیں۔ ایسی حالت میں بیعت کی ضرورت تو نہیں لیکن اگر آپ کی خواہش ہے تو میں نہایت خوشی کے ساتھ آپ کو بیعت کرلوں گا کیونکہ جس چیز کا مجھے انتظار رہتا ہے یعنی باہم مناسبت اور صحت عقیدہ وہ بفضلہ موجود ہی ہے پھر مجھے انکار ہی کیا ہوسکتا ہے اھ۔ چنانچہ بیعت فرمالیا اور اب بفضلہ تعالیٰ وہ مجاز بیعت بھی ہیں اھ۔

مجاز بیعت بنانے کے بعد بیعت کرنا

اسی طرح بعض صاحبان حضرت والا سے تعلیم حاصل کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت والا نے ان کو اخذ بیعت کی اجازت عطا فرمائی اس وقت انہوں نے عرض کیا کہ ابھی تو حضور نے مجھ کو بیعت ہی سے مشرف نہیں فرمایا چنانچہ ان کو مجاز بیعت بنا دینے کے بعد بیعت فرمایا گیا۔

خالی بیعت کافی نہیں

غرض حضرت والا علماً وعملاً اس امر کو اچھی طرح ذہن نشین فرماتے رہتے ہیں کہ حصول مقصود کا مدار بیعت پر نہیں بلکہ نری تعلیم تو حصول مقصود کے لیے بالکل کافی ہے لیکن نری بیعت ہرگز کافی نہیں۔

بیعت کی صورت وحقیقت

کل ہی ارشاد فرما رہے تھے کہ صورت بیعت کا محض وہ درجہ ہے جو پھولوں کی کیاری میں گھاس کا ہوتا ہے کہ اس سے ایک خوشنمائی تو ضرور پیدا ہو جاتی ہے اور پھولوں کی رونق بڑھ جاتی ہے لیکن پھولوں کے نشو ونما میں گھاس کا کچھ بھی دخل نہیں۔ اگر کیاری میں گھاس نہ بھی لگائی جائے محض پھول کے پودے ہی لگا دیئے جائیں تب بھی پھول اپنی ساری صفات اور اپنی اصلی آب وتاب ہی کے ساتھ پیدا ہوں گے۔ کیاری میں گھاس نہ ہونے کی وجہ سے ان کی ذات میں کسی قسم کا نقص واقع نہ ہوگا۔ بیعت کی حقیقت کے متعلق حضرت والا نے عرصہ ہوا ایک طالب سے بہت واضح تقریر فرمائی تھی جس کو حسن العزیز جلد اول کے ملفوظ نمبر ۵۹ سے بلفظہٖ نقل کیا جاتا ہے تاکہ بیعت کے متعلق سب امور مالہ وماعلیہ ناظرین کے پیش نظر ہو جائیں۔ وہ تقریر یہ ہے۔

فرمایا کہ بیعت کی ایک صورت ہوتی ہے ایک حقیقت اس کی صورت مطلوب نہیں حقیقت مطلوب ہے۔ چنانچہ بیعت کی حقیقت ہے اعتقاد واعتماد جازم اپنے تعلیم کرنے والے پر یعنی اس کو یہ یقین ہو کہ یہ میرا خیر خواہ ہے اور جو مشورہ دے گا وہ میرے لیے نہایت نافع ہوگا غرض اس پر پورا اطمینان ہو اور اپنی رائے کو اس کی تجویز وتشخیص میں مطلق دخل نہ دے جیسا کہ طبیب حاذق ومشفق کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے بس ویسا ہی اس کے ساتھ معاملہ کیا جائے باقی رہی بیعت کی صورت وہ اول وہلہ میں خواص کے لیے نافع نہیں عوام کے لیے البتہ اول وہلہ میں بیعت کی صورت بھی نافع ہوتی ہے کیونکہ اس سے ان کے قلب پر ایک عظمت اور شان اس شخص کی طاری ہو جاتی ہے جس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ اس کے قول کو باوقعت سمجھ کر اس پر عمل کرنے کے لیے مجبور ہو جاتا ہے۔ خواص کے لیے کچھ مدت کے بعد بیعت نافع ہوتی ہے کیونکہ اس کا خاصہ ہے کہ جانبین میں ایک تعلق خاص پیدا ہو جاتا ہے۔ پیر سمجھنے لگتا ہے کہ یہ ہمارا

ہے اور مرید سمجھتا ہے کہ یہ ہمارے ہیں۔ ڈانواڈول حالت نہیں رہتی۔ جس طرح اگر کوئی مریض ہمیشہ کسی ایک ہی طبیب سے رجوع کرتا ہو تو وہ طبیب یہ سمجھنے لگتا ہے کہ ہمارا مریض ہے اور لوگوں سے کہتا بھی ہے کہ بھائی یہ ہمارے ہیں اسی طرح مریض طبیب کو سمجھتا ہے کہ یہ ہمارے ہیں اور اگر ایسا مریض ہو کہ کبھی ایک طبیب سے رجوع کرتا ہو کبھی دوسرے سے تو اس پر پوری شفقت کسی کو بھی نہیں ہوتی۔ ہر طبیب یہی سمجھتا ہے کہ اس کو ہم سے کوئی خاص تعلق نہیں۔ یہ تو یہاں بھی آتا ہے اور فلاں فلاں جگہ بھی جاتا ہے۔ مگر یہ نفع خواص کو اول وہلہ میں بیعت سے حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ جانبین میں پوری طرح مناسبت اور اطمینان نہ ہو جائے جب تک یہ حالت نہ ہو بیعت کرنا کرانا بالکل عبث ہے۔ انتہیٰ

پُر لطف بیعت

اسی طرح ایک بار فرمایا کہ بیعت کا لطف تو جبھی ہے جب پہلے تعلیم حاصل کرے اور پھر بیعت ہو کیونکہ ظاہر ہے کہ جب اس کو تعلیم سے نفع ہوگا تو اپنے معلم سے محبت پیدا ہو جائے گی پھر محبت پیدا ہو جانے کے بعد بیعت میں جو لطف ہوگا وہ قبل اس کے کہاں۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک تو عقد کی یہ صورت ہے کہ ماں باپ نے جس کے ساتھ چاہا نکاح کر دیا پھر اس کے بعد تعلق پیدا ہوا وہ تعلق تو بس اس کا مصداق ہوگا۔ ع "نہ عشقے کہ بندند بر خود بزور" اور ایک صورت یہ ہے کہ اتفاقاً اضطراراً کسی پر عاشق ہو گئے پھر حدود عفت میں نہایت سختی کے ساتھ رہ کر اس کی کوشش کرتے رہے کہ کسی طرح نکاح ہو جائے چنانچہ جدوجہد بسیار اور شدید کلفت انتظار اور بڑی تمناؤں کے بعد خدا خدا کر کے اس میں کامیابی ہوئی اور نکاح ہو گیا تو اب دیکھ لیجئے کہ نکاح کی ان دونوں صورتوں کے لطف میں زمین آسمان کا فرق ہوگا۔ اھ

بیعت میں تاخیر کی مصلحت

ایک بار تاخیر میں یہ مصلحت بھی بیان فرمائی کہ امید بیعت میں طالب اپنی اصلاح کی اور مناسبت پیدا کرنے کی بہت کوشش کرتا ہے ورنہ اگر درخواست پر فوراً بیعت کر لیا جائے تو پھر بے فکر ہو جاتا ہے اھ۔ غرض حضرت والا کو اس کا بڑا اہتمام ہے کہ لوگوں نے جو بیعت کے متعلق عقیدہ میں غلو کر

اشرف السوانح جلد ۲ ک 16

رکھا ہے اس کی اصلاح ہو کیونکہ جو چیز جس درجہ کی ہو اس درجہ سے اس کو بڑھانا بھی بدعت ہے۔

بیعت و تعلیم کو جمع نہ کرنا

تصحیح عقیدہ کے بعد بھی حضرت والا عموماً ابتداء میں بیعت اور تعلیم دونوں کو جمع نہیں فرماتے بلکہ اگر بیعت فرماتے ہیں تو تعلیم کسی اپنے خلیفہ ومجاز کے سپرد فرما دیتے ہیں اور اگر تعلیم خود اپنے ذمہ لیتے ہیں تو اس صورت میں بیعت نہیں فرماتے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اول خود طالب سے پوچھتے ہیں کہ بیعت ہونا چاہتے ہو یا تعلیم حاصل کرنا اور یہ بھی فرما دیتے ہیں کہ میرے یہاں بیعت اور تعلیم دونوں جمع نہیں ہوتیں۔ اس پر اگر وہ بیعت کی درخواست کرتا ہے تو اسی سے اندازہ فرما لیتے ہیں کہ وہ خوش فہم نہیں ورنہ جو اصل مقصود ہے یعنی تعلیم اس کی درخواست کرتا۔ ایسی حالت میں اگر اس کو اپنے سے تعلیم حاصل کرنے کی بھی اجازت دے دی جائے تو اس سے ایذائیں پہنچنے کا قوی اندیشہ ہوتا ہے لہٰذا شرائط ضروریہ پوری کرانے کے بعد جو انشاء اللہ تعالیٰ بعد کو نقل کی جائیں گی اس کی تعلیم تو اپنے کسی خلیفہ مجاز کے سپرد فرما دیتے ہیں اور بیعت خود فرما لیتے ہیں اور اگر وہ تعلیم کی درخواست کرتا ہے تو اس سے اس کی خوش فہمی کا غالب گمان ہوتا ہے کہ یہ اصل مقصود کا طالب ہو۔ لہٰذا اس کو تعلیمی خط و کتابت کرنے کی اجازت مرحمت فرما دی جاتی ہے۔ لیکن اگر اس خط و کتابت کے بعد اس کی خوش فہمی کا گمان غلط ثابت ہوتا ہے تو پھر اس کو بھی اپنے کسی خلیفہ مجاز ہی کے سپرد فرما دیا جاتا ہے اور جب تک کہ ایک معتد بہ مدت کے تجربہ کے بعد وہ خلیفہ مجاز اس کی تصدیق نہیں کر دیتے کہ اس طالب کو خود حضرت والا سے تعلیم حاصل کرنے کا سلیقہ پیدا ہو گیا ہے نیز جب تک حضرت والا اس تعلیمی خط و کتابت کو دیکھ کر جو خلیفہ مجاز سے ہوئی ہے خود بھی اپنا اطمینان نہیں فرما لیتے اس کو اپنے سے تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہیں عطا فرماتے۔

چونکہ حضرت والا بے حد لطیف المزاج ہیں اس لیے اگر ابتداء ہی میں تعلیم اور بیعت دونوں کو جمع کر دیا جائے تو طالبین کی بے تمیزیوں اور بے اصول باتوں سے بہت ایذائیں پہنچیں۔ جو تعلق بیعت قائم ہو جانے کے بعد خاص طور سے بہت ناگوار ہوتی ہیں اور چونکہ شیخ کے قلب کا تکدر مرید کے لیے سمِ قاتل ہے اس لیے حضرت والا کا یہ دستور العمل سراسر

مصلحت طالبین پر مبنی اور بالکل اصول صحیحہ کے مطابق ہے۔ اب اس دستور العمل کی بعض خاص تفصیلات بھی عرض کی جاتی ہیں۔

جب کوئی طالب حضرت والا سے رجوع کرتا ہے خواہ تقریراً یا تحریراً حاضراً یا غائباً تو بجز خاص اطمینانی مواقع کے ایک مطبوعہ پرچہ حوالہ فرمادیا جاتا ہے جس میں بیعت بلاتعلیم اور تعلیم بلا بیعت کی شرائط جدا جدا درج ہیں جو ذیل میں نقل کی جاتی ہیں۔

شرائط بیعت بلاتعلیم

۱۔ قرآن مجید جتنا پڑھا ہے یا جتنا یاد ہے کسی صحیح پڑھنے والے سے صحیح کرنا ہوگا۔

۲۔ بہشتی زیور کے سب حصے یا سات حصے اور بہشتی گوہر اور اصلاح الرسوم اور قصد السبیل کی تذئیل پڑھ کر یا سن کر اس کی پابندی کرنا ہوگی۔

۳۔ میرے چھپے ہوئے وعظ ہمیشہ پڑھنا یا سننا پڑیں گے۔

۴۔ ابتدائی تعلیم میرے کسی اجازت یافتہ سے (جس کو میں تجویز کردوں یا طالب کی تجویز پر اجازت دے دوں) حاصل کرنا ہوگی اور جب تک پچیس باران سے خط و کتابت نہ ہو چکے براہ راست مجھ سے تعلیم کی استدعا نہ کی جائے۔

شرائط تعلیم بلا بیعت

اگر فی الحال بیعت پر اصرار نہ ہو صرف تعلیم حاصل کرنا چاہیں تو صرف اول تین شرطوں کی پابندی لازم ہوگی چوتھی شرط نہ ہوگی۔ پھر جب باہم خوب مناسبت ہو جائے اس وقت درخواست بیعت کا بھی مضائقہ نہیں۔

تنبیہ: ابتداء میں بیعت و تعلیم دونوں جمع نہیں ہو سکتیں۔ (اشرف علی)

شرائط مذکورہ بالا میں سے ہر شرط کا فرداً فرداً اور واضح جواب طلب فرمایا جاتا ہے اور جب تک یہ اطمینان نہیں فرما لیتے کہ جو کچھ لکھا ہے اچھی طرح سمجھ کر لکھا ہے فیصلہ نہیں فرماتے۔ نیز خانقاہ میں رہتے ہوئے بیعت یا تعلیم کسی امر کے متعلق نہ زبانی کوئی گفتگو فرماتے ہیں نہ تحریر کی اجازت دیتے ہیں بلکہ پرچہ شرائط حوالہ فرما کر فرما دیتے ہیں کہ اس

کے متعلق جو کچھ لکھنا ہو اپنے مستقر پر پہنچ کر لکھنا جو من سب ہو گا جواب دیا جائے گا۔ اھ

یہ معمول اس لیے اختیار کیا گیا کہ اکثر نو واردین بے اصول جوابات دے کر حضرت والا کو بہت اذیت پہنچاتے تھے جس سے باہم بے لطفی کی نوبت آجاتی تھی۔ رہا یہ امر کہ خانقاہ میں رہتے ہوئے تحریری جوابات دینے کی بھی کیوں ممانعت ہے اس کی یہ وجہ ہے کہ جو شخص خانقاہ میں موجود ہو اس کی تحریری غلطیوں پر بھی زبانی فہمائش کرنے کا بالطبع تقاضا پیدا ہوتا ہے جس کا نتیجہ بالآخر پھر وہی بے لطفی ہے جس سے بچنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

بیعت بلا تعلیم کی منظوری

خط و کتابت کے بعد جن صاحبوں کی درخواست بیعت بلا تعلیم منظور فرمانا ہوتی ہے ان کو لکھ دیا جاتا ہے کہ میرا یہ خط میرے فلاں تجویز کردہ اجازت یافتہ کے پاس بھیج کر ان سے تعلیم حاصل کرنا شروع کر دیا جائے اور جب ان کا تعلیمی خط مع میرے اس خط کے میرے پاس بھیج کر مجھ سے بیعت کی درخواست کی جائے میں بیعت کر لوں گا۔ چنانچہ جب وہ صاحب ایسا کرتے ہیں حضرت والا ان کو بلا تامل بیعت فرما لیتے ہیں لیکن خط کے ذریعہ سے بیعت فرماتے ہیں محض بیعت ہونے کے لیے سفر کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ کیونکہ یہ مقصود تو خط کے ذریعہ سے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔

جن صاحبان کو بیعت بلا تعلیم سے مشرف فرمایا جاتا ہے ان کو کسی قسم کی تعلیمی خط و کتابت کی اجازت نہیں ہوتی البتہ محض طلب دعا اور دریافت خیریت کے لیے خط لکھنے کی اجازت عطا فرما دی جاتی ہے۔ یہ معاملہ ان حضرات کے متعلق مذکور ہوا جو بیعت بلا تعلیم چاہتے ہیں۔

تعلیم بلا بیعت کی منظوری

جو حضرات مذکورہ بالا پرچہ شرائط دیکھ کر تعلیم بلا بیعت کے خواستگار ہوتے ہیں حضرت والا ان کی خوش فہمی پر مسرور ہوتے ہیں کہ انہوں نے محض بیعت پر محض تعلیم کو جو اصل مقصود ہے ترجیح دی اور ان کو تعلیمی خط و کتابت کی اجازت مرحمت فرما دی جاتی ہے۔

بے اصولی کرنے والوں کیلئے دستور العمل

لیکن اگر وہ دوران خط وکتابت میں فہم وفکر سے کام نہیں لیتے اور بے اصول باتیں لکھ لکھ کر اذیت پہنچانے لگتے ہیں اور ان سے جلدی مناسبت پیدا ہونے کی توقع نہیں رہتی تو پھر جانبین کی مصلحت کی بناء پر ان کو بھی اپنے کسی خلیفہ مجاز سے تعلیم حاصل کرنے کی ہدایت فرمادی جاتی ہے اور یہ بھی تحریر فرمادیا جاتا ہے کہ اگر مجھ سے کسی ایسے خلیفہ کا پتہ پوچھا جائے گا تو میں بتادوں گا چنانچہ جب وہ پوچھتا ہے تو پتہ بھی بتادیا جاتا ہے بے پوچھے اور بطور خود نہیں بتاتے تا کہ اس معلم کی بے وقعتی نہ ہو اور اسی امر میں نہیں بلکہ ہر امر میں حضرت والا کو اس کا بہت ہی زیادہ اہتمام رہتا ہے کہ طریق کی اور مطلوب کی وقعت میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آنے پائے۔ جب تک طالب میں طلب صادق نہیں پاتے اس کو منہ بھی نہیں لگاتے۔

غرض اگر کوئی تعلیمی خط وکتابت کے دوران ایذائیں پہنچاتا ہے تو اس کی تعلیم کسی اپنے خلیفہ مجاز کے سپرد فرمادی جاتی ہے اور اس کی اکثر یہ ترتیب ہوتی ہے کہ اول سخت سخت تنبیہات کی جاتی ہیں جب انکا اثر نہیں ہوتا تو خط بھیجنے کی ممانعت فرمادی جاتی ہے پھر وہ بلا واسطہ یا بواسطہ معافی چاہتا ہے اور اکثر بواسطہ ہی معافی کے بارہ میں تحریر یا تقریری اجازت ملتی ہے کیونکہ طلب معافی میں بھی بکثرت بے عنوانیوں کا ظہور ہوتا ہے جو واسطہ نہ ہونے کی صورت میں پہلے سے بھی زیادہ تکدر بڑھ جانے کی موجب ہوجاتی ہیں لیکن واسطہ کو صرف سفیر بننے کی اجازت ہوتی ہے نہ کہ وکیل بننے کی اور اس کو اس کی سخت ممانعت ہوتی ہے کہ ذی واسطہ کو کوئی مشورہ دیا جائے یا اس کی سفارش کی جائے اور اگر کوئی واسطہ اس کے خلاف کرتا ہے تو وہ خود مورد عتاب ہوجاتا ہے اور پھر طالب کو کوئی دوسرا واسطہ تلاش کرنا پڑتا ہے لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے کیونکہ حضرت والا کے ان اصول سے سب پاس رہنے والے اچھی طرح واقف ہیں کسی کو خلاف ورزی کی جرأت نہیں ہوتی۔

غرض جن طالبین سے یہ توقع نہیں ہوتی کہ وہ خط وکتابت میں آئندہ اذیت نہ پہنچائیں گے ان کو حضرت والا معافی تو عطا فرمادیتے ہیں لیکن اس شرط پر کہ مجھ سے تعلیم حاصل کرنے کا تعلق نہ رکھا جائے۔ مگر اس حالت میں بھی از راہ خیر خواہی یہ تحریر فرمادیتے ہیں

کہ اصلاح کرانا بہر حال ضروری ہے اگر مجھ سے دوسرے مصلح کا پتہ پوچھ جائے گا تو میں بتا دوں گا۔ چنانچہ جب وہ پتہ پوچھتا ہے تو بتا دیتے ہیں اور اگر طالب اپنا میلان کسی خاص مصلح کی جانب ظاہر کرتا ہے تو اکثر اسی کو تجویز فرما دیتے ہیں۔ ورنہ خود جس کو مناسب خیال فرماتے ہیں تجویز فرما دیتے ہیں اور اس تجویز میں بعض اوقات قرب وطن یا دیگر مناسبات کا بھی لحاظ فرما لیتے ہیں ایسے صاحبان کو بھی جن کو ایذا دہی کی بناء پر دوسروں کے سپرد فرما دیا جاتا ہے اگر وہ محض طلب دعا اور دریافت خیریت کے لیے خط بھیجنے کی اجازت چاہتے ہیں تو اجازت مرحمت فرما دی جاتی ہے لیکن ان سے ایک خاص مسودہ لکھوا کر بعد منظوری اس پر اپنے دستخط فرما دیے جاتے ہیں اور ارشاد فرما دیا جاتا ہے کہ بس اس کی لفظ بہ لفظ نقل بھیجی جایا کرے ایک لفظ کی بھی کمی بیشی نہ ہو اور اس مسودہ کو بھی ہر بار ہمراہ بھیجا جائے تا کہ مقابلہ کیا جا سکے۔ اھ

یہ قید اس لیے لگائی گئی کہ بعضوں نے طلب دعا اور دریافت خیریت کے ضمن میں بھی ایسے مضامین لکھ دیے جن سے اذیت ہوئی۔

ضوابط مقرر کرنے کا سبب

غرض ماشاء اللہ تعالیٰ حضرت والا کی جو بات بھی ہے نہایت باضابطہ اور بااصول ہے لیکن یہ بھی بارہا فرمایا کہ مجھے انتظامات کا خواہ مخواہ شوق نہیں ہے بلکہ مجھے تو ان قصوں سے وحشت ہے کیونکہ میری طبیعت فطری طور پر بہت آزاد ہے مگر جہاں ضرورت ہو اور بدوں انتظامات کے کام ہی نہ چلے وہاں منتظم ہونا ہی پڑتا ہے اور وہاں منتظم ہونا ہی ضروری ہے بلکہ جہاں ضرورت ہو وہاں تو انتظامات میں مجھے بجائے مشقت اور وحشت کے نہایت مسرت اور دلچسپی ہوتی ہے اور میں نے یہ قواعد سوچ سوچ کر بلا ضرورت پہلے سے تجویز نہیں کیے بلکہ جیسے جیسے معاملات لوگ میرے ساتھ کرتے گئے اور ان کی بناء پر جیسی جیسی ضرورت پیش آتی گئی قواعد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ باقی خدا نہ کرے مجھ کو کوئی شوق تھوڑا ہی ہے خواہ مخواہ قواعد بنانے کا اور لوگوں کو تنگی میں ڈالنے کا استغفر اللہ بلکہ واللہ مجھے بعض ضابطے کے قواعد تجویز کرتے وقت نہایت شرم آئی کہ یہ کیا واہیات عدالتوں

کے سے ضابطے ہیں لیکن کیا کرتا ضرورتوں نے مجبور کر دیا۔

قواعد وضوابط کا مقصود

میرا مقصود ان قواعد سے صرف یہ ہے کہ نہ مجھے کوئی اذیت ہو نہ دوسروں کا کوئی کام اٹکے۔ ورنہ اگر یہ قواعد نہ ہوتے تو بڑی گڑبڑ رہتی نہ مجھی کو راحت ملتی نہ لوگوں ہی کے کام بنتے اب تو بفضلہٖ تعالیٰ دونوں کی مصلحتیں پوری ہو رہی ہیں۔ میرے قواعد اپنی ذات میں تو بالکل سہل ہیں البتہ میں ان کی پابندی خود بھی سختی سے کرتا ہوں اور دوسروں سے بھی ان کی پابندی سختی سے کراتا ہوں۔ بس اس پابندی ہی سے لوگ گھبراتے ہیں حالانکہ بلاتشبیہ شرائع کا بھی یہی حال ہے کہ وہ اپنی ذات میں تو بالکل سہل ہیں چنانچہ نصوص صریحہ سے ان کا سہل ہونا ثابت ہے خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **یرید اللّٰہ بکم الیسرَ ولا یرید بکم العُسرَ وماجعل علیکم فی الدین من حرج** اور حدیث میں ہے **الدین یُسر** لیکن ان کی پابندی سختی سے کرائی جاتی ہے اور ان کے ترک پر سخت سخت وعیدیں ہیں چنانچہ نماز اپنے ارکان وشروط کے لحاظ سے بہت سہل عمل ہے۔ اور معذوری کی حالت میں اس کے اندر اور بھی زیادہ سہولتیں رکھ دی گئی ہیں لیکن اس کی پابندی بہت سختی کے ساتھ کرائی گئی ہے۔ اور اس کے ترک پر دنیا وآخرت میں سخت سخت وعیدیں اور سزائیں ہیں۔ دنیا میں تو بعض ائمہ نے ترک نماز پر سزائے قتل تک کا فتویٰ دیا ہے اور بعض نے حبس دوام کا اور آخرت میں فرعون وہامان کے ساتھ دوزخ میں جانے کی وعید وارد ہے۔ غرض اس قانون کو ہرگز سخت نہیں کہہ سکتے جو اپنی ذات میں تو سہل ہو لیکن اس کی پابندی سختی سے کرائی جائے۔ اھ۔

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ یہ مضمون اس باب میں حضرت والا کے طرز سیاست کے بیان میں بھی بہ تفصیل بیان کیا جا چکا ہے۔

۲۔ طبعی مناسبت اور اتحاد مسلک کا ضروری ہونا

حضرت والا ایسوں کو ہرگز بیعت نہیں فرماتے جن سے قلب میں کسی قسم کا حجاب ہو۔ خواہ اختلاف طبائع کے سبب سے خواہ اختلاف مسلک کے سبب سے خواہ کسی خاص نوعیت

کی وجاہت کے سبب سے۔ چنانچہ اختلاف طبائع کی بنا پر تو آئے دن بیعت سے انکار فرماتے رہتے ہیں۔ بلکہ تعلیم وتلقین بھی دوسروں کے سپرد فرما دیتے ہیں۔ جیسا نمبر ۱۔ میں ابھی بہ تفصیل مذکور ہوا۔ یونکہ حضرت والا کو اللہ تعالیٰ نے بالطبع نہایت لطیف المزاج اور ذکی الحس پیدا فرمایا ہے اور ذکر وفکر نے اس فطری لطافت اور ذکاوت حس کو اور بھی چار چاند لگا دیئے ہیں۔ اس لیے طالبین کا ذرا سا بے ڈھنگا پن بھی نہایت ایذا دہ ہوتا ہے مگر وہی بے ڈھنگا پن جو بے فکری اور قلت اہتمام وقلت ادب طریق سے ناشی ہو ورنہ بہت سے دیہاتی آ آ کر حضرت والا سے گنوار پنے کی باتیں کیا کرتے ہیں اور حضرت والا بجائے ناخوش ہونے کے ان کی باتوں سے بہت لطف اندوز ہوا کرتے ہیں اور اکثر ان کی بے تکلفی اور سادگی کے واقعات کو نہایت لطف لے لے کر بعد کو بھی بیان فرمایا کرتے ہیں۔

ادھر تو حضرت والا کی اس درجہ لطافت مزاج اور ذکاوت حس اور ادھر آج کل کی عام طبائع میں انتہا درجہ کی بے انتظامی اور بے اصولی بمصداق قول احقر۔

الٰہی خیر ہو مجذوب میخانہ میں آیا ہے ۔۔۔۔۔ قدح کش لاابالی جام نازک نازنیں ساقی

اور غالباً بضرورت اصلاح عامۃ الناس ہی اللہ تعالیٰ نے ایسا مصلح مناسب زمانہ اس صدی میں پیدا فرمایا ہے لہٰذا ابتداء حضرت والا کو بہت ہی کم طالبین سے موافقت اور مناسبت ہوتی ہے اور زیادہ تر اسی وجہ سے اکثر حضرت والا بیعت اور تعلیم وتلقین میں تامل اور تاخیر فرماتے ہیں۔ بالخصوص بیعت تو اس وقت تک فرماتے ہی نہیں جب تک ہر طرح کا اطمینان نہ ہو جائے اور مناسبت کے متعلق پورا شرح صدر نہ ہو جائے۔

ہر شخص اس کے پاس جائے جس سے مناسبت ہو

کل ہی کی مجلس میں اپنے طرز سیاست کے متعلق فرما رہے تھے کہ جو لوگ بوجہ عدم مناسبت کے ایذائیں پہنچائیں انہیں ڈانٹ ڈپٹ کر کیوں نہ بھگاؤں۔ مچھروں کو بھی تو دھونی دے دے کر بھگایا جاتا ہے اگر ان کو اس طرح نہ بھگایا جائے تو وہ تو جمع ہو کر پریشان کر ڈالیں اس پر ایک اہل خصوصیت اور بے تکلف اہل علم نے عرض کیا کہ حضرت ان کو برا

رہنے ہی کیوں دیا جائے ان کی اصلاح فرما کر ان کو اچھا ہی کیوں نہ بنا دیا جائے۔ فرمایا کہ حضرت ہر شخص کو ہر شخص اچھا نہیں بنا سکتا۔ اصلاح کا دارومدار ہے مناسبت پر۔ ممکن ہے ایک شخص کو مجھ سے مناسبت نہ ہو اور دوسرے سے مناسبت ہو لہٰذا ہر شخص کو اپنی اصلاح کے لیے اسی کے پاس جانا چاہیے جس سے مناسبت ہو لیکن وہ ہو محقق۔ اھ

بزرگوں کی مختلف شانیں

اس پر حضرت والا کا ایک پرانا ملفوظ حسن العزیز سے نقل کیا جاتا ہے۔

بزرگوں کی مختلف شانوں کا ذکر تھا احقر نے عرض کیا کہ کیا بزرگی بھی مختلف ہوتی ہے۔ فرمایا کہ بزرگی خود مختلف چیز نہیں البتہ امور طبعیہ جو پیدائشی ہیں جیسے تیزی، نزاکت، تحمل، ضعف تحمل، انتظام، بے انتظامی، غرض جو پیدائشی اخلاق ہیں ان سے بزرگوں کی شانیں مختلف ہو جاتی ہیں۔ اھ

اپنے طرز سیاست ہی کے سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ بعض لوگوں نے مجھ سے کہا کہ اپنے اور حضرات کا تو یہ طرز نہ تھا میں نے کہا یہ بات تو حضرت عمرؓ کے متعلق بھی کہی جا سکتی ہے کہ حد خمر نہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھی نہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں تھی صرف تعزیر تھی۔ حضرت عمرؓ نے بجائے تعزیر کے یہ حد کیوں مقرر کر دی۔ بس جو وہاں جواب ہے وہی یہاں بھی ہے یعنی پہلے طبائع میں سلامتی تھی اس لئے واقعات میں قلت تھی لہٰذا صرف تقریر کافی تھی حد مقرر کرنے کی ضرورت نہ تھی، بعد کو طبائع کا رنگ بدل گیا اور واقعات زیادہ ہونے لگے اس لیے حد مقرر کرنے کی ضرورت واقع ہوئی تو جو فاروق نے کیا وہی ایک فاروقی نے بھی کیا۔ اھ

غرض حضرت والا جو بعض کو کچھ دن کے لیے اور بعض کو ہمیشہ کیلئے اپنے خلفائے مجازین کے سپرد فرما دیتے ہیں اس کی وجہ عدم مناسبت طبائع ہی ہے کیونکہ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ جن باتوں کو عموماً ہلکا سمجھا جاتا ہے وہ مجھ کو تو بہت ناگوار ہوتی ہیں۔ کیونکہ میری نظر فوراً ان کے مناشی اور آثار پر پہنچ جاتی ہے مثلاً قلت تدبر، قلت اہتمام، قلت طلب وغیرہ پر۔ لیکن اوروں کو بوجہ خصوصیت طبائع عموماً اتنی ناگواری نہیں ہوتیں۔ یا ممکن ہے ناگوار ہوتی ہوں لیکن چونکہ ادر جگہ التزام کے ساتھ یہ کام نہیں ہوتا دیگر حضرات اور بڑے بڑے کاموں میں مشغول ہیں اس لیے ممکن ہے وہاں ایسے واقعات کم ہوتے ہوں اور کبھی کبھار کی ناگواری کا تحمل کر لیا جاتا ہو۔ اھ

شیخ کا کام

غرض طالبین کی بھی مصلحت اسی میں ہے کہ ان کو سلیقہ آنے تک کے لیے دوسروں کے سپرد کر دیا جائے جب حضرت والا نے بعض نو وارد طالبین کو ان کی بے تمیزیوں پر زجر توبیخ فرمائی تو انہوں نے بطور عذر کے یہ عرض کیا کہ حضرت ہم تمیز سیکھنے اور اپنی اصلاح کرانے ہی کے لیے تو حاضر خدمت ہوئے ہیں اگر ہم میں تمیز نہیں ہے تو اس عیب کی بھی حضرت ہی اصلاح فرمائیں اور ہم کو تمیز سکھائیں اھ۔

اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ یوں تو اصلاح کے بہت سے شعبے ہیں میں کن کن باتوں کی اصلاح کروں گا۔ کل کو حوض پر پاجامہ کھول کر بیٹھ جانا اور کہنا کہ آؤ مجھے آبدست لینا بھی سکھاؤ۔ میرے ذمہ ساری باتوں کی اصلاح نہیں ہے بلکہ صرف انہی باتوں کی ہے جو تمہاری سمجھ سے باہر ہوں اور ایسی باریک ہوں کہ سوچنے سے بھی سمجھ میں نہ آویں۔ یہ موٹی موٹی باتیں سلیقہ اور تمیز کی اور دوسروں کو اذیت سے بچانے کی تو ایسی ہیں کہ اگر ذرا غور و فکر سے کام لیا جائے تو نہایت سہولت سے ذہن میں آسکتی ہیں ایسی باتوں کو تو گھر سے سیکھ کر آنا چاہیے۔ میں ایسی باتیں کہاں تک سکھاؤں گا اور اگر اس میں ایسی ہی وسعت کی جائے تو اصل مقصود کی تعلیم کی نوبت ہی نہ آئے (انہیں قصوں میں سب صرف ہو جائے۔) اھ

اختلافِ مسلک کی وجہ سے بیعت سے انکار

یہ تو معلم اور متعلم کے اختلاف طبائع کی صورت کا ذکر تھا اور اختلاف مسلک کی صورت میں بھی جب تک حضرت والا عقائد و اعمال کے متعلق معاملہ بالکل صاف نہیں فرما لیتے بیعت یا تعلیم و تربیت کا تعلق نہیں قائم فرماتے تاکہ آئندہ چل کر کوئی بے لطفی یا غلط فہمی نہ ہو چنانچہ متعدد مواقع ایسے آئے اور آتے رہتے ہیں کہ حضرت والا سے اہل بدعت اہل حدیث اہل قرآن بلکہ قادیانیوں اور ہندوؤں تک نے رجوع کیا بعض نے حاضر ہو کر بعض نے بذریعہ خطوط کے بعض نے اہل حق کے خلاف شبہات رفع کرنے کی غرض سے بعض نے تعلیم طریقت حاصل کرنے کے قصد سے لیکن حضرت والا نے ان سے اول ہی موقع پر اپنا مسلک

صاف صاف ظاہر فرما دیا اور اظہار حق میں ذرا تامل نہ فرمایا اور اگر ان میں سے کسی غیر مسلم نے تعلیم طریقت کی درخواست کی تو اس کے لیے اسلام کا شرط اولین ہونا بھی نہایت واضح مگر لطیف اور مہذب عنوان سے بلا ادنیٰ دل آزاری کے ظاہر فرما دیا۔

ایک مولوی صاحب کا واقعہ

چنانچہ ایک مولوی صاحب جو ایک غالی بدعتی پیر سے بیعت تھے اپنے پیر سابق کے انتقال کے بعد حضرت والا کی خدمت میں بغرض قیام خانقاہ حاضر ہوئے۔ یہ سب حالات معلوم فرما کر حضرت والا نے ان سے صاف صاف فرمایا کہ مولانا اگر یہ سب امور پیشتر خط سے طے ہو جاتے تو بہتر تھا اس لیے کہ ایک جزو آپ یہاں بہت وحشتناک سنیں گے وہ یہ کہ آپ کے سابق پیر کے مسلک اور ہمارے مسلک میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ یہاں تک کہ وہ ہمیں کافر کہتے تھے اگر آپ نے ان کو محقق سمجھا تو جس کو وہ کافر سمجھیں اس سے آپ دین کی اصلاح کی کیوں توقع رکھیں اور اگر ہمیں کافر نہ سمجھا تو انہیں گمراہ سمجھنا پڑے گا۔ کیونکہ جو مسلمان کو کافر سمجھے وہ کیا گمراہ بھی نہیں لیکن انہیں گمراہ سمجھنا آپ کو شاق ہوگا اور یہ جو آپ چاہیں کہ من وجہ انہیں حق پر سمجھیں اور من وجہ ہمیں تو اس سے اس طریق میں کام نہیں چلتا اسی واسطے تو میں کہتا ہوں کہ ان باتوں کو پہلے خطوط سے طے کر لینا چاہیے تھے اب آپ مشکل میں پڑ گئے کیونکہ اتنی دور کا سفر کر کے آئے ہیں لوٹ جانا بھی شاق ہوگا اور اگر رہے تو ایسے شخص سے جس کو اپنا معتقد فیہ کافر کہتا ہو آپ کو کیا نفع ہو سکتا ہے۔ الخ۔ (ماخوذ از حسن العزیز جلد اول ملخصاً)

غرض حضرت والا نے سب باتیں صاف صاف فرما دیں اور یہ محض اس وجہ سے کہ انہوں نے حضرت والا سے تعلیم و تلقین کا تعلق پیدا کرنا چاہا تھا جس میں قلوب کے اندر ادنی حجاب ہونا بھی حاجب عن المقصود ہو جاتا ہے ورنہ حضرت والا کسی کے گمراہ سے گمراہ معتقد فیہ کے متعلق بلا ضرورت شرعیہ ایک حرف بھی زبان پر نہیں لاتے اور بلا وجہ کسی کی دل آزاری کو نہایت ناپسندیدہ اور نازیبا حرکت سمجھتے ہیں اور اتنی احتیاط بھی اس لیے فرمائی کہ ان کے معتقد فیہ اس درجہ غالی تھے کہ اپنے مخالف مسلک والوں کو نعوذ باللہ کافر سمجھتے تھے ورنہ جن بزرگوں کا صرف مشرب مختلف تھا

لیکن عقیدہ میں غلو نہ تھا ان کے مریدین کو تو ان کے انتقال کے بعد حضرت والا نے نہایت خوشی کے ساتھ ان کی درخواست پر اپنے زیر تربیت لے لیا اور وہ سب حضرت والا ہی کے ہم مشرب ہو کر برابر مستفیض ہو رہے ہیں یہاں تک کہ ان میں سے بعض خلیفہ مجاز بھی ہو گئے ہیں۔

ایک بزرگ کے صاحبزادے کا واقعہ

ایک ایسے ہی بزرگ کے صاحبزادے نے حضرت والا سے تربیت باطنی کی استدعا کی تو ان کا پورا احترام ملحوظ خاطر رکھ کر اپنے مسلک کی جانب بھی ان کی توجہ منعطف کرا دی اور خدمت سے بھی انکار نہیں فرمایا۔ چنانچہ جواب تحریر فرمایا کہ اپنی تربیت کی ضرورت کی طرف توجہ سے کہ واقع میں ایک تشخیص ہے بے حد مسرت ہوئی مگر اس کا جو طریق تجویز فرمایا ہے کہ مشابہ ہے تجویز طبی کے اس سے ایک خاص خجلت ہوئی جو اس مسرت تشخیص کے متقدم ہو گئی۔ میں کیا چیز ہوں کہ ایسی عظیم خدمت کی جرأت کروں لیکن اس کے ساتھ ہی اس سے زیادہ خجلت ہوتی ہے کہ کہنا نہ مانوں۔ نیز اس وقت مشائخ کے طبقہ میں علم و عمل و حال توجہ مطلوب کی کمی عام ہے۔ ان کی طرف متوجہ کرنے میں احتمال ضرر بھی ہے جس کو وہی تعلق گوارا نہیں کرنے دیتا۔ اس کشمکش سے نکلنے اور نکالنے کے لیے بین بین صورت یہ ذہن میں آتی ہے کہ آپ چند روز مجھ سے خدمت لیں۔ اگر وہ خدمت نافع معلوم ہو اس کو مستقل کر دیا جائے ورنہ کسی دوسری طرف توجہ فرمائی جائے۔ نیز خدمت لینے کے قبل اس پر بھی نظر ثانی کر لی جائے کہ مجھ کو عقائد اور اخلاق میں بدنام بھی کیا گیا ہے۔ والسلام۔

غیر مقلدین سے معاملہ

اسی طرح حضرت والا غیر متشدد اور غیر متعصب غیر مقلدین کو بھی ان کی درخواست پر اپنے زیر تربیت لے لیتے ہیں بلکہ بعض کو ان کے اصرار و اشتیاق پر داخل سلسلہ بھی فرما لیا ہے اور عدم تشدد و عدم تعصب کا معیار یہ قرار دے رکھا ہے کہ جب ان میں سے کوئی صاحب بیعت یا استفاضہ کا تعلق قائم کرنا چاہتے ہیں تو اول یہ استفسار فرماتے ہیں کہ آپ تقلید ائمہ معصوم عند الامہ کو جائز سمجھتے ہیں یا ناجائز۔ اگر وہ کہتے ہیں کہ جائز سمجھتے ہیں تو پھر یہ سوال

فرماتے ہیں کہ ناجائز سمجھنے والوں کو کیا سمجھتے ہیں اور اگر وہ کہتے ہیں کہ ناجائز سمجھتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ میں تو اس کا مرتکب ہوں پھر جب آپ کے نزدیک میں ناجائز کا مرتکب ہوں تو مجھ سے بیعت ہونا یا نفع دینی حاصل کرنا کہاں جائز ہے۔ چنانچہ حال ہی میں ایک اہل حدیث کا خط آیا جس میں یہ درخواست تھی کہ مجھ نابینا کی رہبری فرمائی جائے۔ حضرت والا نے جواب ارقام فرمایا کہ آپ تقلید کو جائز سمجھتے ہیں یا ناجائز اگر ناجائز سمجھتے ہیں اور میں اس کو جائز بلکہ ایک درجہ میں واجب سمجھتا ہوں تو اس صورت میں آپ کے اعتقاد پر میں آپ سے زیادہ نابینا ہوں تو نابینا کو نابینا کیا راستہ دکھائے گا اور اگر آپ اس کو جائز سمجھتے ہیں تو ناجائز سمجھنے والوں کو کیا سمجھتے ہیں اول اس کا فیصلہ ہونا چاہیے۔ اھ

غرض اگر حسب ارشاد حضرت والا کوئی طالب گو اہل حدیث ہو لیکن تقلید مذکور کو حرام نہ سمجھتا ہو اور حضرات فقہاء کی شان میں بدزبانی اور بدگمانی نہ کرتا ہو تو حضرت والا اس کی تعلیم و تلقین سے بلکہ داخل سلسلہ کر لینے سے بھی انکار نہیں فرماتے چنانچہ ایسے متعدد اہل حدیث صاحبان حضرت والا سے دونوں قسموں کا تعلق رکھنے والے موجود ہیں اور گو بعض نے حضرت والا سے تعلق پیدا کر لینے کے بعد بطور خود اپنا قدیم مسلک چھوڑ کر تقلید ہی کو اختیار کر لیا لیکن حضرت والا نے کبھی اشارۃً یا کنایۃً بھی ان کو ایسا کرنے کا ایماء نہیں فرمایا نہ مشورہ دیا بلکہ ایک اہل حدیث صاحب نے حاضر خانقاہ ہوئے تھے نماز جہری میں آمین بالجہر نہیں کہی تو حضرت والا کو شبہ ہوا کہ شاید ہم لوگوں کے خیال سے ایسا نہیں کیا چنانچہ جن صاحب کے ساتھ وہ تشریف لائے تھے ان سے فرمایا کہ اگر ہم لوگوں کے خیال سے انہوں نے آمین پکار کر نہیں کہی تو ان کو مطمئن کر دیجئے گا کہ یہاں ان کو کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں۔ آزادی سے اپنے مسلک پر رہیں تنگی برداشت نہ کریں۔ اھ۔ اس پر ان صاحب نے کہا کہ نہیں ان کی اپنے یہاں بھی یہی عادت ہے کہ کبھی آمین پکار کر کہتے ہیں کبھی آہستہ۔

غرض حضرت والا ایسے امور میں ہرگز تنگی نہیں فرماتے بلکہ فرمایا کرتے ہیں کہ اگر کوئی اہل حدیث تقلید کو حرام نہ سمجھے اور بزرگوں کی شان میں بدزبانی اور بدگمانی نہ کرے تو خیر یہ بھی بعض سلف کا مسلک رہا ہے اس میں بھی میں تنگی نہیں کرتا ہاں دل کا پوری طرح ملنا نہ ملنا اور بات ہے۔ اھ۔

بعض گمراہوں سے معاملہ

بعض قادیانیوں اور آریوں نے اپنے شبہات کے ازالہ کا خیال ظاہر کر کے قیام کی اجازت چاہی تو ان کو اجازت قیام بھی عطا فرمادی لیکن جب ان کے اغراض فاسدہ کا علم ہوا کہ باہر جا جا کر اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے ہیں تو پھر بلا رو رعایت انکا فوراً اخراج فرمایا۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت والا کی وہی شان ہے جو ایک محقق کی ہونی چاہیے کہ نہ افراط ہے نہ تفریط نہ بے محل وسعت نہ بیجا تنگی۔ بس ہر امر میں اعتدال ہے اور یہی حقیقت ہے صراط مستقیم کی۔

اہلِ وجاہت سے برتاؤ

اختلاف طبائع اور اختلاف مشرب رکھنے والوں کے ساتھ جو بیعت اور تربیت کے متعلق فرمایا جاتا ہے اس کا تو ذکر ہو چکا اب اہل وجاہت خاصہ کے ساتھ جو ان امور میں معاملہ فرمایا جاتا ہے اس کو بھی بیان کر کے اس نمبر کو جو طویل ہوتا چلا جا رہا ہے انشاءاللہ ختم ہو جائے گا۔

حضرت والا ان اہل وجاہت سے جن سے دل اتنا کھلا ہوا نہ ہو کہ بے تکلف ان کو اصلاح طلب امور پر تنبہ فرما سکیں خصوصی تعلقات نہیں قائم فرماتے چنانچہ بعض نوابوں بلکہ بعض والیان ریاست نے بھی بہت چاہا کہ حضرت والا سے خصوصی تعلقات قائم کریں لیکن حضرت والا نے عذر فرما دیا مگر بہت تہذیب اور حفظ مراتب کے ساتھ۔

حضرت والا اس کی یہ وجہ بیان فرمایا کرتے ہیں کہ کسی کی تربیت اس وقت تک اپنے ذمہ نہ لینا چاہیے جب تک اپنے دل کو اس سے اتنا کھلا ہوا نہ پائے کہ اگر خود اس کی ذات کو نالائق نہ کہہ سکے تو کم از کم اتنا تو کہہ سکے کہ آپ کی یہ حرکت بڑی نالائق تھی ورنہ پھر اس کی اصلاح ہی کیا ہو سکتی ہے اور پھر اس کو اس تعلق سے فائدہ ہی کیا پہنچ سکتا ہے۔ اھ

اس پر ایک اہل خصوصیت صاحب اجازت نے سوال کیا کہ حضرت پھر ایسے لوگ فیض کس طرح حاصل کریں۔ فرمایا کہ یہ تو انہی کے اختیار کی بات ہے وہ برتاؤ ایسا کریں کہ ان سے اتنا دل کھل جائے کہ جو چاہیں کہہ سکیں چنانچہ تجربہ ہے کہ برتاؤ سے دل کھل جاتا ہے اھ۔

اس پر حضرت والا کا ایک اور ملفوظ یاد آیا۔ فرمایا کرتے ہیں کہ بعض درویش امراء اور

اہل وجاہت کے ساتھ خواہ مخواہ خشونت کا برتاؤ کرتے ہیں لیکن ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ اس کو ناپسند فرماتے تھے بلکہ فرماتے تھے کہ بلا وجہ ایسا برتاؤ کرنا تکبر ہے لہٰذا اس معاملہ میں میرا (یعنی حضرت والا کا) یہ معمول ہے کہ میں ان کیساتھ نہ تو تملق کا برتاؤ کرتا ہوں نہ اہانت کا بلکہ متوسط درجہ کا برتاؤ کرتا ہوں جس میں ان کی امتیازی شان اور حفظ مراتب کی بھی رعایت ہوتی ہے۔ کیونکہ جس برتاؤ کے وہ عادی ہوتے ہیں اور عام طور سے متوقع رہتے ہیں اس کا بھی بقدر ضرورت لحاظ رکھنا ضروری ہے تاکہ دل شکنی نہ ہو لیکن اگر ان کی طرف سے کوئی برتاؤ نازیبا ہوتا ہے بالخصوص ایسا برتاؤ جس سے اہل دین کا استخفاف مترشح ہو تو پھر میں ان کی بالکل رعایت نہیں کرتا۔ اھ

ایک پولیس افسر کی درخواست کا جواب

بعض خاص اہل امتیاز و وجاہت نے حضرت والا سے بیعت کی درخواست کی تو حضرت والا نے پیشتر سب معاملات کو صاف صاف مگر نہایت لطافت و متانت اور تہذیب و شائستگی کے ساتھ تحریر فرما دیا۔ چنانچہ ایک پولیس کے افسر نے جو اس زمانہ میں خاص تھانہ بھون ہی میں تعینات تھے۔ بغایت عقیدت بیعت کی زبانی درخواست کی چونکہ قبل بیعت بہت سے امور کی طرف توجہ منعطف کرنی تھی اور معاملہ صاف کرنا تھا اس لیے حضرت والا نے ان کی درخواست کے متعلق کچھ زبانی کہنے کے بجائے اس وقت صرف یہ فرما دیا کہ میں انشاء اللہ تعالیٰ اس کے متعلق آپ کے پاس کچھ لکھ کر بھیجوں گا۔ پھر حضرت والا نے ان کے پاس حسب ذیل تحریر بھیج دی۔

آپ نے اپنی محبت سے جو خدمت مجھ سے لینا چاہا ہے اگرچہ میں اس کا اہل نہیں مگر احباب کی خدمت سے انکار بھی نہیں لیکن چونکہ آپ سے دلی خلوص اور بے تکلفی ہے اس لیے خیر خواہی سے ذیل کے نمبروں کو آپ کی نظر میں لانا چاہتا ہوں تاکہ بصیرت سے رائے قائم فرما سکیں کسی مغالطہ کا احتمال نہ رہے۔ پھر جو رائے قائم فرمائی جائے گی میں اس کا اتباع کرنے کو تیار ہوں۔

نمبر ۱۔ میں ایک خشک طالب علم ہوں۔ اس زمانہ میں جن چیزوں کو درویشی کے لوازم سے سمجھا جاتا ہے جیسے محفل میلاد شریف' عرس' گیارہویں' نیاز' فاتحہ' قوالی و مثل ذلک میں

ان سب سے محروم ہوں اور اپنے دوستوں کو بھی اسی خشک طریقہ پر رکھنا پسند کرتا ہوں۔

نمبر۲۔ میں نہ صاحب کشف ہوں نہ صاحب کرامت نہ صاحب تصرف نہ عامل اللہ و رسول کے احکام پر مطلع کرتا رہتا ہوں۔

نمبر۳۔ اپنے دوستوں سے کسی قسم کا تکلف نہیں کرتا۔ نہ اپنی حالت چھپاتا ہوں۔ نہ اپنی کوئی تعلیم نہ کوئی مشورہ امور دینیہ کا۔ عمل کرنے پر کسی کو مجبور نہیں کرتا۔ عمل کرتا ہوا دیکھ کر خوش اور عمل سے دور دیکھ کر رنجیدہ ہوتا ہوں۔

نمبر۴۔ میں کسی سے نہ کوئی فرمائش کرتا ہوں نہ کسی کی سفارش۔ اسی لیے بعض اہل الرائے مجھ کو خشک کہتے ہیں۔ میرا مذاق یہ ہے کہ ایک کو دوسرے کی رعایت سے کوئی اذیت نہ دوں خواہ حرفی ہی اذیت ہو۔

نمبر۵۔ سب سے زیادہ اہتمام مجھ کو اپنے لیے اور اپنے دوستوں کے لیے اس امر کا ہے کہ کسی کو کسی قسم کی اذیت نہ پہنچائی جائے خواہ بدنی ہو جیسے مار پیٹ خواہ مالی ہو جیسے کسی کا حق مار لینا یا ناحق کوئی چیز لے لینا خواہ آبرو کے متعلق ہو جیسے کسی کی تحقیر کسی کی غیبت خواہ نفسانی ہو جیسے کسی کو کسی تشویش میں ڈال دینا یا کوئی ناگوار ور نجیدہ معاملہ کرنا اور اگر غلطی سے کوئی بات ایسی ہو جائے تو معافی چاہنے سے عار نہ کرنا۔

نمبر۶۔ نمبر۵ کا مجھ کو اس قدر اہتمام ہے کہ کسی کی وضع خلاف شرع دیکھ کر صرف شکایت ہوتی ہے مگر نمبر۵ کی کوتاہی دیکھ کر صدمہ بے حد ہوتا ہے اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس سے نجات دے۔ یہ تو میرا ذاتی کچا چٹھا تھا۔ اب بعض مصالح آں مکرم کے متعلق ہیں وہ زیادہ قابل غور ہیں۔

نمبر۷۔ اگر کوئی امر آپ سے کسی کی مرضی کے خلاف ہو گیا جیسا انتظامی امور ہیں ممکن ہے گو خلاف شرع نہ ہو اعتراض کا موقع ملے گا کہ سلسلہ طریقت میں داخل ہو کر خلاف طریق کیا اور ساتھ ہی مجھ کو بھی مطعون کریں گے کہ منع نہیں کیا۔

نمبر۸۔ مجھ سے بعضے لوگ سفارش کی درخواست کریں گے میں تو نمبر۴ کے موافق عذر کر دوں گا۔ اس عذر سے مجھ کو تو بدنام کریں ہی گے مگر اس کے بعد یہ کریں گے کہ آپ کو یہ تکلیف دیں گے کہ اپنے تعلقات میرے ساتھ آپ کے روبرو پیش کر کے اپنے موافق

کارروائی کی درخواست کریں گے اس سے آپ کو تنگی ہوگی اور آزادی پر عمل کرنے سے اعتراض کریں گے۔ ان سب امور میں غور فرما کر رائے قائم کر لیجئے سب سے اسلم اور مامون طریقہ تو یہ ہے کہ (الف) مجھ کو اس کا اہل ہی قرار نہ دیا جائے۔ اگر یہ دل کو نہ لگے تو (ب) یہاں کے قیام تک ملتوی فرمایا جائے اگر یہ بھی منظور نہ ہو تو (ج) ایسا خفیہ کیا جائے کہ کسی کو علم ہی نہ ہو۔ دو امر اور یاد آئے جو دوسرے ورق پر معروض ہیں۔

نمبر ۹۔ حکام گو مجھ سے بدگمان نہیں مگر اہل اغراض اپنے اغراض فاسدہ کے لیے توڑ جوڑ سے نہیں چوکتے۔ مثلاً کسی مسلمان کو آپ سے کوئی جائز فائدہ پہنچا' یا کسی مسلمان کو کسی غیر مسلم کے ظلم و ضرر سے بچا لیا تو ممکن ہے تعصب کے سبب کوئی بدنیت شخص حکام تک اس کو رنگ دے کر پہنچا دے کہ ان کا تعلق فلاں مذہبی شخص سے ہے اس کے اثر سے یہ کام تعصب کی بنا پر کیا گیا ہے۔

نمبر ۱۰۔ یا کسی مستحق سزا مسلمان کا چالان وغیرہ کیا گیا یا کسی ہندو کو کسی ظالم مسلمان سے بچایا گیا تو اس وقت کوئی کم فہم مسلمان یہ اعتراض کرے گا کہ داخل سلسلہ ہو کر بھی مسلمان کی حمایت نہ کی یا ہندو کی حمایت کی اس قسم کی تنگیاں پیش آسکتی ہیں اور اس سے سالم رہنے کے وہی تین طریقے ہیں جو حرف الف اور ب اور ج میں عرض کئے ہیں اور یہ خدا نہ کرے انکار نہیں خیر خواہی و انجام اندیشی کی بنا پر مشورہ ہے' اس کے بعد اس پر ختم ہے۔

سپردم بتو مایۂ خویش را تو دانی حساب کم و بیش را

(میں نے تو اپنا سرمایہ آپ کے حوالے کر دیا ہے، کم و زیادہ کے حساب کو تو خود جانتا ہے)

والسلام انتہی بلفظہ ۹۔ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ مطابق ۲۵۔ فروری ۱۹۳۴ھ

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ سبحان اللہ حضرت والا نے اپنا مسلک بھی صاف صاف ظاہر فرما دیا اور نہایت لطیف اور غیر دل آزار پیرایہ میں سارے اصلاح طلب امور سے بھی آگاہ فرما دیا۔

۳۔ مریضوں اور مستورات کے لئے نرمی

حضرت والا مریضوں کو بوجہ ترحم اور مستورات کو اس وجہ سے کہ وہ ذی رائے نہیں ہوتیں بیعت فرمالینے میں تنگی نہیں فرماتے لیکن بہت سی مصالح کی بنا پر مستورات کا محض اس

غرض کے لیے تھانہ بھون آنا بہت ناپسند فرماتے ہیں کیونکہ بعض عورتیں سفر میں نمازیں قضا کردیتی ہیں اور پردہ کا بھی اہتمام مشکل ہوتا ہے پھر عورتوں کا ہجوم بھی خلاف مصلحت ہے۔

لٰہذا حضرت والا اکثر یہ ارشاد فرما کر بے بیعت فرمائے ہی واپس فرمادیتے ہیں کہ یہ کام تو خط کے ذریعہ سے بھی ہوسکتا تھا اب بھی اگر جی چاہے واپس پہنچ کر خط ہی کے ذریعہ سے درخواست کرنا جو مناسب ہوگا وہ جواب دیا جائے گا۔اھ

بلا بیعت واپس فرمادینے میں یہ بھی مصلحت ہے کہ اس معمول کی عام طور پر شہرت ہو جائے اور آگے کو یہ سلسلہ نہ چلے۔

۴-عورتوں کے لئے محرم کی اجازت کی شرط

حضرت والا مستورات کو اس وقت تک بیعت نہیں فرماتے جب تک وہ اپنے شوہروں کے یا بے شوہر ہونے کی صورت میں اپنے کسی محرم سرپرست کی صریح اجازت حاصل کر کے پیش نہیں کرتیں۔اس میں علاوہ بہت سی مصالح مثلاً انسداد آزادی وغیرہ کے یہ بھی مصلحت ہے کہ اگر شوہر یا سرپرست مختلف المشرب ہوا تو گھر میں ہمیشہ لڑائی ہی رہنے لگے اور بیچاری عورت کی عافیت ہی تنگ ہوجائے۔

۵-مستورات کو بیعت کرنے کا طریقہ

حضرت والا مستورات کو پردہ کی آڑ سے بذریعہ کسی رومال یا کپڑے کے بیعت فرماتے ہیں اور بیعت فرماتے وقت ان کے کسی محرم کو بھی یا اپنی کسی اہلیہ کو یا اپنی کسی محرم بی بی کو اپنے پاس ضرور موجود رکھتے ہیں اور پردہ کی بہت تاکید رکھتے ہیں چنانچہ جب بیعت کے وقت امتثال اوامر و اجتناب نواہی کا معاہدہ زبان سے کہلواتے ہیں تو ہدایت فرمادیتے ہیں کہ جو میں کہتا جاؤں تم بھی چپکے چپکے کہتی جاؤ پکار کر نہ کہنا۔اھ

یہاں تک کہ ایسی مستورات کو بھی جو حضرت والا سے پس پردہ کلام کرلیتی ہیں بیعت فرماتے وقت بھی ہدایت فرمائی تاکہ طریق کا ادب محفوظ رہے۔اسی طرح ایسی بڑھیوں کو بھی جو حضرت والا سے پردہ نہیں کرتی تھیں بیعت کرتے وقت پردہ میں بٹھلایا اس کا منشاء

بھی تحفظ ادب طریق ہے۔

۶- دورانِ سفر بیعت کے لئے ضوابط

حضرت والا جب سفر فرمایا کرتے تھے تو سفر میں بجز ان خاص صاحبوں کے جن پر پہلے سے اطمینان ہوتا تھا یا بجز عورتوں کے کیونکہ وہ ذی رائے نہیں ہوتیں کسی کو بیعت نہیں فرماتے تھے اگر کوئی درخواست کرتا تو رد فرما دیتے کہ سفر کی حالت میں بیعت ہونا اور بیعت کرنا دونوں نامناسب ہیں کیونکہ سفر میں جانبین کو ایک دوسرے کی اصل حالت معلوم کرنے کا موقع ہی کہاں ملتا ہے اور بدوں اصل حالت معلوم کئے اور اچھی طرح اطمینان کئے نہ مرید کو بیعت کرنا چاہیے نہ شیخ کو مرید کرنا چاہیے یہ گاجر مولی کا سودا تھوڑی ہی ہے کہ پیسہ ڈالا اور کہا کہ لا مولی لا گاجر۔ اھ

حضرت والا اس معمول کی یہ مصلحت بھی بیان فرمایا کرتے تھے کہ لوگ سفری دکاندار پیروں سے احتیاط کرنا سیکھیں۔ بلکہ مطلق بدوں شرائط کے بیعت کرنے سے انکار کر دینے میں بھی یہ مصلحت بیان فرمایا کرتے ہیں کہ لوگ بیعت کو معمولی چیز نہ سمجھیں اور اگر دوسری جگہ جائیں اور وہاں بلا شرائط بیعت کی درخواست منظور ہو جاتی ہوئی دیکھیں تو ان کے دل میں کم از کم کھٹک تو پیدا ہونے لگے اور بے تامل ہاتھ میں ہاتھ نہ دے دیں۔ اھ

۷- کسی دوسرے سلسلہ کے منتسبین کیلئے ضوابط

حضرت والا ایسے صاحبان کو جو کسی صحیح سلسلہ بیعت سے وابستہ ہیں اور وہ اپنے شیخ کی وفات کے بعد حضرت والا سے مکرر بیعت ہونا چاہتے ہیں عموماً بیعت نہیں فرماتے بلکہ یہ ارشاد فرما دیتے ہیں کہ پچھلی بیعت مع اپنی ساری برکات کے بدستور قائم ہے تجدید بیعت کی حاجت نہیں البتہ تعلیم طریق کے لیے حاضر ہوں۔ اھ

لیکن چونکہ ایسی حالت میں تجدید بیعت بھی خلاف طریق نہیں اس لیے اگر کوئی اس حقیقت کو سننے کے بعد بھی اصرار کرتا ہے اور بدوں بیعت کے اس کے قلب کو تسلی نہیں ہوتی اور حضرت والا کو بھی یہ اطمینان ہوتا ہے کہ اس کی ضرورت کا اعتقاد نہیں تو پھر انکار بھی نہیں فرماتے چنانچہ بعض ایسے صاحبان بھی احقر کے علم میں ہیں جن کو ان کے اصرار پر پھر بیعت فرما لیا ہے۔

اور اگر کسی فاسد العقیدہ پیر کا مرید پچھلی بیعت کو فسخ کر کے حضرت والا سے بیعت ہوتا ہے تو اس کو بھی اس کی سخت تاکید فرما دیتے ہیں کہ اپنے پچھلے پیر کی نسبت عمر بھر کوئی گستاخی کا کلمہ زبان پر نہ لانا اگرچہ میں بھی برا کہوں مگر تم مت کہنا کیونکہ اول اول اسی نے اس طریق کی طرف متوجہ کیا اور راہ پر ڈالا اس معنی کو وہ محسن ہے گو راستہ غلط بتایا لیکن مقصود کا شوق تو اسی نے دلایا۔ اور اس راہ میں ناشکری بہت ہی مضر ہے۔ یہ طریق بس بالکل ادب ہی ادب ہے سارے طریق کا بس خلاصہ ادب ہے۔ بے ادبی سے بڑھ کر اس طریق میں کوئی چیز مضر نہیں۔

یہاں تک کہ بعض حیثیتوں سے معصیت بھی اتنی مضر نہیں کیونکہ معصیت کا تعلق ایسی ذات سے ہے جو انفعال سے پاک ہے اور بے ادبی کا تعلق شیخ سے ہے جو بشر ہے اور جس کو بے ادبی سے تکدر ہوتا ہے۔ جو مرید کے حق میں سم قاتل ہے۔ اھ

۸۔ طریقت کی حقیقت اور طالب کے فرائض

حضرت والا ایک زمانہ میں طالبین بیعت کو ایک چھپا ہوا ورق بھی حوالہ فرما دیا کرتے تھے جس میں مختصراً طریق کی حقیقت اور ایسے کاموں کی دو فہرستیں درج تھیں جو داخل سلسلہ ہونے کے بعد کرنے ہوں گے اور چھوڑنے ہوں گے لیکن ان فہرستوں سے استیعاب مقصود نہ تھا بلکہ صرف وہی اوامر و نواہی درج فرمائے گئے تھے جن کی طرف سے آج کل عام طور پر غفلت ہے یا جن میں عام ابتلاء ہے۔ عرصہ ہوا وہ مطبوعہ اوراق سب تقسیم ہو کر ختم ہو چکے لیکن وہ مضمون رسالہ قصد السبیل میں بطور تذییل کے شامل کر دیا گیا ہے جہاں سے اس کو لفظ بہ لفظ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

حقیقت طریقت

خلاصہ سلوک (۱)۔ نہ اس میں کشف و کرامت ضروری ہے (۲)۔ نہ قیامت میں بخشوانے کی ذمہ داری ہے (۳)۔ نہ دنیا کی کاربرآری کا وعدہ ہے کہ تعویذ گنڈوں سے کام بن جاویں یا مقدمات دعا سے فتح ہو جایا کریں یا روزگار میں ترقی ہو یا جھاڑ پھونک سے بیماری جاتی رہی یا ہونے والی بات بتلا دی جایا کرے (۴)۔ نہ تصرفات لازم ہیں کہ پیر کی وجہ سے مرید کی ازخود اصلاح ہو جائے۔ اس کو گناہ کا خیال ہی نہ آئے خود بخود عبادت کے کام ہوتے رہیں۔

مرید کو زیادہ ارادہ بھی نہ کرنا پڑے۔ یا علم دین اور قرآن میں ذہن وحافظہ بڑھ جائے۔

(۵)۔ نہ ایسی باطنی کیفیات پیدا ہونے کی کوئی میعاد ہے کہ ہر وقت یا عبادت کے وقت لذت سے سرشار رہے۔ عبادت میں خطرات ہی نہ آویں۔ خوب رونا آئے ایسی محویت ہو جائے کہ اپنی پرائی خبر نہ رہے۔ (۶)۔ نہ ذکر وشغل میں انوار وغیرہا کا نظر آنا یا کسی آواز کا سنائی دینا ضرور ہے۔ (۷)۔ نہ عمدہ عمدہ خوابوں کا نظر آنا یا الہامات کا صحیح ہونا لازمی ہے بلکہ اصل مقصود حق تعالیٰ کا راضی کرنا ہے جس کا ذریعہ ہے شریعت کے حکموں پر پورے طور سے چلنا۔

ان حکموں میں بعضے متعلق ظاہر کے ہیں جیسے نماز و روزہ وحج و زکوۃ وغیرہا اور جیسے نکاح وطلاق وادائے حقوق زوجین وقسم وکفارہ قسم وغیرہ اور جیسے لین دین وپیروی مقدمات وشہادت ووصیت وتقسیم ترکہ وغیرہ اور جیسے سلام وکلام وطعام ومنام وقعود وقیام ومہمانی ومیزبانی وغیرہ ان مسائل کو علم فقہ کہتے ہیں اور بعضے متعلق باطن کے ہیں جیسے خدا سے محبت رکھنا، خدا سے ڈرنا، خدا کو یاد رکھنا، دنیا سے محبت کم ہونا، خدا کی مشیت پر راضی رہنا، حرص نہ کرنا، عبادت میں دل کا حاضر رکھنا، دین کے کاموں کو اخلاص سے کرنا، کسی کو حقیر نہ سمجھنا، خود پسندی نہ ہونا، غصہ کو ضبط کرنا وغیرہ ان اخلاق کو سلوک کہتے ہیں اور مثل احکام ظاہری کے ان احکام باطنی پر عمل کرنا بھی فرض وواجب ہے۔ نیز باطنی خرابیوں سے اکثر ظاہری اعمال میں بھی خرابی آجاتی ہے۔ جیسے قلت محبت حق سے نماز میں سستی ہوگئی یا جلدی جلدی بلا تعدیل ارکان پڑھ لی یا بخل سے زکوۃ اور حج کی ہمت نہ ہوئی یا کبر وغلبہ غضب سے کسی پر ظلم ہوگیا۔ حقوق تلف ہوگئے ومثل ذالک اور اگر ان ظاہری اعمال میں احتیاط کی بھی جائے تب بھی جب تک نفس کی اصلاح نہیں ہوتی وہ احتیاط چند روز سے زیادہ نہیں چلتی۔ پس نفس کی اصلاح ان دو سبب سے ضروری ٹھہری۔ لیکن باطنی یہ خرابیاں ذرا سمجھ میں کم آتی ہیں اور جو سمجھ میں آتی ہیں ان کی درستی کا طریقہ کم معلوم ہوتا ہے[1] اور جو معلوم ہوتا ہے نفس کی کشاکشی سے اس پر عمل مشکل ہوتا ہے ان ضرورتوں سے پیر کامل کو تجویز کیا جاتا ہے کہ وہ ان باتوں کو سمجھ کر آگاہ کرتا ہے۔ اور ان کا علاج وتدبیر بھی بتلاتا ہے اور نفس کے اندر درستی کی استعداد

---

[1] پیر کامل کی پہچان قصد السبیل کی ہدایت سوم میں ملاحظہ ہو۔ ۲۔

اوران معالجات میں سہولت اور تدابیر میں قوت پیدا ہونے کے لیے کچھ اذکار واشغال کی بھی تعلیم کرتا ہے اور خود ذکر اپنی ذات میں بھی عبادت ہے۔ پس سالک کو وہ کام کرنے پڑتے ہیں ایک ضروری کہ احکام شرعیہ ظاہری وباطنی کی پابندی ہے۔ دوسرا مستحب کہ کثرت ذکر ہے اس پابندی احکام سے خدا تعالیٰ کی رضا اور قرب اور کثرت ذکر سے زیادت رضا و قرب حاصل ہوتا ہے یہ ہے خلاصہ سلوک کے طریق اور مقصود کا۔

حقوق طریقت[۱]

طریقہ میں داخل ہو کر جو کام کرنا پڑیں گے (۱) بہشتی[۲] زیور کے گیارہ حصے اول سے آخر تک ایک ایک حرف کر کے پڑھنے یا سننے پڑیں گے (۲) اپنی سب حالتیں بہشتی زیور کے موافق رکھنا پڑیں گی (۳) جو کام کرنا ہو اور اس کا جائز ناجائز ہونا معلوم نہ ہو کرنے سے پہلے علماء اہل حق سے پوچھنا پڑے گا اور ان کے بتلانے کے موافق عمل کرنا ہوگا۔ (۴) نماز پانچوں وقت جماعت[۳] سے پڑھنا ہوگی۔ البتہ اگر کوئی عذر شرعی ہو تو جماعت معاف ہے اور اگر بلا عذر غفلت سے رہ جائے ندامت کے ساتھ استغفار کرنا چاہیے (۵) اگر مال بقدر زکوٰۃ ہو تو زکوٰۃ دینا ہوگی۔ مسائل اس کے بہشتی زیور میں ملیں گے۔ اسی طرح کھیت اور باغ کی پیداوار میں دسواں بیسواں حصہ دینا ہوگا۔ اس کے مسائل زبانی معلوم کر لیے جاویں۔ (۶) اگر حج کی گنجائش ہو تو حج کرنا پڑے گا۔ اسی طرح گنجائش کی صورت میں عید کو صدقہ فطر اور بقرعید کو قربانی ضروری ہوگی۔ (۷) اپنے بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنا ہوں گے ان کا یہ بھی دینی حق ہے کہ ان کو ہمیشہ شرع کے احکام بتلاتے رہو۔ آسان طریقہ اس کا پڑھے ہوؤں کے لیے یہ ہے کہ شب و روز میں تھوڑا سا کوئی وقت مقرر کر کے بہشتی زیور اول سے آخر تک اپنے گھر والوں کو پڑھ کر سناویں اور سمجھاویں اور جب وہ ختم ہو جائے پھر شروع کر دیں۔ جب تک ان کو مسائل خوب پختہ یاد نہ ہو جاویں سناتے رہیں اور ان پڑھ ایسا کریں

---

[۱] یہ حقوق سب مسلمانوں کے ذمہ واجب ہیں گو کسی سے بیعت بھی ہوں۔ ۱۲

[۲] البتہ عورتوں کے لیے گیارہواں حصہ نہیں ہے۔ ۱۲ منہ

[۳] مگر عورتوں کے لیے جماعت نہیں ہے۔ ۲

کہ جو بات دین کی کسی عالم سے سنا کریں اس کو یاد کر کے گھر والوں سے ضرور کہہ دیا کریں۔

اور یہ کام چھوڑنا پڑیں گے۔ ڈاڑھی منڈانا۔ ڈاڑھی کٹانا جبکہ چار انگل سے زائد نہ ہو۔ ڈاڑھی چڑھانا۔ سر میں چاند کھلوانا۔ کھنڈی رکھنا۔ یا آگے سے۔ منڈوانا ٹخنوں سے نیچے۔ پائجامہ[1] پہننا یا لنگی باندھنا یا۔ کرتہ چوغا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا یا۔ عمامہ کا شملہ آدھی کمر سے نیچے چھوڑنا یا۔ کسم و زعفران[2] کا رنگا ہوا یا ناپاک رنگ کا رنگا ہوا کپڑا پہننا یا ریشمی[3] یا زری کا لباس چار انگل سے زیادہ خود پہننا یا لڑکوں کو پہنانا یا کفار کا سا لباس پہننا یا مردوں کو چاندی[4] کی انگوٹھی ایک مثقال یا زائد یا سونے[5] کی انگوٹھی پہننا۔ یا عورتوں کو کھڑا جوتا یا مردانہ لباس پہننا یا باجہ دار زیور پہننا یا ایسا کپڑا باریک یا چھوٹا پہننا جس میں بدن کھلا رہے۔ کسی عورت یا مرد کو بری نگاہ سے دیکھنا یا عورتوں و لڑکوں سے زیادہ میل جول رکھنا۔ مرد کو کسی نامحرم عورت کے پاس یا عورت کو کسی نامحرم مرد کے پاس بیٹھنا یا تنہا مکان میں رہنا یا بدوں سخت مجبوری کے سامنے آجانا اگرچہ وہ پیر ہی ہو یا رشتہ دار ہوں اور جہاں سخت مجبوری ہو وہاں سر اور بازو اور کلائی اور پنڈلی اور گلا کھولنا نامحرم مرد کے سامنے حرام ہے۔ منہ کے سامنے بھی گھونگھٹ رہنا بہتر ہے اور عمدہ پوشاک اور زیور تو سامنے آنا بالکل ہی برا ہے۔ اسی طرح نامحرم مرد و عورت کا باہم ہنسنا یا بولنا ضرورت سے زیادہ باتیں کرنا یہ سب چھوڑ دینا چاہیے۔ ختنہ یا عقیقہ یا شادی میں جمع ہونا یا برات میں جانا البتہ عین نکاح کے وقت پاس پاس کے مردوں کا جمع کر لینا مضائقہ نہیں۔ یا کوئی کام فخر و نمود کا کرنا جیسے آج کل رسم و رسوم کا کھانا کھلانا لینا دینا ہوتا ہے اسی میں نوتہ بھی آ گیا۔ اس کو بھی چھوڑنا چاہیے۔

اسی طرح فضول خرچی کرنا یا کپڑے میں بہت تکلف کرنا کہ یہ بھی فخر و نمود میں داخل ہے۔ مردہ پر چلا کر رونا اس کا تیجہ دسواں بیسواں چالیسواں وغیرہ کرنا۔ دور دور سے عرصہ عرصہ تک میت کے پیچھے آنا۔ بدوں شرع کے موافق تقسیم کیے ہوئے مردہ کے کپڑے خیرات کر دینا۔ لڑکیوں کا حصہ نہ دینا۔ اہل حکومت و ریاست کو غرباء پر ظلم کرنا۔ جھوٹی نالش کرنا۔ موروثی کا دعویٰ کرنا۔ رہن یا رشوت کی آمدنی کھانا۔ تصویر بنانا یا رکھنا یا براہ شوق کتے رکھنا یا کنکوے و

---

[1] یہ پانچوں باتیں عورتوں اور لڑکیوں کے واسطے درست ہیں ۱۲

آتشبازی یا کبوتر بازی و مرغ بازی وغیرہ کا شغل کرنا یا بچوں کو اجازت اور پیسے دینا۔ گانا سننا باجے سے یہ باجے اسی میں گراموفون بھی داخل ہے۔ عرسوں میں جانا بزرگوں کی منت ماننا۔ فاتحہ نیز گیارہویں وغیرہ متعارف طور پر کرنا۔ رواج کے موافق مولد شریف کرنا۔ تبرکات کی زیارت کے لیے عرس کا سا انتظام کرنا۔ یا اس وقت مردوں عورتوں کا خلط یا سامنا ہو جانا۔ شب برات کا حلوا پکانا۔ یا محرم کا تہوار منانا۔ یا رمضان میں ختم قرآن پر شیرینی ضرور کر کے بانٹنا۔ یا ٹونے ٹوٹکے کرنا یا ستیلا وغیرہ کو ماننا یا فال وغیرہ کھلوانا کسی نجومی یا آسیب سے کوئی بات پوچھنا غیبت کرنا چغلی کھانا۔ جھوٹ بولنا۔ تجارت میں دغا کرنا۔ بلا اضطرار ناجائز نوکری کرنا یا جائز نوکری میں کام خراب کرنا۔ عورت کا خاوند کے سامنے زبان درازی کرنا یا اس کا مال بلا اجازت خرچ کرنا۔ یا بلا اجازت کہیں جانا اور حافظوں کا مردوں پر قرآن پڑھ کر یا تراویح میں قرآن سنا کر کچھ لینا۔ یا مولویوں کو وعظ پر یا مسئلہ بتلانے پر اجرت لینا یا بحث و مباحثہ میں پڑنا۔ درویش وضع لوگوں کو پیری مریدی کی ہوس کرنا یا تعویذ گنڈوں کا مشغلہ رکھنا یہ ہے فہرست مختصر کرنے نہ کرنے کے کاموں کی اور تفصیل احقر کے رسالوں میں بقدر ضرورت ملے گی۔ اھ

۹- چاروں سلسلوں میں بیعت کرنا

حضرت والا اپنے پیر و مرشد اعلیٰ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کے طریق انیق اور معمول مقبول کے مطابق طالبین کو بیعت فرماتے وقت چاروں سلسلوں میں داخل فرماتے ہیں تا کہ سب اکابر طریق سے انتساب ہو جائے اور سب کی برکات نصیب ہوں نیز چاروں سلسلوں کے بزرگوں کے ساتھ یکساں اعتقاد رہے۔ اور ایک سلسلہ کے بزرگوں کو دوسرے سلسلوں کے بزرگوں پر فضیلت نہ دیں۔ جو اس لیے ممنوع ہے کہ اکثر اس تفصیل سے دوسرے بزرگوں کی تنقیص لازم آجاتی ہے جو ناجائز بھی ہے اور نہایت خطرناک بھی کیونکہ بزرگوں کے ساتھ سوء ظن بعض اوقات سوء خاتمہ کا سبب ہو جاتا ہے ورنہ برکات سے محرومی تو ضرور ہی ہو جاتی ہے۔

۱۰- بیعت کے بارے میں انشراح قلب کا لحاظ

حضرت والا علاوہ ان ضابطہ کی شرائط کے جن کا ذکر اوپر کے نمبروں میں کیا گیا امر

بیعت میں اپنے شرح صدر کو بھی دیکھتے ہیں بلکہ دراصل قبول بیعت کا زیادہ تر دارومدار قبول قلب ہی پر ہوتا ہے جن طالبین کی صلاحیت اور مناسبت پر قلب شہادت نہیں دیتا اور جن کی طرف دل رجوع نہیں ہوتا ان کو حضرت والا بیعت نہیں فرماتے بلکہ غیب سے ایسی صورت حالات پیدا ہو جاتی ہے کہ ان سے خود ہی پیچھا چھوٹ جاتا ہے اور حضرت والا کی شہادت قلب کے صدق کا ظہور ہو جاتا ہے۔

اس کے متعلق حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ بعض کی جانب تو دیکھتے ہی دل اس قدر جھکتا ہے کہ بے اختیار یہ جی چاہنے لگتا ہے کہ یہ بیعت کی درخواست کرے چنانچہ اکثر یہی ہوا کہ جس کے بارے میں یہ جی چاہا اللہ تعالیٰ نے خود اس کے بھی قلب میں بیعت کا شوق پیدا فرما دیا۔ یہاں تک کہ اس نے خود ہی مجھ سے بیعت کی درخواست کی پھر میں نے بلا تامل اس کو بیعت کر لیا۔ اھ

اس شہادت قلب کے متعلق کس قدر تفصیل کے ساتھ پیشتر بھی کسی موقع پر مضمون لکھا جا چکا ہے۔ لہٰذا یہاں اس مختصر ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ فی الحال انہی دس نمبروں پر عنوان ہذا یعنی ''اصول متعلقہ بیعت'' کو ختم کرتا ہوں۔ اگر بیعت کے متعلق کوئی اور ضروری اصول بعد کو خیال میں آئے تو ان کو انشاء اللہ عنوان پنجم یعنی اصول متفرقہ کے تحت میں عرض کر دیا جائے گا۔

تعلیم عام مگر بیعت مقید

ناظرین کرام نے ان نمبروں کے مطالعہ سے بخوبی معلوم فرما لیا ہوگا کہ حضرت والا کے یہاں محض نام کی بیعت نہیں ہوتی بلکہ کام کی بیعت ہوتی ہے اسی وجہ سے اس امر میں عجلت کو ہرگز گوارا نہیں فرماتے اور فرمایا کرتے ہیں کہ بیعت کرنا تو متبنیٰ کرنا ہے جب تک باہمی مناسبت و موافقت کا پورا اطمینان نہیں کر لیا جاتا کسی کو بیٹا نہیں بنایا جاتا کیونکہ عمر بھر کے لیے تعلق پیدا کرنا ہوتا ہے۔ البتہ مٹھائی بانٹنے میں اس کی تحقیق نہیں ہوتی کہ بیٹوں ہی کو دی جائے بلکہ سب لڑکوں کو دی جاتی ہے۔ اسی طرح میرے یہاں تعلیم تو عام ہے لیکن بیعت مقید ہے۔ اھ

قواعد وضوابط کی پابندی کا فائدہ

حضرت والا بعض پرانے تعلق والوں کی بے عنوانیوں پر فرمایا کرتے ہیں کہ دیکھئے اتنی احتیاطوں پر تو یہ حال ہے کہ ایسے ایسے لوگ بھی مریدوں میں داخل ہوگئے ہیں۔ اگر میں توسع کرتا تو نا معلوم کیا حال ہوتا۔ کسی پر اطمینان ہی نہ ہوتا۔ پھر بھی بفضلہٖ تعالیٰ میرے یہاں ایسے بہت کم ہیں۔ یہ اس تنگی ہی کا نتیجہ ہے کہ جتنے ہیں ان پر بفضلہٖ تعالیٰ اطمینان تو ہے ورنہ امتیاز بھی مشکل ہوجاتا۔ اور محض بھرتی بھرنے سے کیا فائدہ کوئی لام باندھنا تھوڑا ہی ہے۔ اور لام میں بھی ایسے لوگ سوائے اس کے کہ معرکہ کے وقت بھاگتے نظر آئیں اور کس مصرف کے ہیں بلکہ ان کے بھاگنے سے ایسوں کے بھی پیر اکھڑ جانے کا اندیشہ ہے جن پر اطمینان ہے۔ اھ

یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ میرے اس طریق کا فائدہ عام نہ سہی لیکن الحمدللہ تام تو ہے۔ اھ

ایک نو وارد طالب سے بیعت کی تفصیلی تحقیق بیان فرما کر فرمایا کہ چونکہ میں آزادی کا بہت قدرداں ہوں اس مصلحت سے بھی بیعت کے متعلق مفصل تقریر کر کے یہ ذہن نشین کردیتا ہوں کہ نفع میں بیعت کا کچھ دخل نہیں تعلیم کا تعلق بالکل کافی ہے تاکہ آزادی رہے کہ اگر کبھی دل کھٹا ہو تو وہ بے تکلف مجھ کو چھوڑ دے ورنہ ہاتھ میں ہاتھ دے کر آدمی خواہ مخواہ پھنس جاتا ہے۔ اگر دوسری جگہ جانا چاہے تو عرفاً اس سے بیعت مانع ہوجاتی ہے۔ اھ (ماخوذ از حسن العزیز جلد اول ملخصاً)

عنوان دوم
اصول متعلقہ تعلیم وتربیت

ا۔ طالب کو تابع رکھنا

حضرت والا تعلیم وتربیت میں طالب کے تابع نہیں ہوتے بلکہ ہمیشہ اسی کو تابع رکھتے ہیں اور اسی میں اس کی خیریت اور مصلحت ہے جس کی صریح تائید اس آیت سے ہوتی ہے۔ **لو یطیعکم فی کثیر من الامر لعنتم الایہ**۔ گو اس کے جذبات صحیحہ کی تو بیحد رعایت رکھتے ہیں لیکن ایسا ہرگز نہیں کرتے کہ جو اس نے الٹی سیدھی درخواست کی اس کو پورا کردیا یا جو اس نے اپنڈا

بیٹھا سوال کیا اس کا اس کی مرضی کے موافق جواب دے دیا۔ بلکہ خود فرمایا کرتے ہیں کہ میرے اکثر جوابات مرضی کے موافق تو ہوتے نہیں لیکن الحمدللہ مرض کے بالکل موافق ہوتے ہیں۔ اھ

طالب کے سوالات کے جواب میں حضرت والاؒ کا معمول

احقر عرض کرتا ہے کہ یہ رات دن کا مشاہدہ ہے جو چاہے بغور واقعات وحالات کا تتبع کر کے خود دیکھ لے کہ ہر طالب کے ساتھ معاملہ کرنے میں اور اسکی معروضات کے جوابات دینے میں (جو ابتداء میں عدم واقفیت اور عدم مناسبت طریق کی وجہ سے اکثر طویل وعریض ہی نہیں بلکہ لاطائل ولا یعنی بھی ہوتی ہیں جن کے بارہ میں حضرت والا نہایت لطیف عنوان سے خود فرمایا کرتے ہیں کہ مجھے طویل خط سے تو الجھن نہیں ہوتی البتہ لاطائل سے ہوتی ہے) حضرت والا کا ہمیشہ بس یہی مطمح نظر رہتا ہے کہ محققانہ سوالات کر کر کے اس کو لاجواب کر دیا جائے تا کہ اس کو اپنے جہل کا عالم ہو جو حسب ارشاد حضرت والا انفع العلوم ہے اور ادھر ادھر کے سب راستے مسدود کر کے اس کے لیے کوئی جائے گریز ہی نہ چھوڑی جائے اور چاروں طرف سے گھیر گھار کر اس کو شاہراہ حقیقت پر ڈال دیا جائے اور طریق کے مقصود حقیقی تک پہنچا دیا جائے۔ اس کا اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو ایسا سلیقہ اور ملکہ عطا فرمایا ہے کہ بڑے بڑے الجھے ہوئے اور مختلف ومخلوط مضامین کے بڑے بڑے طویل وعریض خطوط آئے دن آتے رہتے ہیں لیکن حضرت والا ان پر محض ایک چلتی ہوئی مگر متجسسانہ نظر ڈال کر اصل جواب طلب مضمون کو آن کی آن میں تاڑ لیتے ہیں اور اس کے متعلق فوراً قلم برداشتہ کوئی ایسا مختصر سا جملہ یا سوال ارقام فرما دیتے ہیں جو طالب کو غیر مقاصد سے ہٹا کر مقصود اصلی تک رہبری کرنے والا ہوتا ہے اور جو سارے خط کا جواب ہو جاتا ہے اور جو مخاطب کی ساری لفاظیوں اور غیر مقصود مضامین کو اس طرح اڑا دیتا ہے جیسے ذرا سی رنجک بڑے بڑے پہاڑوں کو ہباءً منثورا کر دیتی ہے۔

حضرت والا کے سوالات پر کج فہموں کی گھبراہٹ

بدفہم لوگ حضرت والا کے سوالات سے گھبراتے ہیں حالانکہ درحقیقت وہ سوالات

نہیں ہوتے بلکہ جوابات ہوتے ہیں کیونکہ اگر ذرا فہم سلیم سے کام لیا جائے تو انہی سوالات سے بسہولت جوابات مستنبط ہو سکتے ہیں نیز حضرت والا کے سوالات اس کو مقتضی ہوتے ہیں کہ برابر اپنی اصلاح کے متعلق خط وکتابت جاری رکھی جائے جو بہت ضروری امر ہے۔

سوالات سے گھبرانے پر کل ہی کا ایک واقعہ یاد آیا ایک صاحب نے حضرت والا سے ایک غیر ضروری امر کے متعلق بڑے اہتمام کے ساتھ بذریعہ عریضہ تحقیق کی تھی۔ حضرت والا نے حسب معمول جواب تحریر فرما دیا تھا کہ کیا کوئی مقصود دینی اس تحقیق پر موقوف ہے۔ اس پر انہوں نے پھر لکھا تھا کہ مقصود بندہ امر دینی ہے اور وہ صرف اعتقاد حقیقت ہے اس کا بھی حضرت والا نے یہی جواب تحریر فرما دیا تھا کہ کیا یہ عقائد ضروریہ میں سے ہے۔ اس پر انہوں نے برا مان کر لکھا کہ دو مرتبہ جناب کی خدمت میں عرض کیا گیا مگر بجائے اس کے کہ جواب مسئلہ مرحمت ہوتا ایک سرسری نظر سے ہم پر استفسار قائم کر دیا گیا۔ امید ہے کہ جواب باصواب سے سرفراز فرمایا جائے۔ اھ

اس پر حضرت والا نے یہ جواب تحریر فرمایا کہ اب بھی وہی جواب ہے جو میرے نزدیک باصواب ہے اور آپ کے نزدیک ناصواب ہے۔ بہتر ہے کہ کسی ایسے محقق سے جو علماً محقق ہو اور عملاً واتباعاً آپ کا مقتدا ہو پوچھ لیجئے۔ اھ

حضرت والا نے ان سوالات وجوابات کو سنا کر حاضرین مجلس سے فرمایا کہ ایسے اغبیاء کے کہنے کا میں برا بھی نہیں مانتا۔ یوں سمجھتا ہوں جیسے کسی جانور نے لات مار دی۔ چنانچہ اگر کسی کے کوئی جانور لات مار دے تو اس کے چوٹ تو لگتی ہے مگر وہ برا نہیں مانتا کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ جانور ہے۔ اس میں عقل تو ہے ہی نہیں اس لیے لات مار دی بلکہ نہ مجھے تو واللہ ایسوں کے برا ماننے سے عقلاً مسرت ہوتی ہے کہ اچھا ہے ایسے اغبیاء سے چھٹی ہوئی ورنہ اگر معتقد رہتے تو تمام عمر ستاتے ایسوں کا معتقد ہونا بھی وبال جان ہے۔ اھ

ایک طالب کے بے محل سوال کا جواب

اتفاق سے کل ہی ایک واقعہ حضرت والا کے اس معمول کی تائید میں بھی پیش آیا کہ امر تربیت میں طالب کا اتباع نہیں فرماتے بلکہ اس کو اپنا تابع رکھتے ہیں وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک طالب نے بذریعہ عریضہ یہ درخواست کی کہ تہجد سے فارغ ہو کر جو بارہ تسبیح پڑھتے ہیں

اس کی اجازت چاہتا ہوں۔ جواب تحریر فرمایا کہ اگر طبیب سے کہا جائے کہ خمیرہ گاؤ زبان جو لوگ کھاتے ہیں اس کی اجازت چاہتا ہوں تو طبیب کیا جواب دے گا۔ اھ

اب دیکھ لیجئے بظاہر کیسی اچھی درخواست کی گئی تھی اور عموماً ایسی اچھی چیز کی درخواست کو کون رد کرتا ہے دوسری جگہ فوراً اجازت مل جاتی لیکن حضرت والا کے یہاں تو ہر چیز اپنے موقع اور محل پر ہوتی ہے اور نہایت ترتیب کے ساتھ منازل سلوک طے کرائے جاتے ہیں تاکہ سالک ہر گمراہی سے محفوظ رہے اور سہولت کے ساتھ راستہ قطع کرے چنانچہ فرمایا کرتے ہیں کہ شیخ کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ سالک کو طریق کی حقیقت بتا دے اور صحیح راستہ پر ڈال دے تاکہ پھر صرف چلنا رہ جائے اور وہ بلا اِدھر اُدھر بھٹکے چلتا رہے اور بسہولت منزل مقصود تک پہنچ جائے۔ اھ

اسی غرض سے حضرت والا نے طالب مذکور کو دوازدہ تسبیح کی حسب درخواست اجازت دے دینے کی بجائے ان سے ایک ایسا محققانہ سوال فرما دیا کہ جو مفتاح طریق ہے کیونکہ حضرت والا نے اس میں دراصل پورا طریق استرشاد و استفاضہ واضح فرما دیا ہے اور مریض و طبیب کی مثال دے کر مرید اور پیر کے باہمی تعلق کی پوری حقیقت کھول دی ہے اور گو حضرت والا کا یہ بالکل ابتدائی سوال ہے لیکن تمام دوران تربیت میں طالب مذکور کے لیے وہی مشعل راہ ہوگا اور آئندہ کی ساری خط و کتابت تعلیم و تعلم ارشاد و استرشاد افاضہ و استفاضہ و استفادہ سب اسی پر متفرع ہوتا چلا جائے گا۔

پیر و مرید کا تعلق طبیب و مریض کا سا ہے

اس اجمال کی تفصیل خود حضرت والا ہمیشہ فرمایا کرتے ہیں کہ پیر اور مرید کا تعلق بالکل طبیب اور مریض کا سا ہے کیونکہ یہ مثال اس تعلق کی سینکڑوں جزئیات پر منطبق ہوتی ہے۔ اھ

یہاں اس انطباق کی صرف وہی صورتیں جو اس مقام کے مناسب ہیں بیان کی جاتی ہیں مثلاً جس طرح مریض کو بس یہ چاہیے کہ طبیب سے اپنے مرض کے متعلق سب حالات کہہ دے پھر تشخیص اور تجویز اور پرہیز وغیرہ سب امور کو بالکل اسی کی رائے پر چھوڑ دے اپنی طرف سے نہ کوئی رائے زنی کرے نہ اس کی کسی تشخیص یا تجویز میں کسی قسم کا دخل دے نہ کسی

خاص دوا کے استعمال کی اس سے اجازت طلب کرے کیونکہ اس کی یہ درخواست بالکل بے محل اور اس کے منصب کے بالکل خلاف ہے۔ ہاں اپنے حالات پورے بیان کر کے علاج کی درخواست کرے۔ پھر جس تدبیر کی ضرورت ہوگی وہ خود ہی تجویز کرے گا۔

ٹھیک اسی طرح مریض روحانی کو اپنے طبیب روحانی سے اپنے امراض باطنی بیان کر کے معالجہ کرانا چاہیے یعنی اول اس کو محض اپنے حالات باطنیہ کی اطلاع دے اور اس سے درخواست اصلاح کرے لیکن تشخیص یا تجویز کے متعلق کسی قسم کی رائے یا کسی خاص وِرد یا ازالہ رذائل کی کسی خاص تدبیر کی اپنی طرف سے درخواست نہ پیش کرے۔ تشخیص اور تجویز کو بالکل اسی کی رائے پر چھوڑ دے خود کسی قسم کا ہرگز دخل نہ دے وہ حالات پر غور کر کے جو مناسب ہوگا خود ہی تجویز کرے گا اور اگر توضیح حالات کی یا مزید حالات کے معلوم کرنے کی ضرورت ہوگی تو پہلے وہ مناسب استفسارات کر کر کے اس کی کو پورا کرے گا اس کے بعد تجویز کرے گا پھر جو کچھ بھی تشخیص اور تجویز کر دے اس کو بلا چون و چرا تسلیم کر لے اور بکمال اعتقاد اس کی تجویزات پر عمل پیرا رہے اور عمل کرنے کے بعد اپنے حالات سے برابر مطلع کرتا رہے یہاں تک کہ اگر کوئی نیا حال نہ ہو تو یہ بھی ایک حال ہے اسی کی اطلاع کر دے اور جو کچھ وہ اپنی تجویزات میں ان حالات کے مناسب وقتاً فوقتاً تغیر تبدل کمی بیشی ترمیم تنسیخ کرتا رہے ان پر بھی کاربند رہے اور عمر بھر یہی سلسلہ جاری رکھے حسب ارشاد مولانا رومیؒ۔

اندریں رہ می تراش و می خراش تادم آخر دمے فارغ مباش

(اس راہ میں کھود کرید کرتا رہ حتیٰ کہ آخر دم تک ایک لحہ بھی فارغ نہ رہ)

حضرت والا اس مضمون کے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ سہولت استحضار کے لیے بس ان چار قافیہ دار الفاظ کو یاد رکھے۔ اطلاع اور اتباع ' اعتقاد اور انقیاد۔ اھ

یاد رکھنے کی سہولت کے لیے احقر نے حضرت والا کے اس ارشاد کو ایک شعر میں بھی قلمبند کر لیا ہے وہ یہ ہے۔

چار حق مرشد کے ہیں رکھ عمر بھر تو ان کو یاد اطلاع و اتباع و اعتقاد و انقیاد

غرض حضرت والا نے اپنے مذکورہ بالا جواب میں طبیب اور مریض کی مثال دے کر

طالب مذکور کو اپنی اصلاح کرانے کا گویا پورا دستور العمل تحریر فرما دیا اور بصراحت بتا دیا کہ تم نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ بالکل غلط ہے کیونکہ یہ دیکھ کر لوگ تہجد کے بعد بارہ تسبیح پڑھا کرتے ہیں اپنے لیے بھی شیخ سے بارہ تسبیح ہی کی اجازت چاہنا ایسا ہے جیسے کوئی مریض یہ دیکھ کر کہ لوگ خمیرہ گاؤزبان کھاتے ہیں اپنے لیے بھی اس کی اجازت چاہنے لگے خواہ خمیرہ گاؤزبان اس کے مرض کے مناسب ہو یا نہ ہو۔ نیز بارہ تسبیح کو خمیرہ گاؤزبان سے تشبیہ دے کر اس طرف بھی قریب بصراحت اشارہ فرما دیا کہ قبل اصلاح نفس کے شیخ سے اذکار و اشغال کی اجازت طلب کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے مریض کو ضرورت تو ہو مسہل کی اور تنقیہ مواد فاسدہ کی لیکن وہ طبیب سے اجازت چاہے خمیرہ گاؤزبان کھانے کی جو محض مفرحات و مقویات قلب میں سے ہے اور جو اکثر ازالہ مرض کے بعد محض تقویت و استحکام صحت کے لیے استعمال کرایا جاتا ہے اگر کوئی رحم دل طبیب اس کا شوق دیکھ کر محض اس کی خاطر سے اس کے لیے بجائے مسہل کے خمیرہ گاؤزبان ہی تجویز کر دے تو اس کے اصل مرض کو کیا خاک نفع ہوگا بلکہ عجب نہیں کہ خمیرہ گاؤزبان کے قبل از وقت استعمال سے مرض میں اور زیادتی ہو جائے۔

اذکار و اشغال سے پہلے اصلاحِ اعمال

چنانچہ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ طالب کے اندر اصلاح اعمال کا اہتمام پیدا کر دینے کے قبل اس کو اذکار و اشغال میں مشغول کر دینا اکثر مضر ثابت ہوتا ہے کیونکہ پھر وہ اپنے آپ کو بزرگ سمجھنے لگتا ہے خاص کر اگر کہیں اتفاقاً اذکار و اشغال سے یکسوئی ہو کر اس پر کیفیات کا بھی ورود ہونے لگا تب تو گویا اس کے نزدیک بزرگی کی رجسٹری ہو گئی۔ حالانکہ اس قسم کی کیفیات کا بزرگی سے کیا تعلق۔ ایسی کیفیات تو بعض ریاضات اور مشق سے فساق و فجار بلکہ کفار تک کو حاصل ہو جاتی ہیں۔ اور جب وہ ان کیفیات ہی کو بزرگی سمجھ لیتا ہے تو پھر اس کو اصلاح نفس اور اصلاح اعمال کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی نہ کبھی ادھر توجہ ہوتی ہے اس لیے ہمیشہ جہل ہی میں مبتلا رہتا ہے اور اصل مقصود یعنی وصول الی اللہ سے محروم رہتا ہے جس کا طریق تحصیل نصوص نے صرف اصلاح اعمال ہی کو بتلایا ہے۔ اھ

غرض حضرت والا نے اپنے جواب باصواب میں صرف ایک مختصر ہی سا سوال کر کے

طالب مذکور پر گویا سارا باب اصلاح مفتوح فرمادیا اور دو، زدہ تسبیح کو خمیرہ گاؤزبان سے تشبیہ دے کر اذکار واشغال کا جو محض مستحب ہیں اصلاح اعمال کے مقابلہ میں جو فرض اور قابل تقدیم ہے درجہ اور موقع بھی متعین فرمادیا۔

اصلاح اعمال کے لئے ضروری کام

اس تشبیہ پر حضرت والا ہی کی فرمائی ہوئی ایک اور تشبیہ بھی یاد آ گئی۔ فرمایا کرتے ہیں کہ محض اذکار واشغال اصلاح اعمال کے لیے ہرگز کافی نہیں اصلاح کے لیے تو ہمت اور بہ تکلف استعمال اختیار اور تدابیر استحضار اور ان کے تکرار کی ضرورت ہے۔ البتہ اذکار و اشغال معین اصلاح ضرور ہو جاتے ہیں۔ اذکار واشغال کا اصلاح نفس میں بس اتنا ہی دخل ہے جتنا عرق بادیان کا مسہل میں ہوتا ہے کہ مادۂ فاسد کا تنقیہ تو دراصل مسہل ہی سے ہوتا ہے لیکن اگر اوپر سے عرق بادیان بھی پیتے رہیں تو اس سے بھی بہت کچھ اعانت ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی احمق مسہل تو پئے نہیں اور سونف کا عرق ہی عرق پئے جائے تو کیا اس سے مادۂ فاسد کا تنقیہ ہو جائے گا۔ ہرگز نہیں۔ ہاں اول تو مسہل پئے پھر اوپر سے سونف کا عرق بھی مدد کے لیے استعمال کرے تو اعماق بدن میں سے سارا مادۂ فاسد بہت جلد دفع ہو کر کامل تنقیہ ہو جائے۔ تنقیہ کے لیے محض عرق بادیان بلا مسہل کے ہرگز کافی نہیں ہاں مسہل تو بلا عرق بادیان کے کافی ہو بھی سکتا ہے گو سہولت کی مصلحت حاصل نہ ہو۔ اھ

اذکار واشغال کی تعلیم کا آغاز

الحاصل مقصود بالبیان یہ ہے کہ ابتداء میں حضرت والا کی تمام تر توجہ اسی بات پر رہتی ہے کہ اصلاح اعمال کی اہمیت طالب کے اچھی طرح ذہن نشین کر دی جائے اور جب تک یہ مقصود نہیں حاصل ہو جاتا نہ خود چین لیتے ہیں نہ طالب کو چین لینے دیتے ہیں اور کثرت استفسارات سے بھی اکثر یہی مقصود ہوتا ہے۔ نیز جب تک طالب کے اندر اصلاح اعمال کا خاص اہتمام نہیں پیدا ہو جاتا اذکار واشغال کی تعلیم نہیں فرماتے ہاں جب یہ دونوں ابتدائی مراحل طے ہو جاتے ہیں یعنی جب اصلاح اعمال کی اہمیت بھی اچھی طرح ذہن نشین ہو

جاتی ہے اور طالب اپنی اصلاح اعمال میں خاص اہتمام کے ساتھ مشغول بھی ہو جاتا ہے پھر بلا تامل اذکار واشغال بھی تعلیم فرما دیتے ہیں پھر اس کا انتظار نہیں فرماتے کہ جب اصلاح اعمال کی تکمیل ہو جائے اس وقت اذکار واشغال شروع کرائے جائیں۔

مشائخِ سلسلہ کی ترتیب

حضرت والا اپنی اس ترتیب کے متعلق یہ فرمایا کرتے ہیں کہ سلسلہ چشتیہ کے مشائخ سلف کے یہاں تو سلوک کی اصل ترتیب یہی تھی کہ اصلاح اعمال ظاہرہ و باطنہ کی تکمیل کے بعد اذکار واشغال شروع کراتے تھے لیکن اکابر متاخرین نے یہ دیکھ کر اس زمانہ میں عمریں اور ہمتیں دونوں قاصر ہیں کہ اس ترتیب کو قائم نہیں رکھا بلکہ اصلاح اعمال کے ساتھ ساتھ اذکار واشغال کی بھی تعلیم کرنے لگے اور دونوں کو ساتھ ساتھ چلانے لگے اور میں نے اپنے زمانہ کے طالبین کی مصالح پر نظر کر کے اکابر سلف کے طریق اور اکابر متاخرین کے طریق کے بین بین طریق اختیار کیا ہے یعنی کچھ دن تک تو میں محض اصلاح اعمال ہی میں مشغول رکھتا ہوں اور جب یہ دیکھ لیتا ہوں کہ اصلاح اعمال کی اہمیت اچھی طرح اس کے ذہن نشین ہوگئی ہے اور اس کے اندر اس کا خاص اہتمام پیدا ہو گیا ہے اس وقت اذکار واشغال بھی بتلا دیتا ہوں اور پھر دونوں کا سلسلہ ساتھ ساتھ چلاتا رہتا ہوں۔ غرض میں نے اکابر متاخرین کے طریق میں اپنے زمانہ کے طالبین کی طبائع کا رنگ دیکھ کر بضرورت صرف اتنی ترمیم کر لی ہے کہ وہ حضرات تو دونوں چیزوں کو شروع ہی کے ساتھ ساتھ چلاتے تھے اور میں کچھ دن بعد ساتھ ساتھ چلاتا ہوں۔ اھ۔

ایک طالب کے خط کا جواب

اس امر کے متعلق کہ حضرت والا کو اس کا خاص اہتمام ہے کہ اصلاح اعمال کی اہمیت طالبین کے ذہن نشین کی جائے حضرت والا کا ایک اور جواب بھی نقل کیا جاتا ہے جو آج ہی بتاریخ ۱۱۔ رمضان المبارک ۱۳۵۴ھ ایک صاحب کے خط پر تحریر فرمایا گیا ہے۔ پچھلے خط میں ان کو حضرت والا نے ان کی سابقہ کوتاہیوں پر متنبہ اور ان کوتاہیوں کے تدارک کی طرف

متوجہ فرمایا تھا۔ وہ اپنے خط میں اس کو تو بالکل گول کر گئے اور حضرت والا کو خوش کرنے کے لیے محض طلب دعا اور دریافت خیریت کا خط لکھا اور اس میں یہ بھی اطلاع دی کہ آج رات سوا گیارہ پارے تراویح میں ہوئے۔ اس پر حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ تم نے اپنے تراویح کی تو اطلاع دی اور تم سے جو دوسروں کو تکالیف پہنچیں خصوص حقوق کے متعلق اور ان کا تدارک ان کو راحت پہنچانے سے ہوسکتا تھا۔ ان تراویح کی اطلاع نہ دی اس کی ایسی مثال ہے کہ مریض طبیب کو اپنی غذا کی تو خبر دے مگر دوا اور مرض کی خبر نہ دے کیا طبیب اس سے خوش ہوگا بجز اس طبیب کے جو مریضوں کے نام سے اپنا رجسٹر بھرنا چاہتا ہو اور مریض پر شفقت نہ رکھتا ہو۔ اھ۔ اس جواب میں بھی مریض اور طبیب ہی کی مثال سے کام لیا گیا ہے۔

ایک سوال سے جواب سمجھا دینا

حال ہی میں ایک اور طالب کا بھی خط آیا جس کا ذکر اس مقام پر مناسب ہوگا۔ انہوں نے بھی اپنے پچھلے عریضہ میں صرف یہ لکھا تھا کہ حضرت اللہ اللہ کرنے کو بہت دل چاہتا ہے اگر اجازت ہو تو حضور کے رسالہ قصد السبیل سے عالم مشغول کا دستور العمل شروع کردوں۔ اھ۔ اس پر حضرت والا نے استفسار فرمایا کہ کیا صرف یہی مقصود ہے۔ اھ

یہاں بھی حضرت والا نے پہلے محض سوال ہی فرمایا کہ کیا صرف یہی مقصود ہے۔ اھ۔ اول ہی وہلہ میں اور بطور خود مقصود اصلی کی تعیین نہیں فرمائی تا کہ مخاطب اپنی قوت فکریہ سے کام لے اور سوچ کر خود ہی مقصود اصلی کو متعین کرے کیونکہ جو بات اس طرح مطالعہ کرانے کے بعد ذہن میں آتی ہے وہ نہایت پختگی کے ساتھ آتی ہے اور پھر کبھی ذہن سے نہیں نکلتی۔ چنانچہ وہ طالب حضرت والا کے اسی ایک سوال سے سب کچھ سمجھ گئے جیسا کہ ان کے جواب سے ظاہر ہوگا جو نقل کیا جاتا ہے۔

وہ لکھتے ہیں کہ حضور کے لفظ صرف سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ یہ (یعنی اللہ اللہ کرنا مقصود تو ہے مگر تنہا اور اول میں مقصود نہیں تخلیہ کے بعد مطلوب ہے جیسے کہ حضور نے اپنے مواعظ میں بھی فرمایا ہے اصل مقصود اصلاح ہے سو حضور نے سابقہ خط و کتابت میں ہر مرض کا اچھی طرح علاج فرما دیا ہے بحمد اللہ اب تقاضا نفس کا مغلوب ہو چلا ہے اور ہر ایک رذیلہ کے مادہ میں اضمحلال اور ضعف پیدا ہوگیا ہے۔ بہ دعائے حضور تکرار استحضار سے رسوخ اصلاح

بھی اچھی طرح ہو جائے گا اور دل کی حالت متلون ہے۔ کبھی تو سخت اور خدا سے دور معلوم ہوتا ہے اور کبھی ایسی رقت اور نرمی وارد ہوتی ہے کہ رونے لگتا ہوں اور ہاتھ جوڑ کر اپنے گناہوں کی معافی چاہتا ہوں۔ اور دل میں شور حق تعالیٰ کی محبت کا بہت اٹھتا ہے۔ اللہ کے نام میں لذت آتی ہے۔ دل چاہتا ہے کہ اللہ اللہ کروں مگر بوجہ نہ ہونے اجازت کے رُک جاتا ہوں۔ اسی شور و لذت کے تقاضے سے عرض کیا تھا کہ اللہ اللہ کی اجازت فرماویں یہ ہے میرا عرض حال اب جو مناسب سمجھیں ارشاد فرمادیں۔ والسلام۔ اھ

ایک طالب کو مدت تک اصلاحِ نفس میں مشغول رکھنا

احقر جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ اس خط کے مضامین سے ناظرین کرام نے بخوبی اندازہ فرمالیا ہوگا کہ حضرت والا کا طریق تعلیم کس درجہ نافع ہے۔ احقر کو خود معلوم ہے کہ طالب مذکور کو بڑے بڑے سخت امراض باطنی اور کبائر تک میں مبتلا تھے مگر حضرت والا کو برابر اپنے حالات کی اطلاع دیتے رہے اور اپنی اصلاح کراتے رہے بعض اوقات دوران اصلاح میں بھی نفس کے تقاضوں سے مغلوب ہو ہو کر پھر مرتکب کبائر ہو جاتے مگر پھر حضرت والا سے رجوع کرتے اور صاف صاف اپنی شرمناک حرکات کا بغرض اصلاح حضرت والا سے اظہار کر دیتے اور تدارک پوچھتے۔ ایک بار حضرت والا نے زجراً یہ بھی تحریر فرمادیا تھا کہ جب اختیاری گناہوں سے بچنے کے لیے اختیار اور ہمت سے کام نہیں لیتے تو آئندہ مجھے ہرگز خط نہ لکھو ورنہ بلا جواب واپس کر دیا جائے گا۔ اھ

لیکن چونکہ وہ طالب صادق تھے اس لیے حضرت والا نے یہ جواب لکھ کر اور حاضرین کو بلا اظہار نام سنا کر فرمایا کہ میں نے یہ محض زجراً لکھ دیا ہے تاکہ آئندہ ایسی حرکت سے باز رہیں کچھ دن بعد جب دیکھوں گا کہ راہ پر آگئے تب پھر خط و کتابت کی اجازت دے دوں گا۔ چنانچہ وہ برابر پیچھے پڑے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت والا نے ان کو پھر خط و کتابت کی اجازت مرحمت فرمادی۔ اب دیکھ لیجئے کہ حضرت والا کے اس طرز تعلیم و تفہیم کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان کو بفضلہ تعالیٰ طریق سے پوری مناسبت اور بہت کچھ اصلاح ہوگئی جیسا کہ ان کے خط سے ظاہر ہے جو اوپر نقل کیا گیا۔ یہ صاحب ایک عرصہ سے خط و کتابت کر رہے ہیں لیکن ابھی

تک حضرت والا نے ان کو صرف اصلاح نفس ہی میں مشغول رکھا ذکر و شغل تعلیم نہیں فرمایا لیکن دیکھ لیجئے اس سے ان کو کس قدر نفع ہوا۔ اور وصول الی المقصود کی کس درجہ استعداد پیدا ہوگئی۔ بقول حضرت والا لکڑی مدت تک تو دھوپ میں پڑی رہتی ہے یہاں تک کہ پھر اس قابل ہو جاتی ہے کہ بس ایک ہی دیا سلائی میں سلگ اٹھے۔ اھ۔

اسی طرح طالب مذکور میں بھی اب ایسی استعداد پیدا ہوگئی ہے کہ بس تھوڑے دنوں کے ذکر و شغل ہی میں انشاء اللہ تعالیٰ ان کا کام بن جائے گا بلکہ ابھی بہت کچھ بن چکا ہے کیونکہ بعون اللہ تعالیٰ نفس پر قابو ہو چلا ہے اور قلب میں ذکر و شغل کا ذوق و شوق پیدا ہو گیا ہے پھر اور کیا چاہیے حالانکہ غالباً ان صاحب کو ابھی تک حاضری خانقاہ کی بھی نوبت نہیں آئی۔ ایسے ہی تجربوں کی بناء پر تو حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ جو لوگ باقاعدہ تعلیمی خط و کتابت کرتے رہتے ہیں وہ جب یہاں آتے ہیں تو بفضلہ تعالیٰ اس قابل ہوتے ہیں کہ پہلی ہی ملاقات میں ان کو بیعت اور تعلیم و تلقین کی اجازت دے دی جائے۔ اھ

جس بناء پر اجازت دی جاتی ہے اس کی نہایت نفیس تحقیق جو حضرت والا نے تحریر فرمائی ہے وہ انشاء اللہ تعالیٰ باب آئندہ خلفائے مجازین میں نقل کی جائے گی۔ بظاہر طالب مذکور کے اس مضمون کے بعد جو اوپر نقل کیا گیا اس کی سابقہ درخواست کے مطابق اس کو ذکر و شغل کرنے کی اجازت مرحمت فرما دی جاتی لیکن نہیں حضرت والا جب تک ہر ہر جزئی کی اصلاح نہیں فرما دیتے طالب کا پیچھا نہیں چھوڑتے چنانچہ حسب ذیل جواب تحریر فرمایا۔ تو پہلے پوری بات کیوں نہیں لکھی تھی کیا مجھ کو غیب کی خبر ہے اس کا جواب دے کر پھر لکھو جو لکھنا ہو۔ اھ

یہ جواب لکھ کر حاضرین سے فرمایا کہ ایسی جلدی راضی نہ ہو جانا چاہیے۔ ان کو خط لکھنے کا سلیقہ بھی تو تعلیم کر دینا چاہیے۔ انہوں نے پہلے صرف یہی لکھ کر بھیج دیا کہ اللہ اللہ کرنے کو بہت جی چاہتا ہے اور اصلاح نفس کے متعلق یہ حالات جواب لکھے ہیں کچھ نہ لکھے اسی لیے مجھ کو یہ سوال کرنا پڑا کہ کیا صرف یہی مقصود ہے۔ اگر وہ یہ سب حالات اسی خط میں لکھ دیتے تو میں یہ سوال ہی کیوں کرتا۔ میری تو یہ غرض ہوتی ہے کہ طالب کی پوری اصلاح ہو اس لیے بار بار سوالات کرتا ہوں اور کوڑ مغزوں کا یہ اعتراض ہے کہ تم ڈاکخانہ کے بڑے خیر خواہ ہو ٹکٹ بہت بکواتے ہو۔ لوگوں سے

ذرا ذرا سی باتوں کے لیے بار بار خطوط لکھواتے ہو۔ اب ایسے کوڑ مغزوں کو کیا جواب دیا جائے۔ سوائے اس کے کہ اچھا بھائی تم یوں ہی سمجھو اور مجھ سے خط و کتابت نہ کیا کرو جو ڈاک خانہ کا بد خواہ ہو اس سے رجوع کر لو اور آج کل تو ڈاک خانہ کے بد خواہ بہت ہیں۔اھ

اصل چیز اصلاح اعمال ہے

طالب مذکور کے علاوہ ایک اور طالب نے لکھا کہ میرے معمولات فلاں فلاں ہیں۔ان سب میں جو کچھ کمی ہو اس سے سرفراز فرمائیں۔ حضرت والا نے جواب تحریر فرمایا کہ یہ تو اپنی فرصت اور تحمل پر ہے اصل چیز جس میں کمی بیشی دیکھی جا سکتی ہے وہ اصلاح اعمال ہے۔اھ

اصلاح اعمال میں ترتیب

ایک اور طالب نے لکھا کہ جناب نے میری مرض بدنگاہی کا علاج فرمایا ہے یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ مجھے شفا کما حقہ ہو گئی ہے مگر انشاء اللہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ باری تعالیٰ نے صرف اپنے فضل و کرم سے بوسیلہ حضور جو شفا عطا فرمائی ہے بندہ کو انہماک فی المرض کی وجہ اس کے عشر عشیر کی بھی امید نہ تھی۔ اب باقی ماندہ امراض جوارح میں سے غیبت میں زیادہ ابتلاء معلوم ہوتا ہے۔ گو پہلے کی نسبت بحمد اللہ یہ بھی کم ہے کہ عدم احساس کے بجائے اب ابتلاء پر ملال ہے امید کہ اب مرض غیبت کے علاج سے بہرہ یاب فرمائیں گے۔اھ

اس پر حضرت والا نے استفسار فرمایا کہ کیا پچھلا علاج (یعنی بدنگاہی کا) مکمل و راسخ ہو گیا۔اھ

انہوں نے لکھا کہ تقاضا تو بظاہر کالعدم نہیں ہوا مگر ابتلاء شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔اھ۔

اس پر حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ شاذ و نادر کیا معنی اگر کوئی کہے کہ میں نے شراب چھوڑ دی ہے بس کبھی کبھی پی لیتا ہوں تو کیا یہ ترک شراب ہے انتہی بحاصلہ۔

احقر اس نمبر کو یہیں ختم کیے دیتا ہے ورنہ ضمنی مضامین تو سینکڑوں یاد آتے چلے جا رہے ہیں اور یہ نمبر جو پہلے ہی ضرورت سے زیادہ بڑھ گیا ہے اور بھی زیادہ بڑھ جائے گا۔ چونکہ اس نمبر میں حضرت والا کے بہت سے اصول تعلیم و تربیت معرض بیان میں آ گئے ہیں اس لیے ناظرین سے استدعا ہے کہ اس کو بغور ملاحظہ فرما کر مختلف اصول کو

اپنے ذہن میں مجتمع فرمالیں اور ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ اس کا خاص لحاظ رکھا جائے گا کہ ایک نمبر میں ایک سے زیادہ اصول نہ بیان کیے جائیں اور وہ بھی اختصار کے ساتھ کیونکہ اس باب کو جلد ختم کرکے دیگر ابواب کو شروع کرنا ہے نیز چونکہ احقر کی رخصت قریب ختم آپہنچی ہے اس لیے اب بقیہ سوانح کو بھی جہاں تک ہوسکے گا بہت اختصار کے ساتھ لکھا جائے گا ورنہ خدانخواستہ نامکمل رہ جانے کا اندیشہ ہے۔ اللہ تعالیٰ میری مدد فرمائے اور بسہولت جلد سب ابواب کو پورا فرمائے۔ آمین۔

طالب کی ادنیٰ سے ادنیٰ کوتاہی پر تنبیہ

حضرت والا کا مطمح نظر چونکہ اصلاح کے درجات کی تکمیل ہے اس لیے طالب کی ادنیٰ بے تمیزی یا بے التفاتی کو بھی گوارا نہیں فرماتے اور فوراً صاف صاف تنبیہ فرماتے ہیں۔ چنانچہ ایک طالب کو تحریر فرمایا کہ تمہارے خط میں ایک جملہ ہے کہ "اس کے پہلے بھی ایک بار مستفتی ہوکر جواب سے محروم ہوں" اھ۔ کیا اس جملہ میں مجھ پر اعتراض نہیں اور کیا وہ اعتراض بلا دلیل نہیں اور کیا اعتراض بلا دلیل سے اذیت نہیں ہوتی اور کیا اذیت کی حالت میں کوئی خدمت لی جاسکتی ہے۔ پھر اپنے کو مرید اور معتقد لکھتے ہو یہ جمع بین المتضادین کیسا افسوس۔ اھ

اسی طرح ایک طالب نے اپنے عریضہ میں حضرت والا کے خواہرزادہ صاحب جناب فضیلت مآب مولانا مولوی ظفر احمد صاحب مدت فیوضہم کے نام بھی کچھ مضمون لکھ دیا تھا۔ اس پر تنبیہاً تحریر فرمایا کہ وہ حج کو گئے ہیں مگر میرے خط میں دوسروں کے مضامین لکھنا کیا خلاف تہذیب نہیں۔ میں ان کو پیغام پہنچاتا پھروں یا پرچہ دیتا پھروں افسوس۔ اھ

بعض صورتوں میں یہاں تک تحریراً فرمادیتے ہیں کہ جب تک سلیقہ اور تہذیب نہ سیکھو میرے پاس خط نہ بھیجو۔ اھ اور بعض کی تعلیم و تلقین ہی سے دستکش ہوجاتے ہیں اور اکثر شکایت فرمایا کرتے ہیں کہ آج کل عام طور پر طبائع میں ادب بالکل نہیں رہا الا ماشاء اللہ اسی وجہ سے اکثر محروم رہتے ہیں (ع) بے ادب محروم گشت از فضل رب' بلا ادب شیخ کچھ حاصل نہیں ہوسکتا اور ادب محض تعظیم و تکریم کو نہیں کہتے یہ تو محض صورت ادب ہے۔ ادب کی روح ہے ایذاء سے بچانا اور

راحت پہنچانا۔ اگر کسی کو زیادہ تعظیم وتکریم سے اذیت ہوتی ہے تو وہ بھی بے ادبی ہے۔ اھ

یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ بعض لوگ قصداً ایذاء نہیں پہنچاتے لیکن محض عدم قصد ایذاء کافی نہیں بلکہ قصد عدم ایذاء ضروری ہے۔ اھ

۳۔ فضولیات سے پرہیز کرانا

حضرت والا کو اس کا خاص اہتمام رہتا ہے کہ طالبین کو فضولیات سے ہٹا کر ضروریات میں مشغول کر دیا جائے جس کی صدہا نظائر ہیں لیکن چونکہ ابھی ابھی اختصار کا وعدہ کر چکا ہوں اس لئے صرف ایک واقعہ بطور نمونہ عرض کیا جاتا ہے۔

ایک اہل علم طالب نے حضرت والا کو لکھا کہ میرے ذہن ناقص میں یہ آتا ہے کہ فلاں شخص مدعی مہدویت کو فلاں اہل باطل فرقہ سے بھڑا دیا جائے۔ اھ حضرت والا نے اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ افسوس کیا ان پالیسیوں میں رائے لینے کے لیے مجھ سے تعلق پیدا کیا تھا۔ اس فن کے مجھ سے زیادہ جاننے والے بہت ہیں۔ اھ

مقصودِ نسبت سے باہر کے سوالات پر تنبیہ

حضرت والا محض فقہی مسائل پوچھنے پر اکثر طالبین کو تنبیہ فرما دیتے ہیں کہ کیا یہ مسائل اور اہل علم سے نہیں پوچھے جاسکتے۔ اس فن کے تو مجھ سے بھی بہتر جاننے والے بہت لوگ موجود ہیں۔ مجھ سے تو اپنی اصلاح کے متعلق باتیں پوچھی جائیں جن کے لیے مجھ سے تعلق پیدا کیا ہے۔ اھ

اس کا راز یہ فرمایا کہ فقہی مسائل پوچھ کر طالبین یہ سمجھتے ہیں کہ بس ہم نے حق بیعت اور حق تعلق ادا کر دیا۔ اپنی اصلاح نفس کی طرف توجہ نہیں کرتے چنانچہ فلاں صاحب ہمیشہ مجھ سے مسائل فقہیہ ہی کی تحقیق کیا کرتے بہت دن تک تو میں ان کی خاطر سے جواب دیتا رہا لیکن جب میں نے دیکھا کہ وہ بس اسی پر اکتفا کرتے ہیں اپنی اصلاح نفس کے متعلق کبھی کوئی بات ہی نہیں پوچھتے۔ سوائے اس کے کہ ہمیشہ کمی کیفیات کی شکایت لکھا کرتے تو میں نے ان کو اس ضرر باطنی سے بچانے کے لیے فہمائش کی اور صاف کہہ دیا کہ تم مجھ سے یہ خدمت تحقیق مسائل کی نہ لو۔ مجھ سے تو وہ خدمت لو جس کے لیے مجھ سے تعلق پیدا کیا ہے

یعنی اصلاح باطن لیکن چونکہ مسائل فقہیہ کی تحقیق بھی ضروری چیز ہے اس لیے اس کام کے لیے مولانا خلیل احمد صاحب کو تجویز کرو۔ مولانا اس وقت زندہ تھے چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اب مجھے خط بھیجیں تو کیا لکھیں سوائے اس کے کہ اپنی اصلاح کے متعلق لکھیں۔ غرض مجبور ہو کر انہیں اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہونا پڑا جس سے ان کو بہت نفع ہوا یہاں تک کہ بفضلہ تعالیٰ صاحب نسبت اور صاحب اجازت ہو گئے۔ اھ

اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ ماشاء اللہ فتویٰ نویسی کا کام تو بہت جگہ ہو رہا ہے اور اس فن کے بفضلہ تعالیٰ مجھ سے کہیں بہتر جاننے والے بکثرت موجود ہیں لیکن اصلاح باطن کا کام اہتمام خاص کے ساتھ آج کل کہیں نہیں ہو رہا۔ اس لیے اس کی ضرورت دیکھ کر میں نے اپنے ذمہ یہی خدمت لے رکھی ہے گو یہ درجہ میں من وجہ اس سے متنزل ہو۔ اھ

۵۔ سالکین کے لئے مختصر اور جامع دستور العمل

یوں تو تعلیم و تربیت باطن کے متعلق حضرت والا کا ہر ارشاد آب زر سے لکھنے کے قابل ہے لیکن بعض خاص خاص ارشادات تو ایسے جامع مانع اور سہل ممتنع کی شان رکھنے والے ہیں کہ گو وہ چند نہایت مختصر اور سہل الفاظ کا مجموعہ ہیں لیکن ان میں سارا فن سلوک آ گیا ہے اور ان کے اندر سالکین کے لیے پورا دستور العمل مذکور ہے یہاں تک کہ بعض ایسی ہی شان جامعیت رکھنے والے تحریری ارشادات کو باوجود محض چند سطری مضامین ہونے کے حضرت والا نے فرداً فرداً ایک مکمل رسالہ قرار دے کر مستقل نام بھی تجویز فرما دیے ہیں۔ مثلاً روح الطریق۔ وضوح الطریق۔ فتوح الطریق۔ تسہیل الطریق وغیرہ جن میں سے بعض موقع بہ موقع نقل بھی کیے جا چکے ہیں۔ اس پر بعض کوتاہ بینوں اور کم فہموں نے یہ اعتراض کیا کہ کہیں چند سطروں کے بھی رسالے ہوا کرتے ہیں جس کا ایک صاحب نے خوب ہی جواب دیا کہ یہ تو سنت الٰہیہ کا اتباع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بھی تو بعض چند سطر بلکہ ایک سطر ہی کی سورتوں کو مستقل سورت قرار دے دیا ہے مثلاً سورۂ کوثر، سورۂ عصر، سورہ اخلاص اھ۔ ایسے اکثر ارشادات جامعہ کا عطر یہ ارشاد ہے کہ انسان صرف اختیاری امور کا مکلّف ہے غیر اختیاری امور کا مکلّف ہی نہیں۔ لہٰذا اختیاری امور میں تو بہ تکلف ہمت اور استعمال

اختیار سے کام لے اور غیر اختیاری امور کے نہ تو درپے ہو اور نہ ان کی فکر میں پڑے۔اھ

دین و دنیا کی فلاح کا اصول

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ اگر کوئی اسی ایک اصول پر مضبوطی کے ساتھ کاربند رہے تو دین اور دنیا دونوں کو صلاح وفلاح حاصل ہو جائے اور پریشانی پاس بھی نہ پھٹکے۔

یہ اختیاری اور غیر اختیاری کا مسئلہ تو حضرت والا نے اتنا واضح فرمایا ہے کہ صدیوں سے اس کا ایسا عام وضوح نہ ہوا تھا اور اس سے اتنا کام لیا ہے کہ ہزاروں مشکلات طریق اس کے ذریعہ سے حل فرما دی گئی ہیں۔ جب کوئی طالب اصلاح اپنے کسی عیب کی اصلاح چاہتا ہے تو حضرت والا سب سے پہلے اس سے یہی سوال فرماتے ہیں کہ یہ اختیاری ہے یا غیر اختیاری اگر وہ کہتا ہے کہ اختیاری ہے تو فرماتے ہیں کہ جس چیز کا فعل اختیاری ہے اس کا ترک بھی اختیاری ہے۔ ہمت کر کے اختیار کو استعمال میں لاؤ اور چھوڑ دو۔ اگر وہ کہتا ہے کہ غیر اختیاری ہے تو اگر وہ دراصل غیر اختیاری ہوا تو فرماتے ہیں کہ غیر اختیاری کا آدمی مکلّف ہی نہیں۔ پھر اس میں دینی ضرر ہی کیا ہوا جو اس کا علاج پوچھا جاتا ہے۔

بعضوں نے کہا کہ یہ تو سمجھ میں آ گیا کہ اس میں بوجہ غیر اختیاری ہونے کے دینی ضرر کوئی نہیں لیکن تکلیف اور پریشانی تو ہے اور یہ بھی قابل علاج ہے اس کا یہ جواب ارشاد فرمایا کہ تکلیف اور پریشانی کا علاج میرے ذمہ نہیں ورنہ کل کو پھر یہ بھی کہنا کہ صاحب میرے پیٹ میں درد ہے جس سے بڑی پریشانی ہے اس کا بھی علاج بتایا جائے۔اھ

اسی طرح ایک صاحب نے فضول گوئی کا علاج پوچھا تو حسب معمول یہی سوال فرمایا کہ اختیاری ہے یا غیر اختیاری اس پر انہوں نے لکھا کہ اختیاری ہے لیکن سہولت کی تدبیر ارشاد فرمائی جائے۔ تحریر فرمایا کہ کس کس چیز کے سہل ہونے کی تدبیر پوچھو اور اس حدیث کے کیا معنی کہو گے۔ **حفت الجنة بالمکارہ**۔اھ

حضرت والا کی تعلیم میں اللہ تعالیٰ نے برکت ایسی رکھی ہے کہ اکثر طالبین کو محض استعمال اختیار ہی کی تاکید فرمانے پر استعمال اختیار کی بفضلہ تعالیٰ توفیق ہو جاتی ہے اور بڑے بڑے عیوب چھوٹ جاتے ہیں۔

اصول پر عمل کیلئے سہولت کی تدبیریں

بعض کو یہ دیکھ کر کہ استعمال اختیار میں اپنی طرف سے پوری کوشش کر رہے ہیں سہولت مقاومت نفس کی تدبیر پوچھنے پر یہ ارشاد فرمایا کہ گو سہولت کی تدبیر بتانا مصلح کے ذمہ نہیں لیکن تبرعاً بتاتا ہوں وہ یہ ہے کہ بہ تکلف نفس کی مخالفت کرتے رہنے سے پھر رفتہ رفتہ داعیہ ضعیف ہو جاتا ہے اور اس کی مقاومت سہل ہو جاتی ہے غرض جو تدبیر تحصیل ہے وہی تدبیر تسہیل بھی ہے لیکن یہ قاعدہ اکثر ہی ہے کلی نہیں بعض کو عمر بھر مجاہدہ ہی کرنا پڑتا ہے۔ غرض طالب کو اپنی طرف سے عمر بھر مجاہدہ ہی میں گزارنے کے لیے تیار رہنا چاہیے اور مجاہدہ ہی کے لیے تو یہاں بھیجے گئے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لقد خلقنا الانسان فی کبد اور مجاہدہ سے تو اجر اور قرب بڑھتا ہے۔ اور جن کو بعد مجاہدات کے سہولت ہو جاتی ہے ان کو بھی برابر مجاہدہ کا اجر ملتا رہتا ہے کیونکہ یہ سہولت مجاہدات ہی سے تو مسبب ہوئی ہے۔ اھ

ایک صاحب نے لکھا کہ احقر کے اندر لوگوں سے ربط وضبط بڑھانے کا مہلک اور شدید مرض ہے۔ اس عادت کو بہت چھوڑنا چاہتا ہوں لیکن نہیں چھوٹتی حالانکہ یہ امر اختیاری ہے۔ اھ

اس کا ضابطہ کا جواب تو صرف یہی تھا کہ ہمت سے کام لو لیکن چونکہ انہوں نے اپنی سی کوشش کرنے کے بعد یہ عریضہ لکھا تھا اس لیے یہ جواب تحریر فرمایا کہ اصل علاج تو ہمت ہے مگر اس کی اعانت کے لیے نفس پر کچھ جرمانہ مقرر کیا جائے کہ جب خلاف عہد ہو تو اتنی نوافل یا اتنے پیسے ادا کیے جائیں۔ اھ

احقر مرتب کا واقعہ

اسی طرح خود احقر نے ایک بار حضرت والا کی خدمت فیض درجت میں عریضہ لکھا کہ میری طبیعت ابتداء تو جلوت پسند نہیں بلکہ ملنے جلنے سے وحشت ہوتی ہے لیکن ملتا ہوں تو پھر حدود سے ضرور متجاوز ہو جاتا ہوں۔ بارہا قصد کیا لیکن صرف بقدر ضرورت ملنے پر مجھے قدرت ہی حاصل نہیں ہوتی۔ آج سے پھر قصد خلوت کرتا ہوں جب خلوت ہو گی تو کثرت کلام بھی چھوٹ جائے گی۔ بہت ہی جی چاہتا ہے کہ بس ضروریات اور ذکر و فکر ہی میں دن رات رہوں۔ حضرت والا کے اس ارشاد کو کہ میں چاہتا ہوں یہاں پر کوئی کسی سے بات بھی

نہ کرے۔ بالکل اپنی طبیعت کے موافق پایا۔ الخ۔ اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ اس میں بھی مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔ اعتدال ہر امر میں محمود ہے مگر بعض طبائع بدوں تدبیر کے اس پر بسہولت قادر نہیں۔ تدبیر یہ ہے کہ بدوں ضرورت شدید آپ خود کسی سے ابتداء بکلام نہ کریں اور نہ کسی کے پاس جائیں اور جو شخص آپ سے ابتداء بکلام کرے اس کو مختصر اور ضروری جواب دے کر ذکر میں مشغول ہو جائیں انشاء اللہ تعالیٰ اس سے اعتدال نصیب ہو جائے گا میں بھی دعا کرتا ہوں ایک ہفتہ کے بعد پھر اطلاع دی جائے۔ اھ

دیکھئے یہاں بھی کیسی نفیس تدبیر سہولت ارشاد فرمائی لیکن تدبیر سہولت انہی کو بتائی جاتی ہے جو استعمال اختیار کی کوشش کرنے کے بعد پوچھتے ہیں اور بعض کو از خود ابتداء اور بلا پوچھے بھی بتا دیتے ہیں جن کے بارہ میں قرائن سے یہ اطمینان ہو جاتا ہے کہ ان کو اپنی اصلاح کا خاص اہتمام ہے۔

شریعت مقدسہ میں بھی بعض احکام میں تو سہولت کی تدابیر بتائی گئی ہیں اور بعض میں نہیں۔ غرض اس کا التزام ثابت نہیں۔ اس مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصلح کو اختیار ہے کہ جہاں مناسب ہو سہولت کی تدبیر بتائے جہاں نہ مناسب ہو نہ بتائے۔ اس مضمون میں حضرت والا نے اپنے وعظ التحصیل والتسہیل مع التکمیل والتعدیل میں بہت مفصل اور محققانہ بحث فرمائی ہے جو قابل ملاحظہ ہے۔ وہ وعظ طبع ہو چکا ہے۔

غرض حضرت والا اس مسئلہ اختیاری وغیر اختیاری سے دوران تربیت میں بہت ہی کام لیتے ہیں کیونکہ سینکڑوں جزئیات ہیں جن پر اس کا انطباق ہوتا ہے اور ہزاروں اشکالات ہیں جن کا اس سے حل ہوتا ہے چنانچہ حضرت والا نے بارہا فرمایا کہ یہ اختیاری اور غیر اختیاری کا مسئلہ آدھا سلوک ہے بلکہ قریب قریب سارا۔ اھ

اسی جگہ حضرت والا کا ایک اور ارشاد بھی جو ایک طالب کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا گیا تھا اور جو پہلے بھی کسی موقع پر نقل کیا جا چکا ہے۔ مکرر بہ مناسبت مقام تربیت السالک سے نقل کیا جاتا ہے کیونکہ اس میں اسی اختیاری اور غیر اختیاری کے مسئلہ سے کام لیکر عمر بھر کے لئے سلوک کا ایک نہایت کار آمد اور مکمل دستور العمل تجویز فرما دیا گیا ہے۔ اور طریق کو بالکل سہل فرما دیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت والا نے اس کا نام بھی تسہیل الطریق ہی رکھا ہے۔

تسہیل الطریق

ایک طالب نے اپنے عریضہ حالات کے آخر میں لکھا کہ میں اپنا حال ابتر ہی پاتا ہوں سوائے ادھیڑ بن کے اور کچھ نہیں اس پر حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ خود مشقت میں پڑنے کا شوق ہی ہو تو اس کا تو علاج ہی نہیں۔ باقی راستہ بالکل صاف ہے کہ غیر اختیاری کی فکر میں نہ پڑیں اختیاری میں ہمت سے کام لیں۔ اگر کوتاہی ہو جائے ماضی کا استغفار سے تدارک کر کے مستقبل میں پھر تجدید ہمت سے کام لینے لگیں اور استعمال ہمت کے ساتھ دعا کا بھی التزام رکھیں اور بہت لجاجت کے ساتھ۔ اھ۔

گناہوں کا استحضار مقصود بالذات نہیں ہے

سبحان اللہ کیا جامع مانع دستور العمل ہے۔ طالبین کو چاہیے کہ اس کو اپنا حرز جان اور عمر بھر کے لیے اپنا معمول بنالیں۔ ماضی کے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ بس ایک بار اچھی طرح توبہ کر کے پھر گناہوں کے غم میں نہ رہے بلکہ کام میں لگے ورنہ گناہوں کا تصور اور غم بھی اس کے اور محبوب حقیقی کے درمیان طبعی طور پر حجاب ہو جائے گا۔ حسب ارشاد مولانا رومیؒ (ع) ماضی و مستقبلت پردہ خداست'' بندہ اپنے محبوب حقیقی کے مشاہدہ دائمی کے لیے پیدا ہوا ہے نہ کہ گناہوں کے مراقبہ کے لیے۔ گناہوں کے استحضار کی تو توبہ کے لیے ضرورت تھی۔ جب توبہ کر چکا پھر استحضار کی کیا ضرورت رہی۔ کیونکہ گناہوں کا استحضار مقصود بالذات تھوڑا ہی ہے بلکہ مقصود بالغیر ہے۔ توبہ کے بعد بھی گناہوں کا قصداً استحضار رکھنا مقصود بالغیر کو مقصود بالذات بنانا ہے۔ اگر کوئی کوتاہی ہو جائے تو بجائے اس کے کہ اس کے غم کو لے کر بیٹھ جائے اور اس کمی کا افسوس ہی کرتا رہے بس ایک بار خوب اچھی توبہ و استغفار کر کے بات کو ختم کرے اور اپنے کام میں لگے۔ کام میں لگ جانے ہی سے خود کمی کا بھی تدارک ہو جائے گا۔ کثرت استغفار میں بھی جس کی بہت فضیلت وارد ہے محض یہ اجمالی استحضار کافی ہے کہ میں گنہگار ہوں اپنے سب گناہوں سے استغفار کرتا ہوں باقی اللہ تعالیٰ کو تو ان گناہوں کا علم ہے ہی۔ ان کے تفصیلی استحضار کی ضرورت نہیں بلکہ اس کا طبعی اثر

حجاب ہے۔ کیونکہ گناہوں کا ہمیشہ تفصیلی استحضار رکھنے سے مایوسی پیدا ہو جاتی ہے کہ جب ایسے ایسے اور اتنے سارے گناہ ہیں تو کیا بخشش ہوگی۔ اللہ میاں کیسے راضی ہوں گے اور جب کسی کی ناراضی کا بار بار تصور کیا جاتا ہے تو اس کا طبعی اثر یہ ہوتا ہے کہ خود بھی طبیعت میں اس کی طرف سے انقباض پیدا ہو جاتا ہے غرض اس طرح معاصی کا تفصیلی استحضار وطبعًا موجب حجاب ہو جاتا ہے۔ البتہ بلا قصد کسی خاص گناہ کا استحضار ہو جائے تو بالتخصیص بھی توبہ کرے۔ خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک استغفار کا صیغہ منقول ہے جس میں یہ الفاظ ہیں۔ **ماعلمت منه وما لم اعلم**۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ استغفار کے لیے ذنوب کا تفصیلی استحضار ضروری نہیں ورنہ **مالم اعلم** کے صیغہ کی تعلیم فرمانے کے بجائے یہ حکم ہوتا کہ گناہوں کو سوچ سوچ کر اور یاد کر کر کے توبہ کیا کرو۔ اھ

اور ایک حدیث اس مسئلہ کی اصل ہو سکتی ہے جس کی تقریر حضرت والا کے رسالہ التشرف میں کی گئی ہے چونکہ اس تقریر سے اس مسئلہ کی کافی توضیح وتحقیق ہوتی ہے اس لیے اس کو اس مقام پر نقل کیا جانا مناسب ہے۔ وہو ہذا۔

الحديث (ج) اذا تاب العبد انسى اللّٰه الحفظة ذنوبه و انسى ذلك جوارحه ومعالمه من الارض حتىٰ يلقى اللّٰه وليس عليه شاهد من اللّٰه بذنب ابن عساكر عن انس (ض) ف. مدلول الحديث ظاهر و يمكن ان يوخذ منه بالقياس مانقل عن بعض العارفين ان من علائم قبول التوبة نسيان العبد الذنب فان القلب الذى به يتذكر الذنب كالجوارح كما فسر وابه قوله تعالىٰ ان السمع والبصر والفواد كل اولئك كان عنه مسئولا اى كل واحد من هذه الاعضاء كان عنه اى عما نسب اليه مسئولا ليشهد علىٰ صاحبه (بتصير الرحمن) هذا هو السرفى الآخرة واما السر فى الدنيا فهوان تذكر الذنب قد يكون حجاباطبعيا من التوجه الىٰ اللّٰه بالانشراح فينسيه اللّٰه تعالىٰ اياه و عندى ان هذا ليس بلازم و لا دائم فان بعضهم عن التوجه فهذه العلامة لبعض افرادالقبول لا لجميعها.

جب بندہ توبہ (خالص) کرتا ہے (جو مقبول ہو جاتی ہے) اللہ تعالیٰ اس کے گناہ (ملائکہ) حافظین اعمال کو بھی بھلا دیتا ہے اور اس کے جوارح کو (بھلا دیتا ہے) اور زمین کے نشانات کو بھی بھلا دیتا ہے (یعنی جس جگہ وہ معصیت کی تھی جو قیامت میں گواہی دیتی) یہاں تک کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملتا ہے کہ اس پر گناہ کا کوئی گواہی دینے والا نہیں ہوتا۔ف۔ مدلول حدیث کا ظاہر ہے اور اس حدیث سے اس مضمون کو بھی بطور قیاس کے جو بعض عارفین سے منقول ہے کہ منجملہ علامات قبول توبہ کے یہ بھی ہے کہ بندہ گناہ کو بھول جاتا ہے۔ کیونکہ قلب میں جس سے گناہ یاد رہتا ہے وہ بھی مثل جوارح کے ہے جیسے مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے ان السمع والبصر الخ کہ ان سے سوال ہوگا تاکہ یہ صاحب اعضاء پر شہادت دیں (تو شاہدوں میں قلب بھی داخل ہو گیا تو قلب سے بھی گناہ کو بھلا دیا جاتا ہے) اور یہ راز تو آخرت میں ہے اور دنیا میں اس کا یعنی بالخصوص قلب سے بھلا دینے کا یہ راز ہے کہ گناہ کا یاد ہونا بعض اوقات بعض سالکین کے لیے انشراح کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے سے طبعی حجاب ہو جاتا ہے (اور حکمت الٰہیہ کبھی بعض کی مصلحت سے طبعی حجاب کو بھی رفع فرما دیتی ہے) اور میرے نزدیک یہ ہے کہ یہ (بھول جانا) نہ لازم ہے نہ دائم ہے کیونکہ بعض سالکین کی عقل طبیعت پر غالب ہوتی ہے تو ایسے شخص کو یہ یاد ہونا توجہ سے مانع نہیں ہوتا۔ پس یہ علامت بعض افراد قبول کی ہے نہ کہ سب کی۔

(تو یہ ممکن ہے کہ نسیان ہو جائے اور توبہ قبول نہ ہو بلکہ نسیان بوجہ غفلت کے ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ توبہ قبول ہو جائے اور نسیان نہ ہو۔ بلکہ اس مصلحت سے یاد رہے کہ ہمیشہ استغفار کر کے مدارج قبول میں ترقی کرتا رہے) از رسالہ الہادی ربیع الثانی ۵۰ھ

شیخ اکبر اور جمہور کی عبادات میں تطبیق

اور امداد الفتاویٰ میں بھی ایک سوال کے جواب میں اس مضمون کا حاصل ایک خاص عنوان سے مذکور ہے اس کو بھی نقل کیا جاتا ہے۔ وھو ہذا۔

سوال۔فتوحات میں حضرت شیخ اکبر فرماتے ہیں قبول توبہ کی علامت یہ ہے کہ اس

گناہ کا نقش بالکلیہ ذہن سے محو ہو جائے تو کبھی عمر بھر وہ یاد نہ آئے۔ اس مسئلہ کا نام قاصمۃ الظہر رکھا ہے اور شعرانیؒ نے اپنی کتابوں میں اس طرح نقل کیا ہے گویا ان کو بھی یہ مسلم ہے۔ اور عام کتب طریقت میں جمہور لکھتے ہیں کہ سالک کو لازم ہے کہ ہمیشہ ہر وقت اپنے گناہوں کو پیش نظر رکھے کبھی نہ بھولے۔ امام شعرانیؒ علی الخصوص اس مسئلہ پر بہت زور دیا کرتے ہیں بظاہر دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔ حقیقت کیا ہے اور وجہ تطبیق۔

الجواب۔ محو ہو جانے سے یہ مراد نہیں کہ یاد نہ رہے بلکہ مراد یہ ہے کہ اس کا اثر خاص یعنی قلق طبعی نہ رہے گو یاد بھی رہے اور قلق اعتقادی بھی رہے تو یہ امر گناہ کو یاد رکھنے کی تعلیم سے معارض نہیں ہوا اور یہ بھی کلیا نہیں بعض طبائع کے اعتبار سے ہے جن کے لیے قلق طبعی حاجب ہو جاتا ہے۔ انشراح فی الطاعۃ سے اور اس وقت اصل عبارتیں میری نظر میں نہیں عبارت منقولہ سوال کی بناء پر لکھ دیا ورنہ ممکن ہے کہ اس سے بھی اچھی کوئی وجہ جمع کی ہو۔

۲۵۔ ربیع الاول ۱۳۴۹ھ (از رسالہ النور رجب ۱۳۴۹ھ)

یہ دونوں تقریریں تو علمی رنگ میں ہیں اور ایک تقریر اسی کی کلید مثنوی قصہ پیر چنگی میں تحت عنوان گردانیدن عمر نظر اور ابشرح اشعار (ع) پس عمر گفتش کہ ایں زاری تو الی قولہ گاہ بانگِ زیر را قبلہ کنی'' خالی رنگ میں مذکور ہے لیکن وہ تطویل کے سبب یہاں نقل نہیں کی گئی جن کو شوق ہو وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

اصلاح اعمال کے لئے مفید کلیہ کے پانچ عنوان

یہ سب مضمون اختیاری اور غیر اختیاری کے مسئلہ کی تفصیل بیان کرنے کے ضمن میں استطراداً معرض بیان میں آ گیا۔ میں اب پھر اسی مسئلہ کی طرف عود کرتا ہوں۔ حضرت والا اس اختیاری اور غیر اختیاری کے مسئلہ کو دیگر عنوانات سے بھی ارشاد فرمایا کرتے ہیں مثلاً عقلی اور طبعی۔ اعمال اور احوال۔ افعال اور انفعالات۔ مقصود اور غیر مقصود۔ یہ کل پانچ عنوان ہوئے لیکن ان سب کا معنون ایک ہی ہے۔ یعنی حضرت والا کا وہ ارشاد جو اس مضمون کے شروع میں ہدیہ ناظرین کیا گیا ہے کہ انسان اختیاری امور کا مکلف ہے۔ غیر

اختیاری امور کا مکلف نہیں۔ حضرت والا ان پانچوں عنوانات سے دوران تربیت میں بکثرت کام لیتے ہیں اوران کے ذریعہ سے سالکین کی بڑی بڑی مشکلات کوحل فرماتے ہیں ۔یہاں تک کہ بہت سے طالبین کی تو جانیں انہی حقائق کی بدولت بچ گئیں اور بہتیروں کے ایمان انہی کے ذریعہ سے سلامت رہے اوراب بھی بہتیرے انہی کے سہارے زندہ ہیں ورنہ اگر حضرت والا کے یہ حقائق ان کے پیش نظر نہ ہوتے تو وہ اپنے ایمان سے مایوس ہو کر یا تو اپنے کو ہلاک کرڈالتے یا نعوذ باللہ ایمان ہی سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔

اب ان پانچوں عنوانات کے متعلق حضرت والا کے بعض ارشادات مختصراً اور مثالاً پیش کیے جاتے ہیں مثلاً اختیاری اور غیر اختیاری کے متعلق فرمایا کرتے ہیں کہ وسوسے لانا اختیاری ہے اس سے اجتناب کرے اور وسوسے آنا غیر اختیاری ہے اس کی کچھ پروانہ کرے۔ البتہ آئے ہوئے وسوسوں کو اختیاراً باقی رکھنا بھی بوجہ اختیاری ہونے کے مذموم ہے۔ اسی طرح ذکر وتلاوت ونماز میں دل لگانا اختیاری ہے دل لگنا غیر اختیاری ہے اپنی طرف سے دل لگنے کے اسباب کو جمع کرے پھر بھی اگر دل نہ لگے تو بے دل لگے ہی عمل کو بتکلف کرتا رہے۔ اسی طرح میلان الی المعاصی کا غم نہ کرے کیونکہ میلان غیر اختیاری ہے۔ البتہ اس میلان کے مقتضاء پر عمل کا صدور نہ ہونے دے جو اختیاری ہے۔ محض میلان پر کوئی مواخذہ نہیں بلکہ عمل پر ہے۔ اھ

اور مثلاً عقلی اور طبعی کے متعلق فرمایا کرتے ہیں کہ انسان عقلی امور کا مکلف ہے کیونکہ وہ اختیاری ہیں طبعی امور کا مکلف نہیں کیونکہ وہ غیر اختیاری ہیں۔ اھ

چنانچہ ایک طالب نے لکھا کہ پہلے کبھی صبح کی نماز قضا ہو جاتی تھی تو مجھ کو بہت رونا آتا تھا لیکن اب کچھ رنج نہیں ہوتا۔ دل پر سیاہی معلوم ہوتی ہے۔ اس پر تحریر فرمایا کہ رنج طبعی مقصود نہیں رنج عقلی مقصود ہے وہ حاصل ہے چنانچہ رنج ہونے پر افسوس ہونا یہ رنج عقلی کی علامت ہے۔ اھ

اور مثلاً اعمال اور احوال کے متعلق فرمایا کرتے ہیں کہ اعمال مقصود ہیں احوال مقصود نہیں کیونکہ اعمال اختیاری ہیں احوال اختیاری نہیں۔ اھ

اور مثلاً افعال اور انفعالات کے متعلق ایک صاحب فضل کو جو طریق باطن کے متعلق

حضرت والا سے خط و کتابت کر رہے تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح ذوق و شوق حاصل ہو جائے۔ آخر میں قول مختتم اور خلاصہ کے طور پر یہ تحریر فرمایا کہ اس طریق میں افعال کا اعتبار ہے انفعالات کا اعتبار نہیں لہٰذا افعال کا اہتمام چاہیے جو اختیاری ہیں انفعالات کے در پے نہ ہونا چاہیے جو غیر اختیاری ہیں۔ اھ بحاصلہ

اور مثلاً شعبہ باطن میں مقصود اور غیر مقصود کے متعلق فرمایا کرتے ہیں کہ مقصود مقامات ہیں یعنی اعمال اختیاریہ نہ کہ احوال غیر اختیاریہ۔ اھ

یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ گو احوال محمودہ محمود ہیں لیکن مقصود نہیں کیونکہ وہ اختیاری نہیں نہ ان کا حصول لازم نہ ان کا بقاء دائم۔ اگر حاصل ہوں شکر کرے لیکن کمال نہ سمجھے۔ اگر نہ حاصل ہوں یا حاصل ہو کر زائل ہو جائیں تو غم نہ کرے وہو معنیٰ قول الرومیؒ ؎

روز ہا گر رفت گو رو باک نیست   تو بماں اے آنکہ چوں تو پاک نیست

اس پر احقر کو یاد آیا کہ ایک بار احقر نے اپنے عریضہ میں اس پر اظہار افسوس کیا کہ اب کی بار کی حاضری میں ایک ایسی خاص کیفیت لے کر حاضر ہوا تھا جو اس سے پہلے کبھی حاصل نہیں ہوئی تھی لیکن بعد واپسی کچھ دن میں وہ رفتہ رفتہ بالکل زائل ہو گئی۔ اھ۔ اس پر حضرت والا نے جواب تحریر فرمایا کہ کسی کیفیت کا طاری ہونا اور چندے جاری رہنا یہ بھی بسا غنیمت ہے۔ ہمیشہ رہنے کی چیز تو صرف عقل اور ایمان ہے باقی سب میں آمد و رفت رہتی ہے۔ اھ

ایک مسئلہ جو کہ آدھا سلوک ہے

غرض اختیاری اور غیر اختیاری کے مسئلہ کو اللہ تعالیٰ نے حضرت والا پر ایسا منکشف فرمایا ہے کہ حضرت والا اس کو مختلف مواقع پر مختلف عنوانات سے حسب اختلاف فہم اور استعداد طالبین بے تکلف کام میں لاتے ہیں اور یہ مسئلہ ہر موقع پر نہایت ہی کار آمد ثابت ہوتا ہے اور حضرت والا کے اس ارشاد میں ذرا مبالغہ نہیں کہ یہ مسئلہ آدھا سلوک ہے بلکہ قریب قریب سارا۔ اھ واقعی جہاں تک غور کیا جاتا ہے تربیت و اصلاح کی شاید ہی کوئی ایسی جزئی ہو جس کا اس مسئلہ سے بواسطہ یا بلا واسطہ تعلق نہ ہو اور طریق کا شاید ہی کوئی ایسا مرحلہ ہو جس میں یہ مشعل راہ کا کام نہ دیتا ہو۔

۶-ثمرات وکیفیات سے یکسو رکھنا

حضرت والا طالبین کو ثمرات وکیفیات سے بتاکید شدید بالکل یکسو رکھتے ہیں اور فرمایا کرتے ہیں کہ ثمرات کی روح اجر وقرب ہے بس اس ثمرہ پر نظر رکھنا چاہیے اور کسی ثمرہ کا منتظر نہ رہنا چاہیے بلکہ جتنے زوائد طریق ہیں ان سب کے متعلق معاملہ ہی ایسا فرماتے ہیں کہ طالب کو مجبوراً ان سے ہٹ کر ضروریات ومقاصد طریق ہی میں مشغول ہونا پڑتا ہے۔ مثلاً کسی نے کوئی خواب بغرض تعبیر پیش کیا تو بجائے تعبیر بتانے کے اکثر یہ فرمادیتے ہیں کہ مجھے تعبیر خواب سے مناسبت ہی نہیں مجھ سے تو بیداری کی باتیں پوچھی جائیں۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم　　چو غلام آفتابم ہمہ زرآفتاب گویم

(نہ میں رات ہوں اور نہ رات کا پجاری ہوں کہ خواب کی باتیں کہوں، چونکہ میں آفتاب کا غلام ہوں اس لئے سب آفتاب ہی کی باتیں کہتا ہوں)

خوابوں میں کیا رکھا ہے بیداری کی حالت کا اعتبار ہے جو اختیاری ہے اگر کوئی اپنی بیداری کی حالت کو درست نہ کرے تو خواب میں اپنے آپ کو عرش وکرسی کی بھی سیر کرتے ہوئے دیکھے تب بھی اس کو ذرا برابر قرب نصیب نہیں ہوتا۔ اور اگر کسی کی بیداری کی حالت بدرجہ مطلوبہ درست ہے تو چاہے خواب میں اپنے آپ کو دوزخ ہی میں دیکھے پھر بھی وہ مقرب ہے۔ لیکن اس سے خواب کی نفی مقصود نہیں بلکہ عوام نے جو خوابوں کو مبشرات کے درجہ سے بھی آگے بڑھا دیا ہے اس سے متنزل کرنا ہے۔ اھ

اور مثلاً اگر کسی نے یہ شکایت کی کہ پہلے رونا بہت آیا کرتا تھا اب نہیں آتا تو فرمادیتے ہیں کہ آنکھ کا رونا مطلوب نہیں دل کا رونا مطلوب ہے وہ حاصل ہے یعنی نہ رونے پر افسوس۔ اھ

ایک بار فرمایا کہ اگر ثمرات وکیفیات کی تمنا بھی ہو تب بھی ان سے یکسو ہی رہنا ضروری ہے کیونکہ کیفیت پیدا ہوتی ہیں یکسوئی سے اور جب کیفیات کی ورود کی جانب توجہ رہی تو یکسوئی کہاں رہی۔ اسی لیے ذہین اور ذکی آدمی کو کیفیات نہیں ہوتیں اور اگر ہوتی بھی ہیں تو بہت کم کیونکہ اس کا ذہن ہمیشہ چلتا رہتا ہے اس کو یک سوئی ہوتی نہیں اور بلا یکسوئی کے کوئی کیفیت ہوتی نہیں۔ اسی وجہ سے عاقل شخص کو کیفیات بہت کم ہوتی ہیں۔ برخلاف اس کے جن

میں عقل کا مادہ کم ہوتا ہے ان کو ایسے آثار سے بہت مناسبت ہوتی ہے گو اس کا عکس لازم نہیں لیکن ایسے لوگ اپنے کام کے تو خوب ہوتے ہیں مگر دوسروں کو ان سے فائدہ کم پہنچتا ہے۔اھ

غرض حضرت والا طالبین کو کیفیات کی طرف التفات کرنے سے بتاکید منع فرماتے رہتے ہیں اور اگر کوئی اپنی کیفیات کی اطلاع دیتا ہے تو اکثر بس یہی فرما دیتے ہیں کہ ان کی طرف التفات نہ کیا جائے اپنے کام میں لگا جائے اور کام ہی کی طرف ہمہ تن متوجہ رہا جائے ورنہ غیر مقاصد میں مشغول ہو کر طالب اپنے اصل کام سے بھی رہ جاتا ہے اور پھر کیفیات بھی منقطع ہو جاتی ہیں کیونکہ انکا ورود بھی تو کام ہی کی برکت سے ہوتا ہے جیسے چراغ میں روشنی اسی وقت تک رہتی ہے جب تک بتی میں تیل پہنچتا رہے اور اگر تیل ہی ڈالنا چھوڑ دیا جائے تو رفتہ رفتہ روشنی کم ہو کر چراغ گل ہو جائے گا۔اھ

کشف و احوال کی حیثیت

اسی مضمون کے متعلق ایک بار فرمایا کہ کشف اور احوال و مواجید وغیرہ راہ سلوک میں کوئی چیز نہیں بلکہ یہ چیزیں اکثر موانع طریق ہو جاتی ہیں ان کا نہ ہونا زیادہ اچھا اور بے خطر ہے لوگ خوامخواہ ہوس کیا کرتے ہیں۔اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص تو سواری گاڑی میں سفر کر رہا ہے جو ہر اسٹیشن پر ٹھہرتی ہوئی دلی پہنچتی ہے اور جس کی کھڑکیاں بھی کھلی ہوئی ہیں وہ شخص خوب سیر کرتا ہے اور راستہ کے مناظر دیکھتا ہوا ٹونڈلہ اٹاوہ وغیرہ بیچ کے اسٹیشنوں پر ٹھہرتا ہے اور اترتا ہوا دلی پہنچا۔دوسرا اسپیشل ٹرین میں سوار کھڑکیاں بند کانپور سے جو چلا تو دھڑ دھڑ سیدھا دلی میں آ کر اترا اب اس کو راستہ کے مناظر کی کچھ خبر ہوئی نہ بیچ کے اسٹیشنوں کا کچھ پتہ چلا اگر وہ دوسرے شخص سے راستہ کے مناظر اور اسٹیشنوں کا حال سن کر یہ استدلال کرے کہ معلوم ہوتا ہے میں دلی پہنچا ہی نہیں کیونکہ مجھے تو راستہ میں یہ چیزیں پڑی ہی نہیں تو یہ اس کی ناشکری اور لاعلمی ہے کیونکہ وہ تو اسپیشل ٹرین میں سوار ہو کر جو سواری گاڑی سے کہیں زیادہ تیز رفتار ہوتی ہے چند گھنٹوں میں دلی پہنچ گیا اور دوسرا شخص بہت دیر میں پہنچا کیونکہ وہ سواری گاڑی میں آیا جس کی رفتار بھی کم تھی اور راستہ میں بھی جگہ جگہ ٹھہرتی ہوئی بھی آئی۔بلکہ سواری گاڑی والے کے لیے یہ بھی خطرہ ہے کہ وہ کسی بیچ والے اسٹیشن کے نقش و نگار

کو دیکھ کر وہیں نہ اتر پڑے اور اس کو عمر بھر دلی پہنچنا ہی نصیب نہ ہو۔

اسی طرح بعضے سالکین انوار ہی کو مقصود سمجھ کر انہی میں مشغول رہتے ہیں۔ آگے نہیں بڑھتے۔ اس لیے بلا کشف و کیفیات وغیرہ کے جو سلوک ہوتا ہے وہ زیادہ اسلم ہے۔ کشف وغیرہ بعض صورتوں میں نہایت خطرناک ہوتا ہے چنانچہ ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ حجاب نورانی حجاب ظلمانی سے بھی زیادہ اشد ہوتا ہے کیونکہ حجاب ظلمانی میں تو سالک کو اس وجہ سے کوئی دھوکہ نہیں ہوتا کہ اس کا مخل مقصود ہونا بالکل ظاہر ہے بخلاف حجاب نورانی کے کہ اس کی نورانیت سے دھوکہ کھا کر سالک اسی کو مقصود سمجھنے لگتا ہے۔ اھ

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ باوجود اس روک تھام کے بفضلہ تعالیٰ ہر قسم کی کیفیات محمودہ کا ورود بھی حضرت والا کے یہاں طالبین پر بکثرت ہوتا رہتا ہے چنانچہ گریہ وخندہ جوش وخروش ذوق وشوق وجد وحال ہیبت وانس قبض وبسط وغیرہ سبھی قسم کے حالات منتسبین پر آئے دن طاری ہوتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک زمانہ میں ایک ذاکر پر تہجد کے وقت ذکر میں اس قدر غلبہ حال ہوتا تھا کہ سب ذاکرین پریشان ہو جاتے تھے بالآخر ایک روز حضرت والا خود شب کو خانقاہ ہی میں رہے اور ذکر کے وقت ان صاحب حال کو خود اپنے پاس بٹھایا اور جب ان پر کیفیت وجد طاری ہونے لگی تو وہ اٹھ کر بھاگے ادھر حضرت والا بھی ان کے پیچھے پیچھے چلے اور ان کو پکڑ کر علاجاً زور سے ایک دھول رسید کی اور زور سے ڈانٹا کہ بڑا صاحب حال بنا ہے بس سارا جوش وخروش تیرے ہی تو حصہ میں آ گیا ہے۔ دیکھ میں آج تیرا سب جوش وخروش نکالے دیتا ہوں۔ اھ

چونکہ وقعت نہ دینے سے بھی غلبہ حال فرو ہو جاتا ہے اس لیے فوراً ان کا سب جوش و خروش جاتا رہا اور پھر کبھی نہیں ہوا۔ چنانچہ عرصہ کے بعد حضرت والا سے کلکتہ میں ملتے تو کہا کہ اس روز کے بعد پھر کبھی کیفیت سے مغلوب نہیں ہوا۔ اھ

کیفیات محمودہ کا خیال رکھنا

لیکن حضرت والا ہر حال میں ایسا برتاؤ نہیں فرماتے بلکہ کیفیات محمودہ کے متعلق اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ وارد کو مثل نازک مزاج مہمان عزیز کے سمجھنا چاہیے اور اس کی بڑی آؤ بھگت کرنی چاہیے ورنہ وہ ادنیٰ بے التفاتی سے رخصت ہو جائے گا۔

ایک مغلوب الحال طالب جن پر حضرت والا کے استماع تلاوت وملفوظات پر سخت گریہ طاری ہو جاتا ہے ایک بار بعد نماز فجر حضرت والا کے خیال سے رونے کو بجبر روک رہے تھے اس کا حضرت والا کو احساس ہو گیا تو سلام پھیرنے کے بعد فرمایا کہ طبیعت کو گھونٹنے کی ضرورت نہیں اور اگر رونے کو جی چاہے تو خوب جی بھر کر رولو اور طبیعت ہلکی کرلو ورنہ زیادہ ضبط کرنے سے مرض لاحق ہو جانے کا اندیشہ ہے۔اھ

کیفیات کو ضبط میں رکھنا

ایک مقیم خانقاہ کے پرچہ حالات کا جواب احقر کے ہاتھ دستی بھجوایا تو یہ تاکید فرمادی کہ دے کر فوراً وہاں سے چلے آنا چاہیے۔ تاکہ جو کیفیت اس جواب کو پڑھ کر پیدا ہونے والی ہو اس کے لیے کوئی مانع نہ رہے۔ ایسی حالت میں بالکل آزادی دے دینی چاہیے ورنہ دوسرے کی موجودگی میں مضمون کا اثر پورا نہیں ہونے پاتا یا اگر ہوتا بھی ہے تو وہ خجلت کی وجہ سے اس کو دباتا ہے جس سے اس کو تکلیف ہوتی ہے۔ غرض جس کے لیے جو مناسب ہوتا ہے اس کے ساتھ وہی معاملہ فرماتے ہیں لیکن اکثر احوال میں پسند اسی کو فرماتے ہیں کہ وجد و حال جوش وخروش گریہ زاری سبھی کچھ ہو لیکن سب اندر ہی اندر ہو باہر کچھ نہ ہو بمصداق اشعار نواب مصطفیٰ خاں صاحب شیفتہؒ۔

تو اے افسردہ جاں زاہد یکے در بزم رنداں شو — کہ بینی خندہ بر لبہا و آتش پارہ در دلہا

(اے پریشاں حال عبادت گزار کبھی رندوں کی محفل میں بھی آ کہ تو دلوں میں انگارے ہوتے ہوئے بھی ہونٹوں پر ہنسی دیکھے)

چہ خوش است با تو بزمے بہ نہفتہ ساز کردن — در خانہ بند کردن سر شیشہ باز کردن

(تیرے ساتھ مجلس کر کے چھپ کر باتیں کرنا گھر کا دروازہ بند کرنا اور شیشہ کو سامنے کرنا کتنا اچھا لگتا ہے)

اور چونکہ خود حضرت والا کا بھی یہی رنگ ہے اس لئے بمصداق (ع) ''جمال ہمنشیں در من اثر کرد''، منتسبین پر بھی ببرکت صحبت اقدس رفتہ رفتہ یہی رنگ غالب ہو جاتا ہے اور

احقر کے یہ شعر صادق آنے لگتے ہیں۔

آمدہ بودم بتو نالہ کناں
مہر بلب دل بہ افغاں میردم

(میں آپ کی خدمت میں روتا ہوا آیا تھا اور اب لبوں پر خاموشی اور دل میں خوشیاں لے کر جا رہا ہوں)

آمدہ بودم بتو نعرہ زناں
دم بخود سر در گریباں میردم

(میں آپ کے پاس شور مچاتا ہوا آیا تھا اور اب خاموش اور گریبان میں سر جھکائے جا رہا ہوں)

حضرت والا کا ارشاد ہے کہ اس قسم کی کیفیات کے طریان کے وقت اصل طریق عمل تو یہی ہے کہ ضبط کرے لیکن اگر غلبہ ہو اور ضبط کرنے میں تکلیف ہو تو پھر یہی مناسب ہے کہ اس کیفیت کا اتباع کرے تاکہ غلبہ فرو ہو اور جب غلبہ فرو ہو جائے اور کیفیت حد ضبط کے اندر آجائے تو پھر فوراً ضبط کرلے۔اھ

اس پر احقر نے عرض کیا کہ حضرت والا تو بزرگوں کا یہ ارشاد نقل فرمایا کرتے ہیں کہ وارد کو مہمان عزیز سمجھے اور اس کا حق ادا کرے۔ فوراً فرمایا کہ وارد کو مہمان جبھی کہیں گے جب اس وارد کا غلبہ ہو ہاں اس وقت تو ضرور اس کا حق ادا کرے باقی غلبہ سے پہلے پہلے نہ وہ مہمان ہے نہ اس کا کوئی حق قائم ہوتا ہے قبل غلبہ کے اگر اس کا حق ادا کیا جائے تو یہ تو ایسا جیسے کوئی راہ چلتے مسافر کو زبردستی اپنا مہمان بنالے اور خوانخواہ اس کے سر ہو جائے کہ تو تو میرا مہمان ہے۔ آ میں تیرا حق ادا کردوں۔اھ

امتیازی صورت سے پرہیز

اس مضمون کے مناسب کہ احوال و کیفیات تو ہوں لیکن سب اندر ہی اندر ہوں باہر نہ ہوں۔ حضرت والا کا ایک اور ملفوظ بھی یاد آیا۔

فرمایا کہ تقویٰ اور دینداری کا اہتمام تو بہت رکھے لیکن اپنی طرف سے حتی الامکان کوئی ایسی امتیازی صورت نہ پیدا ہونے دے جس سے شہرت ہو جائے جب لوگوں سے ملنے جلنے کا اتفاق ہو کبھی کبھی کسی قدر ہنس بول بھی لے تاکہ لوگوں کو خواہ مخواہ بزرگی کا گمان نہ ہو لیکن ہنسنے بولنے کی کثرت ہرگز نہ کرے کیونکہ کثرت سے ہنسنا بولنا مضر ہے چنانچہ زیادہ ہنسنے کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایاک و کثرۃ الضحک فان کثرۃ الضحک تمیت

القلب۔ اپنے آپ کو زیادہ ہنسنے سے بچاؤ کیونکہ ہنسنے کی کثرت قلب کو مردہ کردیتی ہے۔ اھ

کلام کی حسین قسمیں

اور بولنے کی کثرت کے متعلق حضرت عطارؒ فرماتے ہیں۔

دل ز پُرگفتن بمیر دور بدن   گرچہ گفتارت بود در عدن

(زیادہ باتیں کرنے سے جسم میں دل مرجاتا ہے، اگرچہ تیری باتیں عدن کے موتی کیوں نہ ہوں)

واقعی جب چاہو تجربہ کرلو زیادہ بولنے سے دل بے رونق ہوجاتا ہے جیسے اگر ہانڈی میں ابال آئے اور اس کی روک تھام نہ کی جائے تو بس سارا مصالحہ نکل جائے گا اور ہانڈی پھیکی رہ جائے گی۔ اگر اچھی اچھی باتیں بھی بلاضرورت کی جائیں تو ان کا بھی یہی اثر ہوتا ہے۔ اھ

پھر فرمایا کہ عموماً تو کلام کی تین قسمیں سمجھی جاتی ہیں۔ ایک نافع ایک مضر ایک فضول یعنی نہ نافع نہ مضر لیکن باعتبار مآل کے میرے نزدیک صرف دو ہی قسمیں ہیں نافع اور مضر کیونکہ جو کلام نہ نافع ہو نہ مضر ہو وہ بھی آخر میں مضر ہی ثابت ہوتا ہے۔ جو شخص فضولیات میں مشغول ہوگا عادۃً وہ ضروریات میں ضرور کوتاہی کرے گا اور صرف ہنسنا بولنا ہی نہیں بلکہ جتنے بھی مباحات ہیں ان سب کی کثرت مضر ہے۔ لیکن اگر کثرت نہ ہو بلکہ مباحات میں اعتدال کے ساتھ اشتغال ہو تو پھر وہ بجائے مضر ہونے کے نافع ہیں۔ خصوص جب وہ اشتغال کسی مصلحت پر مبنی ہو۔ کیونکہ اس اشتغال سے طبیعت میں نشاط ہوتا ہے اور نشاط سے طاعات میں اعانت وسہولت ہوجاتی ہے۔

جس وقت مباحات کے اشتغال سے قلب کے اندر کدورت پیدا ہونے لگے تو سمجھ لے کہ اب مضرت کا درجہ پہنچ گیا ہے فوراً الگ ہوجائے لیکن یہ معیار اسی کے لیے ہے جس کے قلب کے اندر صحبت شیخ اور التزام واہتمام ذکر وطاعت سے احساس پیدا ہوگیا ہو باقی مبتدی اپنے لئے بطور خود کچھ تجویز نہ کرے بلکہ شیخ سے اپنی ہر حالت کی فرداً فرداً اطلاع کرکے ہر حالت کے متعلق جزئی طور پر طریق عمل دریافت کرتا رہے اور جس حالت کے متعلق جو طریق عمل وہ تجویز کرے اسی پر کاربند رہے۔ اھ

کیفیات کو بڑھانے کی خرابیاں

غرض حضرت والا کو اس کا بڑا اہتمام رہتا ہے کہ طالبین کیفیات کو ان کے درجہ سے

آگے نہ بڑھانے پائیں۔ ورنہ بڑی بڑی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ حضرت والا ایک خلوت نشیں درویش کا ایک قول نہایت افسوس کے ساتھ نقل فرمایا کرتے ہیں جنہوں نے حضرت والا کے ایک خادم سے جوان کو بزرگ سمجھ کر حاضر خدمت ہوا کرتے تھے معمولات پوچھ کر پوچھا کہ کچھ نظر بھی آتا ہے انہوں نے کہا کہ کچھ بھی نہیں تو کہنے لگے پھر کیا فائدہ بس خالی ثواب لئے جاؤ۔ حضرت والا اس قول کو نقل کر کے فرمایا کرتے ہیں کہ مجھے یہ سن کر نہایت افسوس اور تعجب ہوا کہ انہوں نے ثواب کو جو روح ہے سارے اعمال کی ایسا خفیف سمجھا۔ اھ۔ پھر حضرت والا نے فرمایا کہ اتنی خلوت بھی مضر ہے کہ محققین سے بھی ملنا جلنا چھوڑ دے ایسی ہی خلوت کے بارہ میں تو شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں ۔

خیالات نادان خلوت نشیں
بہم برزند عاقبت کفر دیں

(تنہائی اختیار کرنے والے جاہل کے خیالات آخر کار دین کے انکار پر ختم ہوتے ہیں)

پھر فرمایا کہ کیفیات کو ان کی درجہ سے بڑھانے میں یہ خرابیاں ہیں۔ ان کا درجہ تو بس ایسا ہے جیسے شروع میں بچوں کو پڑھنے کا شوق دلانے کے لیے مٹھائی دیتے ہیں۔ یہی مراد ہے حضرت جنیدؒ کے اس قول سے تلک خیالات تربیٰ بھا اطفال الطریقہ تو بعض مبتدیوں کو جو اطفال طریق ہیں راہ پر لگانے کے لیے ذوق وشوق وغیرہ کی کیفیات عطا فرما دی جاتی ہیں۔ اھ

حضرت والا تو اس کیفیت کے متعلق بھی جو ساری کیفیات سے افضل ہے یعنی رسوخ ایک عالی مرتبت اہل علم کو تحریر فرماتے ہیں کہ رسوخ کی طرف التفات نہ فرمایا جائے رسوخ سے مقصود عمل ہے عمل سے رسوخ مقصود نہیں اگر عمل بلا رسوخ ہوتا رہے مقصود حاصل ہے۔ اھ

سبحان اللہ سبحان اللہ حضرت والا کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے کیسے کیسے حقائق طریق واضح فرمائے ہیں اور امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کو کیسی کیسی غلطیوں سے نکال کر طریق سنت سنیہ پر ڈالا ہے جو اس زمانہ میں مسدود بلکہ قریب قریب مفقود ہی ہو چکا تھا بالخصوص مشائخ میں۔

فائدہ: رسوخ اور استقامت میں فرق

استفسار پر حضرت والا نے رسوخ اور استقامت میں یہ فرق فرمایا کہ رسوخ حال ہے اور استقامت مقام۔ رسوخ اصلاح کا طبعی درجہ ہے جو ایک کیفیت غیر اختیاریہ ہے اور استقامت

س کا عقلی درجہ ہے جو اختیاری ہے استقامت مقصود ہے رسوخ مقصود نہیں گو محمود ہے۔ اھ

ایمان واعمال کا عقلی وطبعی درجہ

ایمان اور اعمال کے عقلی اور طبعی درجہ کے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ عقلی درجہ افضل ہے کیونکہ وہ ادوم ہے اور روحانیت سے ناشی ہوتا ہے اور پھر یہ بھی نہیں کہ عقلی درجہ طبعی درجہ سے بالکل ہی خالی ہو اس میں بقدر ضرورت طبعی درجہ بھی ہوتا ہے کیونکہ محض عقلی درجہ صدور اعمال کے لیے عادۃً کافی نہیں اسی طرح طبعی درجہ میں بھی کچھ نہ کچھ عقلی درجہ بھی ضرور ہوتا ہے۔ غرض دونوں درجوں میں عقل اور طبیعت دونوں چیزوں کی آمیزش ہوتی ہے لیکن غالب اور مغلوب کے تفاوت سے اثر اور حکم میں فرق ہو جاتا ہے۔ اھ

خلاصہ ان سب تقریرات کا یہ ہے کہ حضرت والا کیفیات کی نہ تو بالکل نفی فرماتے ہیں نہ ان کو ان کے درجہ سے بڑھاتے ہیں بلکہ طالبین کو یہ ہدایت فرماتے ہیں کہ کیفیات محمودہ کو محمود سمجھ کر شکر تو کریں لیکن مقصود اور کمال اور لازم طریق یا لازم بزرگی نہ سمجھیں۔

خیالات وحالات میں فرق کرنا

حضرت والا بعض صورتوں میں جہاں کوئی مصلحت مانع نہیں ہوتی۔ دل بڑھانے کے لیے کیفیات محمودہ پر مبارکباد بھی دیتے ہیں لیکن سالکین کی ہر کیفیت کو کیفیت باطنہ ہی نہیں سمجھ لیتے بلکہ لطیفہ کے طور پر فرمایا کرتے ہیں کہ اس طریق میں جو کیفیات پیدا ہوتی ہیں وہ سب باطنی ہی نہیں ہوتیں بلکہ بطنی بھی ہوتی ہیں۔ جو پیٹ کی خرابی اور معدہ کی تبخیر سے پیدا ہو جاتی ہیں چنانچہ اگر کوئی طالب اپنی کسی خاص کیفیت کی اطلاع دیتا ہے تو جہاں قرائن سے شبہ پیدا ہو جاتا ہے وہاں حضرت والا یہ ہدایت فرماتے ہیں کہ کسی طبیب حاذق سے رجوع کر کے تشخیص کراؤ کہ تم کو کوئی مرض مثلاً ضعف قلب خشکی دماغ تبخیر وغیرہ تو نہیں اور ایسی صورتوں میں اکثر حضرت والا کا شبہ صحیح ہی نکلتا ہے اور اس کیفیت کا منشاء کوئی مرض ہی ثابت ہوتا ہے۔ ایسوں کو حضرت والا طبیب جسمانی سے رجوع کرنے کے لیے ہدایت فرما دیتے ہیں اور ضرب وجہر بالکل چھڑوا دیتے ہیں۔

بعض مشائخ نے اپنے متعلقین کے دماغی تخیلات کو کیفیت باطنہ سمجھ لیا اس پر فرمایا کہ شیخ کو طب سے بھی اتنی مناسبت ہونا ضروری ہے کہ وہ خیالات کو حالات نہ سمجھ لے۔

۷۔حُبّ شیخ اور اتباع سنت

حضرت والا حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ملفوظ کو نہایت تاکید اور اہتمام کے ساتھ نقل فرمایا کرتے ہیں کہ حُبّ شیخ اور اتباع سنت کے ہوتے ہوئے اگر لاکھ ظلمات بھی ہوں تو وہ سب انوار ہیں اور اگر ان میں سے ایک چیز بھی کم ہو تو پھر لاکھ انوار ہوں وہ سب ظلمات ہیں۔اھ حضرت والا حضرت حافظ شیرازیؒ کے اس شعر کو بھی بکثرت فرمایا کرتے ہیں۔

در طریقت ہرچہ پیش سالک آید خیر اوست   بر صراط مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

(طریقت کے راستہ میں طالب کو جو کچھ پیش آئے اس میں اس کی بھلائی ہے، اے دل سیدھے راستہ پر کوئی گمراہ نہیں ہوتا)

لیکن یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ اس میں دو قیدیں ہیں ایک آید کی ایک صراط مستقیم کی پہلی قید کا حاصل تو یہ ہے کہ وہ حالت آئی ہوئی ہو لائی ہوئی نہ ہو یعنی غیر اختیاری ہو اختیاری نہ ہو کیونکہ اس شعر میں آید ہے آرد نہیں ہے اور آید کی کوئی فرد مذموم نہیں خواہ ظاہر کتنی ہی بری معلوم ہوتی ہے کیونکہ غیر اختیاری ہے البتہ آرد میں دو قسمیں ہیں محمود اور مذموم۔ یہ تو پہلی قید کے متعلق تفصیل ہے اور دوسری قید یہ ہے کہ صراط مستقیم پر ہو تو حاصل شعر کا یہ ہوا کہ اگر سالک صراط مستقیم پر مضبوطی کیساتھ قائم رہے تو پھر اس پر جو بھی کیفیت غیر اختیاری طاری ہو خوشگوار یا ناگوار وہ سالک کے حق میں خیر ہی ہوتی ہے۔اھ

۸۔ذکر و طاعت میں مشغول رہنا

حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ ذکر و طاعت میں بے تکلف مشغول رہنا چاہیے نہ سہولت کا متمنی رہے نہ یہ دیکھے کہ مجھے کچھ نفع ہو رہا ہے یا نہیں۔ ذکر و طاعت میں مشغول رہنا ہی اصل مقصود اور اصل نفع ہے۔اھ

ایک طالب کو تحریر فرمایا کہ مقصود کے حصول کا قلب میں تقاضا اور انتظار نہ رکھیں کہ یہ

بھی حجاب ہے کیونکہ اس سے تشویش ہوتی ہے اور تشویش برہم زن جمعیت وتفویض ہے اور جمعیت وتفویض ہی وصول کی شرط عادی ہے۔ اس کو خوب راسخ کر لیں اور یہ روح سلوک ہے۔ اھ یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ ذکر وطاعت میں مشغول ہونے کے لیے دلچسپی اور سہولت کا منتظر نہ رہے بلکہ بتکلف عمل شروع کر دے پھر اسی سے رفتہ رفتہ سہولت بھی ہونے لگتی ہے اور دلچسپی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اھ۔ اسی مضمون کو ایک بار اس عنوان سے فرمایا کہ لوگ تو انتظار میں رہتے ہیں کہ جب دلچسپی پیدا ہو تب کام شروع کریں اور دلچسپی اس انتظار میں رہتی ہے کہ جب کام شروع ہو جائے تب میں پیدا ہوں۔ اھ

جی لگے نہ لگے ذکر کیے جاؤ

ایک بار فرمایا کہ ذکر میں چاہے جی لگے یا نہ لگے لیکن برابر کیے جاؤ۔ رفتہ رفتہ اس کی ایسی عادت پڑ جاتی ہے پھر بلا اس کے چین ہی نہیں پڑتا جیسے شروع شروع میں حقہ پینے سے گھمیر بھی آتی ہے متلی بھی ہوتی ہے بلکہ قے بھی ہو جاتی ہے لیکن پھر بھی پیتے پیتے ایسی چاٹ لگ جاتی ہے کہ چاہے کھانا نہ ملے لیکن حقہ کے دو کش مل جاویں۔ ایک بار فرمایا کہ نفع تو شروع ہی سے ہونے لگتا ہے لیکن محسوس نہیں ہوتا جیسے بچہ روز کچھ نہ کچھ ضرور بڑھتا ہے لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ آج اتنا بڑھا کل اتنا بڑھا البتہ ایک معتدبہ مدت گزر جانے کے بعد اس کی پچھلی حالت کو خیال میں لا کر موازنہ کیا جائے تو زمین آسمان کا فرق معلوم ہو یہی حال ذکر کا ہے کہ شروع میں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کچھ بھی نفع نہیں ہو رہا۔ حالانکہ دراصل نفع برابر ہو رہا ہے۔ ایک معتدبہ مدت گزر جانے کے بعد اپنی پچھلی حالت کو ذہن میں مستحضر کر کے اس سے حالت موجودہ کا موازنہ کرے تو زمین آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ اھ

احقر مرتب کی عرض کا جواب

بچہ کی مثال پر ایک اور ملفوظ یاد آیا جو حضرت والا نے خود احقر سے فرمایا تھا۔ ذکر و شغل شروع کر کے کچھ عرصہ کے بعد احقر نے عرض کیا کہ جیسا جی چاہتا ہے ویسا نفع نہیں ہوتا فوراً نہایت تسلی آمیز لہجہ میں فرمایا کہ اگر کوئی چاہے کہ میرا بچہ آج ہی دس برس کا ہو جائے تو یہ

کیسے ہوسکتا ہے۔ وہ دس برس کا تو دس برس کے بعد ہی ہوگا۔اھ

ذکر بیکار نہیں جاتا

ایک صاحب نے لکھا تھا کہ کچھ نفع نہیں معلوم ہوتا فرمایا کہ اس وقت کے ذکر کو بیکار نہ سمجھا جائے یہ سب جمع ہو رہا ہے اور انشاء اللہ عنقریب سب کھل پڑے گا۔ ایک بار فرمایا کہ پتھر پر پہلے اول قطرہ گرتا ہے پھر دوسرا پھر تیسرا یہاں تک کہ پانی گرتے گرتے اس میں گڑھا پیدا ہو جاتا ہے تو کیا یہ کہا جائے گا کہ صرف اخیر قطرہ نے وہ گڑھا کر دیا۔ ہرگز نہیں بلکہ یہ گڑھا نتیجہ ہے قطروں کی مجموعی تعداد کا۔ گڑھا کرنے میں اول قطرہ کو بھی ویسا ہی دخل ہے جیسا کہ اخیر قطرہ کو اول قطرہ کو ہرگز بے اثر نہ سمجھنا چاہیے گو بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح اول روز کا ذکر جس کو بے ثمرہ سمجھا جاتا ہے ہرگز بے ثمرہ نہیں اخیر میں جو حالت خاص پیدا ہوگی اس میں اول روز کے ذکر کو بھی اتنا ہی دخل ہوگا جتنا کہ اخیر روز کے ذکر کو یہ نہیں ہے کہ صرف اخیر روز کا ذکر اس حالت کو پیدا کر دیتا ہے بلکہ ایک مجموعی تعداد مقرر تھی کہ اتنے دن بعد یہ کیفیت پیدا ہوگی جب وہ تعداد پوری ہوگئی وہ کیفیت ظہور پذیر ہوگئی۔ ہر ہر دن کے ذکر کو اس کے پیدا کرنے میں یکساں دخل ہے یا جیسے کہ ایک شخص کوئی مقوی معجون یا ماء اللحم کھاتا ہے یہاں تک کہ ایک معتد بہ مدت کے استعمال کے بعد وہ سرخ و سپید ہو جاتا ہے تو کیا صرف اخیر خوراک نے اس کو سرخ و سپید بنا دیا۔ ہرگز نہیں بلکہ اتنے دنوں کی خوراکوں کی مجموعی تعداد نے اس کی یہ حالت کر دی ہے یہ نادانی ہے کہ اول خوراک کو بے اثر سمجھا جائے۔اھ

ذکر نہ ہو سکے تو عزم و حسرت تو ہو

کام میں لگے رہنے کی تاکید کے سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ بزرگوں کا ارشاد ہے **لاوارد لمن لاورد له** بلکہ یہاں تک فرمایا کرتے ہیں کہ اگر ذکر کی بھی توفیق نہ ہو تو کم از کم عزم ذکر اور حسرت ذکر تو ہو۔اھ

غرض اس طریق میں یہ دو چیزیں نہایت ضروری ہیں دھن اور دھیان۔ عزم ذکر اور حسرت ذکر کے بھی منافع ہونے کے متعلق ایک طالب کو جنہوں نے اپنی ناکارگی کی طویل

داستان لکھی تھی۔ یہ تحریر فرمایا تھا مقصود تو مقصود کا مشاہدہ ہے اور اس کا طریق مجاہدہ کا مشاہدہ ہے مگر جب تک اس میں کمی رہے تو اس مشاہدہ مقصود کا مقدمہ عزم مجاہدہ ہے جس سے انشاء اللہ تعالیٰ مجاہدہ کی توفیق ہو جاتی ہے پھر اس سے مقصود کا مشاہدہ نصیب ہوتا ہے جو کہ مقصود ہے۔ اسی ترتیب کا سلسلہ شروع ہے جو انشاء اللہ تعالیٰ تدریجاً بخیر وخوبی ختم اور مکمل بھی ہو جائے گا لگا رہنا چاہیے اگر کام میں کوتاہی ہو جائے اس نہ لگے رہنے کے مشاہدہ میں لگا رہنا چاہیے۔ انشاء اللہ تعالیٰ حرماں نہ ہوگا میں بھی دعا کرتا ہوں۔ اھ

شیخ کے واسطہ سے کام میں لگا رہنا

غرض حضرت والا استقلال کے ساتھ بہ تکلف کام میں لگے رہنے کی طالبین کو بہت ہی تاکید فرماتے رہتے ہیں اور فرمایا کرتے ہیں کہ کام ہی سے کامیابی ہوتی ہے اس طریق میں کام کرنے والا کبھی ناکام نہیں ہوتا کیونکہ وعدہ ہے۔ **من ارادالاخرة وسعی لها سعیها وهو مومن فاولٰئک کان سعیهم مشکورا**۔ اھ۔ ایک بار اس مضمون میں ایک یہ ضروری قید بھی لگائی کہ جب کسی شیخ کے واسطہ سے باقاعدہ تعلیم حاصل کر کے ذکر وشغل کیا جاتا ہے تب کامیابی ہوتی ہے۔ اھ

اس پر احقر نے عرض کیا کہ ذکر وشغل تو ایسی چیز ہے کہ اسی سے کام بن جایا کرتا۔ شیخ کے واسطہ کی حاجت نہ ہوا کرتی۔ فرمایا کہ دراصل تو کام ذکر وشغل ہی بناتا ہے لیکن شیخ کا واسطہ بھی ضروری ہے جیسے کاٹ تو تلوار ہی کرتی ہے لیکن اس کا کسی کے قبضہ میں ہونا شرط ہے۔ اھ۔

حضرت والا صحبت شیخ کی نافعیت اور ضرورت پر اکثر بہت طویل طویل اور پرزور تقریریں فرمایا کرتے ہیں اور فرمایا کرتے ہیں کہ شیخ کے پاس رہ کر جیسی اصلاح ہوتی ہے دور سے نہیں ہوتی۔ جیسے طبیب کے پاس رہ کر جیسا معالجہ ہوسکتا ہے دور سے نہیں ہوسکتا۔ علاوہ بریں طالب شیخ کے پاس رہ کر دزدیدہ طور پر اس کے اخلاق وعبادات کو اخذ اور کمالات کو جذب کرتا رہتا ہے اور اس طرح روز بروز اس پر شیخ کا رنگ چڑھتا چلا جاتا ہے جیسے مثل مشہور ہے کہ خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ نیز صحبت شیخ میں بدوں معتدبہ مدت تک رہے شیخ سے مناسبت نہیں پیدا ہوتی

اور شیخ کی مناسبت ہی اس طریق میں نفع کی عادۃً موقوف علیہ ہے۔اھ۔

شیخ کی صحبت کی ضرورت

چنانچہ ایک طالب جن کو حاضری خدمت کی شاید ایک بار ہی توفیق ہوئی تھی برسوں حضرت والا سے خط وکتابت کرتے رہے اور اسی کو کافی سمجھتے رہے لیکن ایک مصیبت کے موقع پر باوجود بظاہر بہت متصلب فی الدین ہونے کے ان کے عقائد تک میں تزلزل واقع ہو گیا۔اعاذنا اللہ تعالیٰ من الحور بعد الکور۔حضرت والا نے ان کے حالات سن کر یہی فرمایا کہ بدوں پاس رہے جس کو مناسبت کہتے ہیں وہ پیدا نہیں ہوتی اور جب انہوں نے حضرت والا سے مسائل دینیہ کے متعلق اپنے شبہات لکھ کر ان کا جواب چاہا تو یہی تحریر فرما دیا کہ اگر کوئی ایسا مرض جسمانی ہو جائے جس کے علاج کے لیے طبیب کے پاس رہنے کی ضرورت ہو تو ایسی حالت میں کیا تجویز کیا جائے گا۔اھ

اس سے حضرت والا کا یہی مقصود تھا کہ پاس رہنے کی ضرورت ہے لیکن بمصلحت بعنوان استغناء تحریر فرمایا۔

کامیابی کی کلید

حضرت والا حُب شیخ کے متعلق جو مناسبت کاملہ ہی کی مرادف ہے یہ فرمایا کرتے ہیں کہ حُب شیخ کلید کامیابی اور کلید جملہ سعادات وبرکات ہے۔اھ۔لیکن حُب شیخ کو اپنے منتسبین میں سے حد سے ہرگز متجاوز نہیں ہونے دیتے نیز حُب عقلی یعنی اطاعت واتباع کو بالکل کافی ووافی قرار دیتے ہیں کیونکہ حبِ طبعی اختیاری نہیں اور عبد غیر اختیاری امور کا مکلف نہیں چنانچہ مثلاً ایک طالب کا خط حسن العزیز جلد اول مکتوبات نمبر ۵۴ سے اس جگہ ملخصاً نقل کیا جاتا ہے۔

(مضمون) درگاہ باری تعالیٰ میں دست بدعا ہوتا ہوں کہ حضور کی محبت میرے قلب میں پیدا ہو جائے لیکن ذرہ برابر بھی محبت قلب میں نہیں پیدا ہوتی اور اس کی وجہ سے طبیعت بے چین ہو جاتی ہے۔(جواب) محبت کے الوان مختلف ہیں ایک لون یہ بھی ہے جو آپ کو حاصل ہے اس کی ایک صریح علامت یہی ہے کہ اس کی کمی کے احتمال سے آپ کو بے چینی ہوتی ہے۔اھ

(مضمون) اکثر حضور کا تصور کر کے اور حضور کو اپنی طرف متوجہ کر کے یہ شعر پڑھے

ذوق وشوق سے پڑھتا ہوں۔

تو دستگیر شواے خضر پے خجستہ کہ من پیادہ میروم و ہمرہاں سوار انند

(اے خضر تو اس شرمسار کی مدد کر کیونکہ میں بیدل جار ہا ہوں اور ساتھی سوار ہیں)

(جواب) اس کی اصلا ضرورت نہیں۔

(مضمون) اور تھوڑی دیر تک تو حضور کا تصور رہتا ہے بعد اس کے حضور کا تصور تو مٹ جاتا ہے اور حق تعالیٰ کی طرف ایک خاص طریق پر توجہ اور کشش محسوس ہونے لگتی ہے۔

(جواب) سبحان اللہ یہ توجہ الی اللہ تو اصل مقصود ہے اور شیخ کی محبت اسی مقصود کا ذریعہ ہے۔ پس اگر کسی کو خدا تعالیٰ یہ مقصود نصیب کردے اور شیخ سے ذرا بھی متعارف محبت نہ ہو مگر اطاعت اور اتباع ہو تو وہ شخص سرتاسر حق پر فائز ہے۔ ۲۱ جمادی الاول ۱۳۳۴ھ

اسی طرح ایک خلیفہ مجاز نے عدم مناسبت کی شکایت لکھی تھی ان کا خط بھی مع حضرت والا کے جواب باصواب کے تربیت السالک سے نقل کیا جاتا ہے۔ وہو ہذا۔

(حال) حضور والا کے علوم و معارف کی فراوانی اور اپنی کم لیاقتی کو دیکھتا ہوں تو اکثر مایوسی کی کیفیت ہونے لگتی ہے اس کا رنج اب اکثر رہتا ہے کہ حضور سے مناسبت پیدا نہیں ہوئی کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔

(تحقیق) یہ بھی مناسبت ہے کہ عدم مناسبت کا علم ہو جائے آخر عبد کو حق تعالیٰ سے نسبت ہوتی ہے یا نہیں حالانکہ واجب اور ممکن میں کیا مناسبت مگر وہاں یہی مناسبت ہے کہ ان کی عظمت اپنی ذلت کا علم ہو جائے اسی عدم مناسبت لغویہ کے علم کو مناسبت اصطلاحیہ کہا جاتا ہے باقی اس سے آگے "چہ نسبت خاک را با عالم پاک" بفتح اللام چہ جائے عالم پاک بکسر اللام۔

(حال) جو کچھ دل میں ہے اس کے اظہار کی پوری قدرت بھی نہیں۔

(تحقیق) یہ بھی اسی عدم مناسبت مسمی بہ مناسبت کی فرع ہے۔

ف۔ یہ غیر اختیاری مناسبت بالشیخ کے متعلق تحقیق ہے۔ رہی اختیاری مناسبت اس کی تحصیل ضروری ہے۔) ۱۲

نیز حضرت والا بلا ضرورت قصداً تصور شیخ کرنے سے بوجہ انضمام مفاسد منع فرماتے ہیں

لیکن اگر بلا قصد تصور بندھ جائے تو اس کو بہ تکلف دفع نہیں کراتے بلکہ نافع بتاتے ہیں۔ غرض حضرت والا کے یہاں کسی امر میں نہ افراط ہے نہ تفریط اور محقق کی یہی شان ہوا کرتی ہے۔

صحبت سے نفع اٹھانے کی شرط

صحبت شیخ کی نافعیت بیان فرماتے وقت حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ صحبت شیخ جبھی نافع ہوتی ہے جب شیخ کے بتائے ہوئے ذکر و شغل میں بھی مشغول رہے۔ بعضے لوگ بزرگوں سے تو ہمیشہ ملے جلے رہتے ہیں لیکن خود کچھ کرتے دھرتے نہیں ان کو کچھ حاصل نہیں ہوتا ہمیشہ محروم ہی رہتے ہیں اور بعضے زیادہ وقت تو صحبت شیخ میں گزار دیتے ہیں اور تھوڑا سا وقت نکال کر کچھ الٹا سیدھا ذکر و شغل بھی کر لیتے ہیں یہ بھی کافی نہیں۔ غالب حصہ ذکر و شغل کا ہونا چاہیے تب صحبت شیخ نافع ہوتی ہے۔ اھ۔ حضرت والا مقدار ذکر کے متعلق فرمایا کرتے ہیں کہ نہ اتنی زیادہ مقدار ہو کہ بہت تعب ہو اور نہ اتنی کم کہ کچھ تعب ہی نہ ہو بلکہ اتنی مقدار ہونی چاہیے جس میں تعب تو ہو لیکن جس کی مداومت قابل تحمل ہو۔ کیونکہ تھوڑا تعب ہونا بھی نفع کے لیے ضروری ہے تاکہ نفس کو کسی قدر مجاہدہ بھی کرنا پڑے۔ اھ

ذکر کی مقدار اور کیفیت

مقدار ذکر کے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ اپنے ذمہ تو صرف اتنی ہی مقدار رکھے جس پر دوام ہو سکے باقی جب فرصت اور نشاط دیکھے تو زیادہ کر لے۔ اس میں یہ مصلحت ہے کہ ناغہ کی بے برکتی اور قلق سے حفاظت رہے گی اور یہ دونوں چیزیں مضر ہیں اور جب بھی زیادہ کی توفیق ہوگی تو مسرت ہوگی اور ہمت بڑھے گی۔ اھ

یہ تو کمیت ذکر کے متعلق ارشادات ہیں اور کیفیت کے متعلق فرمایا کرتے ہیں کہ جس طرز میں زیادہ دلچسپی ہو وہی اختیار کرے کیونکہ وہی طرز زیادہ نافع ہوتا ہے جس میں زیادہ دل لگے۔ لیکن اس کا خاص خیال رکھے کہ قلب میں درد کے جلدی پورا کرنے کا تقاضا نہ پیدا ہونے دے اگر کسی کا طرز ہی روانی کے ساتھ ذکر کرنے کا ہو تو اس کا مضائقہ نہیں باقی طبیعت میں یہ تقاضا نہ ہونا چاہیے کہ کسی طرح جلدی ختم کیا جائے۔ اھ۔ اس مضمون کے

21 متعلق ایک مکتوب صد پند اشرف میں بھی نقل کیا جا چکا ہے بمناسبت مقام مکرر نقل کیا جاتا ہے۔ ایک مبتدی طالب نے لکھا کہ حضور سے دور ہوں اذکار صحیح طریقہ سے کیونکر ادا کروں۔ جواب تحریر فرمایا کہ یہ معلوم کرنا کیا مشکل ہے قلب اور زبان دونوں کو شریک رکھنا یہی طریق صحیح ہے۔ اھ۔ انہی طالب نے یہ بھی درخواست کی تھی کہ اپنے فلاں مجاز سے فرمادیں کہ مجھے دوایک مرتبہ دوازدہ تسبیح کا ورد کرادیں۔ اھ

اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ اس کی حاجت نہیں یہ قیود غیر مقصود ہیں۔ مقصود صرف ذکر ہے اگر کوئی نہایت موزوں رفتار سے چلتا ہوا اور دوسرا غیر موزوں سے تو اصل مقصود منزل پر پہنچنا ہے جو دونوں رفتار سے حاصل ہو جاتا ہے آگے رہی موزونیت اس میں اور مصالح زائدہ ہیں جن پر منزل کی رسائی موقوف نہیں۔ اھ

قیود اور لطائف کی فکر میں نہ پڑنا

حضرت والا قیود ذکر کے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ اس زمانہ کی طبائع چونکہ ضعیف ہیں اس لیے اکثر یہ قیود موجب تشویش وتشتت ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا ان کے اہتمام میں نہ پڑے۔ اسی طرح لطائف ستہ کی فکر میں بھی نہ پڑے کہ یہ بھی موجب تشویش ہے۔ اصل چیز لطیفہ قلب ہے۔ بس ساری توجہ اسی پر رکھے۔ اس کے نورانی ہو جانے سے اور لطائف بھی خود بخود نورانی ہو جاتے ہیں ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ کا یہی طریق تھا جو اس حدیث سے مؤید ہے ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله الاوھی القلب۔ اھ

ذکر کے دوران مذکور کی طرف توجہ

حضرت والا کو ایک طالب نے لکھا کہ میں لطائف ستہ کے جاری کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ جواب تحریر فرمایا کہ حقائق مقصود ہیں لطائف مقصود نہیں۔ اھ۔ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ ذکر کے دوران میں اگر بسہولت ہو سکے تو مذکور کی طرف ورنہ ذکر کی طرف توجہ رکھے اور احقر کو ابتداء میں یہ مراقبہ تعلیم فرمایا تھا کہ گویا زبان کے ساتھ ساتھ قلب سے

بھی کلمات ذکر نکل رہے ہیں اور وہ بھی میرے ساتھ شریک ذکر ہے۔اھ

جہاں تک احقر کو یاد ہے ایک مبتدی طالب کو دوران ذکر میں یہ مراقبہ بھی تعلیم فرمایا تھا کہ گویا بیت اللہ شریف میرے سامنے ہے۔ اسی دوران ورد درود شریف کے لئے یہ مراقبہ تعلیم فرمایا تھا کہ گویا میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس کے مواجہ میں درود شریف پڑھ رہا ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو رہے ہیں۔ غرض جس طالب کی جیسی استعداد اور دلچسپی ہیں توجہ قائم رکھنے کا ویسا ہی طریقہ اس کو تعلیم فرما دیتے ہیں اور اگر بسہولت ہو سکے تو تصور ذات حق کو سارے مراقبات سے افضل وانفع بلکہ اصل مقصود قرار دیتے ہیں لیکن ہر صورت میں اس کی تاکید فرماتے رہتے ہیں کہ توجہ واستحضار میں زیادہ کاوش نہ کی جائے ورنہ قلب ودماغ ماؤف ہو جائیں گے اور یکسوئی فوت ہو جائے گی۔ زیادہ کاوش سے تعب اور پریشانی ہوتی ہے جس سے نفع بند ہو جاتا ہے بس معتدل توجہ ہی کافی ہے۔ اسی سے شدہ شدہ ملکہ تامہ حاصل ہو جاتا ہے اور توجہ کامل کی توفیق ہونے لگتی ہے۔ غرض زیادہ کاوش مضر ہے بس اتنی توجہ کافی ہے جیسے کچا حافظ سوچ سوچ کر قرآن سناتا ہے۔اھ

ذکر کے نافع ہونے کی شرط

حضرت والا ذکر کے نافع ہونے کی ایک یہ بھی نہایت ضروری شرط بڑے اہتمام سے بیان فرمایا کرتے ہیں کہ خالی الذہن ہو کر محض تعداد ہی پوری کرنے کی نیت سے نہ کرے بلکہ اس نیت سے کرے کہ مجھے اس سے نفع اور برکت حاصل ہو اور برابر یہی نیت رکھے لیکن نفع کے حصول کی نگرانی اور انتظار میں نہ رہے کہ یہ موجب تشویش ہونے کے سبب مضر ہے۔ لوگ جو اکثر برکات ذکر سے محروم رہتے ہیں اس کی یہ بھی ایک بڑی وجہ ہے کہ نفع اور برکت کی نیت سے ذکر نہیں کرتے۔اھ

ذکر میں جہر وسر کی حدود

حضرت والا نے اس مضمون پر اپنے وعظ طریق القلندر میں بھی بہت زور دیا ہے جس کا ضروری اقتباس ایک موقع پر اوراق ماسبق میں ہدیۂ ناظرین کیا جا چکا ہے اس کا بھی خلاصہ یہی ہے کہ اعمال سے جو محبت حق پیدا نہیں ہوتی اس کا سبب یہ ہے کہ محبت حق کی نیت

سے اعمال نہیں کیے جاتے۔ خالی الذہن ہو کر کیے جاتے ہیں۔ اھ۔

حضرت والا ذکر میں خفیف جہر وضرب تعلیم فرمایا کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرما دیتے ہیں کہ اگر بعد کو جوش میں آواز بلند ہونے لگے تو بند ہونے دے طبیعت کو گھونٹنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ اگر سونے والوں یا مصلیوں کو تکلیف یا تشویش ہو تو بالکل خفی کی تاکید فرماتے ہیں کیونکہ ایسی صورت میں جہر جائز ہی نہیں۔ چنانچہ ایک صاحب کو جو اتنی بلند آواز سے تہجد کے وقت ذکر کرتے تھے کہ محلّہ میں دور تک آواز پہنچتی تھی اتنے جہر سے بتاکید ممانعت فرمادی۔ اسی طرح ایک بوڑھے طالب نے لکھا کہ کچھ تو سونے والوں کی وجہ سے اور کچھ رفع تکان کے سبب سے چند روز سے بجائے ذکر جہر کے ذکر خفی کر لیا کرتا ہوں کوئی حرج تو نہیں جواب تحریر فرمایا کہ نہیں بلکہ افضل وانفع ہے۔ اھ

ذکر قلبی پر اکتفاء نہ کرنا

لیکن حضرت والا محض ذکر قلبی پر اکتفا نہیں فرماتے کیونکہ اس میں اکثر ذہول ہو جاتا ہے اور طالب اسی دھوکہ میں رہتا ہے کہ میں ذکر قلبی میں مشغول ہوں چنانچہ ایک طالب کو جنہوں نے ذکر قلبی سے اپنی دلچسپی کا حال لکھا تھا تحریر فرمایا کہ محض ذکر قلبی پر اکتفا نہ کیا جائے ذکر لسانی بھی اس کے ساتھ ضروری ہے خواہ قلبی میں اس سے کچھ کمی ہی ہو جائے۔ اھ

حضرت والا اس کا راز یہ فرمایا کرتے ہیں کہ اگر ذکر قلبی کے ساتھ ذکر لسانی بھی ہو تو اس میں یہ مصلحت ہے کہ اگر کبھی ذکر قلبی سے ذہول ہو گیا جیسا کہ اکثر ہوتا رہتا ہے اور قلب ذاکر نہ رہا تو کم از کم زبان تو ذاکر اور مشغول عبادت رہے گی۔ بخلاف نرے ذکر قلبی کی حالت کے کہ اگر اس صورت میں ذہول ہوا تو نہ قلب ذاکر رہے گا نہ زبان کیونکہ زبان تو پہلے ہی سے غیر ذاکر ہے اور اب قلب بھی ذاکر نہیں رہا۔ غرض غفلت محضہ میں وقت گزرے گا اور ذاکر کو خبر بھی نہ ہوگی۔ اھ

اذکار و اوراد پر مداومت کی حفاظت

حضرت والا اذکار تجویز کرنے کے قبل اکثر طالب کے موجودہ معمولات بھی دریافت

فرما دیتے ہیں اور اگر ان میں کوئی معمول عملاً یا اعتقاداً خلاف شرع ہوتا ہے تو اس کو چھوڑا دیتے ہیں لیکن بقیہ کو زیادہ تر بدستور رکھتے ہیں کیونکہ فرمایا کرتے ہیں کہ خیر العمل مادیم علیہ۔ مداومت سے اوراد میں برکت پیدا ہو جاتی ہے۔ اھ۔ چنانچہ ایک بار احقر نے کم فرصتی کے زمانہ میں پانچوں نمازوں کے بعد کے جو مختصر مختصر اوراد ہیں ان کے ترک کو پوچھا تو فرمایا کہ نہیں انہیں نہ چھوڑیئے وہ بڑی برکت کے اوراد ہیں۔ انہیں مختصر سمجھ کر معمولی نہ سمجھے۔ اھ

علاوہ برکت کے یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ جن اوراد پر پہلے سے مداومت ہو ان سے طالب کو دلچسپی بھی ہوتی ہے اور دلچسپی کی وجہ سے وہ سہولت اور جمعیت کے ساتھ ان پر مداومت رکھ سکتا ہے جس سے بہت نفع ہوتا ہے بہ نسبت نئے اوراد کے۔ لہٰذا انہی کو برقرار رکھنا مصلحت ہے۔ لیکن اگر پچھلے اوراد اتنے زیدہ ہوتے ہیں کہ اگر ان سب کو برقرار رکھا جائے تو اذکار و اشغال معمولہ مشائخ کے لیے جو رسوخ ذکر کے لیے زیادہ معین ہیں وقت ہی نہیں بچتا تو بجائے بعض کو بالکل حذف کرانے کے ان کی مقدار میں بضرورت کمی کرا دیتا ہوں اور کمی کا معیار بفحوائے آیہ کریمہ من جاء بالحسنة فله عشر امثالها یہ تجویز کر رکھا ہے کہ دسواں حصہ باقی رکھتا ہوں تا کہ کم از کم ثواب تو بدستور قائم رہے بالکل حذف کرانے کو جی نہیں چاہتا۔

ذکر کی تعیین میں طالب کا لحاظ کرنا

جس طالب کو جس حالت اور جس زمانہ میں جس ذکر سے مناسبت اور دلچسپی ہوتی ہے اس کے لیے اس وقت حضرت والا وہی تجویز فرماتے ہیں اور ہر طالب کے لیے اسی ذکر کو افضل سمجھتے ہیں جو اس کے لیے باعتبار خصوصیت حالت انفع ہو چنانچہ ایک صاحب کو بجائے اذکار کے کثرت تلاوت تجویز فرمائی تو وہ بہت مسرور ہوئے اور عرض کیا کہ مجھ کو تو تلاوت سے عشق ہے۔ اسی طرح ایک صاحب کے لیے کثرت نوافل تجویز فرمائی تو انہوں نے نوافل سے اپنی غایت دلچسپی کا اظہار کیا۔ اگر کسی کو کثرت اذکار اور طول خلوت سے طبیعت میں ملال پیدا ہو کر قبض لاحق ہو جاتا ہے تو اس کو ہدایت ہوتی ہے کہ کچھ دن کے لیے سفر کرو۔ دوست احباب سے ملو اور مباحات میں مشغول رہو اور جب طبیعت میں نشاط پیدا ہو جائے پھر خلوت میں بیٹھ جاؤ۔ ویسے بھی مباحات کے بالکلیہ ترک سے منع فرماتے رہتے ہیں جیسا کہ پہلے کسی موقع پر بہ تفصیل بیان کیا جا چکا ہے۔

معمول میں ناغہ نہ کرنا

حضرت والا بتاکید فرمایا کرتے ہیں کہ اپنے معمول کو پورا ضرور کر لینا چاہیے خواہ عذر کی حالت میں بے وضو ہی سہی یا چلتے پھرتے ہی سہی کیونکہ معمول کو مقرر کر لینے کے بعد ناغہ کرنے میں بڑی بے برکتی ہوتی ہے چنانچہ حدیث شریف میں بھی اس کی تاکید ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے یاعبداللہ لا تکن مثل فلان کان یصلی باللیل ثم ترکہ یہ ایسا ہے جیسے کسی نے اپنے حاکم کے پاس آنا جانا شروع کیا اور خصوصیت کا تعلق قائم کرنے کے بعد پھر آنا جانا موقوف کر دیا تو حاکم کو بہت ناگوار ہوگا اور جو خصوصیت کا تعلق پیدا ہی نہیں کرتا اس سے کوئی شکایت نہیں ہوتی بشرطیکہ غائبانہ اطاعت کا تعلق قائم رکھا جائے جو بہر حال ضروری ہے۔ اھ

طالب علموں کیلئے رعایت

حضرت والا عموماً ان کو جو تحصیل علوم دینیہ میں مشغول ذکر و شغل نہیں تعلیم فرماتے تاکہ حرج واقع نہ ہو کیونکہ علاوہ وقت صرف ہونے کے ذکر و شغل سے اکثر دلچسپی اتنی پیدا ہو جاتی ہے کہ پھر تحصیل علوم سے دلچسپی کم ہو جاتی ہے لیکن چونکہ اصلاح اعمال بہر حال فرض ہے اور اس میں کوئی حرج اوقات بھی نہیں بلکہ ترک فضولیات کی وجہ سے وقت اور بچ جاتا ہے اس لیے اس کے متعلق خط و کتابت کی اجازت بلکہ کبھی ابتداء مشورہ بھی دے دیتے ہیں چنانچہ بندہ زادہ سے جو تحصیل علوم میں مشغول تھا نہایت شفقت و دلسوزی سے فرمایا کہ جو موٹی موٹی عیب کی باتیں اپنے اندر محسوس ہوں ان کے متعلق مجھے وقتاً فوقتاً لکھتے رہنا میں ان شاء اللہ تعالیٰ ایسی سہل سہل تدابیر بتلاتا رہوں گا جن پر عمل نہایت سہل ہوگا۔ اور اس سے زیادہ کیا سہل ہوگا کہ تم کو میں اجازت دیتا ہوں کہ چاہے مشوروں پر عمل بھی نہ کرنا لیکن اپنی اصلاح کے متعلق مجھ سے مشورہ ضرور حاصل کرتے رہنا اس سے بھی انشاء اللہ تعالیٰ تم دیکھو گے کہ بہت نفع ہوگا۔ اھ۔ چونکہ یہ نمبر طویل ہو گیا ہے اور استیعاب مقصود نہیں اس لیے اس کو یہیں ختم کیا جاتا ہے ورنہ مضامین تو اور بھی بہت سے قابل ذکر ہیں۔

۹۔ صفتِ فنا کا پیدا کرنا

حضرت والا نہایت اہتمام کے ساتھ فرمایا کرتے ہیں کہ اس طریق کا اول قدم فنا ہے

جس میں یہ صفت نہ پیدا ہوئی ہو بس سمجھ لو کہ اس کو طریق کی ہوا بھی نہیں لگی اور یہ جو بزرگوں کا قول ہے کہ طریق کا آخر قدم فنا ہے وہ بھی بالکل صحیح ہے اس سے مراد کمال فنا ہے کیونکہ فنا کے بھی تو آخر درجات ہوتے ہیں۔ اھ۔ ایک مشہور فاضل ندوی اتفاقاً محض چند گھنٹوں کے لیے حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چلتے وقت عرض کیا کہ مجھ کو کوئی نصیحت فرمائیے۔ حضرت والا فرماتے ہیں کہ میں متردد ہوا کہ ایسے فاضل شخص کو میں کیا نصیحت کروں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فوراً میرے دل میں ایک مضمون ڈالا بعد کو معلوم ہوا کہ ان کے بالکل مناسب حال تھا میں نے کہا کہ حضرت آپ جیسے فاضل کو میں نصیحت تو کیا کر سکتا ہوں لیکن ہاں میں نے جو اپنی تمام عمر میں سارے طریق کا حاصل سمجھا ہے وہ عرض کیے دیتا ہوں وہ حاصل جو میں سمجھا ہوں وہ فناء و عبدیت ہے بس جہاں تک ممکن ہو اپنے آپ کو مٹایا جائے بس اسی کے لیے سارے ریاضات و مجاہدات کیے جاتے ہیں اور بس اپنی ساری عمر فنا اور عبدیت ہی کی تحصیل میں گزار دینی چاہیے۔ اس تقریر کا ان پر اتنا اثر ہوا کہ وہ آبدیدہ ہو گئے اور واقعی یہ ہے بھی ایسی ہی چیز سارے بزرگ اسی کی تعلیم کرتے چلے آئے ہیں۔ بالخصوص چشتیہ کے یہاں تو بس یہی ہے۔

افروختن و سوختن و جامہ دریدن ۔۔۔ پروانہ زمن شمع زمن گل زمن آموخت

(بھڑکنا، جلنا اور کپڑے پھاڑنا، پروانے نے، شمع نے اور پھول نے مجھ ہی سے سیکھا ہے)

تو درو گم شو وصال اینست و بس ۔۔۔ گم شدن گم کن کمال اینست و بس

(تو اس میں گم ہو جا وصال فقط یہی ہے، گم ہونے کو بھی گم کر دے کمال فقط یہی ہے)

ہو فنا ذات میں کہ تو نہ رہے ۔۔۔ تیری ہستی کی رنگ و بو نہ رہے

آئینہ ہستی چہ باشد نیستی ۔۔۔ نیستی بگزیں گر ابلہ نیستی۔ اھ

(ہستی کا آئینہ کیا ہے وہ نیستی ہے، اگر تو بے وقوف نہیں ہے تو نیستی اختیار کر)

۱۰۔ تخلیہ اور تحلیہ کے متعلق دو زریں اصول

اس نمبر میں حضرت والا کے دو زریں اصول لکھے جاتے ہیں جن سے ایک تو تخلیہ (بخاء المعجمہ) کے متعلق ہے اور دوسرا تحلیہ (بحاء المہملہ) کے متعلق لیکن دونوں میں امر

مشترک ایک ہی ہے یعنی بتکلف عمل کرنا۔

تخلیہ (بالخاء المعجمہ) کے متعلق تو یہ ہے کہ ایک طالب نے لکھا کہ بدنظری سے بچنا نفس پر بہت شاق ہوتا ہے کوئی تدبیر ایسی ارشاد فرما دیجئے کہ جس پر عمل کرنے سے اس فعل شنیع سے طبعاً نفرت پیدا ہو جائے۔ اھ۔ جواب تحریر فرمایا کہ بجز ہمت اور تحمل مشاق کے کوئی تدبیر نہیں اور معین اس کی دو چیزیں ہیں استحضار عقوبت اور ذکر کی کثرت۔ اھ

اور تحلیہ (بالحاء المہملہ) کے متعلق یہ ہے کہ ایک طالب نے لکھا کہ حصول یقین کا طریقہ ارشاد فرمایا جائے جواب تحریر فرمایا کہ اول بہ تکلف عمل کرنا اس کی برکت سے یقین پیدا ہو جاتا ہے اور کوئی طریقہ نہیں۔ اھ

غرض حضرت والا بہ تکلف عمل کرنے پر بہت ہی زور دیا کرتے ہیں اور یہ اشعار بکثرت تحریراً و تقریراً فرمایا کرتے ہیں۔ (للعارف الرومی)۔

اندریں رہ می تراش و می خراش　　　تادم آخر دمے فارغ مباش

(اس راستہ میں کھود کرید میں لگا رہ، حتیٰ کہ آخر دم میں بھی ایک لمحہ خالی نہ رہ)

تادم آخردمے آخر بود　　　کہ عنایت باتو صاحب سربود

(تاکہ آخری لمحہ بھی کام کا آخری لمحہ ہو اور تجھے صاحب نسبت کی عنایت حاصل رہے)

دوست دارد دوست ایں آشفتگی　　　کوشش بیہودہ بہ از خفتگی

(دوست اس پریشانی کو محبوب رکھتا ہے، لاحاصل کوشش بھی سو جانے سے اچھی ہے)

کارے می کن تو وَ کاہل مباش　　　اندک اندک خاک چہ رامی تراش

(تو کوئی کام کر اور سست نہ ہو، تھوڑی تھوڑی مٹی ہی کھرچتا رہ)

چوں زچہ بے میکنی ہر روز خاک　　　عاقبت اندر رسی در آب پاک

(جب تو گڑھے سے روزانہ مٹی اکھیڑتا رہے گا تو آخر کار تو پاک پانی میں پہنچ ہی جائے گا)

چوں نشینی برسر کوئے کسے　　　عاقبت بینی تو ہم روئے کسے

(جب تو کسی کی گلی کے سرے میں بیٹھے گا تو آخر کار کسی کا منہ دیکھ ہی لے گا)

اور یہ اشعار بھی اکثر فرمایا کرتے ہیں:

دست از طلب ندارم تا کار من بر آید　　یا تن رسد بجاناں یا جان زتن بر آید

(میں طلب سے ہاتھ نہیں رکھتا تا کہ میرا مقصد حاصل ہو جائے یا تو جسم محبوب تک پہنچ جائے یا جسم سے جان ہی نکل جائے)

یابم اور ایا نیا بم جستجوئے میکنم　　حاصل آید نیاید آرزوئے میکنم

(میں اسے پاؤں یا نہ پاؤں جستجو میں لگا ہوا ہوں، حاصل ہو یا نہ ہو خواہش تو کرتا ہوں)

کارکن کار بگذر از گفتار　　اندریں راہ کار باید کار

(کام کر کام، باتوں سے آگے بڑھ اس راہ میں کام چاہیے کام)

قدم باید اندر طریقت نہ دم　　کہ اصلے ندارد دمِ بے قدم

(طریقت میں تو عمل چاہیے نہ کہ دعویٰ کیونکہ عمل کے بغیر دعویٰ کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی)

اصلاح کا ایک کامل طریق

اب اس عنوان دوم یعنی اصول متعلقہ تعلیم و تربیت کو اصلاح کرانے کے ایک نہایت مفید کارآمد اور مکمل طریق عمل پر ختم کیا جاتا ہے جو حضرت والا نے ایک نو مسلم طالب صادق کے لیے حال ہی میں تجویز فرمایا ہے اور اس قابل ہے کہ ہر طالب اصلاح اس کو اپنا دستور العمل بنا لے۔ ان طالب کا خط مع حضرت والا کے جواب باصواب کے تربیت السالک سے نقل کیا جاتا ہے۔ وھو ھذا

(حال)۔ مجھ میں ایک بڑا مرض ہے کہ جب میں حضرت والا کو عریضہ لکھنا چاہتا ہوں تو میری یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا لکھوں۔ جب اپنی برائیوں پر نظر کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ حضرت والا کو لکھوں تا کہ اصلاح ہو تو اس وقت اس خیال میں پڑ جاتا ہوں کہ پہلے کس برائی کے واسطے لکھوں اکثر اس میں عریضہ لکھنا رہ جاتا ہے اور جب ایک برائی تجویز کر لیتا ہوں کہ اس کو لکھوں تو یہ خیال آتا ہے کہ یہ تو خود بھی ذرا سی ہمت پر چھوڑی جا سکتی ہے پہلے خود ہی چھوڑنے کی کوشش کر لی جائے اگر کامیابی نہ ہو تو حضرت والا کو لکھ جائے۔ ان ہی خیالات میں الجھ کر عریضہ لکھنا رہ جاتا ہے اور برائیاں ویسی کی ویسی ہی موجود رہتی ہیں اور بندہ بارہا کوشش کرتا ہے لیکن کامیابی ہی نہیں ہوتی جتنا بھی پختہ عزم کرتا ہے اتنا ہی جلدی ٹوٹتا ہے اس لیے بندہ اس تشویش اور پریشانی میں مبتلا ہے کہ میری اصلاح کیسے ہوگی جب

کسی امر پر دوام ہی نصیب نہیں ہوتا۔ اب عرض یہ ہے کہ اس مرض کے واسطے از راہ کرم علاج تجویز ہو اور دعا بھی ہو کہ بندہ کو تمام رذائل سے نجات حاصل ہو جائے۔

(تحقیق)۔ علاج یہ ہے کہ ایک کاغذ پر اپنی سب برائیاں لکھ لو اور جو یاد آتی رہیں اس میں لکھتے رہو اور ان کا علاج بھی کرتے رہو اور علاج سے جو بالکل زائل ہو جاویں ان کا نام کاٹ دو اور جو رہ جائیں پوری یا ادھوری ان کو لکھا رہنے دو پھر جب خط لکھنے بیٹھو ان برائیوں کی تعیین کے لیے قرعہ ڈال لو جس کا نام نکل آئے خط میں وہی لکھ دو اور اگر اس کا کچھ علاج کیا ہو اس کی بھی اطلاع کر دو بس اس طرح خط لکھتے وقت تشویش نہ ہوگی باقی دعا کرتا ہوں۔ والسلام۔

عنوان سوم

اصول متعلقہ خط و کتابت

۱- ایک خط میں مختلف مضامین کی ممانعت

حضرت والا مختلف النوع مضامین کا ایک خط میں اجتماع گوارا نہیں فرماتے مثلاً اگر مسائل فقہیہ اور احوال و مسائل سلوک ایک ہی خط میں پوچھے جاتے ہیں تو چونکہ مسائل فقہیہ زیادہ اہم ہیں اور ان کے جواب میں تعجیل ضروری ہے اس لیے صرف ان کا جواب مرحمت فرما دیتے ہیں بشرطیکہ مراجعت کتب کی ضرورت نہ ہو جس کی ضرورت حضرت والا کو اکثر فرصت نہیں ملتی اور احوال و مسائل سلوک کے متعلق تحریر فرما دیتے ہیں کہ جدا خط میں پوچھے جائیں اور بعض اوقات زجر کے لیے بالکل جواب نہیں دیا جاتا۔

اس ممانعت کی مصلحت

اس جمع نہ کرنے کی مصلحت یہ ہے کہ مختلف مضامین کے جواب دینے میں خلجان بھی ہوتا ہے اور یہ اندازہ بھی نہیں ہوتا کہ اصل مقصود کس مضمون کا جواب حاصل کرنا ہے اور جانبین کے لیے خلط بحث کا بھی اندیشہ ہے جو واجب الاحتراز ہے اور وقت بھی بہت صرف ہوتا ہے جس کی بوجہ کثرت خطوط و مشاغل گنجائش ہی نہیں۔

نیز جو خدمت خلق کا حق ادا کرنا چاہے گا اور سب اہل حاجت کی بقدر ضرورت

کار برآری کرنا چاہے گا اس کو بجز اس کے چارہ نہیں کہ اس قسم کی ضروری قیود عائد کرے ورنہ طلب الکل فوت الکل کا مضمون صادق آنا لازمی ہے چنانچہ حضرت والا ہمیشہ فرمایا کرتے ہیں کہ میں اگر ایک ہی کے کام کو لے بیٹھوں تو دوسروں کے کام یوں ہی پڑے رہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تھوڑے تھوڑے سب کے کام ہو جائیں کیونکہ سبھی کا حق ہے۔ اھ

سلیقہ مندی سے سوال پوچھے جائیں

اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ لوگ بڑے بڑے رسالے بھیج دیتے ہیں کہ ان کا جواب لکھو یہ میں لکھ دیتا ہوں کہ میرے پاس اتنا وقت تو کہاں ہے کہ سب کا یکجائی جواب لکھوں۔ ہاں آپ یہ کریں کہ پہلے ایسے مقامات منتخب کرلیں جو آپ کے نزدیک محتاج جواب ہوں پھر ان مقامات میں سے ایک خط میں صرف ایک مقام میرے پاس بھیج دیا کریں جب اس کا جواب پہنچ جائے اور وہ طے ہو جائے خواہ ایک ہی خط میں یا متعدد خطوط میں تو پھر اسی طرح دوسرا مقام بھیج کر اس کا جواب حاصل کرلیں۔ اسی طرح برابر مجھ سے خدمت لیتے رہیں اور جب سب مقامات کا جواب ہو جائے اس کو جمع کر کے شائع کردیں۔ اھ

یہ فرما کر فرمایا کرتے ہیں کہ مجھے خدمت سے انکار نہیں بشرطیکہ طریقہ سے خدمت لی جائے اور صرف وہی کام مجھ سے لیا جائے جو میرے کرنے کا ہو اور جو خود کرسکیں اس کو خود کیا جائے۔ سارا بوجھ مجھی پر نہ ڈال دیا جائے۔ اس طرح تو اگر کوئی عمر بھر بھی مجھ سے خدمت لیتا رہے تو میں نہایت خوشی کے ساتھ حاضر ہوں کیونکہ میرا تو کام یہی ہے کہ میں اپنے بھائی مسلمانوں کی خدمت کروں جتنی بھی ہو سکے اور جیسی بھی ہو سکے۔

پھر فرمایا کہ لوگوں کو دوسرے پر بوجھ ڈال دینا تو آسان ہے لیکن جب خود ان کو کچھ کام کرنے کو بتلا دیا جاتا ہے تو پھر بیٹھے رہتے ہیں۔ چنانچہ میں نے بہت لوگوں کو یہ طریقہ مذکورہ بتلایا لیکن چونکہ اس میں خود بھی ان کو کچھ کام کرنا پڑتا تھا۔ اس لیے بیٹھے رہے البتہ ایک صاحب نے اس اطلاع کے بعد ایک رسالہ کا صرف ایک مقام حل کرایا پھر وہ بھی بیٹھے رہے۔ انہوں نے فرقہ بہائیہ کے شبہات کے جواب چاہے تھے ان کو میں نے یہی لکھ دیا کہ ایک ایک شبہ پیش کیا جائے اور اس کو اپنی طرف منسوب کیا جائے نہ کہ کسی دوسرے کی طرف

کیونکہ میں غائب سے خطاب کیونکر کرسکتا ہوں۔

چنانچہ انہوں نے ایک بار ایک شبہ لکھ کر بھیجا۔ میں نے اس کا جواب لکھ دیا اور میں اپنی طرف سے اس سلسلہ کو برابر جاری رکھنے کے لیے آمادہ ہوگیا اور اس جواب کو جداگانہ نقل بھی کرالیا تاکہ آئندہ کے جوابات کو بھی مسلسل نقل کراتا چلا جاؤں۔ لیکن ان کا بھی بس ایک ہی خط آکر رہ گیا اور اتنا التزام بھی ان سے نہ بن سکا۔ اھ

ممانعت سے استثناء کی درخواست کا جواب

حضرت والا کے اصول مذکورہ بالا کے یعنی ایک خط میں مختلف مضامین جمع کرنے کی ممانعت پر بعض صاحبوں نے لکھا کہ ہمیں اس قاعدہ سے مستثنیٰ کر دیا جائے کیونکہ ہم نادار ہیں بار بار خط بھیجنے کے لیے ہمارے پاس دام نہیں۔ اس پر حضرت والا نے تحریر فرما دیا کہ اگر میں مستثنیٰ کرنا شروع کردوں تو اول تو مواقع استثناء کو میں یاد کیسے رکھ سکتا ہوں دوسرے یہ کہ جب مستثنیٰ کرنا شروع کر دیا تو وہ قاعدہ قاعدہ ہی کیا رہے گا اور جس ضرورت و مصلحت سے وہ قاعدہ مقرر کیا گیا ہے وہی کب پوری ہوگی۔ اس لیے یہ تو گوارا نہیں لیکن اگر ناداری ہے تو اس غرض خاص کے لیے چندہ کرلیا جائے اور اس میں بھی نہایت خوشی کے ساتھ شریک ہوں گا۔ اھ۔ احقر جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ بعض نے ایسا ہی کیا اور اس میں حضرت والا بھی نہایت خوشی کے ساتھ شریک ہوئے چنانچہ بعض اب بھی ایسے موجود ہیں جن کی حضرت والا اس مد میں برابر اعانت فرماتے رہتے ہیں یہ تو گوارا ہے لیکن مصالح ضروریہ کے مختل ہونے کی وجہ سے اپنے اصول کو توڑنا ہرگز گوارا نہیں۔

خط کی عبارت میں تصنع و تکلف نہ ہو

حضرت والا خط و کتابت میں عبارت کے تکلف اور تصنع کو بہت ناپسند فرماتے ہیں کیونکہ اس میں تلبیس کی زیادہ گنجائش ہوتی ہے اور کاتب کے مافی الضمیر کا صحیح اندازہ نہیں ہوسکتا۔ بالخصوص طالبین طریق باطن کو تو بہت اہتمام کے ساتھ اس سے روکتے ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی محض اظہار لیاقت کے لیے بلا ضرورت عربی میں خط لکھتا ہے تو بجائے عربی میں

جواب لکھنے کے اردو میں یہ تحریر فرما دیتے ہیں کہ میں تو بے تکلف عربی عبارت لکھنے پر قادر نہیں اور آپ ماشاءاللہ قادر ہیں تو آپ مجھ سے اکمل ہوئے لہٰذا اکمل کو ناقص سے رجوع نہیں کرنا چاہیے آپ کسی کامل سے رجوع کیجئے۔

عربی میں خط لکھنے والے کو جواب

اتفاق سے ایک عربی کا خط بھی ابھی آیا تھا جس کا جواب بلفظہ نقل کیا جاتا ہے تحریر فرمایا کہ افادہ کی شرط مفید کا مستفید سے اکمل ہونا ہے آپ عربی لکھتے ہیں گو غلط لکھتے ہیں میں غلط بھی نہیں لکھتا پس آپ اکمل ٹھہرے پس شرط مفقود ہوئی اس لیے مشروط بھی مفقود ہوا۔اھ

ایک صاحب نے پوچھنے پر عربی میں خط لکھنے کی یہ وجہ لکھی کہ **لسان اهل الجنة عربی** ۔اس پر حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ قسم کھا کر لکھو کہ اس کی بناء پر اگر تم یہاں آؤ تو کیا عربی ہی میں کلام کرو گے اس کا وہ کوئی معقول جواب نہیں دے سکے۔اھ۔جو بلا ضرورت عربی میں خط لکھتے ہیں صرف ان کو یہ جواب دیا جاتا ہے ورنہ جہاں واقعی ضرورت ہوتی ہے جیسے ممالک عربی سے کوئی خط آجائے وہاں حضرت والا عربی خطوط کا عربی ہی میں جواب تحریر فرماتے ہیں۔اھ

حضرت والا کے اس جواب پہنچنے پر کہ کسی کامل سے رجوع کیجئے عربی میں خطوط بھیجنے والے پھر اردو میں خطوط بھیجنے لگتے ہیں اور ان میں سے بعض تو صراحۃً اقرار کر لیتے ہیں کہ واقعی ہمیں اظہار لیاقت ہی مقصود تھا۔حضرت والا اکثر طالبین کو اشعار لکھنے سے بھی روکتے رہتے ہیں کہ جس کو اپنا بڑا سمجھے اس کو اشعار لکھنا یا اس کے سامنے اشعار پڑھنا خلاف تہذیب اور خلاف ادب ہے لیکن مغلوب الحال لوگوں کو معذور رکھتے ہیں۔اسی طرح جواز راہ تکلف بہت زیادہ تعظیمی الفاظ استعمال کرتے ہیں ان کو بھی حضرت والا روک دیتے ہیں

ایک وکیل صاحب کے خطوط کے جوابات

چنانچہ حال ہی میں ایک نئے طالب نے جو ایک انگریزی داں اور ذی وجاہت وکیل ہیں اپنے عریضہ میں اپنے آپ کو حضرت والا کے دربار کا ادنیٰ غلام لکھا تو حضرت والا نے ایسے جامع اور لطیف عنوان سے متنبہ فرمایا کہ سوائے مان لینے کے کوئی چارہ ہی نہ

رہا۔ تحریر فرمایا کہ ایسے الفاظ سے اگر مجھ میں کبر ہوا تو میرا مرض بڑھتا ہے اور اگر تواضع ہوئی تو تنگی ہوتی ہے ہر حال میں ضرر ہی ہے بدنی یا نفسانی۔اھ

انہی صاحب نے اپنے پچھلے خط کے گم ہو جانے کا بہت افسوس لکھا۔ جس کو بہت شوق سے لکھ کر بھیجا تھا اور لکھا کہ یہ میری بد قسمتی ہے حضرت والا نے اس پر بھی متنبہ فرمایا کہ مجھ کو مسلمان کے منہ سے بد قسمتی کا اقرار اچھا نہیں معلوم ہوتا مسلمان تو بد قسمت ہوتا ہی نہیں مثلاً اسی واقعہ میں آپ کا خط گم ہوا آپ کو قلق ہوا اس پر آپ کو اجر ملا تو یہ خوش قسمتی ہوئی یا بد قسمتی البتہ جو معاصی اختیاریہ ہیں ان کو خسارہ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔اھ۔ انہی صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ حضور، اس نادان اور ناتربیت یافتہ کو تربیت دیں۔ اس پر تحریر فرمایا کہ تربیت تو بڑے لوگوں کا کام ہے میں ناکارہ خود ہی محتاج تربیت ہوں کسی کی کیا تربیت کرتا البتہ خدمت سے کسی کی بھی انکار نہیں جب طریقہ سے مجھ سے خدمت لی جائے۔اھ

انہی صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ حضوری میں جناب عالی سے مرعوب ہوں اور غائبی میں کتابت کے وقت باقلم ترساں۔ اس پر تحریر فرمایا کہ ان خیالات کو دل میں بھی نہ آنے دیجئے بلا رعایت کسی خاص قاعدہ وضابطہ کے بے تکلف جو دل میں آئے لکھئے۔ صرف دو تین باتوں کا خیال کافی ہے اسی کو میں نے اوپر طریقہ سے تعبیر کیا ہے ایک تو واقعہ صاف لکھا جائے تکلف یا عبارت آرائی نہ ہو دوسرے بلا ضرورت طول نہ ہو تیسرے ایک خط میں متعدد مضامین نہ ہوں لیکن اگر اس میں ارتباط ہو تو وہ ایک ہی مضمون شمار ہوگا۔اھ

مبہم الفاظ والے خطوط کے جوابات

اسی طرح اگر کوئی طالب اپنا مدعا مبہم الفاظ میں لکھتا ہے مثلاً مجھے غلامی میں قبول فرمالیجئے۔ مجھے اپنے دامن میں ڈھانپ لیجئے۔ میرے اوپر نظر توجہ فرمادیجئے وغیرہ وغیرہ تو تحریر فرمادیتے ہیں کہ یہ گول الفاظ میں صاف الفاظ میں لکھو کہ کیا چاہتے ہو۔ اسی طرح اگر کوئی طالب لکھتا ہے کہ میری اصلاح فرمائیے یا لکھتا ہے کہ میری دستگیری فرمائیے یا لکھتا ہے کہ مجھے خدا کا راستہ بتائیے یا اور کوئی ایسی ہی درخواست کرتا ہے تو تحریر فرمادیتے ہیں کہ

ان کی تفسیر لکھو۔ تاکہ اگر وہ ان الفاظ کے مفہوم کو غلط سمجھے ہوئے ہو تو اس کو اصل مفہوم سمجھایا جائے۔ غرض جب تک مقصود کو صاف طور پر متعین نہیں کرالیتے تعلیم نہیں شروع فرماتے۔ اور اگر کوئی طالب باوجود تنبیہ کے غیر مقصود کو اپنا مقصود قرار دیتا ہے تو تعلیم و تربیت سے عذر فرما دیتے ہیں اور تحریر فرما دیتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ مقصود اور مطلوب فی الدین نہیں اگر آپ کے نزدیک ہو تو کسی اور سے رجوع کیجئے مجھے اس کے حصول کی تدبیر معلوم نہیں۔ اھ

ایک طبیب صاحب کے خط کا جواب

چنانچہ ایک اور سلسلہ کے اہل علم طبیب آیۂ کریمہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب کا صحیح مفہوم نہ سمجھ کر اس کے حوالہ سے طبعی اطمینان قلب کی تحصیل کے ذرائع بار بار دریافت کرتے رہے اور حضرت والا برابر اس کا غیر مقصود ہونا اپنے خاص طریق تفہیم پر سمجھاتے رہے جب اس پر بھی ان کا اصرار باقی رہا تو حضرت والا نے پھر وہی جواب لکھ دیا جو ابھی مذکور ہوا۔ ان کے ایک خط کے مضامین کے ضروری جوابات دے کر آخری مضمون کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ اول تو سب مقدمات متکلم فیہ ہیں فاین المدعیٰ۔ لیکن میں اس میں قیل وقال پسند نہیں کرتا اگر آپ کے ذوق میں سب دعاوی صحیح ہیں اور ایسا اطمینان مطلوب فی الدین ہے تو اخیر جواب یہ ہے کہ مجھ کو اس کا نسخہ معلوم نہیں کسی اور طبیب سے رجوع کیجئے۔ اھ

اس تنبیہ سے ان کی آنکھیں کھل گئیں اور حسب ذیل عریضہ بھیجا۔

"حضرت اکرم نفعنا اللہ بطول بقائکم وادام لنا برکاتکم۔ السلام علیکم گرامی نامہ وصول ہو کر موجب شرف و برکت ہوا جسے سابق خطوط کے ساتھ مکرر بغور میں نے پڑھا اور مجھے اپنی غلطی فکر ورائے پر متنبہ ہو کر حقیقت حال منکشف ہوئی اور یہ حضرت کی توجہ کی برکت ہے۔ واقعی حسن کار اطمینان طبعی پر موقوف نہیں (اور اس کے لیے صرف علم و قدرت کی ضرورت ہے) اور نہ ایسا اطمینان مطلوب فی الدین ہو سکتا ہے۔ حضرت نے میرے خطوط کے جواب میں جو مختصر مگر لطیف انتباہات و ہدایات فرمائے ہیں وہ میرے واسطے نافع ہوئے اور ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ بھی نفع مند ہوں گے۔ اس پر حضرت والا نے

اظہار مسرت فرمایا اور تحریر فرمایا هنیئاً لکم العلم۔اھ

اس سلسلہ کی پوری خط و کتابت امداد الفتاویٰ میں موجود ہے اور النور بابتہ شعبان و رمضان و شوال ۵۲ھ میں تحت عنوان احکام الایقان لاقسام الاطمینان شائع بھی ہو چکی ہے۔اس واقعہ سے حضرت والا کے خاص طریق افہام و تفہیم کا بدرجہ کمال نافع ہونا ثابت ہوتا ہے۔ فللّٰہ الحمد۔اھ

۳- غیر جوابی خطوط کا جواب نہ دینا

حضرت والا بہ استثناء مواقع خصوصیت غیر جوابی خطوط کے جواب نہیں دیتے کیونکہ قاعدہ سے ڈاک کا محصول خود جواب طلب کرنے والے پر ہے نہ کہ جواب دینے والے پر اور حضرت والا خود بھی اس قاعدہ کے اس قدر سختی کے ساتھ پابند ہیں کہ اگر کسی جان نثار خادم کو بھی اپنی ضرورت سے جواب طلب خط تحریر فرماتے ہیں تو ہمیشہ جوابی ہی تحریر فرماتے ہیں اور فرمایا کرتے ہیں کہ جب میری ہی غرض ہے تو ان پر خواہ مخواہ کیوں محصول کا بار ڈالا جائے۔ گو اکثر ایسے خدام اپنے ہی پاس سے محصول دے کر جواب بھیجتے ہیں اور حضرت والا کا جوابی کارڈ یا لفافہ واپس کر دیتے ہیں لیکن حضرت والا اپنی طرف سے کبھی ان پر بار نہیں ڈالتے۔

۴- بلا تاخیر جواب کا اہتمام

حضرت والا کو خطوط کے بلا تاخیر جواب دینے کا اسقدر اہتمام ہے کہ شاید و باید۔ یہاں تک کہ خطوط لکھنے والے پہلے سے حساب لگا لیتے ہیں کہ فلاں دن جواب آئے گا۔اور اگر ڈاک خانہ کی غلطی سے (اور اکثر یہی سبب ہوتا ہے) یا اور کسی خاص وجہ سے اس روز جواب نہیں پہنچتا تو متردد ہو جاتے ہیں چنانچہ بعض نے یہ خیال کر کے کہیں تاخیر کا سبب نصیب اعداء عدالت طبع نہ ہو ہر وقت خط نہ پہنچنے پر فوراً دریافت خیریت کا عریضہ لکھا۔

اکثر دیکھا گیا کہ پچاس پچاس خطوط روزانہ آئے جن میں اکثر طویل ہوتے ہیں۔ مگر سب کے جواب سے ہر روز فارغ ہوتے رہے خواہ عصر سے مغرب تک اور مغرب سے عشاء بلکہ عشاء کے بعد تک برابر مشغول رہنا پڑا۔اور جس زمانہ میں سفر فرمایا کرتے تھے تو کئی کئی دن کی ڈاک یکجائی پہنچتی تھی اس حالت میں خود احقر نے بارہا دیکھا کہ جب تک

اکثر خطوط کا جواب لکھ کر کام کو اپنے قابو میں نہیں کر لیا راتوں کو سوئے نہیں بلکہ ایسا بھی ہوا کہ وعظ سے آدھی رات کو فارغ ہو کر تشریف لائے اور واپسی پر ڈاک کو لے بیٹھے اور دردِ سر کی حالت میں بھی سر کو بار بار ہاتھ سے دباتے جاتے اور جواب لکھتے جاتے۔ جب کوئی عرض کرتا کہ حضرت اس وقت آرام فرمالیں اور خطوط کے جوابات صبح تحریر فرمادیجئے گا تو فرماتے ہیں کہ میری طبیعت پر کام کا تقاضا اتنا ہوتا ہے کہ اگر میں کام پڑے رہنے کی حالت میں سونا بھی چاہوں تو نیند نہیں آسکتی پھر کام ہی کیوں نہ کروں۔ اھ

انضباطِ اوقات

حضرت والا کے انضباط اوقات اور روز کا روز کام ختم کر دینے پر بڑے بڑے اہل محکمہ اور اہل ضابطہ حیران ہو ہو گئے ہیں اور ان کو ماننا پڑا ہے کہ بلا اعانت خداوندی اور قوت روحانی کے کوئی شخص اتنا اور اس شان کا دماغی کام شب و روز کر نہیں سکتا اور ایک دو روز کی بات نہیں بلکہ حضرت والا کی تو ساری عمر اسی حالت میں گزری ہے اور اس ضعف پیری میں بھی بعون اللہ تعالیٰ وہی عالم ہے۔

واقعی دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی ہے کہ اکثر و بیشتر بعد مغرب بھی بعد عشاء بھی قبل فجر بھی لالٹین جلائے ہوئے اور بعد عصر بھی وقت غروب تک آنکھوں پر زور دے دے کر برابر مطالعہ اور تحریر کا کام کرتے رہتے ہیں۔ بس بلا مبالغہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک مشین ہے جو کسی قوت غیبیہ برقیہ کے سہارے رات دن بلا تکان چل رہی ہے۔ **وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء**۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا کو صحت و عافیت کاملہ دائمہ اور فیوض و برکات عامہ تامہ کے ساتھ غیر معمولی طویل عمر نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین۔

۵۔ خطوط کے جوابات دینے کی ترتیب و درجہ بندی

حضرت والا ڈاک کے پہنچتے ہی فوراً اسی کی جانب ہمہ تن متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اور جو خطوط اہل خصوصیت کے ہوتے ہیں ان کو چھانٹ کر الگ رکھتے جاتے ہیں تاکہ جواب تحریر فرماتے وقت ان کو مقدم کیا جائے۔ یہ تقسیم تو محض شان خط پہچاننے کی بناء پر ہوتی ہے پھر بعد

کو سرسری مطالعہ فرمانے سے جو خطوط بلحاظ مضامین قابل تقدیم معلوم ہوتے ہیں ان کو بھی الگ رکھ لیتے ہیں۔ نیز جن خطوط کے جواب غور طلب یا طویل ہوتے ہیں یا ان کے جواب کے لیے مراجعت کتب کی ضرورت ہوتی ہے جس کو بعض حالات میں گوارا فرماتے ہیں ان کو عموماً صبح کے وقت کیلئے جو نسبۃً فراغ اور گنجائش کا وقت ہوتا ہے رکھ لیتے ہیں۔ جن خطوط میں کوئی ناگوار مضمون ہوتا ہے ان کا جلدی سے جواب لکھ کر فوراً قبل از وقت ہی ڈاک میں ڈلوا دیتے ہیں اور فرمایا کرتے ہیں کہ ایسے خطوط کا پاس رکھا رہنا بھی مجھے اذیت دہ ہوتا ہے۔

۲-استفتاء کا جواب

حضرت والا اب ضعف پیری اور قلت فرصت کی وجہ سے بہ استثناء مواقع خصوصیت ایسے استفتوں کے جواب لکھنے سے عذر فرما دیتے ہیں جن میں مراجعت کتب کی ضرورت ہو اور تحریر فرما دیتے ہیں کہ مجھ کو مراجعت کتب کی نہ فرصت نہ قوت کسی اور جگہ سے تحقیق کر لیا جائے۔ اھ۔ بعض صاحبوں نے اصرار فرمایا کہ ہمیں تو حضور ہی کے فتوے پر اطمینان ہوتا ہے تو تحریر فرما دیا کہ اس اطمینان کی یہ بھی تو صورت ہو سکتی ہے کہ جب اور جگہ سے فتویٰ حاصل کر لیا جائے تو اس فتوے کو میرے پاس بھیج کر مجھ سے بھی اس کی تصدیق کرالی جائے۔

حضرت والا عرصہ سے اس اہتمام میں ہیں کہ اپنی مختلف دینی خدمات کو رفتہ رفتہ دوسروں کی طرف منتقل فرما دیں۔ چنانچہ فتویٰ نویسی تو بہت ہی کم کر دی ہے اور بعض خاص صورتوں میں جن کی بقدر ضرورت تفصیل قریب ہی عنوان دوم اصول متعلقہ تعلیم و تربیت میں گزر چکی ہے۔ طالبین کو بھی اپنے خلفاء مجازین کے سپرد فرما دیتے ہیں اور ایک بار اس کا راز یہ فرماتے تھے کہ دین کی بہت سی خدمات کا کسی ایک ہی شخص سے وابستہ ہو جانا ہرگز مناسب نہیں کیونکہ انسان کیساتھ موت اور حیات لگی ہوئی ہے۔ اس کے انتقال کے بعد ایک ساتھ اتنی خدمات بند ہو جائیں گی۔ گو چند روز ہی کے لیے سہی تو اس کا دین پر برا اثر پڑے گا یا کم از کم اہل حاجت چند روز مشوش ہی رہیں گے۔ اھ

ایک بار یہ بھی فرمایا کہ میں اس لیے بھی دینی کاموں کو مختلف جگہوں میں تقسیم کرتا رہتا ہوں کہ میں چاہتا ہوں کہ میرے مرنے کا بھی کسی کو صدمہ نہ ہو۔ کہ اتنے کام ایک ساتھ بند

ہوگئے میں تو مسلمانوں کی اتنی تکلیف بھی گوارا نہیں کرتا کہ کوئی میرے مرنے کا بھی افسوس کرے گو طبعی افسوس کا انسداد قبضہ سے باہر ہے۔

غرض حضرت والا کو اب ایسے کاموں کی ہرگز تکلیف نہ دینی چاہیے جو اور جگہ بھی ہو سکتے ہیں۔ بس اب تو حضرت والا سے صرف اصلاح اعمال ہی کے متعلق خط و کتابت کرنی چاہیے کیونکہ یہ خدمت اور جگہ اس اہتمام و انتظام سے نہیں ہو رہی گو حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ یہ خدمت اور خدمتوں سے چھوٹی ہے لیکن یہ بھی ضروری ہے جیسے بڑے بڑے مدرسوں کے مقابلہ میں (جہاں بڑی بڑی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں بغدادی قائدہ اور الف ب ت نہیں پڑھائی جاتی چھوٹا مکتب جس میں ا ب ت پڑھائی جاتی ہے کوئی چیز نہیں لیکن اکثر کسی زمانہ میں بڑے ہی بڑے مدرسے رہ جائیں تو اس وقت اس کی ضرورت ہوگی کہ کوئی چھوٹا مکتب بھی قائم کیا جائے جس میں قاعدہ بغدادی کی تعیلم ہو۔

۷- عورت کے خطوط کے جواب کی شرط

متعدد مصالح کی بناء پر جن میں سے بعض مختلف مواقع پر غالباً ذکر بھی کی جا چکی ہیں۔ حضرت والا کسی عورت کے خط کا جواب اس وقت تک نہیں تحریر فرماتے جب تک وہ اس خط پر اپنے شوہر یا کسی محرم کے دستخط کرا کر نہیں بھیجتی۔ یہاں تک کہ ایک بے پردہ بڑے درجہ کی عورت کو بھی جو ایک کالج کی پرنسپل تھی اپنے اس معمول سے مطلع فرما دیا اور پھر اس نے بھی اپنے شوہر کے دستخط کرا کر بھیجے۔ اس معمول سے وہ عورتیں مستثنیٰ ہیں جو اہل قرابت ہیں یا جن کے مردوں سے مثل اہل قرابت کے تعلق ہے۔

۸- نقل کو اصل سے دیکھنے کا اہتمام

اگر کسی کے خط میں حضرت والا کے کسی پچھلے جواب کا حوالہ ہوتا ہے تو جب تک اس کو طلب فرما کر ملاحظہ نہیں فرما لیتے جواب نہیں تحریر فرماتے اور محض نقل کو کافی نہیں سمجھتے کیونکہ عموماً لوگوں کو پوری بات نقل کرنے کا اہتمام نہیں ہے۔ ایسے موقعوں پر تحریر فرما دیتے ہیں کہ میرا پہلا خط بجنسہ بھیج دیں۔ اھ۔ اگر ایسے متعدد خطوط ہوں تو ہدایت فرما دیتے ہیں کہ ان پر ترتیب وار نمبر ڈال دیئے جائیں لیکن پن یا ڈورے سے نتھی کرنے کو ناپسند فرماتے ہیں

کیونکہ ڈورے سے نتھی ہونے کی صورت میں سارے خطوط کو ایک ساتھ لئے ہوئے پڑھنا پڑتا ہے اور جواب لکھنا پڑتا ہے جو وقت طلب اور موجب خلجان ہے۔ راحت اسی میں رہتی ہے کہ سب خطوط جدا جدا ہوں اور نمبر پڑے ہوئے ہوں تاکہ جس خط کو چاہیں نکال کر آسانی کے ساتھ پڑھ لیں اور جواب لکھ دیں۔ اور پن لگانے میں چبھ جانے کا اندیشہ ہے چنانچہ کئی بار حضرت والا کے ہاتھ میں چبھ چبھ گئی جس سے بہت تکلیف ہوئی۔ اھ

پچھلا خط طلب فرمانے کا یہ مطلب نہیں کہ کاتب خود اس کے متعلق کچھ نہ لکھے بلکہ اس کو چاہیے کہ جس مضمون کا حوالہ دے اس کو خود بھی اپنے خط میں پورا پورا نقل کر دے۔ پچھلا خط تو محض اس لیے منگوایا جاتا ہے کہ اگر ضرورت ہو اور کاتب کی نقل عبارت محولہ کے سمجھنے کے لیے ناکافی ہو تو اصل خط کو دیکھ لیا جائے۔ یہ مطلب نہیں کہ کاتب صاحب تو محض حوالہ دے کر سبکدوش ہو جائیں اور حضرت والا خود ہی اس مضمون کو ڈھونڈھنے اور پڑھنے اور حوالہ کے سمجھنے کی دقت اٹھائیں۔ اھ

ایک طالب کو ایسی ہی بے عنوانی پر تحریر فرمایا کہ دو خط سابق رکھنا خلاف اصول ہے تازہ خط کے ساتھ صرف ایک اخیر کا خط آنا چاہیے اور تازہ خط میں بھی مضمون پورا لکھنا چاہیے۔ خط سابق صرف احتیاطاً منگوایا جاتا ہے۔ میرے پاس وقت زیادہ نہیں ہے اس لیے میرے ساتھ آسانی کی بے حد رعایت چاہیے۔ اھ

۹- طالب کے خط پر ہی جواب لکھنا

حضرت والا خط کے ہر مضمون کا جواب اس کے محاذ میں ارتباط کے لیے لکیر کھینچ کر ساتھ کے ساتھ حاشیہ پر تحریر فرماتے جاتے ہیں تاکہ مضمون اور جواب دونوں بیک وقت مکتوب الیہ کی نظروں کے سامنے ہوں اور وہ جواب کو اچھی طرح سمجھ سکے اسی لیے حضرت والا کی یہ ہدایت ہے کہ خط کے ہر صفحہ پر نصف یا کم از کم ثلث کا حاشیہ جواب کیلئے چھوڑ دینا چاہیے۔

اسی مصلحت سے کہ مضمون اور جواب دونوں ساتھ ہوں حضرت والا ایسے مضامین کا جواب جن میں سوال و جواب کے انطباق کی ضرورت ہو کارڈ پر نہیں تحریر فرماتے بلکہ تحریر فرما دیتے ہیں کہ ایسے امور کے جواب کے لیے کارڈ کافی نہیں لیکن لفافہ کے انتظار میں خطوط کو محفوظ نہیں رکھتے ورنہ انبار کے انبار خطوط امانت رکھنے پڑیں۔ بعض کم فہم حضرت والا کے اس تحریر فرمانے پر کہ

جواب کے لیے کارڈ کافی نہیں محض لفافہ بھیج دیتے ہیں جس پر حضرت والا تحریر فرمادیتے ہیں کہ وہ مضمون کہاں ہے جس کا جواب چاہا جاتا ہے کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ میرے پاس محفوظ ہے حالانکہ تم کو اس سمجھنے کا کوئی حق نہیں کیونکہ کسی قاعدہ سے اس کا محفوظ رکھنا میرے ذمہ نہیں۔ اھ

حضرت والا خود تو بمصالح مذکور بالا اپنا جواب مکتوب الیہ ہی کے خط پر تحریر فرماتے ہیں لیکن اگر مکتوب الیہ جواب الجواب کو حضرت والا ہی کے جواب پر لکھ کر بھیجتا ہے تو چونکہ جواب الجواب کی صورت میں بھی ایسا کرنا موجب خلجان ہوتا ہے نیز اپنے سے بڑے کے لکھے ہوئے خط پر اس کا جواب لکھنا خلاف تہذیب بھی ہے اس لیے بہت تاکید کے ساتھ اس کی ممانعت فرمادیتے ہیں اور تحریر فرمادیتے ہیں کہ جس کو آدمی بڑا سمجھے گو وہ واقع میں بڑا نہ ہو اس کے لکھے ہوئے پرچہ پر جواب لکھنا خلاف تہذیب اور خلاف ادب ہے۔ اھ

اور اپنا ادب کرانے کے متعلق حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ اس کا منشاء یہ نہیں ہے کہ میں اپنے آپ کو قابل تعظیم سمجھتا ہوں یا میں اپنی تعظیم کرانا چاہتا ہوں لاحول ولا قوۃ میں کیا چیز ہوں جو میری تعظیم کی جائے لیکن اس عدم تعظیم پر اس لیے نکیر ہے کہ جب کسی نے ایک شخص کو اپنے اعتقاد میں معظم سمجھ لیا ہے تو پھر وہ اب اپنے اعتقاد عظمت کا حق کیوں نہیں ادا کرتا۔ اپنے اعتقاد کے خلاف اس کے ساتھ کیوں معاملہ کرتا ہے ورنہ مجھ کو تو واللہ اس تصحیح معاملہ کی تعلیم کرتے ہوئے بھی نہایت خجلت ہوتی ہے مگر بضرورت اصلاح کہنا ہی پڑتا ہے۔ اھ

۱۰- چند وہ امور جن کی خلاف ورزی سے اذیت ہوتی ہے

اس نمبر میں چند ایسے ضروری امور کی رعایت نہ کرنے سے حضرت والا کو سخت اذیت ہوتی ہے۔ بطور نمونہ کے مختصراً عرض کر کے عنوان ہذا کو انشاء اللہ تعالیٰ ختم کر دیا جائے گا۔ کاتبین خطوط ان باتوں کا خاص طور سے لحاظ رکھیں۔ وہ امور یہ ہیں۔

جوابی لفافہ کی بجائے ٹکٹ بھیجنا

کاتبین خطوط کو چاہیے کہ جواب کے لیے بجائے ٹکٹ بھیجنے کے لفافہ یا کارڈ بھیجیں جس پر اپنا پورا پتہ اور نام صاف طور پر خود ہی لکھ دیں وراس پر ٹکٹ بھی خود ہی چسپاں کر دیں

اور اگر دستی بنا ہوا لفافہ ہو تو سوائے ایک طرف کے اس کے بقیہ اطراف کو خود ہی چسپاں کردیں بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ اس کھلی ہوئی طرف پر بھی گوند لگا کر اور خشک کر کے چھوڑ دیں تاکہ حضرت والا کو سوائے جواب لکھنے اور خط کو لفافہ کے اندر رکھ کر بند کر دینے اور روانہ کرا دینے کے اور کوئی زحمت نہ کرنی پڑے۔

اگر ایسا نہیں کیا جاتا تو دیکھنے والے روزمرہ دیکھتے ہیں کہ حضرت والا کو سخت اذیت ہوتی ہے اور سخت زحمت اٹھانی پڑتی ہے کیونکہ ٹکٹ رکھنے کی صورت میں بعض اوقات باوجود خطوط کو بحفاظت کھولنے کے ٹکٹ گر جاتے ہیں اور بعض اوقات حضرت والا ٹکٹوں کو چسپاں کرنے کی غرض سے نکال کر رکھتے ہیں تو ہجوم خطوط اور ہجوم مشاغل کی وجہ سے جو دوران تحریر جوابات میں بھی برابر پیش آتے رہتے ہیں ٹکٹوں کے رکھنے کی جگہ یاد سے اتر جاتی ہے۔ بہر صورت ٹکٹوں کو ڈھونڈھنے میں بڑی دقت ہوتی ہے اور بڑا وقت صرف ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بہت دفعہ ایسا ہوا کہ کوئی گرا ہوا ٹکٹ نظر پڑا تو سارے لفافے کھول کھول کر دیکھنے پڑے تاکہ یہ پتہ چلے کہ وہ کس خط کا ٹکٹ ہے اور بعض مرتبہ پتہ نہ چل سکا تو حسب معمول اس کو ایک مہینہ تک امانت رکھ کر پھر بھی پتہ نہ لگنے کی صورت میں بمصارف لقطہ خیرات کر دینا پڑا اور بعض مرتبہ دو خطوط کے جوابی لفافے بلا ٹکٹ ملے تو اس احتمال پر کہ نہ معلوم ان میں سے کون سے لفافہ کا یہ ٹکٹ ہے ایک لفافہ پر تو وہ ملا ہوا ٹکٹ لگایا اور احتیاطاً دوسرے پر بھی اپنے پاس سے ٹکٹ لگایا۔ ٹکٹوں کو لفافہ پر چسپاں کر کے نہ بھیجنے کی صورت میں یہ بھی خرابی ہے کہ بعض اوقات ان پر کافی گوند نہیں ہوتا تو وہ اچھی طرح چپکتے نہیں چنانچہ بہت مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ حضرت والا نے ٹکٹ چسپاں کر دیا لیکن بعد کو وہ خود بخود اکھڑ گیا اور الگ پڑا ہوا پایا گیا اور پھر اس خط کو تلاش کرنے کے لیے پشتارۂ خطوط کو الٹنا پلٹنا پڑا۔ اگر ٹکٹ خود لگا کر نہ بھیجنے میں یہ مصلحت ہو کہ جس طرف سے لفافہ بند کیا جاتا ہے اس طرف لگایا جا سکے تاکہ مضبوطی ہو جائے اور لفافہ راستہ میں کھلنے نہ پائے جیسا کہ بعض نے پوچھنے پر بھی مصلحت لکھی تو اس کی یہ بھی تو صورت ہو سکتی ہے کہ جس پرت کو بند کیا جاتا ہے اس کے کنارہ پر ٹکٹ کے آدھے حصہ کو خود چسپاں کر دیا جائے اور آدھا حصہ یوں ہی چھوڑ دیا جائے۔ اس طرح ٹکٹ بھی گرنے سے محفوظ ہو جائے گا اور وہ مصلحت بھی

پوری ہو جائے گی اور حضرت والا آسانی کے ساتھ لفافہ بند کر سکیں گے۔ اسی ہفتہ کی بات ہے ایک صاحب نے دستی لفافہ بنا کر بھیجا جس کی سب اطراف کھلی ہوئی تھیں اور کسی طرف بھی گوند نہیں لگا ہوا تھا نہ ٹکٹ چسپاں تھا۔ حضرت والا نے تنبیہاً لفافہ کی اطراف کو دستور کھلا ہوا ہی رکھا البتہ خط کو گرنے سے محفوظ کرنے کے لیے سوئی سے ڈورے کا ایک چھوٹا سا ٹانکا لگا دیا۔ غرض حضرت والا کو ان سب کوتاہیوں سے بہت ہی اذیت ہوتی ہے۔

پتہ لکھا ہوا جوابی لفافہ نہ بھیجنا

اسی طرح پتہ لکھا ہوا جوابی لفافہ نہ ہونے کی صورت میں بھی حضرت والا کو سخت زحمت ہوتی ہے کیونکہ حضرت والا کاتب ہی کے ہاتھ کا لکھا ہوا پتہ جواب کے لفافہ پر ہونا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ غلطی ونقل وغیرہ کا کوئی احتمال نہ رہے اور اگر خود کاتب ہی کا لکھا ہوا پتہ غلط یا ناصاف ہو تو خط نہ پہنچنے کا وہ خود ہی ذمہ دار ہوگا۔ حضرت والا کو افسوس اور خجلت نہ ہوگی چنانچہ کچھ عرصہ ہوا ایک خط پتہ کی غلطی کی وجہ سے حضرت والا کے پاس لوٹا تو حضرت والا نے فرمایا کہ دیکھئے اگر میرے ہاتھ کا لکھا ہوا پتہ ہوتا تو مجھ کو کس قدر افسوس ہوتا۔ انہیں مصالح کی بناء پر حضرت والا کا معمول ہے کہ اگر جوابی لفافہ پر پتہ لکھا ہوا نہیں ہوتا تو خط کو اس طرح تہہ فرماتے ہیں کہ خط کے اندر کا وہ مقام جہاں خود کاتب کے ہاتھ کا پتہ لکھا ہوا ہوتا ہے اوپر رہتا ہے پھر اس کو لفافہ کے اندر رکھ کر لفافہ کے اوپر کے حصہ کے کاغذ کو اس طرح کاٹ دیتے ہیں کہ وہ کاتب کا لکھا ہوا پتہ لفافہ کے اندر سے دکھائی دینے لگتا ہے۔ پھر اس پتہ پر لکھے ہوئے مقام کو لفافہ کے کٹے ہوئے حصہ کے کناروں سے بذریعہ گوند چپکا دیتے ہیں تاکہ وہ اپنی جگہ سے ہٹ نہ سکے اور پتہ برابر نمایاں طور پر دکھلائی دیتا رہے یا اگر کافی جگہ نہ ہونے کی وجہ سے یہ احتمال ہوتا ہے کہ گوند اچھی طرح نہ لگے گا اور راستہ میں خط الگ ہو کر گر جائے گا یا یہ احتمال ہوتا ہے کہ گوند کے لگ جانے سے کھولتے وقت خط کا ایسا حصہ پھٹ جائے گا جس پر مضمون ہے تو پھر بجائے گوند لگانے کے ڈورے سے سی دیتے ہیں۔ پھر لفافہ کے اندر رکھ دینے اور چپکا دینے یا سی دینے کے بعد پتہ کے آس پاس جو عبارت زائد ہوتی

ہے اس کو اچھی طرح قلمزد فرما دیتے ہیں تاکہ صرف پتہ ہی پتہ رہ جائے اور ڈاک والے آسانی کے ساتھ اس کو پڑھ لیں۔ اگر کوئی ٹکٹ بھیجتا ہے لفافہ نہیں بھیجتا تو خط کو اس طرح تہہ فرما کر جس طرح مذکور ہوا خط ہی پر ٹکٹ چسپاں کر کے ڈاک میں ڈلوا دیتے ہیں۔

اوپر کے بیان سے ناظرین کرام نے اندازہ فرمالیا ہوگا کہ حضرت والا اپنے اصول کو برتنے میں اس امر کا کس قدر اہتمام رکھتے ہیں کہ نہ ڈاک والوں کو کوئی پریشانی ہو نہ خط کے ضائع ہو جانے کا احتمال رہے نہ خط پانے والے کی کوئی مصلحت فوت ہو حالانکہ وہ بوجہ اپنی کوتاہیوں کے اتنی رعایت کا مستحق بھی نہیں ہوتا۔ اس سارے اہتمام میں حضرت والا کا بہت وقت صرف ہو جاتا ہے اور سخت دقت اٹھانی پڑتی ہے اور گو حضرت والا اپنا ایک منٹ بھی فضول صرف فرمانا اور خواہ مخواہ دقت اٹھانا ہرگز گوارا نہیں فرماتے لیکن چونکہ یہاں اس کی ضرورت اور مصلحت ہوتی ہے اس لیے باوجود بہت تعب ہونے کے نہایت سکون کے ساتھ یہ سب کارروائی کرتے رہتے ہیں حالانکہ اس کو دیکھ دیکھ کر پاس بیٹھنے والوں کو بھی سخت خلجان ہوتا ہے لیکن چونکہ حضرت والا کی طبع مبارک بفضلہ تعالیٰ فطری طور پر نہایت با اصول ہے اس لیے جہاں واقعی ضرورت ہوتی ہے وہاں تو سخت سے سخت تعب بھی موجب پریشانی نہیں ہوتا اور جہاں ضرورت نہ ہو وہاں ذرا سا تعب بھی برداشت نہیں فرما سکتے۔

خلاف ورزی کرنے والوں کو عملی تنبیہ

اسی ہفتہ کی بات ہے ایک لفافہ کو اسی طرح کاٹ چھانٹ رہے تھے اتفاق سے جناب مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند بھی تشریف فرما تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس میں تو خود پتہ لکھ دینے سے بھی کہیں زیادہ وقت صرف ہو جاتا ہے فرمایا کہ بلا سے کیونکہ مصلحت ہے اور میں اس لیے بھی ایسا کرتا ہوں کہ خط بھیجنے والے صاحب کو یہ تو معلوم ہو جائے کہ ان کی اس حرکت سے مجھے کتنی تکلیف پہنچی اور آئندہ ایسی حرکت نہ کریں اور ہمیشہ کے لیے عملی تنبیہ ہو جائے۔ اھ

اس عملی تنبیہ کے علاوہ حضرت والا لفافہ پر بالتصریح بھی تحریر فرما دیتے ہیں کہ اگر پتہ لکھا ہوا لفافہ بھیج دیتے تو مجھ کو یہ تکلیف نہ ہوتی۔ بعض کو زجراً بلا جواب ہی خط واپس

فرمادیتے ہیں اور تحریر فرمادیتے ہیں کہ جتنا وقت جواب لکھنے میں صرف ہوتا ہے وہ پتہ کو لفافہ پر لانے اور تنبیہی عبارت کے لکھنے ہی میں صرف ہوگیا اب دوسرے خطوط کے جواب لکھنے ہیں اس لیے خط بلا جواب واپس ہے۔ اھ

غرض اس طرح کاتب کو عمر بھر کے لیے سبق ہو جاتا ہے اور پھر کبھی اس سے ایسی اذیت دہ حرکت سرزد نہیں ہوتی۔

لفافہ کا تنگ ہونا

بعض کاتبین لفافہ کو اس طرح چسپاں کرتے ہیں کہ کھولتے وقت بڑی دشواری ہوتی ہے اور بعض اوقات اندر کا خط پھٹ جاتا ہے۔ اسی طرح بعض کاتبین لفافہ اتنا تنگ بناتے ہیں یا خط کی تہہ اتنی بڑی بنا کر رکھتے ہیں کہ اوپر کا لفافہ کھولنے کے لیے کوئی جگہ ہی نہیں رہتی ایسی صورت میں بھی دقت کے علاوہ بعض اوقات خط ہی پھٹ جاتا ہے۔

ٹکٹ کا مشکوک ہونا

کاتبین کو یہ بھی چاہیے کہ جواب کے لیے جو ٹکٹ بھیجیں وہ بالکل صاف ہو میلا یا داغدار یا چھلا ہوا یا اور کسی طرح سے مشکوک حالت میں نہ ہو کیونکہ حضرت والا ایسے ٹکٹ لگاتے ہی نہیں تا کہ خدانخواستہ کوئی قصہ نہ کھڑا ہو جائے جیسا کہ بہت سے لوگوں پر ایسی صورتوں میں ڈاکخانہ کی طرف سے فوجداری کے مقدمات قائم کر دیئے گئے ہیں۔ چونکہ حضرت والا بلا ضرورت شرعیہ خلاف احتیاط کام کرنا جس میں اپنی آبرو کا یا اور کسی قسم کے ضرر کا اندیشہ ہو خلاف مصلحت بلکہ خلاف شریعت سمجھتے ہیں اس لیے مشکوک ٹکٹ ہرگز نہیں لگاتے۔ بلکہ جن مستعمل ٹکٹوں پر مہر کا نشان بہت کم یا بالکل نہیں ہوتا ان کو فوراً چاک فرمادیتے ہیں تا کہ کوئی ردی میں سے بھی نکال کر مکرر استعمال نہ کر سکے۔

رنگین روشنائی سے لکھا ہوا خط

حضرت والا رنگین روشنائی سے لکھے ہوئے خطوط کو بھی پسند نہیں فرماتے کیونکہ گو بعض اقوال پر گنجائش ہے لیکن پڑیہ کے رنگ میں اسپرٹ کے شبہ ہونے کی وجہ سے حضرت والا

اس سے احتیاط ہی فرماتے ہیں۔

بعض اوقات دیکھا گیا کہ اچکن کی جیب میں کوئی رنگین روشنائی سے لکھا ہوا خط رکھ لیا پھر نماز کے اندر یاد آیا تو نماز کی حالت ہی میں اس کو جیب سے نکال کر پھینک دیا لیکن بوجہ اختلاف گنجائش ہونے کے نماز کو دہرایا نہیں۔ اسی طرح بعض اوقات اس پر تر ہاتھ بھی لگ جاتا ہے جس سے دھونا پڑتا ہے اور بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ دھونے سے بھی پورے طور پر نہیں چھوٹا اور کپڑوں پر لگ گیا تو کپڑے بھی خراب ہوئے۔ غرض چونکہ حضرت والا کو رنگین روشنائی کے لکھے ہوئے خطوط سے تکلیفیں پہنچتی ہیں اس لیے طالبین اس کی بھی حتی الامکان احتیاط رکھیں تو بہتر ہے۔

دھندلی روشنائی

اگر کسی وقت اور سیاہی نہ ہو تو پنسل ہی سے لکھ دیں لیکن ذرا ہاتھ دبا کر تا کہ تحریر دھندلی نہ ہو جو پڑھنے ہی میں نہ آئے یا پڑھنے میں دقت ہو ویسے بھی اس کا بہت خیال رکھیں کہ جو کچھ لکھیں بہت صاف حروف میں۔ روشن سیاہی سے لکھیں تا کہ خط آسانی سے پڑھا جا سکے اور عبارت بھی بہت واضح لکھیں کہ مطلب فوراً سمجھ میں آتا چلا جائے جو خطوط پڑھے نہیں جاتے با آسانی سے سمجھ میں نہیں آتے ان کا بہت غور کر کے مطالعہ کرنے یا مطلب سمجھنے میں حضرت والا اپنا وقت صرف نہیں فرماتے کیونکہ اتنا وقت ہی نہیں ملتا اور تنبیہ لکھ کر بلا جواب واپس فرما دیتے ہیں ورنہ اور سب کام پڑے رہ جائیں۔

بعض ایسے ہی خطوط کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ حروف باریک روشنائی تاریک خط پڑھنے میں بہت تکلف ہوتا ہے اس لیے بلا جواب واپس ہے اسی طرح بہت لمبے خطوط کو یہ لکھ کر واپس فرما دیتے ہیں کہ نصف صفحہ یا دس بارہ سطروں سے زیادہ کا مضمون ایک خط میں نہ ہونا چاہیے کیونکہ میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔

دنیاوی امور کے بارے میں مشورہ

حضرت والا سے دنیوی امور کے متعلق کوئی مشورہ دریافت نہ کرنا چاہیے نہ کوئی اور استدعا کرنی چاہیے۔ کیونکہ حضرت والا کو نہ ایسے امور سے دلچسپی نہ ایسے امور کا تجربہ چنانچہ

اسی بناء پر حضرت والا عموماً اس سے عذر فرما دیتے ہیں اور اگر مواقع خصوصیت میں کوئی مشورہ دیتے بھی ہیں تو اکثر اس عنوان سے کہ اگر آپ کی جگہ میں ہوتا تو یہ کرتا۔

حضرت والا مشورہ دینے سے اس لیے بھی گریز فرماتے ہیں کہ آج کل لوگ عموماً مشورہ کی حقیقت ہی نہیں سمجھتے اور اس کے مضر ہونے پر یا مفید نہ ہونے پر خود مشیر کو ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ مشورہ تو محض دوسرے کی اعانت کے لیے ہوا کرتا ہے کہ رائے قائم کرنے میں اس کو سہولت ہو۔ اھ

اور حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ آج کل مشورہ دینے میں اکثر یہ بھی خرابی ہے کہ معتقدین بوجہ غلو فی الاعتقاد کے مشورہ کے متعلق یہ غلط عقیدہ رکھتے ہیں کہ شیخ کے قلب میں مضر یا غلط بات آ ہی نہیں سکتی اور اس میں یقینی خیر سمجھتے ہیں اور اس کے خلاف کرنے میں یقینی ضرر سمجھتے ہیں یہ سب غلو فی الاعتقاد ہے جس کی اصلاح ضروری ہے۔

تعویذ گنڈے

اسی طرح حضرت والا تعویذ گنڈوں کے شغل کو بہت ہی ناپسند فرماتے ہیں کیونکہ اول تو اس میں عوام کا اور دنیاداروں کا بہت ہجوم ہو جاتا ہے جس سے دینی ضرر اور تضیع اوقات کا قوی اندیشہ ہے دوسرے اس کے متعلق لوگوں نے عقیدہ میں بھی بہت غلو کر رکھا ہے اور اس کو اس کے درجہ سے بھی آگے بڑھا رکھا ہے۔ چنانچہ اس کے برابر نہ دعا کو موثر سمجھتے ہیں نہ ان تدابیر کو جو ایسے مقاصد کے لیے موضوع ہیں اور اگر اثر ہو جائے تو اس کو بزرگی کی علامت سمجھتے ہیں۔

حضرت والا اس کے متعلق ہمیشہ تقریراً و تحریراً علماً و عملاً اصلاح عقیدہ فرماتے رہتے ہیں اور عملیات کے اثر کو زیادہ تر قوت خیالیہ کا ثمرہ قرار دیا کرتے ہیں جس کی تحقیق میں بعض بہت مبسوط تقریرات قلمبند بھی ہو چکی ہیں چنانچہ حسن العزیز جلد اول کے ایک بڑے ملفوظ نمبر ۱۲۵ میں مسمریزم اور قوت خیالیہ کے حیرت انگیز کرشمے بیان فرمائے گئے ہیں۔ جو قابل ملاحظہ ہیں۔

غرض حضرت والا تعویذ گنڈوں کے مشغلہ کو بہت ناپسند فرماتے ہیں لیکن چونکہ حضرت حاجی صاحبؒ نے ارشاد فرمادیا تھا کہ اگر لوگ تعویذ مانگنے آئیں تو جو کچھ اس وقت سمجھ میں آیا کرے لکھ کر دے دیا کرنا۔ اس لیے حضرت والا امتثالاً للامر معمولی شکایات دردسر بخار نظر

وغیرہ کے تعویذ اسی طرح مرحمت فرمادیا کرتے ہیں کہ نہ عاملوں کی قیود کا لحاظ فرماتے ہیں نہ ان کے خاص عملیات کی کوئی پابندی فرماتے ہیں بلکہ اکثر تو کوئی مناسب حال آیت یا حدیث یا دعا لکھ کر دے دیتے ہیں جو عین وقت پر خیال میں آجاتی ہے اور اسی سے اللہ تعالیٰ اکثر مواقع پر مقصد برآری بھی فرمادیتے ہیں چنانچہ حال ہی میں بندہ زادہ نے دکان کھولی تو حضرت والا سے برکت کے لیے تعویذ منگوایا اور دعا بھی کرائی جس کی برکت سے بفضلہ تعالیٰ باوجود بالکل نئی دکان ہونے کے توقع سے کہیں زیادہ مال فروخت ہونے لگا۔ فالحمدللہ۔

لوگوں کے غلو کی اصلاح

بندہ زادہ ہی کے عرض کرنے پر وسعت رزق کے لیے حضرت والا نے پانچوں نمازوں کے بعد یا باسط ۷۲ بار پڑھنے کو بتادیا۔ کچھ عرصہ بعد اس نے پھر کوئی اور وظیفہ پوچھا تو تحریر فرمایا کہ دواؤں میں تو یہ بات ہوتی ہے کہ اگر ایک دوا نافع نہ ہو تو دوسری دوا نافع ہوجاتی ہے لیکن دعاؤں میں یہ تفصیل نہیں۔ وہی پہلی دعا کافی ہے اسی کو معمول رکھا جائے جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا قبول فرمالیں گے۔ اھ

ایک صاحب نے اپنی تشویشات بیان کرکے کچھ پڑھنے کو پوچھا تو فرمایا کہ تشویشات کا علاج پڑھنا نہیں بلکہ تدابیر ہیں۔ انہوں نے پوچھ کوئی تدبیر ہی بتادیجئے۔ فرمایا کہ ہر تشویش کی جدا تدبیر ہے جب کوئی خاص تشویش پیش آئے اس کے متعلق دریافت کیا جائے۔ اھ

اس واقعہ کو نقل فرماکر فرمایا کہ لوگ ان غلطیوں میں مبتلا ہیں حالانکہ وہ پڑھے لکھے سمجھدار آدمی ہیں۔ اھ۔ غرض حضرت والا تعویذات اور عملیات کے متعلق بھی جو لوگوں نے غلو کر رکھا ہے اس کی بھی بحیثیت مجدد ملت اور مصلح امت ہونے کے اصلاح فرماتے رہتے ہیں۔ حضرت والا آسیب سحر وغیرہ یا بڑے بڑے امراض کے تعویذات سے عموماً یہ فرماکر انکار کردیتے ہیں کہ میں عامل نہیں ہوں مگر از راہ شفقت یہ بھی فرمادیتے ہیں کہ اگر کسی عامل کا مجھ سے پتہ پوچھ جائے تو بتادوں گا چنانچہ اگر وہ پوچھتا ہے تو بتا بھی دیتے ہیں تاہم اگر کوئی باوجود انکار کے اور اپنے عامل نہ ہونے کو ظاہر کردینے کے اصرار کرتا ہے تو اس شرط پر تعویذ عطا فرمادیتے ہیں کہ اگر اثر نہ ہو تو مکرر مجھ سے درخواست نہ کی جائے کیونکہ میں عامل

نہیں ہوں کہ اگر ایک تعویذ سے نفع نہ ہوا تو دوسرا لکھ دوں۔ اھ

غیر مباح کاموں کے تعویذ

چونکہ حضرت والا کو تعویذ گنڈوں کے شغل سے بوجہ مذکورہ بالا بالکل دلچسپی نہیں اس لیے فرمایا کرتے ہیں مجھے دو صفحہ کا مضمون لکھنا اتنا گراں نہیں ہوتا جتنا دو سطر کا تعویذ لکھنا گراں ہوتا ہے۔ نیز حضرت والا غیر مباح کام کے لیے ہرگز تعویذ نہیں دیتے بلکہ جہاں احتمال بھی کسی مفسدہ کا ہوتا ہے وہاں بھی انکار فرما دیتے ہیں چنانچہ ایک بار کسی نے کسی عورت کو اپنے ساتھ نکاح پر راضی ہو جانے کے لیے تعویذ لیا اس کے بعد وہ عورت کچھ متوجہ ہوئی تو تعویذ لینے والا بلا نکاح بدکاری میں مبتلا ہو گیا جس کی خود اسی نے آ کر حضرت والا کو اطلاع کی اور کہا کہ اب اس تعویذ میں اثر نہ رہا ہوگا۔ دوسرا تعویذ دے دیجئے۔ بس اس واقعہ کے بعد سے حضرت والا نے اس قسم کے تعویذ ہی لکھنے موقوف فرما دیئے۔

اسی طرح ایک صاحب نے تفریق کا تعویذ مانگا اور لکھا کہ ایک نوجوان فاروقی النسل اپنے تمام رشتہ داروں کی مرضی اور دستور خاندان کے خلاف تیموری نسل کی ایک ایسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے جس کے تمام رشتہ دار بجز اس کی والدہ کے اس پیوند سے ناراض ہیں۔ اس کا حضرت والا نے یہ جواب تحریر فرمایا کہ اتنا تامل ہے کہ تفریق وہاں جائز ہے جہاں اتفاق حرام ہو کیا کسی عورت سے نکاح کرنا حرام ہے جو تنافر کی تدبیر کی جائے اگر اس جزو میں مجھ کو مطمئن کر دیا جائے تو تعویذ لکھ دوں گا۔ اھ

ایک سے زیادہ تعویذ

حضرت والا بوجہ قلت فرصت نیز درخواستوں کی کثرت کو روکنے کے لیے ایک خط میں ایک سے زیادہ تعویذ نہیں بھیجتے نہ زبانی درخواست پر ایک بار میں ایک سے زیادہ تعویذ دیتے ہیں اور زبانی درخواست پر جمعہ کے دن بالکل تعویذ دیتے ہی نہیں کیونکہ اس روز اطراف و جوانب سے بہت لوگ نماز پڑھنے آتے ہیں اگر جمعہ کے روز بھی یہ سلسلہ جاری رکھا جائے تو یہ سوچ کر آئے تو ہیں ہی لاؤ تعویذ بھی لیتے چلو بہت کثرت سے لوگ بضرورت و بدضرورت تعویذ مانگیں اب تو

وہی شخص اس غرض کے لیے خاص طور سے آتا ہے جس کو واقعی ضرورت ہوتی ہے۔ اھ

غرض حضرت والا کا ہر معمول نہایت اصول صحیحہ کے مطابق ہے اور ضرورت و مصلحت پر مبنی ہے اور بہت تجربوں کے بعد مقرر کیا گیا ہے اور سب معمولات کا حاصل وہی ہے جو پہلے بھی کسی موقع پر عرض کیا گیا ہے کہ نہ خود حضرت والا کو کلفت ہو نہ دوسروں کی ضرورت واقعیہ اٹکی رہے۔

تعویذ مانگنے والوں کی بے اصولیاں

زبانی تعویذ مانگنے میں لوگ اس قدر بے اصول اور ناتمام طریق سے درخواست کرتے ہیں کہ حضرت والا کو سخت اذیت ہوتی ہے۔ اکثر یا تو صرف یہ کہتے ہیں کہ تعویذ دے دیجئے اور جس بات کا تعویذ چاہیے اس کا نام نہیں لیتے یا صرف حال کہہ دیتے ہیں اور یہ درخواست نہیں کرتے کہ تعویذ چاہتے ہیں یا محض دعا یا مشورہ اور بعض لوگ صرف حالات تو کہہ دیتے ہیں لیکن ان کا سبب خود متعین نہیں کرتے کہ ان کے خیال میں یہ حالات کسی مرض سے ناشی ہیں یا آسیب سے یا نظر بد وغیرہ سے اور ان امور میں سے کس چیز کا تعویذ لکھانا چاہتے ہیں۔ ایسی صورت میں حضرت والا فرما دیتے ہیں کہ حالات سن کر تشخیص سبب کرنا میرا کام نہیں کیونکہ یہ تو طبیب کا منصب ہے طبیب تو حالات سن کر سبب کی تشخیص کر لیتا ہے مگر میں تو طبیب نہیں۔ میں ان حالات سے کیا سمجھوں کہ کیا سبب ہے اور کس چیز کا تعویذ لکھ دوں۔ بجائے مفصل حالات کہنے کے مجھ سے تو بس صرف یہ ایک مختصر سی بات کہہ دوں کہ فلاں چیز کا تعویذ چاہیے۔ اھ

غرض اکثر لوگ ادھوری ہی بات کہتے ہیں اور جیسی کہ عام بیہودہ اور بے اصول رسم ہوگئی ہے ہر شخص ادھوری بات کہہ کر اس کا منتظر رہتا ہے کہ مخاطب خود ہی سوال کر کر کے بات کو پورا کرائے جو کسی قاعدہ سے بھی اس کے ذمہ نہیں۔

چونکہ حضرت والا خود اس امر کا انتہا درجہ کا لحاظ رکھتے ہیں کہ کسی پر ایسا بار نہ ڈالا جائے جو اس کے ذمہ نہ ہو۔ اس لیے خود بھی کسی کا بے جا طور پر ڈالا ہوا بار اٹھانا حضرت والا کا معمول نہیں۔ لہٰذا مذکورہ بالا صورتوں میں جب تک وہ خود پوری بات واضح طور پر نہیں کہتا اور بااصول درخواست نہیں کرتا تعویذ مرحمت نہیں فرماتے اور فرما دیتے ہیں کہ ریل کا ٹکٹ یا سودا لیتے وقت یا کسی حاکم سے درخواست کرتے وقت بھی کبھی ادھوری بات کہہ سکتے ہو پھر

اس کا سبب سوائے بے فکری اور دل میں ملانوں کی وقعت نہ ہونے کے اور کیا ہے۔ اھ

ادھوری بات کہنے والوں کو تنبیہ

غرض ایسے لوگوں سے فرما دیتے ہیں کہ جب پوری بات کہو گے تب تعویذ ملے گا۔ اگر کوئی شخص اس تنبیہ سے سمجھ جاتا ہے اور پوری بات کہہ دیتا ہے تب بھی اکثر فوراً اس کی درخواست نہیں قبول فرماتے بلکہ فرما دیتے ہیں کہ اب تو آدھ گھنٹہ بعد آ کر پرسلیقہ سے درخواست کرو گے تب تعویذ ملے گا اس وقت تو تم نے تکلیف دے کر قلب کو مکدر کر دیا ہے۔ ایسی صورت میں اگر تعویذ لکھوں گا بھی تو بوجہ انشراح قلب نہ ہونے کے اس میں اثر نہ ہوگا۔ اور اس میں یہ بھی بڑی مصلحت ہے کہ عملی تنبیہ ہو جانے کے بعد پھر بھی عمر بھر کسی کے ساتھ ایسا اذیت دہ معاملہ نہ کرو گے۔ اھ

اگر وہ حضرت والا کے اس فرمانے سے کہ کیا یہ پوری بات ہو گئی نہیں سمجھتا کہ کیا کمی رہ گئی ہے اور کیا کوتاہی ہوئی ہے تو اس سے فرما دیتے ہیں کہ باہر جا کر کسی سے پوری بات کہنے کا اور درخواست کرنے کا سلیقہ سیکھ کر آؤ۔ پھر جب وہ کسی سے سلیقہ سیکھ کر آتا ہے اور پوری بات کہتا ہے تو اس سے بھی یہی ارشاد ہوتا ہے کہ اب تو جب آدھ گھنٹہ کے بعد آ کر پوری بات کہو گے تب تعویذ ملے گا۔ چنانچہ جب وہ دوبارہ آ کر پوری بات کہہ دیتا ہے تو حضرت والا فوراً تعویذ مرحمت فرما دیتے ہیں۔

حضرت والا کی اس عملی تنبیہ سے یہی غرض ہوتی ہے کہ آئندہ کے لیے اچھی طرح سبق ہو جائے۔ جو بہت تنگ کرتا ہے اور باوجود سمجھا دینے کے بھی بار بار کوتاہی کرتا ہے اسکو ہدایت فرما دیتے ہیں کہ لکھوا کر پیش کرے اور اگر لکھوا کر پیش کرنے میں بھی کوئی اذیت دہ حرکت کرتا ہے تو پھر فرما دیتے ہیں کہ بذریعہ ڈاک کے منگواؤ۔

غرض یہ ہرگز گوارا نہیں ہے کہ کسی کا کام نہ ہو لہذا کام لینے کے پورے اصول اور قواعد بتا دیئے جاتے ہیں لیکن اگر کوئی خود ہی ان طریقوں سے کام نہ لے تو کام نہ ہونے کا وہ خود ہی ذمہ دار ہے نہ کہ حضرت والا۔

حزب البحر وغیرہ کی اجازت مانگنے والوں کو جواب

اگر کوئی طالب حضرت والا سے حزب البحر یا دلائل الخیرات یا بزرگوں کے اسی قسم کے

دوسرے اوراد واحزاب کی اجازت طلب کرتا ہے تو اول یہ سوال فرماتے ہیں کہ اس طلب اجازت کی غرض کیا ہے اگر جواب ملتا ہے کہ دنیوی حاجات کے لیے بطور عمل کے معمول بنانا ہے تو تحریر فرما دیتے ہیں کہ میں عامل نہیں ہوں۔ اور بعض نے اپنی یہ نیت ظاہر کر کے اجازت حاصل کرنی چاہیے کہ اس سے ہمارا مقصود قرب و رضاء حق حاصل کرنا ہے تو ان کی اس ہوشیاری کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ کیا ان دعاؤں سے پہلے قرب حق حاصل ہونے کا کوئی طریقہ نہیں تھا اگر نہیں تھا تو جن بزرگوں سے یہ دعائیں منقول ہیں ان کو قرب حق کس طریق سے حاصل ہوا جو وہ اس قابل ہوئے کہ ان پر یہ دعائیں الہام فرمائی گئیں لہذا ظاہر ہے کہ تھا تو بس تم بھی وہی طریقہ کیوں نہ اختیار کرو تا کہ تم بھی ویسے ہی ہو جاؤ۔ اھ

اس پر وہ ساکت ہو جاتے ہیں اور ان کے غلو فی الاعتقاد کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ بعضوں کو جن کا معمول دلائل الخیرات کی منزلیں تھیں یہ تجویز فرمایا کہ ایک منزل پڑھ کر یہ دیکھا جائے کہ اس میں کتنا وقت صرف ہوتا ہے بس روزانہ اتنی ہی دیر کوئی ماثور درود شریف پڑھنا زیادہ افضل ہے۔ اھ

بے رنگ خط

حضرت والا باستثناء مواقع خصوصیت باوجود اجازت کے بے رنگ خطوط نہیں بھیجتے کیونکہ مکتوب الیہ کا پتہ نہ لگنے کی صورت میں احتمال ہے کہ وہ حضرت والا ہی کے پاس لوٹ کر آ جائے اور خواہ مخواہ حضرت والا کو محصول برداشت کرنا پڑے جیسا کہ بعض اوقات مکتوب الیہ کی بدانتظامی سے واقع بھی ہو چکا ہے۔

خط کے کاغذ پر جگہ نہ چھوڑنا

ایک صاحب نے ایک بہت ہی چھوٹا سا پرچہ لکھ کر بھیج دیا حضرت والا نے حاضرین سے فرمایا کہ یہ تو مختصر نویسی میں مجھ سے بھی بڑھ گئے اور پھر یہ جواب تحریر فرمایا کہ جواب لکھنے کے لیے جگہ ہی نہیں اس لیے جواب نہیں دیا جاتا۔ اھ۔ اس سے حضرت والا کا مقصود ان کو متنبہ کرنا تھا کہ جس سے کام لیا جائے اس کا ادب یہ ہے کہ یا تو جواب کے لیے ایک پرچہ رکھا جائے یا خط میں کافی جگہ چھوڑ دی جائے۔

جوابی رجسٹری

اگر کوئی جوابی رجسٹری بھیجتا ہے تو اس کے متعلق حضرت والا کا یہ معمول ہے کہ اگر قرائن سے معلوم ہوا کہ کوئی جھگڑے کا معاملہ ہے اور بھیجنے والا اس لیے رسید طلب کرتا ہے کہ مرسل الیہ خط پانے سے انکار نہ کر سکے تو واپس فرما دیتے ہیں اور جہاں اس قسم کا شبہ نہیں ہوتا وہاں وصول فرما لیتے ہیں لیکن جوابی رجسٹری بھیجنے کو پسند نہیں فرماتے اور فرمایا کرتے ہیں کہ رسید تو وہاں طلب کی جاتی ہے جہاں یہ احتمال ہو کہ مرسل الیہ خط پانے سے انکار کردے گا جس کا حاصل یہ ہوا کہ مرسل کو مرسل الیہ کے کاذب ہونے کا احتمال ہے اور کسی مسلمان پر بلا دلیل شرعی کاذب ہونے کا اہتمام ظاہر ہے کہ معصیت ہے نیز اس سے مرسل کا مقصود بھی تو حاصل نہیں ہوتا کیونکہ اس کا مقصود تو یہ ہے کہ مرسل الیہ اس کے خاص مضمون کے پہنچنے کا انکار نہ کر سکے لیکن رسید صرف اس بات کو ظاہر کرے گی کہ کوئی خط پہنچا۔ مگر اس کو ظاہر نہیں کر سکتی کہ کس مضمون کا خط پہنچا۔ لہٰذا ہر حال میں رسید طلب کرنا ایک فضول حرکت ہے رہی حفاظت وہ غیر جوابی رجسٹری سے بھی ہو سکتی ہے۔ اھ

دیر سے خط بھیجنے پر معذرت کرنے والوں کو جواب

اگر کوئی طالب اپنے عریضہ میں اس کی معافی طلب کرتا ہے کہ بہت دن سے حضرت والا کی خدمت میں عریضہ نہیں لکھا تو اس کو آئندہ اس سے بے فکر کرنے کے لیے تحریر فرما دیتے ہیں کہ میں کسی کے خط کا منتظر نہیں رہا کرتا معافی چاہنے کی ضرورت نہیں اطمینان رکھو۔ اھ

حضرت والا ایسے موقع پر حاضرین سے یہ بھی فرما دیا کرتے ہیں کہ اگر کوئی خط نہ لکھے گا تو میرا کیا نقصان کرے گا خود اپنا نقصان کرے گا۔ مجھ سے معافی مانگنے کی کیا ضرورت ہے۔ اھ۔ جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ واقعی یہ معافی چاہنا بالکل بے اصول ہے کیونکہ اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ حضرت والا کو طالبین کے خطوط کا انتظار رہتا ہے حالانکہ وہ اپنی ہی مصلحت سے خطوط بھیجتے ہیں حضرت والا کو انتظار کی کیا ضرورت پڑی ہے۔

مبہم منی آرڈر

مگر منی آرڈر کے کوپن میں کوئی مضمون نہیں ہوتا یا مبہم مضمون ہوتا ہے جس سے بھیجی

22 ہوئی رقم کا مصرف یا اور کوئی ضروری جز و صاف طور پر واضح نہیں ہوتا تو حضرت والا اس کو واپس فرما دیتے ہیں اور اس پر سبب واپسی بھی تحریر فرما دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوپن میں یہ بھی لکھا ہوا ہوتا ہے کہ اس رقم کے متعلق جداگانہ عریضہ بھیجا جا رہا ہے تب بھی واپس فرما دیتے ہیں کیونکہ اگر خط کے انتظار میں رقم وصول کر لی گئی اور پھر خط کے مضمون کو پڑھ کر وہ رقم قابل واپسی سمجھی گئی تو پھر علاوہ امانت رکھنے کی ذمہ داری کے واپسی میں بڑی دقت اور مزید صرف ہے پہلے حضرت والا رقم وصول فرما کر خط کا انتظار فرمایا کرتے تھے لیکن جب اس میں گوناگوں خلجانات پیش آئے تب واپسی کا معمول مقرر فرما لیا۔

بیمہ یا رجسٹری کے ذریعہ آنے والی رقوم

اسی طرح اگر کوئی بذریعہ بیمہ یا رجسٹری کے رقم بھیجتا ہے تو بجز مواقع اطمینان کے اس کو بھی واپس فرما دیا جاتا ہے کیونکہ اس میں بھی وہی سب دقتیں ہیں جو ابھی مذکور ہوئیں۔ چنانچہ کچھ عرصہ ہوا ایک بڑی رقم جو میری یاد میں تقریباً پانچ سو روپیہ کی تھی بذریعہ بیمہ آئی تو اس کو حسب معمول واپس فرما دیا پھر جب انہوں نے جداگانہ عریضہ میں تفصیلات ضروریہ لکھ کر پھر بھیجنے کی اجازت مانگی تو چونکہ وہ کسی ترکہ کی رقم تھی اور مصارف خیر میں صرف کرنے کے متعلق بعض ورثہ کی اجازت نہیں حاصل کی گئی تھی اس لیے حضرت والا نے بھیجنے سے ممانعت فرما دی اور جب بعد کو انہوں نے سب ورثہ کی رضامندی حاصل کر کے اجازت طلب کی تب اجازت مرحمت فرمائی۔ اگر اول ہی بار بیمہ وصول کر لیا جاتا تو بڑی دقت ہوتی اور سخت خلجان پیدا ہو جاتا۔ اس قسم کے اکثر واقعات ہوتے رہتے ہیں اور ایسے مواقع پر ہمیشہ حضرت والا حاضرین کو متوجہ فرما کر فرمایا کرتے ہیں کہ دیکھئے لوگ مجھے وہمی سمجھتے ہیں اگر میں وہمی ہوں تو پھر میرے وہم اکثر صحیح کیوں نکلتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ میں نے اپنے اکثر معمولات بہت سے تجربوں کے بعد مقرر کیے ہیں اگر اوروں کو ایسے تجربے ہوں تو وہ مجھ سے بھی زیادہ وہمی ہو جائیں۔

اسی طرح ایسے مواقع پر جہاں حضرت والا کی تشخیص و تجویز اور احتمالات صحیح ثابت ہوتے ہیں جیسا کہ اکثر ہوتا رہتا ہے۔ یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ اگر کسی طبیب کو اللہ تعالیٰ نبض کی پہچان عطا فرما دے اور وہ نبض دیکھ دیکھ کر لوگوں کے باریک باریک امراض بھی

پہچان لیا کرے تو کیا اس کو بھی وہی کہیں گے۔ اھ

حضرت والا اکثر بڑے بڑے بیموں اور منی آرڈروں کو خلاف اصول ہونے کی بناء پر واپس فرماتے رہتے ہیں اور جب وہی واپس کردہ رقوم اصول کے مطابق مکرر موصول ہوتی ہیں۔ جیسا کہ اکثر ہوتا ہے تو اس وقت حضرت والا حاضرین سے یہ بھی فرمادیا کرتے ہیں کہ دیکھئے جو آنے والی چیز ہوتی ہے وہ آتی ہی ہے چاہے اس کو لاکھ واپس کیا جائے پھر کیوں نیت خراب کی جائے اور خلاف اصول کا ارتکاب کیا جائے۔ اھ

ایک بیمار کی بھیجی ہوئی رقم کا واقعہ

رقوم مرسلہ کے متعلق حضرت والا کی احتیاط کے بعض اور واقعات بھی بمناسبت مقام نیز اس خیال سے بھی عرض کئے جاتے ہیں کہ سبق آموز ہوں کیونکہ گو اس قسم کی احتیاط صریح طور پر واجب ہے اور جن جزئیات فقہیہ پر حضرت والا کا عمل ہے وہ سب کے نزدیک واجب العمل ہیں کسی کو مجال انکار نہیں لیکن ان کی طرف آج کل عام طور سے ذہن ہی نہیں جاتا۔ حضرت والا کی خدمت میں حال ہی میں ایک صاحب نے کسی مصرف خیر کے لیے ایک معتد بہ رقم بھیجی اور لکھا کہ میں بہت بیمار ہوں یہاں تک کہ صحت سے مایوسی ہے۔

چونکہ حضرت والا کو تحفظ حقوق کا غایت درجہ اہتمام ہے اور معاملات میں ہمیشہ احکام شرعیہ اور جزئیات فقہیہ غامضہ دقیقہ کو پیش نظر رکھتے ہیں لہذا بوجہ اس کے کہ ان کے خط میں کوئی لفظ وصیت کا نہ تھا حضرت والا نے ان کو شرعی وصیت کا ایک مضمون لکھ کر بھیج دیا کہ وہ اس پر اپنے دستخط کر کے واپس بھیج دیں تاکہ وصیت شرعاً بھی صحیح ہو جائے اور خیال تھا کہ اگر وصیت نامہ دستخط ہو کر آ گیا تو فبہا ورنہ وہ رقم واپس کردی جائے گی لیکن چونکہ ان صاحب نے وہ رقم بہ نیت وصیت ہی بھیجی تھی اس لیے انہوں نے بلا تامل وہ مضمون اپنے دستخط کر کے حضرت والا کی خدمت میں بھیج دیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت والا اس رقم کو واپس فرمادیتے بلکہ اگر حضرت والا کو یہ معلوم نہ ہوتا کہ وہ رقم ان صاحب کے ترکہ کے ثلث سے بہت کم ہے جس کی وصیت بحالت یاس بھی جائز ہے اس کو فوراً ہی واپس فرمادیتے۔

ایک مخلص خادم و مجاز کی وصیت کی رقم کا واقعہ

چنانچہ جناب حاجی محمد یوسف صاحب رنگونی رحمۃ اللہ علیہ کا جو حضرت والا کے ایک

نہایت مخلص اور متمول خادم مجاز تھے انتقال ہوا تو ان کے بالغ ورثہ نے ایک کثیر رقم بھیجی جس کی مرحوم نے حضرت والا کے نام بذریعہ تحریر وصیت فرمادی تھی لیکن حضرت والا نے تحریر فرمادیا کہ چونکہ مرحوم کے بعض ورثہ نابالغ ہیں اس لیے اگر یہ وصیت کسی شرعی حجت سے ثابت ہو تب تو وہ نابالغ ورثہ کے مقابلہ میں شرعاً نافذ ہوسکتی ہے ورنہ نہیں لہٰذا وہاں کے علماء کے سامنے شرعی حجت پیش کر کے اور ان پر یہ بھی ظاہر کر کے وہ وصیت نامہ کس کس کے سامنے لکھا گیا یا حاجی صاحب نے کس کس کے سامنے تحریر کرنے کا اقرار کیا اور کس کس کے پاس اور کہاں کہاں رہا ان سے باقاعدہ فتویٰ حاصل کیا جائے اور پھر وہ فتویٰ میرے پاس بھیجا جائے۔ اگر میرے نزدیک بھی وہ حجت شرعاً کافی ہوگی تو وصیت کردہ رقم بخوشی قبول کرلوں گا ورنہ عذر کردوں گا۔ چنانچہ وہاں سے باقاعدہ فتویٰ مکمل حجت شرعیہ کے ساتھ آ گیا جس پر حضرت والا کو بھی پورا اطمینان ہوگیا اور پھر وہ رقم بخوشی قبول فرمالی گئی۔

اسی طرح جناب حاجی صاحب ممدوحؒ کے انتقال کے بعد حضرت والا نے ان کی ایک کثیر رقم جو پہلے سے ایک خاص مصرف خیر کے لیے امانت تھی واپس فرمادی اور یہ نہیں کہا کہ پہلے دریافت فرماتے کیونکہ اس صورت میں تو ورثہ از راہ مروت واپس کرنے سے ممانعت ہی کردیتے چاہے مصلحت ہوتی یا نہ ہوتی برخلاف اس کے رقم پہنچ جانے کے بعد انہوں نے بالکل آزادی سے رائے قائم کی اور پھر اس رقم کو بالغ ورثہ نے اپنے حصہ میں لگا کر اور نابالغوں کے حصہ کا عوض ان کو اپنے پاس سے دے کر واپس بھیج دیا کہ اسی مصرف خیر میں بدستور صرف فرمایا جائے۔

چونکہ اب اس صورت میں کوئی محذور شرعی نہ رہا تھا اس لیے حضرت والا نے بلا تامل منظور فرما کر اسی مصرف خیر میں صرف فرمادیا۔ حضرت والا کی اسی قسم کی احتیاط اور اہتمام تحفظ حقوق کا ایک اور واقعہ بھی اس جگہ بمناسبت مقام استطراداً نقل کیا جاتا ہے۔

حکیم نور احمدؒ کے مکانات کا معاملہ

جناب حکیم نور احمد صاحب کانپوریؒ نے جو حضرت والا کے مجازین میں سے تھے مرض الموت میں اپنے تین قطعہ مکانات کی حضرت والا کے نام بذریعہ تحریر وصیت تملیکی کردی اور

بحالت ضعف وتکالیف مرض بمشکل تمام عدالت میں پہنچ کر وصیت نامہ کی رجسٹری بھی کرادی لیکن چونکہ وہ کانپور میں تھے اور حضرت والا تھانہ بھون میں اس لیے بعد مسافت اور تنگی وقت کی وجہ سے وہ حضرت والا کو بالکل اطلاع نہ کر سکے چنانچہ حضرت والا اس ساری کارروائی سے بالکل بے خبر رہے۔ یہاں تک کہ اتفاق سے حضرت والا کا یہ سلسلہ سفر کانپور تشریف لے جانا ہوا تو اس وقت ان سب واقعات کی اطلاع ملی۔ چونکہ حقوق العباد کا معاملہ تھا اس لیے حضرت والا نے حکیم صاحب مرحوم کے ورثہ کی نہایت اہتمام سے تحقیق کی لیکن معلوم ہوا کہ انہوں نے کوئی وارث نہیں چھوڑا۔ البتہ یہ سنا کہ ان کے کوئی عزیز تھے جو مفقود ہیں۔ حضرت والا کو مرحوم کی اس ساری کارروائی سے ذوقاً یہ مفہوم ہوا کہ اگر ان کو گنجائش وقت ملتی تو وہ بوجہ کوئی وارث نہ ہونے کے مصارف خیر میں وقف کرتے لیکن چونکہ ان کو کوئی آدمی قابل اعتماد نہ ملا اس لیے ان کو یہ خیال ہوا کہ حضرت والا کے نام وصیت نامہ لکھ دوں اور یہ اس اعتماد پر کیا کہ حضرت والا ان مکانات کی آمدنی کو مصارف خیر ہی میں صرف فرمائیں گے۔ یہ سب ذوقاً معلوم ہوا۔

غرض حضرت والا نے ان تینوں مکانات کو بجائے اپنی ملک میں رکھنے کے غایت احتیاط کی بناء پر یتیم خانہ کانپور میں شرائط خاصہ کے ساتھ وقف فرما دیا اور وقف نامہ کی باقاعدہ رجسٹری بھی کرادی۔ نیز رسالہ تنبیہات وصیت کے تتمہ سابعہ کے ضمیمہ ثالثہ میں اس کا اعلان بھی شائع فرما دیا جس میں یہ بھی تحریر فرما دیا کہ اس اعلان کی غرض یہ ہے کہ میرا کوئی وارث دعویٰ نہ کرے۔ اور چونکہ مرحوم کے ایک عزیز مفقود الخبر سنے گئے تھے اس لیے ان کی حفاظت حق کی نیز اگر اسی طرح کوئی اور وارث بعد میں معلوم ہوں ان سب کی حفاظت حقوق کی یہ صورت فرمائی گئی کہ وقف نامہ کے اندر اس کے متعلق بھی مضمون تحریر فرما دیا گیا اور مزید احتیاط یہ فرمائی گئی کہ تنبیہات وصیت کے ضمیمہ خامسہ تتمہ سابعہ کے مضمون رابع میں بھی اس کے متعلق اعلان فرما دیا گیا جو ذیل میں بلفظہ نقل کیا جاتا ہے۔

مضمون رابع متعلق مکانات و آراضی

(نمبر۱) حکیم نور احمد کے جن مکانات کا ذکر ضمیمہ ثالث تتمہ سابعہ کے مضمون رابع میں

ہے کہ شرائط خاصہ کے ساتھ یتیم خانہ کانپور میں وقف کر دیئے گئے۔ ان شرائط میں شرط اہم
جو بخیال حفاظت حقوق العباد خاص طور پر قابل اشاعت یہ ہے کہ مرحوم کے کسی شرعی وارث کی
مجھ کو تحقیق نہیں ہوئی سو اگر واقع میں بھی ایسا ہی ہے تب تو یہ مکانات کل وقف ہیں اور اگر کوئی
شرعی وارث حجت شرعیہ کے موافق ثابت ہو جائے تو اگر وہ اس وقف کو جائز رکھے (اور شرعاً
جائز رکھنے کے شرائط کا پایا جانا ضروری ہے) تب بھی کل وقف ہے اور اگر وہ جائز نہ رکھے یا
اس کا جائز رکھنا کسی عارض کے سبب جائز نہ ہو تو مجموعہ مکانات کا ایک ثلث وقف ہے اور دو
ثلث اس وارث کا حق ہے اور اب سے لے کر اس کی میراث شرعی ملنے تک حساب سے جو
کچھ اس وقف کی آمدنی ہو اس کا دو ثلث بھی اس وارث کو واپس کیا جائے اور اگر وقف مذکور کی
آمدنی میں اس وقت اس قدر رقم موجود نہ ہو تو اس دو ثلث کی آمدنی کو بقیہ ایک ثلث کی آمدنی
سے اول پورا کیا جائے اس کے بعد مصارف یتیم خانہ میں صرف کیا جائے۔ اھ

احتیاطاً اس وقف نامہ کی رجسٹری عدالت کانپور کا پورا پتہ لکھے دیتا ہوں تاکہ حقدار کو
حاجت کے وقت اس کی نقل لینا سہل ہو۔ تاریخ ۲۱۔ مارچ ۱۹۲۳ء بہی نمبر ا جلد ۱۰۵ صفحات
۳۹۷ و ۳۹۸ نمبر ۱۳۹ فقط

غرض حضرت والا نے تمام شرعی پہلوؤں کا لحاظ فرما کر ان مکانات کا وقف نامہ مرتب
فرمایا تھا جس کو دیکھ کر سب رجسٹرار نے بھی بے حد تحسین کی اور کہا کہ میں نے اس سے قبل ایسا
واضح اور ہر پہلو سے مکمل وقف نامہ نہیں دیکھا حالانکہ حضرت والا قانون داں بھی نہ تھے۔

رقوم جن کی وصولی سے پہلے بھیجنے والا فوت ہوا

اسی طرح اگر کسی رقم کے متعلق حضرت والا کو یہ علم ہو جاتا ہے کہ اس کے وصول ہونے
سے قبل بھیجنے والے کا انتقال ہو چکا ہے تو اس کو بھی واپس فرما دیتے ہیں کیونکہ موہوب لہٗ کی
ملک ہونے کے لیے محض روانگی رقم کافی نہیں بلکہ قبضہ شرط ہے اور یہاں چونکہ وہ رقم بھیجنے
والے کے انتقال کے بعد وصول ہوئی اور قبل انتقال یعنی اس وقت جبکہ وہ رقم معطی کی ملک تھی
حضرت والا کا قبضہ نہیں ہوا اس لیے وہ رقم باوجود وصول ہو جانے کے بھی حضرت والا کی ملک

نہیں ہوئی بلکہ وارثوں ہی کی ملک رہی اور اگر قبل بیمہ یا منی آرڈر پہنچنے کے بھیجنے والے کے انتقال کی خبر مل جاتی ہے تو اس کو وصول ہی نہیں فرمایا جاتا۔

اسی طرح اگر کسی رقم کے دوران صرف میں اس کے بھیجنے والے کے انتقال کا علم ہو جاتا ہے تو پھر فوراً اس کا صرف کیا جانا روک دیا جاتا ہے اور بقیہ رقم کے متعلق خصوصیت کے محل پر تو اطلاع کر کے استفسار فرمالیا جاتا ہے اگر جواب ہر پہلو سے اطمینان بخش ہوا تو اس پر عمل فرمالیا جاتا ہے ورنہ رقم کو واپس فرمادیا جاتا ہے اور جو خصوصیت کے مواقع نہیں ہوتے ان میں بلا استفسار ہی واپس فرمادیا جاتا ہے۔

مدِّ ختم کے متعلق ضوابط

اسی قسم کی احتیاطیں مد ختم کے متعلق بھی کی جاتی ہیں جن کے ذکر کے قبل مد ختم کی حقیقت عرض کرنا ضروری ہے تاکہ مقصود سمجھ میں آسکے۔

مد ختم کی مختصراً یہ حقیقت ہے کہ عرصہ سے بہ ایماء حضرت والا رفاہ عام کے لیے نیز مساکین مقیمین خانقاہ کی اعانت کی مصلحت سے روزانہ بعد عصر ختم خواجگان کا وظیفہ پڑھا جاتا ہے جس میں بعض شرائط مناسبہ پر مساکین مقیمین خانقاہ شریک وظیفہ ہوتے ہیں اور جو صاحبان اپنی کسی دنیوی مباح حاجت کے لیے دعا کرانا چاہتے ہیں وہ ایک آنہ یومیہ کے حساب سے داخل کر دیتے ہیں اور ایسے سب صاحبوں کے لیے وظیفہ ختم ہونے کے بعد روزانہ نام لے لے کر ان کی حاجت مطلوبہ کی دعا مانگی جاتی ہے اور چونکہ عملیات اور رقی پر اُجرت لینا جائز ہے اس لیے رقوم موصولہ سب شرکاء وظیفہ کو حصہ رسد تقسیم کر دی جاتی ہیں۔ اگر کوئی بلا اُجرت دعا کرانا چاہتا ہے تو سات دن تک اس کے لیے مفت بھی دعا کر دی جاتی ہے۔ اس مد ختم کی جو رقوم موصول ہوتی ہیں ان کے متعلق حضرت والا کی بعض اہم احتیاطیں عرض کی جاتی ہیں مثلاً جو صاحب صرف دینی دعا کرانا چاہتے ہیں ان کی رقم نہیں قبول کی جاتی کیونکہ ایسی دعا دین ہے اور باستثناء مواقع مذکورہ کتب فقہ دین پر اُجرت لینا جائز نہیں۔

اسی طرح اگر کسی مریض نے صحت کی دعا کے لیے کوئی رقم بھیجی اور قبل اس رقم کے ختم

ہونے کے اس کے انتقال کی خبر مل گئی تو فوراً اس کی رقم کی تقسیم بند کرادی جاتی ہے اور بقیہ رقم واپس فرمادی جاتی ہے۔ بعض ورثہ نے چاہا کہ بقیہ رقم میں مرحوم کے لیے دعائے مغفرت کی جائے تو انکار فرمادیا گیا کہ دعاء مغفرت پر اُجرت لینا جائز نہیں اور مثلاً اگر کوئی متمول شخص ایک آنہ یومیہ سے زائد بھیجنا چاہتا ہے تو زائد رقم نہیں قبول فرمائی جاتی چنانچہ ایک بار ایک والی ملک نے اور ایک بار ایک ملک کے ولی عہد نے زیادہ رقم بھجوانی چاہی تو انکار فرمادیا گیا اور وہی ایک آنہ یومیہ لیا گیا۔ البتہ اول الذکر جب بعد کامیابی غالباً ڈیڑھ سو روپیہ مساکین کی دعوت اور کپڑوں کے لیے بھیجنے کی اجازت چاہی تو اس کی اجازت مرحمت فرمادی گئی چنانچہ انہوں نے روپیہ بھیج دیا اور اس کو اس کے مصرف میں صرف فرمادیا گیا۔

غرض اس قسم کی سینکڑوں احتیاطیں ہیں جو حضرت والا معاملات میں رات دن برتتے رہتے ہیں جن سے حضرت والا کا غایت درجہ اہتمام حفظ حقوق اور صفائی معاملات جو آج بفضلہ تعالیٰ شہرۂ آفاق اور موافقین ومخالفین سب کے نزدیک مسلم ہے ظاہر وباہر ہے اور جن سے مشاہدہ کرنے والے ہمیشہ عملی سبق حاصل کرتے رہتے ہیں اور جو ہزاروں تقریروں اور تحریروں سے بڑھ کر مؤثر ہوتی ہے۔ بس اب اسی مضمون پر پنج گنج اشرف کے اس عنوان سوم کو ختم کیا جاتا ہے اور عنوان چہارم شروع کیا جاتا ہے۔

عنوان چہارم

اصول متعلقہ واردین

نو واردین کیلئے فارم

(۱)۔ حضرت والا ان نو واردین کو جو ابتدائی ضروری سوالات کا بھی واضح جواب نہیں دیتے ایک چھپا ہوا نقشہ بغرض خانہ پری حوالہ فرمادیتے ہیں تاکہ وہ اطمینان سے سارے ضروری سوالات کا جواب خود لکھ کر یا اَن پڑھ ہوں تو کسی سے لکھوا کر اس مطبوعہ نقشہ کو واپس کردیں اور اس طرح جانبین کلفت وخلجان سے محفوظ رہیں وہ نقشہ یہ ہے۔

خانقاہ ہذا میں آنیوالوں سے ابتدائی سوالات کے نقشہ کی مصلحت اور اسکی ضرورت

بعض حضرات احقر کے پاس خاص مقاصد کے لیے تشریف لاتے ہیں جن کی بجا آوری ان کے مفصل حالات ضروریہ کے مطلع ہونے پر موقوف ہوتی ہے مگر اکثر کا میرے سوال کرنے پر بھی جواب نہیں ملتا یا بہت ہی ناتمام ملتا ہے یا کئی کئی بار کے پوچھنے پر ملتا ہے جس سے طبعاً اذیت ہوتی ہے اور اذیت سے تنگی و کدورت جو ان کے مقاصد میں مخل ہوتی ہے چونکہ اس کی وجہ پوچھنے پر اکثر نے تصریحاً یہ وجہ بیان کی کہ زبانی سوال سے انتشار ہو جاتا ہے اس لیے سہولت کے لیے ذیل کا نقشہ تجویز کرتا ہوں کہ میں یہ نقشہ پیش کر دیا کروں اور وہ اس کی خانہ پری خود یا کسی سے کرا کر مجھ کو عنایت فرما دیا کریں جانبین کو اس میں راحت ہوگی۔ اشرف علی۔

۱	نام	
۲	وطن اصلی	
۳	اس وقت کس مقام سے آنا ہوا اور اس مقام میں کتنا قیام رہا ہے	
۴	شغل و وجہ معاش	
۵	موروثی زمین تو آپ کے پاس نہیں	
۶	علمی استعداد اردو یا عربی یا انگریزی میں کس قدر ہے	
۷	اصلی مقصد آنے سے کیا ہے محض ملاقات یا کچھ کہنا اور لکھ کر دینا یا زبانی	
	اور مجمع میں یا تنہائی میں	
۸	کسی سے بیعت ہیں یا نہیں اور کس سے؟	
۹	اگر مجھ سے بیعت ہیں تو بیعت کو کتنا زمانہ ہوا اور تعلیم کس کے متعلق ہے	

۱۰	میرے مواعظ ورسائل کیا کیا دیکھے ہیں۔؟	
۱۱	اگر مجھ سے کچھ خط و کتابت ہوئی ہے تو وہ پاس ہے یا نہیں اگر ہے تو دکھلایا جائے۔	
۱۲	کتنا قیام ہوگا؟	
۱۳	کہاں قیام ہوگا؟	
۱۴	خانقاہ میں اول بار آنا ہوا ہے یا پہلے بھی آئے ہیں اگر پہلے بھی آئے ہیں تو کتنا قیام ہوا تھا	
۱۵	یہاں کے انتظام طعام کی آپ کو خبر ہے یا نہیں؟	
۱۶	باہر والا بڑا اعلان قلمی دیکھ لیا یا نہیں؟	

(دستخط اشرف علی)

۲-نظام الاوقات کا اعلان

نیز نو واردین کی سہولت اور اپنے بھی حرج اوقات کے انسداد کے لیے حضرت والا نے اپنی نشست گاہ کے باہر اپنا نظام الاوقات بصورت اعلان آویزاں فرما رکھا ہے جس میں اس کی پوری رعایت ہے کہ دوسروں کو بھی عرض حال اور مجالست کا کافی موقع مل سکے اور اپنا بھی حرج اوقات نہ ہو۔ اس اعلان کی نقل یہ ہے۔

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

اعلان انضباط اوقات احقر

تاکہ نہ اہل حاجت کا حرج یا تکلیف ہو نہ احقر کا

نمبر ا۔ صبح سے بارہ بجے تک مجھ کو متفرق ایسے کام رہتے ہیں جو تنہائی میں ہو سکتے ہیں اس وقت کسی سے ملنے میں یا بات چیت کرنے میں تکلیف بھی ہے حرج بھی ہے۔

نمبر ۲۔ البتہ اوپر کے نمبر سے تین شخص مستثنیٰ ہیں۔ ایک وہ شخص جو تازہ آیا ہو اور صرف

ملاقات کا مصافحہ کرنا چاہتا ہو دوسرا وہ جو جا رہا ہے اور صرف رخصت کا مصافحہ کرنا چاہتا ہے۔ تیسرا وہ شخص جس کو ایسی حاجت ہو کہ اس میں مہلت نہیں ہو سکتی مثلاً دردزہ وغیرہ کا تعویذ لینا ہو یا فوری ضرورت کا کوئی مسئلہ پوچھنا ہو جس میں تاخیر نہ ہو سکے مگر ان تینوں شخصوں کو چاہیے کہ آتے ہی کہہ دیں کہ ہمارے اس وقت آنے کی یہ وجہ ہے تاکہ معلوم نہ ہونے سے پریشانی نہ ہو۔

نمبر۳۔ پھر بارہ بجے سے نماز ظہر سے فارغ ہو کر اپنی مجلس میں بیٹھنے تک میرے قیلولہ و نماز کا وقت ہے اس میں ملاقات سے اور نیز سب خدمات سے معافی چاہتا ہوں۔

نمبر۴۔ پھر جب ظہر پڑھ کر اپنی مجلس میں حاضر ہو جاؤں اس وقت سے عصر کی اذان ہونے تک عام اجازت ہے آنے کی بیٹھنے کی ہر قسم کی بات چیت کی تعویذ وغیرہ مانگنے کی البتہ جمعہ کا دن تعویذ سے مستثنیٰ ہے۔

نمبر۵۔ پھر اذان عصر سے نماز سے فارغ ہونے تک کے لیے وہی قاعدہ ہے جو قیلولہ کے وقت کا ہے جو نمبر تین میں مذکور ہے۔

نمبر۶۔ پھر عصر سے فارغ ہونے کے بعد سے عشاء سے فارغ ہونے تک کے لیے وہ قاعدہ ہے جو صبح سے بارہ بجے تک کے وقت کا ہے جو نمبر۱ میں مذکور ہے اور وہی لوگ یہاں بھی مستثنیٰ ہیں جو نمبر۲ میں مذکور ہیں۔

نمبر۷۔ عشاء کے بعد تو علی الاطلاق معذوری ظاہر ہے۔ باستثناء اضطرار شدید۔

نمبر۸۔ یہ قواعد تو ان صاحبوں کے لیے ہیں جو مجمع میں اپنا مقصود ظاہر فرما سکتے ہیں اور جو کسی کو کچھ پوشیدہ کہنا ہو اس کے لیے یہ قاعدہ ہے کہ اگر تحریر کو کافی سمجھیں تو میری مجلس سے ملحق سہ دری کی دیوار میں ایک بکس لگا ہے اس میں لکھ کر ڈال دیں اور جس موقع پر جواب چاہتے ہوں اس کا پورا پتہ لکھ دیں مثلاً فلاں نمبر کے حجرہ میں یا مسجد کے ممبر پر۔ ہمیشہ بعد نماز فجر کے ایسے پرچے نکالے جاتے ہیں۔ اس طریقہ سے تحریری جواب مل جاوے گا اور اگر وہ پوشیدہ بات زبانی ہی کہنا چاہیں تو ایسے ہی پرچہ کے ذریعہ سے تنہائی کا وقت پوچھ لیں۔ میں جو وقت بتلاؤں اس وقت بات کر لیں اور اکثر بعد مغرب کا وقت بتلایا کرتا ہوں۔

نمبر۹۔ بعض مہمانوں کو میں خاص اجازت دے کر تنہائی کے وقت میں بٹھلا لیتا ہوں

دوسرے حضرات اپنے کو ان پر قیاس نہ کریں اور اسی طرح ایک کو کوئی خدمت پنکھ وغیرہ کی کرتا ہوا دیکھ کر دوسرے اس کی تقلید نہ کریں جب تک خاص اجازت حاصل نہ کرلیں۔ اسی طرح دوسری خدمت بھی بلاصریح اجازت نہ کریں جیسے جوتا اٹھانا یا لوٹا بھر کر رکھنا وغیرذٰلک۔

نمبر ۱۰۔ راستہ میں بھی کوئی صاحب میرے ساتھ نہ چلیں نہ گھر جا کر پکاریں۔

نوٹ: یہ سب قواعد ان صاحبوں کے لیے ہیں جو محض عقیدت مندی کے ماتحت ہو کر آتے ہیں اور جن کو کوئی دوسرا تعلق بھی ہو ان کے لیے یہ ضوابط نہیں۔ البتہ اگر کسی کو کسی خاص قاعدہ کا پابند کردوں اس کو اس کی پابندی لازم ہے۔

نوٹ: کسی وقت ضرورت سے کچھ ترمیم کردوں تو ترمیم ہی پر عمل ہوگا۔ اسی طرح ذاتی ملازموں کے لیے دوسرے ضوابط ہیں جو ان کو زبانی بتلا دیئے گئے ہیں۔ فقط۔

اس نظام الاوقات کے اندر رمضان المبارک کے زمانہ میں بربناء ضرورت وقتیہ بعض تغیرات بھی فرمادیئے جاتے ہیں جن کا اعلان خود اپنے قلم مبارک سے لکھ کر شعبان کی اخیر تاریخ میں آویزاں کرا دیا جاتا ہے جس کی نقل یہ ہے۔

دو ضروری اطلاعیں

(یہ دونوں اطلاعیں وہی ہیں جو گذشتہ رمضان میں کی گئیں تھیں)

طلاع اول: وقت تنگ ہے اور مشاغل زیادہ اس لیے رمضان گزرنے تک صبح کی مجلس موقوف کردی گئی۔ ایک دومنٹ کے لیے ضروری بات کی زبانی اجازت ہے۔

اطلاع دوم: جن حضرات کو یہاں کے زمانہ قیام میں مکاتبت کی اجازت نہیں وہ تو کسی قسم کا پرچہ نہ لکھیں اور جن کو اجازت ہے وہ سہ دری والے لیٹر بکس میں نہ ڈالیں بلکہ ڈاک کے ذریعہ سے بھیجیں اور جواب ملنے کا ذریعہ یہ ہوگا کہ عصر کے بعد حافظ اعجاز کے پاس جا بیٹھیں ان کے پاس ایک بکس رہے گا وہ اس کو کھول کر پرچہ والوں کا نام لیکر پکار پکار کر حوالہ کردیں گے اور مناسب یہ ہے کہ ڈاک میں ڈالنے سے دوسرے روز جواب کا انتظار کریں اور شاذ و نادر بعض اوقات تیسرے روز ملنا بھی محتمل ہے۔ فقط

کتبہ اشرف علی عفی عنہ۔ یکم رمضان المبارک ۱۳۵۴ھ

اصول وقواعد پر عمل میں اعتدال

لیکن احقر نے حضرت والا کو بعض اہل خصوصیت مقیمین کے خطوط کے جوابات بجائے لیٹر بکس میں ڈلوانے کے مجلس شریف ہی میں دستی حوالے فرماتے ہوئے بھی دیکھا ہے جس سے حضرت والا کا کمال اعتدال ظاہر ہوتا ہے ورنہ جو لوگ اصول کے پابند ہوتے ہیں ان کی پابندی اصول اکثر خشکی کی حد تک پہنچ جاتی ہے اور وہ استثناء کرنا جانتے ہی نہیں حالانکہ جہاں پابندی اصول فطرت سلیمہ کا مقتضاء ہے وہاں مواقع خصوصیت وضرورت میں مستثنیات کا ہونا بھی فطرت سلیمہ ہی کا مقتضی ہے۔ چنانچہ حضرت والا کا کوئی بھی قاعدہ ایسا نہیں جس میں مستثنیات نہ ہوں گو وہ صرف بقدر ضرورت ہی ہوتے ہیں کیونکہ مستثنیات کی کثرت تو بے اصولی ہی کی ایک فرد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت والا کے یہاں کا استثناء بھی بہت با اصول ہے یعنی صرف بعض احوال خاصہ میں اور صرف بقدر ضرورت اور صرف ایسے لوگ مستثنیٰ فرمائے جاتے ہیں جو خاص اہل تعلق ہیں یا اہل قرابت ہیں یا جو کسی خاص درجہ کا اعزاز وامتیاز رکھتے ہیں یا جو اہل ضرورت شدیدہ ہیں۔

۳: حاضری کی اجازت چاہنے والوں کیلئے ضابطہ

اگر کوئی نیا طالب بذریعہ تحریر حاضری خدمت کی اجازت چاہتا ہے تو سب سے پہلے اس سے یہ سوال فرماتے ہیں کہ تمہارے آنے کی ایسی کون سی غایت وغرض ہے جو یہاں آنے پر موقوف ہے۔ طالبین کی طرف سے اس سوال کے مختلف جوابات ملتے ہیں لیکن جب تک وہ ایسی غایات ظاہر کرتے رہتے ہیں جو یہاں آنے پر موقوف نہیں گو فی نفسہ مقصود بھی ہوں مثلاً اصلاح۔ دعا کرانا۔ تعویذ لینا وغیرہ اس وقت تک حضرت والا ان غایات پر برابر جرح فرماتے رہتے ہیں اور آنے کی اجازت نہیں مرحمت فرماتے۔ البتہ اگر کوئی یہ لکھتا ہے کہ حاضری سے مقصود محض ملاقات ہے اور وعدہ کرتا ہے کہ بزمانہ قیام نہ مخاطبت کروں گا نہ مکاتبت بس مجلس میں بالکل خموشی کے ساتھ بیٹھ رہا کروں گا تو پھر حضرت والا بخوشی آنے کی اجازت مرحمت فرما دیتے ہیں اور فرمایا کرتے ہیں کہ بس یہی

ایک مقصود ایسا ہے جو بغیر یہاں آئے حاصل ہو ہی نہیں سکتا ورنہ اور سب مقاصد ایسے ہیں جن کے لیے یہاں آنا ضروری نہیں لہذا بس اسی ایک مقصود کے لیے یہاں آنا چاہیے اور عدم مخاطبت و مکاتبت کی قید کی مصالح عنقریب نمبر ۴ میں مذکور ہوں گی۔

غرض حضرت والا کسی کو اس وقت تک آنے کی اجازت نہیں مرحمت فرماتے جب تک وہ صاف طور سے یہ نہیں لکھ دیتا کہ حاضری کا مقصود صرف ملاقات ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ وعدہ بھی نہیں کر لیتا کہ دوران قیام میں نہ مخاطبت کروں گا نہ مکاتبت اور جس کو محض اس پر قناعت نہ ہو اس کو اختیار ہے نہ آئے۔

بلا اجازت حاضر ہونے والے

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ اگر کوئی اجازت حاصل کر کے آنا چاہے گا اس کے لیے تو یہی شرط ہے کہ جب تک یہ سب معاملات طے نہ ہو جائیں نہ آئے۔ لیکن اگر کوئی بلا اجازت طلب کئے آ جائے تو میرے یہاں کوئی پہرہ نہیں چوکی نہیں جو چاہے چلا آئے اور جب چاہے چلا آئے مگر یہاں آنے کے بعد اس سے وہی سوال ہوگا اور قیام کی بھی وہی شرائط ہوں گی۔ اھ

آنے والوں کی بے اصولیوں کا جواب

چنانچہ بعض بلا اجازت آنے والوں سے جب یہی سوال ہوا تو انہوں نے بے تکے جوابات دیئے اور ایسی بے ڈھنگی اور بے اصول اور اذیت دہ باتیں کیں اور اتنی ناگواری بڑھی کہ ان کو دوسری ہی ریل گاڑی سے واپس کر دیا گیا یا وہ خود واپس چلے گئے اور مصلحت بھی یہی تھی کیونکہ بلا معاملہ صاف ہوئے قیام جانبین کے لیے موجب بے لطفی و تکدر رہتا۔ واپسی کی نوبت تو خیر کم آتی ہے لیکن اکثر ایسے نو واردین سے جس سے اذیت دہ حرکات سرزد ہوتی ہیں طلب معافی پر یہ فرما دیتے کہیں کہ معاف کرنے کو تو میں نے معاف کر دیا لیکن یہ جو اذیت مجھ کو ہوئی یہ کس مد میں رہی کیا یہ خالی ہی گئی جس غرض کے لیے یہاں آئے ہو یعنی قیام وہ تو جبھی پوری ہوگی جب اس اذیت کا کچھ تدارک کیا جائے گا جب وہ تدارک پوچھتا ہے تو اکثر خود اسی سے تجویز کرایا جاتا ہے کیونکہ حضرت والا پہلے تو خود تدارک تجویز فرما دیا کرتے تھے

لیکن اب اکثر خود کوئی تدارک تجویز نہیں فرماتے تاکہ خواہ مخواہ حضرت والا پر سختی کا الزام نہ رکھا جائے۔ چنانچہ جب وہ خود یا اوروں سے مشورہ کر کے جس کی حضرت والا خود ہی اس کی سہولت کے لیے ہدایت فرما دیتے ہیں اپنے لیے کافی اور مناسب تدارک تجویز کر لیتے ہیں تو حضرت والا اسی کو بلکہ اکثر اس میں بھی کچھ اپنی طرف سے تخفیف فرما کر منظور فرما لیتے ہیں اور اگر اس کا تجویز کیا ہوا تدارک کافی اور مناسب نہیں ہوتا تو اس سے برابر جرح قدح فرماتے رہتے ہیں یہاں تک کہ یا تو اسی کے ذہن میں مناسب تدارک آ جاتا ہے یا خود حضرت والا مناسب تدارک تجویز فرما دیتے ہیں۔ تدارک اکثر یہی ہوتا ہے کہ کسی قریب کے مقام پر جا کر وہاں سے پھر حاضری کی اجازت طلب کی جائے اور بعض کے لیے صرف اس پر بھی اکتفا فرمایا گیا کہ لکھ کر خانقاہ میں یہ اعلان آویزاں کر دیا جائے کہ مجھ سے فلاں اذیت دہ حرکت سرزد ہوئی اور بعض کے لیے یہ تجویز فرمایا گیا کہ سب مقیمین خانقاہ سے فرداً فرداً اپنی غلطی کا اظہار کیا جائے تاکہ نفس کو گرانی ہو اور آئندہ کے لیے اس کو تنبیہ ہو۔ اھ

ایک طالب کی کوتاہی کا واقعہ

حال ہی میں ایک صاحب نے اپنے لیے یہ تدارک تجویز کیا کہ سہارن پور جا کر مکرر حاضری کی اجازت حاصل کر لی جس کو منظور فرما لیا گیا لیکن اسی وقت پھر ان سے کوئی اذیت دہ حرکت سرزد ہوئی جب اس کی وجہ دریافت فرمائی تو غلط تاویلات کرنے لگے جن سے حضرت والا کو بوجہ خلاف صدق و خلوص ہونے کے سخت نفرت ہے چونکہ یہ مرض شدید تھا اس کے ازالہ کے لیے شدید اور مزید تدارک کی ضرورت واقع ہوئی لہٰذا حضرت والا نے بجائے سہارنپور جانے کے دہلی جانا تجویز فرمایا۔ پھر بار بار افسوس فرماتے رہے کہ واللہ مجھ کو سخت قلق ہے اور خود ان سے بھی زیادہ قلق ہے لیکن کیا کرتا۔ بدوں اس تدارک کے ان کی اصلاح ہی نہیں ہو سکتی تھی۔ اھ

وہ چونکہ طالب صادق تھے اس لیے بخوشی دہلی جانا منظور کر لیا اور وہاں سے حاضری کی مکرر اجازت طلب کی اور اپنی غلطی کا اعتراف کیا پھر حضرت والا نے بخوشی اجازت مرحمت فرما دی لیکن اجازت نامہ پیش کرتے وقت یہ بے تکا پن کیا کہ پہلے تو خط جیب سے نکالا جس کو حضرت والا لینے کے لیے آمادہ ہوئے لیکن پھر اس کو فرش پر رکھ کر مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھا

دیئے جس سے حضرت والا کو سخت اذیت ہوئی اگر مصافحہ کرنا تھا تو پہلے مصافحہ کر لیتے پھر جیب سے خط نکالتے اور اگر خط نکال کر حضرت والا کو خط لینے کے لیے آمادہ کر دیا تھا تو خط ہی دے دیتے مصافحہ نہ کرتے یا بعد میں کرتے۔ اس پر حضرت والا نے اپنے پاس سے اٹھا دیا۔

ایسے مواقع پر حضرت والا حاضرین سے فرمایا کرتے ہیں کہ اگر میں لوگوں کی ان حرکتوں پر صبر کروں تو ان کی اصلاح بھی نہ ہو اور میرے قلب کے اندر ان کی طرف سے تکدر بھی پیدا ہو جائے اور اب تو چونکہ میں اپنی اذیت کا اظہار کر دیتا ہوں اور بعض لوگ اذیت کا تدارک بھی کر دیتے ہیں اس لیے میری طبیعت صاف رہتی ہے۔

خاص مجلس میں بلا اجازت آنے والے کا واقعہ

ایک بار ایک شخص مجلس خاص کے وقت آ بیٹھا اس سے حضرت والا نے یہ فرمایا کہ یہ مجلس خاص کا وقت ہے بعد ظہر کے پاس بیٹھنا اس وقت جاؤ اس پر وہ چلا گیا۔ بعد کو حاضرین سے فرمایا کہ دیکھئے اگر میں مروت میں آ کر اس سے کچھ نہ کہتا تو جب تک یہ بیٹھا رہتا مجھ کو سخت الجھن رہتی اور اس کی طرف سے قلب میں کدورت پیدا ہو جاتی اور اب جو یہ میرے کہتے ہی چپکے سے چلا گیا میرے قلب میں اس کی قدر ہوئی اور اس سے محبت پیدا ہوگئی۔ اسی سے اندازہ کر لیجئے کہ کون سی صورت بہتر ہے۔ اھ۔

متقدمین مشائخ کے واقعات

مذکورہ بالا تدارکات کے متعلق جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ بزرگان سلف نے تو اس سے بھی سخت سخت سزائیں تجویز فرمائی ہیں۔ چنانچہ طبقات شعرانی میں ایک بزرگ کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کی خدمت میں ایک طالب آئے اور یہ کہا کہ میں بہت دور سے آیا ہوں۔ اس احسان جتلانے پر ان کے لیے یہ سزا تجویز فرمائی گئی کہ تین برس تک یہاں آنے کی اجازت نہیں اسی طرح اس کتاب میں لکھا کہ ایک بزرگ کی خدمت میں ایک طالب مقیم تھے وہ ایک لاکھ درہم تو اپنے پاس سے اور ایک لاکھ قرض لیکر خرچ کر چکے تھے لیکن ہنوز ان کو کلام کرنے کی بھی اجازت نہیں ملی تھی۔

اسی قسم کی اور بہت سی حکایات طبقات شعرانی میں موجود ہیں جن کو حضرت والا نقل فرما کر فرمایا کرتے ہیں کہ آج کل کے طالبین بھی کوئی طالبین ہیں کہ ذرا سی سیاست کا بھی تحمل نہیں اور پھر حضرت مولانا رومیؒ کا یہ شعر پڑھ دیتے ہیں ؎

تو بیک زخمے گریزانی زعشق　　　تو بجز نامے چہ میدانی زعشق

۴: دستور العمل

جب حضرت والا نے دیکھا کہ حاضری خانقاہ کی شرائط کے متعلق طالبین بہت گڑبڑ کرتے ہیں اور طے ہونے میں بڑا وقت صرف ہو جاتا ہے تو خاص اپنے صرف سے حاضری کے متعلق ایک مکمل دستور العمل طبع فرمایا جس کی نقل یہ ہے۔

دستور العمل طالبان تعلق مرکب از مراتب سبعہ

اولاً: یہاں کی ابتدائی آمد میں ہر حال میں بدوں مخاطبت و مکاتبت کے سکوت محض کے ساتھ چندے مجالست و مصاحبت بغرض حصول بصیرت و مناسبت

ثانیاً: یہاں سے جا کر اگر تعلق رکھنا چاہیں اپنے مستقر سے اپنی اصلاح کے متعلق زیارت مناسبت کے لیے مراسل و مکاتبت

ثالثاً: مکرر آمد میں اگر یہاں کے قیام میں صرف مکاتبت چاہیں تو قبل آمد بذریعہ خط مجھ سے تحقیق موافقت و ضروری مناسبت و اخذ اجازت مکاتبت۔

رابعاً: بعد حصول اجازت نامہ جس کو آنے کے وقت دکھلانا ضروری ہوگا یہاں کے قیام میں صرف مکاتبت بلا مخاطبت

خامساً بعد مناسبت تامہ جو مکاتبت طویلہ سے حاصل ہو سکتی ہے میری اجازت کے بعد یہاں کے قیام میں مکاتبت و مخاطبت

اور یہ سب تفصیل بقاء تعلق کی صورت میں ہے

سادساً: اگر اختلاف مذاق کے سبب مناسبت سے مایوسی ہو جاوے تو پھر مصلحت کے لیے نہ کہ کدورت کے سبب تجویز مفارقت و مجانبت و مشورۂ رجوع بجانب محل مناسبت۔

سابقہ۔ لیکن اس حالت میں بھی اگر خواہش کریں تو طلب دعا و دریافت خیریت کے لیے خط بھیجنے کی اجازت علی المواظبت و بشرط عدم انقباض سکوت کے ساتھ اجازت مجالست و مصاحبت۔

2.

خلاصہ: (۱)۔ محض مجالست (۲)۔ مستقر سے مراسلت (۳)۔ بعد مناسبت ضروریہ و اخذ اجازت مجالست مع مکاتبت بلا مخاطبت (۴)۔ بعد مراسلت طویلہ و مناسبت تامہ و اخذ اجازت مجالست مع مکاتبت و مخاطبت

وبصورت عدم حصول مناسبت

(۵)۔ مشورہ رجوع بجانب مناسبت (۶)۔ صرف برائے طلب دعا و خیریت اجازت مراسلت (۷)۔ بشرط عدم انقباض اجازت مجالست بلا مکاتبت و مخاطبت فقط

کتبہ اشرف علی عفی عنہ

مطبوعہ دستور العمل کا فائدہ

اس دستور العمل سے جانبین کو بہت سہولت ہوگئی۔ جب کوئی نیا طالب حاضری کی اجازت طلب کرتا ہے حضرت والا مطبوعہ دستور العمل ملفوف فرما دیتے ہیں پھر اگر وہ عدم مخاطبت و عدم مکاتبت بزمانہ قیام کی شرط کے ساتھ اجازت حاضری طلب کرتا ہے۔ اجازت مرحمت فرما دی جاتی ہے اور یہ بھی ہدایت تحریر فرما دی جاتی ہے کہ آتے ہی اس خط کو پیش کر دیا جائے۔ چنانچہ آنے والا آتے ہی اس خط کو پیش کر دیتا ہے۔ اس کو بلا تامل قیام کی اجازت مل جاتی ہے اور کسی ردو کد کی نوبت نہیں آتی بشرطیکہ خلاف اصول کوئی حرکت سرزد نہ ہو۔

نو واردین کے لئے عدم مخاطبت و مکاتبت کا فائدہ

حضرت والا خود بھی فرمایا کرتے ہیں کہ نئے آنے والوں کے لیے بزمانہ قیام عدم مخاطبت و عدم مکاتبت کی شرط اللہ تعالیٰ نے خوب میرے دل میں ڈال دی ورنہ عدم مناسبت مزاج اور عدم واقفیت طریق کی وجہ سے لوگ بے اصول باتیں اور بے تکے سوالات کر کر کے مجھ کو بڑی ایذائیں پہنچانے اور بڑا وقت ضائع کرتے میرا بھی اور اپنا بھی اب تو اللہ کا شکر ہے کہ میں بھی اپنے کام میں اطمینان سے مشغول رہتا ہوں اور ان لوگوں کو بھی نہایت یکسوئی اور سکون

کے ساتھ میری باتیں سننے اور اطمینان سے ان پر غور کرنے کا موقع ملتا ہے ورنہ اگر قیل وقال کی اجازت ہوتی تو مجلس کیا ہوتی چوپال ہوتی بڑے پریشان ہوتے اور بڑا پریشان کرتے اور یہاں سے بالکل کورے جاتے۔ اب تو بہ کثرت اس مضمون کے خطوط آتے رہتے ہیں کہ خموشی کے ساتھ بیٹھنے سے بہت نفع حاصل ہوا۔ خموشی کے ساتھ بیٹھ کر سننے کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے ایک صحابی سے فرمائش کی کہ قرآن سناؤ انہوں نے عرض کیا کہ آپ پر تو خود نازل ہوا ہے میں کیا سناؤں فرمایا کہ مجھے یہ محبوب ہے کہ جو کچھ مجھ پر نازل ہوا ہے اس کو میں دوسرے کی زبان سے سنوں۔ اھ

پھر حضرت والا نے فرمایا کہ قرآن خود پڑھنے میں تو ثواب زیادہ ہے اور دوسرے سے سننے میں لطف اور اثر زیادہ ہے۔ اھ

ضوابط وقواعد کا منشاء

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ یہاں آنے والوں کے متعلق میرے جتنے معمولات ہیں ان سب کا منشاء تعلیم ادب ہے۔ یہ اصل ہے اور سب فروع جو کہ زمانہ اور مصالح اور ضرورتوں کے بدلنے سے بدلتے رہتے ہیں اور اس اصل کی صریح تائید حدیث **کان علیٰ رؤسنا الطیر** سے ہوتی ہے بلکہ بوجہ اس کے کہ اس معمول کے منافع کھلے ہوئے ہیں اگر یہ تائید نہ بھی ہوتی تب بھی اس کے مستحسن اور قابل عمل ہونے میں کلام نہیں ہوسکتا تھا جیسے کتب طب میں بڑے بڑے مجرب نسخے موجود ہیں اور وہ سب قابل استعمال سمجھے جاتے ہیں حالانکہ ان میں سے کسی کی بھی تائید حدیث سے نہیں ہوتی لیکن اس تائید سے اس معمول کی اور بھی تقویت ہوگئی اور حسن بڑھ گیا۔ اھ

عدم مخاطبت ومکاتبت کے دوران حاضرین کی ذمہ داری

حضرت والا اس عدم مخاطبت ومکاتبت بزمانہ قیام کی یہ مصالح بھی بیان فرمایا کرتے ہیں کہ نئے آنے والے پہلے خموشی کے ساتھ بیٹھے ہوئے میرا طرز تربیت میری عادات میری خصوصیات مزاج دیکھیں اور میری باتیں سنیں اور ان پر اطمینان سے غور کریں۔ پھر یہاں

سے جا کر آزادی کے ساتھ رائے قائم کریں اگر میرا طریقہ اور مزاج پسند نہ آئے اور مجھ سے مناسبت پیدا ہونے کی توقع نہ ہو تو کسی دوسرے سے رجوع کریں اور اگر میری سب باتیں پسند ہوں تو پھر اصلاح کے متعلق مجھ سے خط و کتابت کریں۔ شروع میں اصلاح خاص کی نیت سے یہاں نہ آئیں بلکہ یہ دیکھنے اور سیکھنے کے لیے آئیں کہ آیا باہم مناسبت ہوگی یا نہ ہوگی اور اگر ہوگی تو اپنی اصلاح کے متعلق خط و کتابت کرنے اور اپنے امراض نفس کے پیش کرنے کا صحیح اور نافع طریق کیا ہے۔

خاموش حاضرین کے مقصود کا حصول

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہونے والوں کی یہ دونوں اغراض نہایت سہولت کے ساتھ بہ احسن وجوہ حاصل ہو جاتی ہیں کیونکہ بوجہ اس کے کہ حضرت والا کی فطرت ہی میں بے تکلفی سادگی صفائی اور آزادی ہے حضرت والا اپنا مسلک اپنا طرز تربیت اپنی عادات وخصوصیات مزاج غرض اپنا سارا کچا چٹھا تقریراً وعملاً قالاً وحالاً نہایت واضح طور پر بلا ادنیٰ خوف لومۃ لائم رات دن ظاہر فرماتے رہتے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات بعض شرعی رخصتوں پر اسی قصد سے عمل فرماتے ہیں کہ آنے والے دیکھ لیں اور ضرورت سے زیادہ عابد و زاہد نہ سمجھیں مثلاً کبھی کبھی نوافل کا بیٹھ کر بھی ادا فرمالینا اکثر بچوں سے خوب ہنسنا بولنا اور مزاح فرمانا۔ غصہ کی باتوں پر خوب کھل کر غصہ فرمانا اور دور دراز سے نہایت عقیدت مندانہ حاضر ہونے والوں کو بھی خلاف اصول امور پر بلا ادنیٰ پروائے زوال عقیدت نہایت آزادی کے ساتھ روک ٹوک فرمانا اس کی ایک غرض حضرت والا یہ بھی بیان فرمایا کرتے ہیں کہ جتنے کسی کو میرے بارہ میں عمر بھر وسوسے آنے ہوں اور اشکالات پیدا ہونے ہوں وہ ایک دم سے آجائیں اور ختم بھی ہو جائیں اور پھر عمر بھر کے لیے یکسوئی ہو جائے یا تو ہمیشہ کے لیے معتقد ہو کر یا ہمیشہ کے لیے غیر معتقد ہو کر ورنہ اگر میں اپنے آپ کو بنائے ہوئے رکھتا تو عمر بھر بھی کسی کو یکسوئی نہ ہوتی۔ جب کوئی بات اپنے خیال کے خلاف دیکھتے اپنے دل میں کہتے کہ یہ ایک اور بات نکلی۔ پھر کوئی بات دیکھتے پھر یہی کہتے کہ لو اب یہ ایک اور بات نکلی۔ غرض عمر بھر اطمینان نہ ہوتا۔ اب تو برا بھلا جیسا بھی ہوں سب کو سابقہ پڑتے ہی معلوم ہو جاتا ہے پھر

چاہے کوئی رہے یا جائے اور مجھے بھی یکسوئی ہو جاتی ہے اور اس خیال کے لوگوں سے میرا شروع ہی میں پیچھا چھوٹ جاتا ہے جو بزرگی اسی کو سمجھتے ہیں کہ بالکل بے حس ہو جائے جیسے بت کہ اگر ان کے ساتھ تعظیم کا برتاؤ کیا جائے تب انہیں کوئی حس نہیں اگر اہانت کا برتاؤ کیا جائے تب انہیں کوئی حس نہیں دوسرے یہ کہ بزرگی کا دعویٰ کس نے کیا ہے اور بلانے کا اعلان کس نے دیا ہے۔ میں تو ایک طالب علم ہوں۔ اپنے اساتذہ اور بزرگوں سے دین کی جو باتیں سنی ہیں وہ سناتا رہتا ہوں اور ان کی صحبت کی برکت سے دین کی جو حقیقت سمجھ میں آئی ہے اس کو ظاہر کرتا رہتا ہوں۔ اگر کسی کے جی میں لگے قبول کرے نہ لگے نہ قبول کرے۔ اختیار ہے۔ للو پتو مجھے آتی نہیں نہ میں اس کو مفید سمجھوں۔ گو بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ رفتہ رفتہ اپنے طریق پر لانا چاہیے لیکن میں اس کے خلاف ہوں کیونکہ میرا تجربہ ہے کہ جس نے اپنے ذہن میں جو معیار بزرگی کا صحیح یا غلط قرار دے رکھا ہے وہ اس وقت تک اس کا معتقد ہے جب تک وہ اس معیار کے مطابق اس کو سمجھے ہوئے ہے اور جہاں ذرا اس معیار سے ہٹا ہوا پایا بس سارا اعتقاد جاتا رہا۔ معتقد فیہ تو اس خیال میں رہتا ہے کہ یہ شخص ہمارا معتقد ہے حالانکہ وہ درحقیقت اپنے ہی خیال کا معتقد ہوتا ہے۔

اسی طرح اگر کسی معتقد کا اعتقاد جاتا رہے تو معتقد فیہ کو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اس کا معتقد تھا ہی نہیں بلکہ ایک خیالی شخص کا معتقد تھا تو ایسے خیالی معتقد کے کم ہو جانے کا افسوس ہی کیا۔ بلکہ خوش ہونا چاہیے کہ اچھا ہے قبل تعلق ہی پیچھا چھوٹ گیا ورنہ تعلق قائم ہو جانے کے بعد اگر قطع تعلق کی نوبت آتی اور ضرور آتی تو بہت ناگواری ہوتی اور جب تک تعلق رہتا بہت ستاتا اسی لیے میں شروع ہی سے ہر طالب کے ساتھ ایسا صاف معاملہ کرتا ہوں کہ اس کی نوبت ہی نہ آنے پائے شروع ہی میں فیصلہ ہو جائے اِدھر یا اُدھر نہ وہ دھوکہ میں رہے نہ میں۔ میرا تو بس یہ مذاق ہے۔

ہر کہ خواہد گو بیاؤ ہر کہ خواہد گو برو　　　دار و گیر و حاجت درباں دریں درگاہ نیست اھ

(جو چاہے آئے اور جو چاہے جائے اس دربار میں پکڑ دھکڑ اور دربان کی ضرورت نہیں ہے)

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ ردّ و قبول خلق کا مطلق خیال نہ ہونا حضرت والا کے اعلیٰ درجہ کے باکمال اور مخلص و صادق ہونے کی علامت ہے جس پر ایک تاجر نے اپنی اصطلاح میں خوب کہا کہ کیوں کسی کی خوشامد کریں کیا مال گیلا ہے۔ اھ

حضرت والا کے اس طرز سے تو آنے والوں کو مناسبت و عدم مناسبت کا اندازہ بسہولت ہو جاتا ہے جو آنے کی پہلی غرض تھی اور دوسری غرض یعنی اپنی اصلاح کرانے کا صحیح طریق معلوم کرنا وہ اس طرح پوری ہوتی ہے کہ حضرت والا کی مجلس شریف میں زیادہ تر اسی کا تذکرہ رہتا ہے۔ نیز حضرت والا طالبین کے خاص خاص خطوط کے خاص خاص مضامین میں بھی مع جوابات کے حاضرین مجلس کو بلا اظہار نام سناتے رہتے ہیں اور ان کی غلطیوں کی زبانی توضیح بھی فرماتے رہیں جس سے حاضرین کو اپنی اصلاح کے متعلق خط و کتابت کرنے اور اپنے امراض نفس پیش کرنے کا سلیقہ آ جاتا ہے چنانچہ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ پاس رہنے سے اصلاح نہیں ہوتی بلکہ مناسبت پیدا ہوتی ہے اور اپنے امراض کو پیش کرنے کا اور میرے جوابات کو سمجھ کر ان پر عمل کرنے کا سلیقہ پیدا ہوتا ہے۔ اھ

ایک خاموش حاضر کا خط

اب اس نمبر کو ایک طالب کے خط کی نقل پر ختم کیا جاتا ہے جو حسن اتفاق سے ابھی آیا ہے۔ یہ صاحب خموشی کے ساتھ کچھ دن مقیم خانقاہ رہ کر حال ہی میں واپس گئے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ دوران قیام میں جو سکون اور اطمینان قلب حضرت والا کی صحبت بابرکت سے حاصل ہوا ہے وہ بیان سے باہر ہے خاص کر اپنے نفس کے عیبوں پر بصیرت کے ساتھ اطلاع ہوئی خاص کر بدگمانی کا مرض مجھ میں شدید ہے۔ حضرت والا اس کا علاج تجویز فرمائیں۔ اھ۔

دیکھئے یہ صاحب پہلی ہی بار کی حاضری میں بفضلہ تعالیٰ اچھی طرح راہ پر لگ گئے اور جو اصل مقصود اس تعلق سے ہے یعنی اصلاح احوال اس میں صحیح طریقہ مشغول ہو گئے اور حضرت والا نے بھی فوراً ہی باقاعدہ تعلیم شروع فرما دی ورنہ بہت سے طالبین تو اس مقصود میں اپنی بے اصولی اور بے راہی اور ناواقفی کی وجہ سے مہینوں کی خط و کتابت کے بعد بھی کامیاب نہیں ہو پاتے یہ سب اسی دستور العمل کی برکات ہیں جو حضرت والا نے طالبان تعلق کے لیے مقرر فرما رکھا ہے جس کی نقل اس نمبر کے شروع میں بعنوان ''دستور العمل طالبان تعلق مرکب از مراتب سبعہ'' ہدیہ ناظرین کی جا چکی ہے۔

اب طالب مذکور کے اس خط کا جس کی ابھی سطور بالا میں نقل پیش کی گئی ہے جو جواب

باصواب حضرت والا نے ارقام فرمایا ہے وہ بھی تتمیم فائدہ کے لیے پیش کیا جاتا ہے کیونکہ بوجہ اس کے کہ وہ حضرت والا کے ابتدائی طریق تعلیم کو ظاہر کرتا ہے وہ بھی نئے طالبین کے لیے سبق آموز ہوگا۔

طالب مذکور نے جو بدگمانی کا علاج پوچھا تھا اس کے متعلق یہ محققانہ استفسارات فرمائے۔ کہ وہ بدگمانی اختیار سے ہوتی ہے یا بلا اختیار اور صرف بدگمانی ہوتی ہے یا اس کے موافق عمل بھی ہوتا ہے اور کیا ہوتا ہے مع ایک دو مثال کے لکھو۔ اھ

سبحان اللہ حضرت والا کے استفسارات کیا ہوتے ہیں جوابات ہوتے ہیں جن سے نہ صرف جزئیات بلکہ کلیات طریق بھی بہ ادنیٰ تامل مستنبط کیے جاسکتے ہیں۔

۵: طالبین کا مجتمع ہو کر آنا

حضرت والا طالبین کا بالقصد مجتمع ہو کر آنا ناپسند فرماتے ہیں لیکن اگر اتفاق سے اجتماع ہو جائے تو اس کا مضائقہ نہیں۔ اس عدم اجتماع کی مصالح کے متعلق حسن العزیز جلد اول کا ملفوظ نمبر ۳۶ بلفظہ نقل کر دینا کافی معلوم ہوتا ہے وھو ہذا۔

احقر کے چند اسباب کا قصد حضرت والا کی خدمت میں بمقام تھانہ بھون حاضری کا ہوا حضرت اس زمانہ میں کانپور تشریف لائے ہوئے تھے حضرت نے فرمایا کہ اگر محض ملاقات کے لیے آئیں تو جس طرح چاہیں چلے آئیں لیکن اگر کچھ اور ارادہ ہو (یعنی اصلاح کا) تو مجموعی طور پر نہ آئیں بلکہ ہر شخص تنہا آئے ورنہ نفع نہ ہوگا کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ ہر شخص کے ساتھ اس کے مناسب حال برتاؤ کرنا چاہیے اور اگر سب ایک ساتھ آئے تو سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا پڑے گا اور اگر کسی کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرنا مناسب ہوا تو اس کو اپنے ساتھیوں سے شرمندگی ہوگی۔ بس ہر شخص کا الگ الگ آنا ہی ٹھیک ہے یہ تو آخرت کا سفر ہے مُردے قبروں میں علیحدہ ہی علیحدہ جاتے ہیں۔

ایک صاحب کے عریضہ کا جواب

ایک صاحب نے عریضہ میں اپنے ہمراہ اپنے والد صاحب کو بھی لانے کا قصد ظاہر کیا تو تحریر فرمایا کہ آپ کے ساتھ تشریف لائے تو ان کو مخدوم بنا کر رکھنا پڑے گا جس کے لیے

میں تو بسر و چشم آمادہ ہوں لیکن ان کو نفع نہ ہوگا۔ مذکورہ بالا مصالح کی بناء پر حضرت کسی کا کسی کے ساتھ آنا پسند نہیں فرماتے۔"انتہیٰ بلفظہٖ"

ایک طالب کا واقعہ

اسی کے متعلق ایک اور خاص واقعہ بھی یاد آیا۔

ایک طالب کو ایک بے جا حرکت پر ایک خلیفہ مجاز کے سپرد فرما دیا گیا تھا جو مدت تک انہی خلیفہ مجاز کے ہمراہ سالانہ حاضر خدمت ہوتے رہے پھر ایک بار تنہا حاضر ہوئے تو رخصت کے وقت فرمایا کہ میں آپ کے اب کی بار آنے کا خاص اثر اپنے قلب میں پاتا ہوں کیونکہ اس مرتبہ آپ تنہا آئے اس سے قبل چونکہ آپ دوسرے کے تابع ہو کر آتے تھے اس لیے مجھ کو کوئی خاص توجہ نہ ہوتی تھی۔ یہ خیال ہوتا تھا کہ یہ تو ان کے ہمراہی ہیں۔ اھ

جامع اوراق عرض کرتا ہے چونکہ حضرت والا کی طبع مبارک فطرۃً نہایت حساس اور سلیم ہے اس لیے جو بات جس درجہ کی ہوتی ہے اس کا حضرت والا پر اسی درجہ کا اثر ہوتا ہے۔

ایک طالب کی درخواستِ دعا پر اس کی اصلاح

اس پر ایک اور واقعہ یاد آیا۔ ایک صاحب نے ایک مریض کے لیے دعائے صحت کی درخواست کی حضرت والا نے دریافت فرمایا کہ تم اپنی طرف سے یہ درخواست کر رہے ہو یا مریض نے یہ درخواست کی ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ مریض نے درخواست کی ہے۔ اس پر اظہار ناراضی فرمایا کہ پھر تم کو یہی کہنا چاہیے تھا کہ مریض نے درخواست کی ہے۔ تم نے تو اس طرح کہا جیسے خود تم ہی اپنی طرف سے ان کے لیے دعا کرا رہے ہو۔ ان دونوں عنوانوں کے اثر میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ خود مریض کی درخواست سے قلب پر زیادہ اثر ہوتا ہے اور زیادہ توجہ کے ساتھ دعا نکلتی ہے ایسی باتوں کا بہت خیال رکھنا چاہیے تم کو جذبات کی اتنی بھی حس نہیں۔ اھ

۶: خط کے ذریعہ ہوسکنے والے کام کیلئے سفر

اصول متعلقہ بیعت میں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت والا محض بیعت کے لیے سفر کی نہ اجازت مرحمت فرماتے ہیں نہ بوجہ غیر ضروری ہونے کے محض اس غرض کے لیے کسی کا آنا پسند فرماتے ہیں کیونکہ بیعت بذریعہ خط کے بھی ہو سکتی ہے۔ اسی طرح محض دعا یا محض تعویذ کے لیے بھی

کسی کا آنا پسند نہیں فرماتے کیونکہ یہ غرض بھی بذریعہ خط کے بہ آسانی اور صرف چند پیسوں کے خرچ میں حاصل ہو سکتی ہے بلکہ تعویذ تو قصداً ایسے لوگوں کو نہیں دیتے اور فرما دیتے ہیں کہ بذریعہ خط کے گھر پہنچ کر منگوا لینا تاکہ اس کی عام شہرت ہو جائے اور یہ سلسلہ آگے کو نہ چلنے پائے اور دوسرے لوگ اس غرض کے لیے سفر کر کے نہ آئیں اور بے ضرورت پریشانی اور خرچ سے بچ سکیں۔

۷۔ لنگر خانے کا انتظام نہ ہونا

حضرت والا کے یہاں آنے والوں کے لیے کوئی لنگر خانہ نہیں ہے بلکہ آنے والوں اور مقیمین خانقاہ کے لیے ان کی درخواست پر بعض لوگ بطور خود بقیمت کھانے کا انتظام کر دیتے ہیں اس میں نہایت سکون اور جانبین کو بڑی آزادی اور راحت رہتی ہے ورنہ اگر لنگر خانہ ہوتا تو بڑی چپقلش رہتی اور بہت سے تو محض روٹیوں ہی کے لیے پڑے رہتے۔ صادق اور غیر صادق طالبین کا امتیاز ہی مشکل ہو جاتا۔ چنانچہ ایک فہیم اہل علم طالب نے جب وہ تلاش پیر کے لیے نکلے تو منجملہ اور شرائط کے اپنے ذہن میں یہ بھی طے کر لیا تھا کہ ایسے پیر سے مرید ہوں گا جس کے یہاں لنگر خانہ نہ ہوگا کیونکہ لنگر خانہ ہونے کی صورت میں تو اگر طالبین کا ہجوم ہوا تو وہ قابل اعتبار ہی کیا ہوگا روٹیوں ہی کی بدولت ہوگا۔

حضرت والا اس کی یہ مصلحت بھی بیان فرمایا کرتے ہیں کہ اگر میرے یہاں لنگر خانہ ہوتا تو میری ہر وقت اسی پر نظر ہوتی کہ آنے والے کچھ دیں اور اب تو بفضلہ تعالیٰ کبھی اس کا وسوسہ بھی نہیں ہوتا بلکہ جو شخص میرے قیود و حدود خاصہ کے خلاف ہدیہ دیتا ہے میں نہایت استغناء کے ساتھ واپس کر دیتا ہوں (حدود و قیود ہدیہ آگے اصول متفرقہ میں انشاءاللہ تعالیٰ ملاحظہ سے گزریں گے۔ ۱۲ جامع)

ایک پیر صاحب کا واقعہ

اس کے متعلق حضرت والا سندھ کے ایک پیر صاحب کا واقعہ بھی نقل فرمایا کرتے ہیں کہ اسی لنگر خانہ کی بدولت وہ چھ ہزار کے مقروض ہو گئے تھے میرے پاس (یعنی حضرت والا کے پاس ۱۲ جامع) ایک صاحب کے نام سفارش نامہ لکھوانے آئے تھے کہ وہ چھ ہزار روپیہ قرض حسنہ دے دیں کہتے تھے کہ مرید آ کر روٹیاں تو کھا گئے اور بہت سے تو مہینوں پڑے

رہے لیکن کچھ دیا نہیں۔ میں نے پوچھا کہ اب جو کسی سے قرض لینے کا قصد ہے تو قرض کہاں سے ادا کیجئے گا کہا مریدوں ہی سے وصول ہوگا اور میرے پاس کہاں سے آئے گا میں نے دل میں کہا کہ ماشاء اللہ اب بھی آپ کو مریدوں سے ہی توقع ہے۔ اگر وہ ایسے ہی دینے والے ہوتے تو قرض ہی کیوں ہوتا۔ غرض یہ خرابیاں ہیں لنگر خانہ کی۔

لنگر کے انتظام کی ذمہ داری کون لیتا؟

پھر لنگر خانہ کے انتظام کا بکھیڑا کون اپنے سر لیتا میری طبیعت تو ایسی ہے کہ مجھے ہر وقت اسی کا شغل ہو جاتا اور ہر وقت ایک روگ لگ جاتا کیونکہ اول تو میں کسی پر ادنیٰ بار بھی نہیں ڈالتا دوسرے میں انتظامات کو دوسروں کے سپرد کر کے مطمئن ہو جانے کہ ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کے لیے کافی نہیں سمجھتا۔ چنانچہ میرے اس خیال اور معمول کی تائید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک واقعہ سے بھی ہوگئی جو کسی کتاب میں میری نظر سے گزرا تھا۔ آپ نے ایک بار خاص خاص حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا کہ چونکہ خلافت کے متعلق کام اب بہت بڑھ گئے ہیں ان کا اکیلا کرنا مشکل ہے۔ اس لئے اگر میں صرف اہم اہم امور کی نگرانی تو اپنے ذمہ رکھوں اور بقیہ کو دوسرے معتمدین کے سپرد کر دوں تو کیا یہ سپردگی مجھ کو نگرانی سے بری الذمہ کرنے کے لیے کافی ہو جائے گی یا نہیں۔ اس پر سب نے بالاتفاق کہا کہ یہ کافی نہیں بلکہ کام سپرد کرنے کے بعد یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ آیا وہ کام اچھی طرح ہوا بھی یا نہیں۔ اھ

پھر حضرت والا نے فرمایا کہ اس بارے میں میرا بھی یہی فیصلہ ہے کہ جب تک کسی کام کو خود کر سکے اس وقت تو کرے اور جب اپنے قابو میں نہ رہے تو بجائے اس کے کہ دوسروں کے ذریعہ سے اس کو کرائے اس کو بالکل چھوڑ ہی دے کیونکہ میرا تجربہ ہے کہ محض دوسروں کے اعتماد پر کام چھوڑ دینے سے وہ کام اکثر مکمل نہیں ہوتا۔ چنانچہ ایک بار ایک بزرگ کے استغناء کا میں نے یہ حال سنا کہ وہ خود روپیہ پیسہ کو ہاتھ بھی نہیں لگاتے بلکہ نقد اور غیر نقد سب ہدایا محض ان کے سامنے رکھ دیئے جاتے ہیں پھر ان کو خدام فوراً اٹھا کر مناسب مواقع اور ضروریات میں صرف کر دیتے ہیں اور وہ بزرگ خود سارے انتظامت سے بالکل

الگ تھلگ اور یک سو رہتے ہیں چونکہ مجھ میں بھی فطرۃً بہت آزاد مزاجی ہے اس لیے مجھے ان کا یہ معمول بہت پسند آیا اور جی چاہا کہ میں بھی اسی طرح سب انتظامی امور سے علیحدگی اختیار کرلوں لیکن اللہ تعالیٰ نے فوراً میری اس طرح دستگیری فرمائی کہ اسی روز شام کے وقت اپنے غلام کو گھر میں سے گیہوں دیئے گئے کہ جلال آباد جا کر مشین میں پسوا لائے وہ خلاف معمول جلدی سے آٹا لیکر چلا آیا میں نے اظہار تعجب کیا کہ بڑی جلدی واپس گئے اس نے کہا کہ رات ہونے والی تھی اور مجھے دو اڑھائی میل چل کر واپس آنا تھا اس لیے مشین والوں نے میری رعایت سے مجھ کو پسا ہوا آٹا دے دیا اور اس کے بدلے میں پسائی کے پیسے اور گیہوں رکھ لئے میں نے کہا کہ یہ معاملہ تو ناجائز ہوا اگر یہ آٹا کھایا جائے گا تو سب کو سود کا گناہ ہوگا اس کو جا کر واپس کردو اور اپنے ہی گیہوں کا آٹا پسوا کر لاؤ۔ اس واقعہ سے مجھے فوراً تنبہ ہوا کہ انتظامات کو دوسروں کے سپرد کردینے میں یہ خرابیاں ہیں۔ پھر میں نے دل میں کہا کہ بس جی وہی طرز ٹھیک ہے جو اپنے بزرگوں کا رہا ہے اس کو نہیں بدلنا چاہیے اور جو معاملات اپنے متعلق ہیں ان میں خود بھی ضرور دخل دینا چاہیے۔ اھ

مہمانوں کے کھانے کا انتظام

اس استطرادی مضمون کے بعد پھر لنگر خانہ کے مضمون کی طرف عود کرتا ہوں۔ گو حضرت والا کے یہاں لنگر خانہ تو نہیں ہے لیکن جن مہمانوں کو کھانا کھلانا ہی مناسب اور مصلحت ہوتا ہے وہاں نہایت فراخ دلی کے ساتھ کھانا کھلاتے ہیں اور ملازمین کو حکم ہے کہ ریل گاڑیوں کے آنے کے بعد آ کر پوچھیں کہ کوئی مہمان تو نہیں ہے۔ اکثر مہمانوں کو تو خانقاہ میں ہی کھانا بھیج دیا جاتا ہے اور بعض خاص مہمانوں کو دولت خانہ پر بلا کر اپنے ساتھ بھی کھانا کھلاتے ہیں لیکن اگر خود بھوک نہیں ہوتی تو خواہ مخواہ کا تکلف بھی نہیں فرماتے ان کو کھانا کھلا دیتے ہیں اور خود عذر فرما دیتے ہیں اور بعض دفعہ کھانے میں تو شریک نہیں ہوتے لیکن کھانا کھانے کے وقت مہمانوں کے پاس بیٹھے رہتے ہیں۔ اگر مختلف مرتبہ کے مہمان ہوتے تو ملازم کو تاکید فرما دیتے ہیں کہ ہر ایک کو الگ الگ کھانا دیا جائے تا کہ اگر کوئی مہمان کسی دوسرے مہمان کے

ساتھ کھانا گوارا نہ کرے تو اس کو تنگی نہ ہو۔ پھر اگر وہ خود ہی ساتھ کھائیں تو ان کو اختیار ہے۔

مولانا خلیل احمد سہارنپوری کے مہمان ہونے کا واقعہ

حضرت والا ہر ایک مہمان کے ساتھ اس کے درجہ کے مطابق برتاؤ فرماتے ہیں۔ ایک بار حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ مہمان ہوئے تو ایک نکتہ چیں صاحب نے گن کر بتایا کہ بہتر برتنوں میں کھانا تھا حالانکہ صرف چار پانچ کھانے والے تھے۔ مولانا نے فرمایا کہ اتنا تکلف کیوں کیا۔ حضرت والا نے عرض کیا کہ اس تکلف کے باعث تو خود حضرت ہی ہیں۔ اگر جلد جلد تشریف لا دیں تو پھر ایسا نہ ہو چونکہ سالہا سال میں تو کبھی تشریف لانا ہوتا ہے اس لیے جی چاہتا ہی ہے کہ جو جو اچھی چیزیں ہو سکیں پیش کر دی جائیں ورنہ پھر موقع نہ ملے گا۔

ایک نواب صاحب کی میزبانی

اسی طرح ایک بہت بڑے درجہ کے نواب مہمان ہوئے تو ان کے لیے بھی متعدد کھانے پکوائے گئے ان کے عذر تکلیف دہی پر فرمایا کہ بفضلہٖ تعالیٰ کوئی چیز باہر سے نہیں منگوانی پڑی یہاں تک کہ گوشت بھی گھر ہی کے مرغ کا ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ آپ کو دکھاؤں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو بفضلہٖ کھانے پینے کو کافی دے رکھا ہے تا کہ آپ کو مسرت بھی ہو اور میری طرف سے بے فکری بھی رہے کہ خدائے تعالیٰ نے سب سامان راحت کا عطا فرما رکھا ہے۔ حاجت مند نہیں۔ اھ

مدارس کے طلبہ کے ساتھ برتاؤ

تعطیلات کے موقع پر دیوبند اور سہارنپور کے مدارس سے بڑی بڑی تعداد میں طلبہ آتے ہیں۔ اگر قرائن سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کو کھانے کے لیے خرچ کی ضرورت ہے تو ہر ایک سے جدا جدا بذریعہ ملازم پوچھوا لیا جاتا ہے جو ضرورت ظاہر کرتا ہے اس کی نقد سے اعانت فرما دی جاتی ہے اور وہ کئی کئی دن تک مہمان رہتے ہیں۔ اسی طرح بعض دفعہ بہت بہت سے علماء کرام اور اراکین مدارس دینیہ بھی دینی امور کے مشورہ کے لیے تشریف لاتے ہیں اور حضرت والا کے مہمان رہتے ہیں۔

مصلحت کے مطابق مہمانداری

غرض مہمان داری کا کوئی معین ضابطہ نہیں ہے جس وقت جیسی ضرورت اور مصلحت دیکھی عمل فرمالیا۔ چنانچہ ایک بار بہت سی مستورات کسی گاؤں سے بلا اطلاع اور بلا حصول اجازت مرید ہونے کو چلی آئیں گھر میں کھانے کے انتظام کے لیے متفکر ہوئیں لیکن حضرت والا نے فرمادیا کیوں فکر میں پڑیں جنس دیدو چولہا بتادو اور کہہ دو کہ آپ ہی پکائیں اور کھائیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ غرض حضرت والا کے یہاں صرف بقدر ضرورت و مصلحت ہی مہمنداری ہوتی ہے۔ حضرت والا ضرورت سے زیدہ جھگڑا اپنے سر نہیں لیتے بلکہ جو خاص مہمان ہوتے ہیں ان کی مہمانداری میں بھی اپنا معتدبہ حرج اوقات نہیں ہونے دیتے۔ کچھ دیر خصوصیت کے ساتھ متوجہ رہ کر اور راحت و آرام کے سب ضروری انتظامات کر کے اور اجازت لیکر پھر اپنے کام میں مشغول ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ حضرت والا کے استاد مکرم حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ کی تشریف آوری پر بھی یہی عمل فرمایا اور سب ضروری انتظامات فرمانے کے بعد جب تصنیف کا وقت آیا تو نہایت ادب کے ساتھ تھوڑی دیر کے لیے تصنیف کا کام کرنے کی اجازت حاصل کر لی گو پھر جلدی ہی تشریف لے آئے کیونکہ کام میں بوجہ غایت تعلق خاطر دل ہی نہ لگا لیکن بالکل ناغہ اس روز بھی نہ کیا۔

خصوصی مہمانوں کا خیال

جب کسی خاص مہمان کی آمد ہوتی ہے تو معمول سے زیدہ تعب برداشت فرما کر پہلے ہی ضروری کاموں سے فارغ ہو لیتے ہیں تاکہ ان کی جانب متوجہ ہونے کے لیے کافی وقت مل سکے۔ بعض خاص مہمانوں سے بات چیت کرنے کے لیے جو ہر روز واپس جانے والے ہوتے ہیں اپنا قیلولہ بھی ناغہ فرمادیتے ہیں اور ڈاک کا کام بھی کچھ دیر کے لیے ملتوی فرمادیتے ہیں اور پھر اسکو خاص تعب برداشت فرما کر روانگی ڈاک سے قبل پورا فرمادیتے ہیں۔ جہاں کوئی خاص مقتضی ہوتا ہے یا مصلحت دیکھتے ہیں وہاں کم قیام کرنے والوں کو پاس بیٹھنے کا زیادہ سے زیادہ موقع عطا فرماتے ہیں اور اس کی کوشش فرماتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے ان کے مناسب حال

دین کی باتیں ان کے کانوں میں پڑ جائیں چنانچہ یہ ہمیشہ دیکھا جاتا ہے کہ جب کم قیام کرنے والے جمع ہو جاتے ہیں تو بہت زیادہ وقت افادات میں صرف فرماتے ہیں اور بہت جوش وخروش اورسرگرمی کے ساتھ نہایت عجیب وغریب اور نافع حقائق ومعارف دیر دیر تک (یہاں تک کے بعض اوقات کھانے کا وقت بھی بہت مؤخر ہو جاتا ہے) زبان فیض ترجمان سے ارشاد فرماتے رہتے ہیں تاکہ آنے والوں کی تسلی بھی ہو جائے اور اشاعت طریق بھی خوب ہو جائے جس کے حضرت والا بہت ہی حریص ہیں بشرطیکہ سچے طالبین کا مجمع ہوا اور یہ فن کا مسلم مسئلہ ہے کہ شیخ کو اشاعت طریق کا حریص ہونا چاہیے۔ بحمداللہ تعالیٰ حضرت والا تو حالاً وقالاً وتحریراً وتقریراً اشاعت طریق کے ایسے حریص ہیں کہ بس رات دن اسی کی دھن ہے اور یہی کام ہے۔

کم قیام کرنے والوں کی موجودگی میں علاوہ ظہر کے بعد کی عام مجلس کے صبح بھی ضروری کاموں سے فارغ ہونے کے بعد خاص مجلس منعقد فرماتے ہیں جس کی ایسے حضرات کو اطلاع کرادی جاتی ہے اور اطلاع دینے کی سہولت کے لیے ان کو ہدایت فرمادی جاتی ہے کہ مجلس کے وقت کے قریب سب صاحب فلاں جگہ موجود رہا کریں تاکہ یکجائی اطلاع ہو سکے اور فرداً فرداً ہر شخص کے پاس اطلاع کنندہ کو نہ جانا پڑے۔

غرض حضرت والا آنے والوں کی مصالح کی بیحد رعایت فرماتے ہیں لیکن اسی حد تک جس حد تک واقعی ضرورت ہوتی ہے اور اپنا معتدبہ حرج اوقات بھی نہیں ہوتا۔

مہمان کا استقبال

بعض بہت ہی خاص اعزاز وامتیاز وخصوصیت والے مہمانوں کی آمد کے وقت حضرت والا اپنی جگہ سے اُٹھ کر معانقہ بھی فرماتے ہیں لیکن اکثر ایسے موقعوں پر حاضرین مجلس کو کھڑے ہونے سے یہ فرما کر روک دیتے ہیں کہ سب کی طرف سے میں ہی اٹھتا ہوں اور سب صاحب بیٹھے رہیں بالخصوص دنیوی اعزاز رکھنے والوں کے لیے اٹھنے کے وقت تو اوروں کو اٹھنے سے یہی کہہ کر ضرور منع فرمادیتے ہیں۔ بعض خاص اہل تعلق کے لیے حضرت والا کا یہاں تک جی چاہتا ہے کہ اسٹیشن پر ان کے استقبال کے لیے پہنچیں لیکن محض اس خیال

سے کہ ان کو سخت شرمندگی ہوگی اپنی اس خواہش پر عمل نہیں فرماتے۔

قیام پر اصرار نہ کرنا

اسی طرح چاہے جتنا عزیز مہمان ہو اور اس کے زیادہ قیام کو چاہے کتنا ہی دل چاہتا ہو لیکن قیام پر کبھی اصرار نہیں فرماتے بلکہ قصداً روانگی سنتے ہی فوراً فرمادیتے ہیں کہ جس میں راحت ہو وہی کیا جائے گو بعض بے تکلف موقعوں پر مزاحاً یہ بھی فرمادیتے ہیں کہ یہ آنا کیا ہوا پائی بھی نہ ہوا۔ اگر ریل کے وقت کے قریب ان سے تغافل بھی ہوتا ہے تو عام دستور کے خلاف حضرت والا خود اطلاع فرمادیتے ہیں کہ جانے کا وقت آگیا ہے تاکہ ریل کے نکل جانے سے ان کو ان کے عزم کے خلاف رُکنا نہ پڑے اور افسوس نہ ہو۔

۸: حاضر ہونے والوں کیلئے شروط وقیود

اگر کوئی ایسا طالب جس کو آمد و رفت کی عام اجازت حاصل ہے کسی موقع پر احتیاطاً حاضری کی خاص اجازت حاصل کرتا ہے تو اس کو اس شرط پر اجازت مرحمت فرمادی جاتی ہے کہ کوئی حرج نہ ہو اور قرض نہ لینا پڑے اور کسی کی حق تلفی نہ ہو۔

ایک خادمہ مساۃ نے نہایت اشتیاق و آرزو کے ساتھ حاضری کی بذریعہ عریضہ اجازت چاہی تو تحریر فرمایا کہ اگر کبھی تمہارے شوہر اپنی خوشی سے ہمراہ لے آویں بشرطیکہ قرض نہ کرنا پڑے اور کوئی حرج بھی کسی قسم کا نہ ہو اور تم ان پر تقاضا کر کے تنگ بھی نہ کرو اور پردہ میں اور نماز میں بھی سفر میں خلل نہ پڑے تو اجازت ہے۔ اھ

یہ جواب مکتوبات حسن العزیز جلد اول سے نقل کیا گیا ہے۔

غرض حضرت والا بدوں ضروری قیود وشرائط کے حاضری کی اجازت نہیں مرحمت فرماتے۔

۹: حاضرین کیلئے وارد پر روک ٹوک کی پابندی

حضرت والا بتاکید فرمایا کرتے ہیں کہ آنے والوں کی کسی بدعنوانی پر سوائے میرے حاضرین خانقاہ میں سے کوئی دوسرا روک ٹوک نہ کرے نہ ان کو بلا پوچھے کوئی مشورہ دے۔ فرمایا کرتے ہیں کہ روک ٹوک کے لیے کیا میں اکیلا کچھ کم ہوں۔ میں ہی بہت کچھ روکتا ٹوکتا رہتا

ہوں۔ اگر دوسرے بھی روکیں ٹوکیں تو بیچارہ آنے والا پریشان ہی ہوجائے پھر ہر ایک کا روکنا ٹوکنا گوارا بھی تو نہیں ہوتا۔ میرا روکنا ٹوکنا تو خیر اس لئے زیادہ ناگوار نہیں ہوتا کہ میرے ہی قصد سے یہاں آتے ہی دوسروں کے روکنے ٹوکنے سے دلشکنی ہوگی جو مجھے ہرگز گوارا نہیں۔ پھر ہر شخص کو نصیحت کرنا آتا بھی نہیں۔ نیز اس میں بڑی خرابی یہ ہے کہ آنے والے دوسرے روکنے ٹوکنے والوں کو مقرب اور دخیل سمجھ کر ان سے مرعوب و مغلوب ہوں گے اور اپنی حاجات کا وسیلہ بنائیں گے اور اس طمع میں ہدایا وغیرہ سے ان کی خدمت بھی کریں گے جس سے فریقین کے لیے سینکڑوں مفاسد کا باب مفتوح ہوجائے گا اور اس میں خود میرے لیے بھی خرابی ہے کیونکہ اپنے بہت سے معین اور مددگار دیکھ کر میرا بھی دماغ خراب ہوجائے گا۔ اب تو الحمدللہ میں کسی کو اپنا معاون و مددگار نہیں سمجھتا اللہ کے سوا کسی پر میری نظر نہیں کہنے کی تو بات نہیں لیکن اس وقت ذکر آ ہی گیا تو کہتا ہوں کہ میں دنیا میں اپنے آپ کو بالکل اکیلا سمجھتا ہوں سوائے اللہ تعالیٰ کی اکیلی ذات کے کسی کو اپنا نہیں سمجھتا بس یہ سمجھتا ہوں کہ میں دنیا میں بالکل اکیلا ہوں اور اکیلے شخص کے ساتھ ایک اکیلی ذات ہے اور کوئی نہیں۔ لوگوں کو تو اپنے خدام پر اور محبّین پر نظر ہوتی ہے۔ میری کسی پر بھی نظر نہیں۔ میں کسی کو اپنا محب اور معین و مددگار نہیں سمجھتا۔ یہ بھی ایک وجہ ہے میری خشکی کی کہ میں کسی کو اپنا محب بنانا یا رکھنا نہیں چاہتا۔ ہر شخص سے آزادی کے ساتھ جو مناسب سمجھتا ہوں برتاؤ کرتا ہوں۔ الحمدللہ یہ کبھی وسوسہ بھی نہیں ہوتا کہ ایسا برتاؤ نہ کرو کہیں فلاں شخص ہمارا ساتھ نہ چھوڑ دے۔ اور یہ میں دعویٰ سے نہیں کہتا بلکہ یہ کہتے ہوئے ڈر بھی لگتا ہے کہ خدا جانے اس میں کتنی واقعیت ہے۔ اپنے نزدیک تو واقعیت کے خلاف نہیں کہہ رہا اگر کمی بیشی ہو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔ جیسے مرنے کے وقت ہر شخص اکیلا ہی جائے گا میں مرنے سے پہلے ہی اپنے آپ کو بالکل اکیلا سمجھتا ہوں کسی کو اپنا ساتھی نہیں سمجھتا۔ اھ

اسی کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ مبنیٰ اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے میری اس وضع کو محض اپنے فضل و کرم سے نباہ رکھا ہے کیونکہ وہ عین وقت پر غیب سے میری ہر حاجت پوری فرما دیتے ہیں اور ایسے طریق سے میری راحت کا سامان مہیا فرما دیتے ہیں جہاں سے گمان بھی نہیں ہوتا۔ اسی لئے میرا یہ طرز آزادی و استغنا کا نبھ بھی رہا ہے ورنہ اگر احتیاج ہوتی تو

سارا استغناء دھرا رہ جاتا اور ساری آزادی رکھی رہ جاتی۔اھ۔ جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ سبحان اللہ کس درجہ رفیع حالت ہے جس پر اس نااہل کا رائے زنی کرنا بھی آفتاب کو چراغ دکھانا ہے باوجود رات دن خدمت خلق اللہ میں مشغول ومنہمک رہنے کے کیا انتہاء ہے۔ شدت تعلق مع اللہ کی اور کیا ٹھکانا ہے غلبہ فناء کا اور کیا حد ہے کمال عبدیت کی اور کیا شان ہے استغناء عن غیر اللہ کی ایسے ہی حضرات تو بے ہمہ و باہمہ اور جامع بین الاضداد اور موتوا قبل ان تموتوا کے مصداق ہوتے ہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

(یہ سعادت بازو کی طاقت سے حاصل نہیں ہوتی، جب تک عطا کرنے والے خدا کی عطاء نہ ہو)

ذلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء۔

۱۰: ملاقات، مجلس اور کلام کے آداب

اس نمبر میں آداب ملاقات کلام آداب مجلس وغیرہ کے متعلق ایسے امور بطور نمونہ عرض کئے جاتے ہیں جن کی رعایت رکھنا بوجہ ان کے فطری اور طبعی اور غیر محتاج الی التعلیم ہونے کے حضرت والا واردین کے ذمہ سمجھتے ہیں اور اسی وجہ سے ان میں اخلال حضرت والا کو سخت موجب گرانی ہوتا ہے اور فرمایا کرتے ہیں کہ یہ تو ایسے عام اصول ہیں جن کا ہر شخص کو ہر شخص سے ملنے کے وقت لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

ابتدائی ملاقات کے آداب

اوقات ملاقات کی خبر لینا

حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی نئے شخص سے ملنے جائے تو اس کے اوقات ملاقات وغیرہ کے متعلق وہاں کے مقیمین سے ضروری باتیں دریافت کرنے کے بعد ملاقات کرے۔

واردین آتے ہی موقع محل دیکھ کر ملاقات کریں

ابتدائی ملاقات کے لیے حضرت والا نے کوئی وقت مقرر نہیں فرما رکھا تاکہ آنے والوں کو

۲۸ انتظار نہ کرنا پڑے صو ا۔ پہنچنے کے بعد جلدی ہی ملاقات کر لینی چاہیے ورنہ اجنبی شخص کو دیکھ کر حضرت والا تعارف کے منتظر رہتے ہیں ایک صاحب نے آ کر ملاقات ہی نہ کی اور حضرت والا کو انہیں دیکھ دیکھ کر الجھن ہوتی رہی جب رخصت کے وقت انہوں نے مصافحہ کیا تو بہت اظہار ناراضی فرمایا اور آئندہ آنے کی اور خط و کتابت کی بالکل ممانعت فرما دی۔ انہوں نے واسطہ کے ذریعہ معافی طلب کی تو اس شرط پر آنے کی اجازت دینے کا وعدہ فرمایا کہ اپنی اصلاح کا تعلق کسی خلیفہ مجاز سے رکھا جائے اور فرمایا کہ جب ایسی موٹی موٹی باتوں میں بھی غلطیاں کی جاتی ہیں تو کیونکر باہم مناسبت ہو سکتی ہے غرض آنے والوں کو پہنچنے کے بعد جلدی ہی ملاقات کر لینی چاہیے لیکن سلام و مصافحہ کے لیے خالی ہوں آرام نہ فرما رہے ہوں وغیرہ وغیرہ غرض موقع و محل دیکھ کر ملنا بہر حال ضروری ہے اگر مشغول دیکھیں تو بیٹھ جانا چاہیے انتظار میں کھڑا نہ رہنا چاہیے کیونکہ یہ تقاضے کی صورت ہے جس سے قلب پر بار ہوتا ہے۔

سلام کے بعد فوراً تعارف کرائیں

سلام و مصافحہ کے بعد فوراً اپنا پورا تعارف کرا دیا جائے اور اگر قبل حاضری حضرت والا سے خط و کتابت ہو چکی ہو تو سب سے اخیر کا خط بھی پیش کر دیا جائے گفتگو بیٹھ کر کی جائے اور صاف اور اتنی آواز سے کہ بہ آسانی سنائی دے سکے بات پوری کہی جائے ادھوری بات کہہ کر اس کے متوقع نہ رہیں کہ جب حضرت والا مزید سوال کریں گے تب پوری بات کہیں گے گو ابتداء میں حضرت والا خود ہی سوال فرماتے ہیں کہ جو کچھ کہنا ہو وہ کہہ لیجیے تاکہ اجنبی آنے والے کی طبیعت کھل جائے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ جب اپنا حال کہنے بیٹھیں تب بھی بار بار حضرت والا ہی کی طرف سے سوالات کے متوقع رہیں سوال کا فوراً جواب دیں منتظر رکھنے میں سخت ایذا ہوتی ہے اگر اس وقت کوئی جواب سمجھ میں نہ آئے تو یہی کہہ دیں کہ پھر سوچ کر جواب دوں گا۔۔ اکثر نو واردین باوجود بار بار مطالبہ جواب کے کچھ جواب ہی نہیں دیتے سکوت محض کے بیٹھے رہتے ہیں جس پر حضرت والا یہ فرما کر اٹھ دیتے ہیں کہ جب میرے سوالات کا جواب ہی نہیں دیا جاتا تو پھر یہاں بیٹھنے ہی سے کیا فائدہ بلکہ بعض اوقات ایسے شخص کو جس سے زیادہ اذیت پہنچتی ہے مجلس میں بھی نہیں بیٹھنے دیتے کیونکہ ایسے شخص

کے پاس بیٹھنے سے بھی اذیت ہوتی ہے بعض لوگ مجلس سے اٹھائے جانے کے بعد دیوار کی آڑ میں کھڑے ہو جاتے ہیں اس کی بھی اجازت نہیں دیتے کیونکہ یہ تو مجلس ہی میں بیٹھنا ہوا بلکہ یہ تو ایک طرح سے دھوکہ دینا ہے اور تجسس کی صورت ہے جو کہ منہی عنہ ہے۔

غلطی کا فوری اقرار

یہ بات بھی خاص طور سے خیال رکھنے کے قابل ہے کہ اگر کوئی غلطی ہو جائے تو بلا تاویل اور بلا تامل اس کا اقرار کر لینا چاہیے اور اگر اس کا سبب دریافت فرمایا جائے جیسا کہ حضرت والا کا اکثر معمول ہے تو جو اصل سبب ہو اس کو ظاہر کر دیا جائے اور سبب اس لئے دریافت فرمایا جاتا ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ آیا اپنی غلطی کی حقیقت بھی سمجھی ہے یا نہیں اگر کوئی اصل سبب نہیں ظاہر کرتا تو اس سے برابر استفسرات فرماتے رہتے ہیں اور جو عذرات غیر واقعیہ مثلاً ناواقفی حماقت کم فہمی وغیرہ وہ پیش کرتا رہتا ہے ان کو بدلائل رد فرماتے رہتے ہیں اور وہ دلائل ایسے صاف اور معقول ہوتے ہیں کہ ان کو ماننا ہی پڑتا ہے اور چونکہ اکثر غلطیاں موٹی ہی موٹی ہوتی ہیں۔ لہذا بے فکری ہی کے سبب سے ہوتی ہیں اور بے فکری قلت ادب و عظمت کے سبب سے ہوتی ہے جس کی اکثر حضرت والا شکایت فرمایا کرتے ہیں اور حاکموں کی مثال دیا کرتے ہیں کہ وہاں یہ لوگ کیوں ایسی غلطیاں نہیں کرتے وجہ یہی ہے کہ دنیا کی طلب اور عظمت قلب میں ہے دین کی نہیں۔

خط پیش کرنے کا طریقہ

اگر کوئی خط یا پرچہ پیش کرنا ہو تو سامنے رکھ دیں اور کہہ بھی دیں کہ یہ پرچہ ملاحظہ ہو اس کو ہاتھ میں نہ لئے رہیں کیونکہ اس میں تقاضا ہے کہ اگر ہاتھ کسی کام میں گھرے بھی ہوں تب بھی فوراً ہاتھوں کو خالی کر کے لو۔

بیک وقت خط پیش کرنا اور مصافحہ کرنا

اگر پرچہ بھی پیش کرنا ہو اور مصافحہ بھی کرنا ہو تو پہلے مصافحہ کر لیں پھر پرچہ جیب سے نکال کر پیش کریں بعضوں نے پرچہ لئے ہوئے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھائے تو حضرت والا کو

سخت اذیت ہوئی کیونکہ حضرت والا یہی نہ سمجھ سکے کہ آیا پرچہ پیش کرنا مقصود ہے یا مصافحہ کرنا اسی طرح بعض نے پہلے تو پرچہ جیب سے نکالا اور جب حضرت والا پرچہ لینے کے لیے آمادہ ہوئے تو انہوں نے جھٹ مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھا دیئے اس سے بھی سخت اذیت ہوئی۔

آنے کی غرض بیان کرنا

آنے کی جو غرض ہو اس کو صاف صاف بیان کر دیا جائے اور اگر کسی اور سفر کے ضمن میں حضرت والا کی خدمت میں حاضری ہوئی تو اس کو بھی ظاہر کر دیا جائے بعض لوگ دور دراز سے آنا ظاہر کرتے ہیں اور بہت ہی مختصر قیام کا ارادہ بتاتے ہیں تو حضرت والا کو کھٹک پیدا ہو جاتی ہے پھر استفسارات کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ کسی قریب کے مقام تک تو آنا کسی اور کام سے ہوا تھا اور اس مقام سے جی چاہا کہ حضرت والا کی زیارت بھی کر آئیں ایسے مواقع پر حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ میرے اوپر صرف اتنے ہی سفر کا احسان رکھا جائے جتنا میرے لئے ہوا ہے نہ کہ اتنے لمبے سفر کا اور وہ بھی اتنے مختصر قیام کے لیے۔

آنے کی غرض اور تعارف مکمل بیان کرنا

غرض حضرت والا کو اس وقت تک قناعت نہیں ہوتی جب تک کوئی اپنا پورا تعارف نہیں کرا دیتا اور اپنا اصل مقصود صاف صاف نہیں ظاہر کر دیتا تاکہ اسی کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کیا جائے بعض بظاہر ذی وجاہت آنے والوں نے باوجود استفسارات اپنا پورا تعارف نہیں کرایا تو صاف فرما دیا کہ میری کوئی غرض نہیں ہے آپ ہی کی مصلحت سے تعارف حاصل کرنا چاہتا ہوں اگر آپ تعارف نہیں کراتے آپ کو اختیار ہے لیکن اس صورت میں اگر میری طرف سے بھی محض ضابطہ کا برتاؤ ہو تو مجھ کو بھی معذور سمجھا جائے۔

ایک رئیس کا واقعہ

چنانچہ ایک معمر اور رئیس اہل علم نے بھی یہی کہا کہ باوجود حضرت والا کے استفسارات کے اپنا کافی تعارف نہیں کرایا جس پر حضرت والا نے یہی فرما دیا جو ابھی مذکور ہوا اور گو حضرت والا کو بعد میں اوروں کے ذریعہ سے ان کا تعارف ہو گیا لیکن ان کے ساتھ پھر بھی خصوصیت کا

برتاؤ نہیں فرمایا نہ مجلس میں ممتاز جگہ بیٹھنے کے لیے فرمایا جیسا کہ ایسے حضرات کے لیے حضرت والا کا معمول ہے جب تقریباً ہفتہ عشرہ قیام کرنے کے بعد انہوں نے خود ہی بذریعہ تحریر اپنا پورا تعارف کرایا تب بعد اظہار شکایت ان کے ساتھ خصوصیت کا برتاؤ شروع فرمادیا اور مجلس میں بھی ممتاز جگہ بٹھانے لگے۔ غرض حضرت والا کی یہ ایک خاص امتیازی صفت ہے کہ ہر شے کو اپنی حد پر رکھتے ہیں اور جس حالت اور جس وقت کا جیسا مقتضاء ہوتا ہے اس کے مطابق عمل فرماتے ہیں طبیعت کو مصلحت اور عقل پر غالب نہیں ہونے دیتے۔

کھانے کے وقت حاضر رہنا

جن کو حضرت والا کی طرف سے کھانے کے لیے کہہ دیا گیا ہو ان کو کھانے کے وقت خانقاہ ہی میں رہنا چاہیے تا کہ تلاش کرنے میں دقت نہ ہو۔

واردین کا ایک دوسرے سے تعلقات پیدا کرنا

حضرت والا کو واردین و مقیمین خانقاہ کا آپس میں تعلقات پیدا کرنا ہرگز پسند نہیں بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ بس خانقاہ کا یہ رنگ ہو۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسے رابا کسے کارے نباشد

(بہشت وہی جگہ ہے جہاں کوئی تکلیف نہ ہو اور کسی کو کسی سے کوئی غرض نہ ہو)

چنانچہ بفضلہ تعالیٰ و بتوجہات حضرت والا ماشاء اللہ یہی رنگ ہے البتہ جن میں پہلے ہی سے تعلقات قائم ہیں ان کو آپس میں بقدر ضرورت ملنے جلنے کی ممانعت نہیں لیکن کثرت سے ملنا جلنا اور فضول باتیں کرنا اور وقت ضائع کرنا ان کے لیے بھی پسند نہیں فرماتے چنانچہ ایک بار فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ یہاں ہر شخص اپنے اپنے کام میں لگا رہے بلکہ یہ جی چاہتا ہے کہ بلاضرورت کوئی کسی سے بات بھی نہ کرے۔ اھ

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے رسالہ **الامر المحکم المربوط فیما یلزم اھل طریق اللّٰہ من الشروط** کو اسی شرط پر ختم فرمایا ہے کہ **لا یترک الشیخ المریدین یجتمعون اصلادونہ الا اذا جمعھم**

بحضرته و متی ترکهم یجتمعون دونه فقد اساء فی حقهم یعنی شیخ کو چاہیے کہ مریدین کو آپس میں بھی اپنی مجلس کے علاوہ جمع نہ ہونے دے اور جو شیخ اس میں مسامحت کرے وہ مریدین کے حق میں برا کرتا ہے۔ اھ

نئے آنے والوں سے بالخصوص امراء سے میل جول پیدا کرنے کی مقیمین خانقاہ کو خاص طور سے ممانعت ہے بلکہ بعض کو اس پر زجر و توبیخ بھی فرمائی گئی اور بعض کو خطاب عام کے پیرایہ میں متوجہ کیا گیا چونکہ حضرت والا خود نہایت استغناء کے ساتھ رہتے ہیں اس لئے چاہتے ہیں کہ میرے اہل تعلق بھی نہایت استغناء کے ساتھ رہیں۔ لیکن خشونت اور بداخلاقی کی اجازت نہیں یہ مقیمین خانقاہ کا خواہ مخواہ بطور معمول کے آپس میں مل کر کھانا کھانا یا بلا اخذ اجازت ایک دوسرے کی دعوت کرنا بھی خلاف قواعد خانقاہ ہے۔ اور اہل قصبہ سے تعلقات پیدا کرنے کی تو سخت ممانعت ہے یہاں تک کہ اسی بناء پر ایک مقیم خانقاہ کو جو مثل بعض دیگر حضرات کے اپنے وطن کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر چلے آئے تھے خانقاہ سے باہر جانے کی بالکل ہی ممانعت فرما دی گئی تھی اور انہوں نے بھی اس کو ایسا نباہا کہ پھر وہ سالہا سال خانقاہ سے کبھی باہر نکلے ہی نہیں یہاں تک کہ اب بفضلہ تعالیٰ ان کو مدینہ طیبہ ہجرت کر جانے کا موقع مل گیا اور وہیں مقیم ہیں۔

خدمت کے آداب

بغیر بے تکلفی اور بلا ضرورت خدمت نہ لینا

حضرت والا کسی سے اس وقت تک خدمت لینا گوارا نہیں فرماتے جب تک اس سے بالکل دل نہ کھل جائے بلکہ جن سے دل کھلا ہوا ہے ان سے بھی بطور خود شاذ و نادر ہی اور کسی بہت ہی خفیف کام کی فرمائش کرتے ہیں۔ البتہ اگر وہ خود سبقت کرتے ہیں تو منع نہیں فرماتے لیکن مسلط ہو جانا ان کا بھی گوارا نہیں۔ کبھی کبھار کا مضائقہ نہیں حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ بعض کام خود ہی کرنے سے اچھا ہوتا ہے اور یہ بھی شکایت فرمایا کرتے ہیں کہ بعضوں کی خدمت تو خدمت کیا زحمت ہوتی ہے کیونکہ ان کو خدمت کرنے کا سلیقہ ہی نہیں ہوتا مثلاً

بعض نے استنجے کے لیے ایسا پانی دے دیا جو بہت تیز گرم تھا جس کی اس وقت خبر ہوئی جب پانی ڈالنا شروع کر دیا گیا پھر چونکہ بدن تر ہو چکا تھا اس لئے باہر نکل کر پانی کو معتدل بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ غرض بڑی مشکل سے پھونک پھونک کر اسی پانی سے استنجا کرنا پڑا جس سے تکلیف ہوئی اسی طرح بعضے وضو کے لیے زیادہ گرم یا بہت کم گرم پانی دے دیتے ہیں اسی لئے میں دو لوٹوں میں جدا جدا گرم اور ٹھنڈا پانی منگواتا ہوں تا کہ خود اپنے مزاج کے مطابق اس کو کرلوں اور گرم پانی کا لوٹا پورا بھرا ہو منگواتا ہوں اور ٹھنڈے کا آدھا بھرا ہوا تا کہ اس کو اپنی مرضی کے موافق کرنے میں سہولت رہے بعضے لوگ سہ دری کا پنکھا جھنے لگتے ہیں حالانکہ ان کو جھنے کا سلیقہ نہیں ہوتا چنانچہ اگر کوئی کھڑا ہو کر جانے لگتا ہے تو یہ حضرت جھنا موقوف ہی نہیں کرتے اور اس بیچارہ کے سر میں زور سے چوٹ لگتی ہے جن کو میں نے پنکھا جھلنے کی اجازت دے رکھی ہے ان کو یہ بھی بتلا رکھا ہے کہ جب کوئی کھڑا ہونے لگے تو فوراً رسی کو ہاتھ سے بالکل ہی چھوڑ دے تا کہ کوئی احتمال ہی چوٹ لگنے کا نہ رہے ورنہ اگر رسی کو تانے رہا تو اول تو یہ احتمال ہے کہ رسی ہاتھ سے چھوٹ جائے اور پنکھا سر میں جا لگے دوسرے یہ احتمال تو اکثر واقع ہوتا ہے کہ جانے والے کو اس کا ٹھیک اندازہ نہیں ہوتا کہ جھلنے والے پنکھے کو کتنا کھینچے گا اور کتنی دیر تک کھینچے رہے گا اس لئے اس کو چوٹ لگ جانے کا اندیشہ ہی لگا رہتا ہے اور بعض وقت چوٹ لگ بھی جاتی ہے اور کھینچے رہنے میں ایک صورت تقاضے کی بھی ہوتی ہے کہ جلدی سے نکلو ہم تمہارے جانے کے منتظر ہیں اور رسی بالکل چھوڑ دینے کی صورت میں جانے والا اطمینان اور آزادی سے پنکھے کو بچا کر نکل سکتا ہے۔ اس میں کوئی احتمال ہی چوٹ لگنے کا نہیں۔ غرض اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں کہاں تک بیان کی جائیں۔ پھر ہر شخص کی طبیعت اور مزاج اور عادت بھی جدا ہے واقف کار ہی سمجھ سکتا ہے کہ کس طریق سے خدمت کرنے میں راحت پہنچے گی اور ہر شخص پر یہ اطمینان بھی نہیں کہ یہ خلوص ہی سے خدمت کرے گا کیونکہ بعد کو اغراض نکلتی ہیں اور بعض سے خدمت لینا طبعاً گراں ہے مثلاً اہل علم سے سید سے اور بوڑھوں سے خدمت لیتے ہوئے مجھ کو بہت گرانی ہوتی ہے۔ اھ

خدمت کے ذریعہ کوئی مسلط نہ ہو

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ سب اپنے اپنے کام میں لگے رہیں خواہ مخواہ میری خدمت کے لیے مجھ پر مسلط نہ ہوں تاکہ وہ بھی آزاد رہیں اور میں بھی آزاد رہوں کیونکہ آزادی بڑی دولت ہے خلاصہ میرے مذاق کا حریت کا ہے چاہے اہانت ہو چاہے تعظیم جس سے آزادی میں فرق آئے اپنی یا دوسرے کی اس سے مجھ کو اذیت ہوتی ہے اور ہر مسلمان کا یہی مذاق ہونا چاہیے کہ غیر اللہ سے بالکل آزاد رہے کیونکہ خدائے تعالیٰ کی عبدیت مخلوق کی عبدیت کے ساتھ کیسے جمع ہو سکتی ہے۔ اھ

خدمت نہ لینے کی ایک مصلحت

حضرت والا لوگوں سے خدمت نہ لینے کی یہ مصلحت بھی بیان فرمایا کرتے ہیں کہ کسی پر لوگوں کو مقرب اور مخصوص ہونے کا گمان نہ ہو۔ جس میں خود اس کے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی بڑی بڑی خرابیاں ہیں اور ایک یہ بھی خرابی ہے کہ بعض احوال میں ایسا شخص خدمت کر کے بس یہ سمجھنے لگتا ہے کہ میں نے حق ادا کر دیا اور اپنے کام میں مشغول نہیں ہوتا۔ اھ

ایک دیہاتی کا واقعہ

اس جگہ حسن العزیز جلد اول سے بھی ملفوظ نمبر ۹۹ کا وہ حصہ جو اس مقام کے مناسب ہے نقل کیا جاتا ہے وہو ہذا۔ ایک دیہاتی نے بعد عشاء جب حضرت گھر تشریف لے جانے لگے حضرت کا جوتا اٹھا کر پہننے کے واسطے آگے بڑھ کر رکھ دیا۔ حضرت کے استعمال میں دو جوڑے رہتے ہیں ایک مضبوط جوتا جو صبح کے وقت جنگل جانے کے لیے پہنا جاتا ہے اور ایک معمولی جوتا گھر کے استعمال کے لیے۔ ان صاحب نے جوتا رکھ دیا جس کو شب کے وقت گھر جاتے ہوئے پہننا حضرت کا معمول نہ تھا۔ اس وجہ سے حضرت کو دوبارہ خود تکلیف کرنی پڑی اور خلجان ہوا وہ جدا۔ حضرت نے فرمایا کہ ارے بھائی جس شخص کو کسی کے معمولات کی خبر نہ ہو اس کو خدمت نہیں کرنا چاہیے۔ اب دیکھو اس تمہاری خدمت سے کس قدر زحمت ہوئی بھلا ایسی خدمت سے کیا فائدہ نکلا۔ اسی لئے مجھے اپنے کام خود ہی کرنے میں راحت رہتی ہے

کیونکہ جو شخص معمولات سے باخبر نہ ہو وہ خدمت کس طرح کر سکتا ہے۔ اسی شخص نے شب گذشتہ بھی جوتا اٹھا کر رکھا تھا۔ اس وقت چلتے ہوئے صرف یہ بات فرمائی تھی کہ او ہو آپ نے بڑا بھاری کام کیا دس بیس کوس سے اتنا بھاری اسباب لاد کر لے آتے ارے میاں یہ بھی بھلا کوئی خدمت ہوئی کوئی ایسا کام کیا ہوتا جس سے کچھ آرام تو پہنچتا جوتا کیا میں خود نہیں اٹھا سکتا تھا دوسری شب کو پھر وہی کام کیا اور ایسے بے ڈھنگے پن سے جیسا اوپر مذکور ہوا۔ پھر راستہ بھر یہی فرماتے رہے کہ قلوب میں رسوم کچھ ایسی غالب ہو گئی کہ چھوٹتی ہی نہیں۔ بس انہوں نے یہ دیکھ لیا کہ سب لوگ جوتے اٹھا اٹھا کر رکھتے ہیں لاؤ ہم بھی یہی کریں محض رسم پرستی رہ گئی ہے۔ مجھے شرم بھی آتی ہے کہ ایک شخص محبت سے خدمت کرتا ہے اسے کیا منع کروں لیکن کیا کروں۔ میرا سخت حرج ہو جاتا ہے اور مجھے اپنا ایک منٹ بھی ضائع ہونا سخت گراں گزرتا ہے۔ ہاں جسے سوائے مخدومیت کے اور کچھ نہ کرنا ہو وہ چاہے اسی قصہ میں رہے اب دیکھئے میں کتاب گھر لئے جا رہا ہوں رات کو بھی لکھوں گا۔ ان کی خدمت سے تنی پریشانی فضول ہوئی اور جھک جھک میں وقت ضائع ہوا وہ الگ۔ اب آج ان کو سمجھایا یہ رخصت ہو جائیں گے کل کو دوسرے نئے صاحب تشریف لائیں گے اب میں بس اسی قصہ کا ہو لیا کہ روز یہی سبق پڑھایا کروں اور بعضی بات عمل میں تو معمولی ہوتی ہے لیکن اس کو دوسرے کو سمجھانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ جوتا رکھنے کی حرکت اس احقر نے بھی کی تھی۔ فرمایا کہ بس جناب آپ پابندی نہ کیجئے نہ میں اوروں کو مقید کرنا چاہتا ہوں نہ خود مقید ہونا چاہتا ہوں۔ اللہ کے فضل سے بہت سے خدمت کرنے والے ہیں۔ آپ کی ضرورت نہیں۔ آپ جس کام کے لئے آئے ہیں اسی میں لگے رہئے۔ مجھے راحت اسی سے ہوتی ہے بلکہ خدمت سے الٹی کلفت ہوتی ہے۔ اھ

خدمت کیلئے اجازت لینا

ان ارشادات کی بناء پر ایسے لوگوں کے لیے جن سے دل کھلا ہوا ہے اسلم یہی ہے کہ قبل کسی خدمت کے لیے سبقت کرنے کے حضرت والا سے اجازت لے لیں جیسا کہ خود بھی فرمایا کرتے ہیں اور جن سے دل کھلا ہوا نہ ہو وہ تو کسی خدمت کا ارادہ ہی نہ کریں بلکہ اجازت بھی نہ لیں کیونکہ ایسوں کی خدمت سے سخت اذیت اور ناگواری ہوتی ہے اور تاکید

کے ساتھ روک دیتے ہیں اور اگر کبھی مروت میں آکر اجازت بھی عطا فرما دیتے ہیں تو جب بعد کو تکلیفیں پہنچتی ہیں اس وقت ممانعت کرنی پڑتی ہے۔

خدمت پر اصرار نہ کریں

جس وقت حضرت والا کسی خدمت سے روک دیں فوراً رک جانا چاہیے ورنہ اصرار سے سخت ایذا ہوتی ہے اور اصرار ادب کے بھی خلاف ہے بعض نے جوتا لینے پر اصرار کیا تو فرمایا کہ اچھا لے لیجئے لیکن میں انہیں پہنوں ہی گا نہیں۔ ننگے پاؤں گھر جاؤں گا جب یہاں تک ارشاد فرمانے کی نوبت پہنچی سب وہ حضرت باز آئے اور ایک اسی بات کی کیا تخصیص ہے جس وقت جس بات کے لیے ارشاد فرمایا جاوے فوراً تعمیل کرنی چاہیے بار بار کہنے کا منتظر نہ رہنا چاہیے کیونکہ حضرت والا کوئی بات محض تکلف سے نہیں فرماتے اور جو کچھ فرماتے ہیں خوب سوچ سمجھ کر فرماتے ہیں اور قطعی بات فرماتے ہیں جس میں تغیر و تبدل کی گنجائش ہی نہیں ہوتی لہذا اصرار بالکل عبث بلکہ مضر اور جانبین کے لیے موجب تکدیر و تکدر ہوتا ہے۔ لوگ عام عادت کے موافق تعمیل ارشاد بار بار کہے اس امید میں نہیں کرتے کہ شاید رائے ڈھیلی ہو جائے پھر جب لتاڑ پڑتی ہے تب مانتے ہیں یہ بہت ایذا دہ خصلت ہے۔

حضرت والاؒ کا اپنی ضروریات مختصر رکھنا

حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ میں نے اپنی ضرورت اتنی مختصر کر رکھی ہیں کہ ان کو میں خود ہی پورا کر لیتا ہوں کسی دوسرے کا محتاج نہیں چنانچہ آج کل فلاں فلاں سے میں نے کام لینا چھوڑ دیا ہے کیونکہ ان سے ہمیشہ تکلیف پہنچتی تھی گو پہلے ان سے بہت کام متعلق تھے اور ایک تو تنخواہ دار ملازم ہی ہے لیکن الحمد للہ مجھے کوئی تنگی پیش نہیں آئی حالانکہ کئی ماہ ہو گئے ان سے کسی قسم کا کوئی کام نہیں لیا گیا یہ اسی کی برکت ہے کہ بوجہ آزاد مزاجی کے میری ضروریات ہی بفضلہ تعالیٰ بہت کم ہیں جن کو میں خود ہی پورا کر لیتا ہوں۔ اھ

کسی کی طرف دیکھنے کے آداب

غور کے ساتھ بار بار دیکھنے کی ممانعت

اکثر نو واردین حضرت والا کی نشست و برخاست کو اس طرح تکا کرتے ہیں کہ

حضرت والا کو بھی اس کا علم ہو جاتا ہے جو نہایت نازیبا حرکت ہے کیونکہ اس سے دوسرے کی آزادی میں فرق آ جاتا ہے اور قلب پر بڑا بار ہوتا ہے ایسے موقعوں پر حضرت والا اکثر اظہار ناراضی میں یہ فرمایا کرتے ہیں کہ کیا کوئی تماشہ ہو رہا ہے جو اس طرح مجھے تک رہے ہو۔ اگر دیکھنے ہی کا شوق ہو تو اس طرح کہ حضرت والا کو یہ محسوس نہ ہو کہ فلاں شخص مجھ کو مسلسل تک رہا ہے یا اہتمام کے ساتھ دیکھ رہا ہے۔

حضرت کے تشریف لانے پر مڑ مڑ کر دیکھنا

اسی طرح بعضے لوگ جو پہلے سے صف میں بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں حضرت والا کے مسجد میں آنے کے وقت اس غرض سے کہ مصلیٰ پر جانے کے لیے جگہ دے دیں یا تو منہ موڑ موڑ کر حضرت والا کو دیکھنے لگتے ہیں یا کھڑے ہو جاتے ہیں یا ہٹنے لگتے ہیں اس سے بھی حضرت والا کو سخت اذیت و گرانی ہوتی ہے۔ فرمایا کرتے ہیں کہ میرے آنے کی وجہ سے کوئی تغیر نہ ہونا چاہیے جو جس طرح بیٹھا ہے بیٹھا رہا کرے یہ مجھے سخت گراں گزرتا ہے کہ میرے آتے ہی ایک ہل چل پیدا ہو جائے۔ میرے لئے جگہ دینے کا کوئی اہتمام نہ ہونا چاہیے۔ میں خود جدھر سے چاہوں گا آزادی کے ساتھ مصلے پر چلا جاؤں گا اگر جگہ نہ ہوگی کندھے پر ہاتھ رکھ کر اشارہ کر دوں گا اس وقت اپنے بدن کو قدرے جھکا کر تھوڑی سی جگہ نکلنے کے لیے دے دی جایا کرے اور یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ یہ تو ان کو تکلیف سے بچانا ہوا اور ایک تکلیف اس میں خود مجھ کو بھی ہوتی ہے کہ بعض اوقات میں کسی طرف جگہ دیکھ کر اس طرف سے نکلنا چاہتا ہوں اور بیٹھنے والا اسی طرف جھک کر دوسری طرف سے جگہ دینے لگتا ہے تو مجھ کو اپنا ارادہ بدلنا پڑتا ہے اور اس ارادہ بدلنے کے بعد بھی بعض اوقات کامیابی نہیں ہوتی کیونکہ وہ جگہ بھی اسی طرح گھر جاتی ہے۔ غرض سخت خلجان ہوتا ہے نکلنے کے موقع کو بس میری ہی رائے پر چھوڑ دیا جائے جس طرف سے میں مناسب سمجھوں گا آپ چلا جاؤں گا میں چاہتا ہوں کہ نہ مجھ کو تکلف ہو نہ میری وجہ سے کسی دوسرے کو تکلیف ہو نہ میرے ساتھ کوئی ایسا معاملہ کیا جائے جس سے میری شان ظاہر ہو کیونکہ مجھے اس سے بھی تکلیف ہوتی ہے۔ اسی طرح جب میں مسجد میں نماز پڑھانے کے لیے

آتا ہوں تو بعضے لوگ خواہ مخواہ میرے پیچھے پیچھے ہو لیتے ہیں اس سے بھی مجھے سخت اذیت ہوتی ہے اول تو شبہ سا ہوتا ہے کہ گویا میرے ہی منتظر بیٹھے تھے اور مسجد میں کسی کا ایسا انتظار کرنا محض لغو حرکت ہے دوسرے اس صورت میں مقید بھی ہو جاتا ہوں کیونکہ اگر کسی ضرورت سے لوٹنا ہو تو یہ خیال کر کے کہ پیچھے پیچھے لوگ آ رہے ہیں لوٹنے کو طبیعت گوارا نہیں کرتی کہ ان کو ہٹنا پڑے گا اور تکلیف ہوگی۔ نیز مسجد میں اس حالت سے جانا کہ لوگ پیچھے پیچھے جا رہے ہیں برا معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ ایک شان اور نمود کی سی صورت ہے۔ پھر بعضے اس سے یہ ناجائز فائدہ بھی اٹھاتے ہیں کہ میرے پیچھے پیچھے آ کر صف میں اس جگہ کھڑے رہ جاتے ہیں جو اکثر باوجود میری ممانعت کے میرے نکلنے کے لیے چھوڑ دی جاتی ہے حالانکہ ان کو وہاں بوجہ اس کے کہ بعد کو آئے کھڑے ہونے کا کوئی استحقاق نہیں ہوتا اور چونکہ وہ جگہ بہت تنگ ہوتی ہے اس لئے جو وہاں پہلے سے موجود ہوتے ہیں ان کو تنگی ہوتی ہے۔

اور بعضے مسجد کے اندر عین اس وقت جب میں نماز پڑھانے کے لیے جاتا ہوا ہوتا ہوں مصافحہ کرنے لگتے ہیں جس سے میں محبوس ہو جاتا ہوں اور بعض دفعہ وقت بھی تنگ ہوتا ہے جس کی وجہ سے میں تو اِدھر جانا چاہتا ہوں جلدی اور اُدھر ان کو ایسے وقت سوجھتی ہے مصافحہ کی جس سے قلب میں سخت تنگی واقع ہوتی ہے اور بعضے نماز ہو چکنے کے بعد جب میں کچھ وظیفہ پڑھنے لگتا ہوں محض میرے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں جس سے وظیفہ میں یکسوئی نہیں رہتی ایک بار ایک صاحب نے وظیفہ میں آ کر مصافحہ کرنا چاہا جب میں متوجہ نہ ہوا تو آپ نے زور سے کہا مصافحہ میں نے بھی بلا متوجہ ہوئے اسی انداز سے کہہ دیا وظیفہ۔

میں اس کی بڑی احتیاط رکھتا ہوں کہ کسی کے وظیفہ میں خلل انداز ہوں کیونکہ بزرگوں نے لکھا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کو بڑی غیرت آتی ہے کہ جو بندہ اس کے ذکر میں مشغول ہو اس کو دوسری طرف متوجہ کیا جائے۔ اور بعضے وظیفہ پڑھتے میں آ کر میرے پیچھے بیٹھ جاتے ہیں ایک ایسے ہی شخص کا میں نے خوب علاج کیا وہ میرے پیچھے آ کر بیٹھا تو میں اٹھ کر اس کے پیچھے جا بیٹھا وہ اٹھنے لگا تو میں نے ڈانٹا کہ خبردار جو اپنی جگہ سے ہٹے اب تو وہ بڑا گھبرایا اور بہت کسمسایا لیکن کیا کرتا مجبوراً بیٹھا رہا میں بھی خوب ترتیل کے ساتھ اپنا وظیفہ بہت دیر

تک پڑھتا رہا جب اطمینان سے اپنا وظیفہ پورا کر چکا اس وقت میں نے اس کو اٹھنے کی اجازت دی۔ پھر میں نے پوچھا کہ کچھ تکلیف بھی ہوئی اس نے کہا جی بڑی تکلیف ہوئی لیکن ڈر کے مارے بیٹھا رہا میں نے کہا کہ بس ایسے ہی کسی کے پیچھے بیٹھنے سے مجھے بھی تکلیف ہوتی ہے اس نے کہا کہ آپ تو بزرگ ہیں میں نے کہا آپ بھی بزرگ ہیں کیونکہ مسلمان ہیں اور میں ہر مسلمان کو بزرگ سمجھتا ہوں خبردار جو پھر کبھی ایسی حرکت کی۔ اھ

حضرت والا اس قسم کی تنبیہات فرما کر فرما دیا کرتے ہیں کہ یہ سب سخت ایذادہ اور خلاف تہذیب حرکات ہیں ان کا صرف یہیں نہیں بلکہ ہر جگہ خیال رکھنا ضروری ہے۔ اھ

سلام وقیام دیگراں

حضرت والا کو طالبین کا دوسروں کی طرف سے سلام و پیام خط ہدیہ وغیرہ لانا بھی پسندیدہ نہیں بالخصوص جن سے حضرت والا کو بے تکلفی نہ ہو۔ بعضے تو اہل خصوصیت کے ہدایا اور خطوط وغیرہ لاکر ان کو ذریعہ تقرب بناتے ہیں اور خصوصیت کے برتاؤ کے متوقع رہتے ہیں اور بعضے صرف دوسروں ہی کے سلام و پیام پہنچانے میں رہتے ہیں اور اپنی فکر نہیں کرتے اور سمجھتے ہیں کہ بس ہم نے تعلق کا حق ادا کر دیا۔ جو طالبین پوری طرح اپنی اصلاح کے اہتمام میں مشغول ہوں وہ آکر کبھی کبھار کسی کا سلام پیام بھی پہنچا دیں تو خیر اسکا مضائقہ نہیں۔ اھ

سفارش کرنا

طالبین کسی کا سفارشی خط بھی نہ لائیں نہ کسی سے سفارش کرائیں کیونکہ امر دین میں سفارش کا کیا کام جس کے ساتھ جیسا معاملہ کرنا مناسب ہوگا حضرت والا اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ فرمائیں گے۔ سفارش لانے کے تو یہ معنی ہیں کہ اثر ڈال کر اپنی مرضی کے موافق معاملہ کرانا چاہتے ہیں جس کا طالب کو نہ حق ہے نہ اس امر میں اس کی مرضی کا اتباع اس کے لیے نافع ہے۔ حضرت والا ایسی سفارشوں کا کوئی خاص اثر نہیں لیتے بلکہ اکثر ایسے سفارشیوں کو بے نیل مرام ہی واپس کر دیتے ہیں تا کہ اس حرکت کا نازیبا اور غیر نافع بلکہ مضر ہونا ان کو اور ان کے سفارش کرنے والوں کو معلوم ہو جائے اور آئندہ کے لیے سفارشوں کا سلسلہ بند ہو۔ چنانچہ ایک

صاحب مدت تک ایک اور صاحب کے ذریعہ سے بیعت کی درخواست کرتے رہے لیکن کامیاب نہ ہوئے اور جب انہوں نے خود لکھا تو پہلے ہی خط میں بیعت فرمالیا۔

ہدیہ پیش کرنا

نو واردین بلکہ ایسے سب آنے والوں کو جن سے حضرت والا کا خوب اچھی طرح دل کھلا ہوا نہ ہو عموماً حضرت والا کی خدمت میں کسی قسم کا ہدیہ نہ پیش کرنا چاہیے اور اگر بہت ہی جی چاہے تو پہلے اجازت حاصل کرلیں پھر اگر حضرت والا شرائط ہدیہ موجود نہ ہونے کے عذر سے انکار فرمادیں تو اس کے بعد ہرگز اصرار نہ کریں۔ ہدیہ کے متعلق شرائط و آداب انشاء اللہ تعالیٰ آگے عنوان پنجم ''اصول متفرقہ'' میں آتے ہیں وہاں ملاحظہ ہوں۔

مجلس کے آداب

اوقاتِ مجلس کا خیال

آج کل مجلس عام کا وقت ظہر کے بعد سے تا اذان عصر ہے جیسا کہ اعلان انضباط اوقات میں مذکور ہے جو نشست گاہ کے باہر دیوار پر آویزاں ہے اور جس کی نقل اپنے موقع پر اوپر کے کسی عنوان میں گزر چکی ہے دیگر اوقات میں بجز ابتدائی اور رخصتی ملاقات کے حضرت والا کی خدمت میں نہ جائیں۔ اگر صبح کی مجلس خاص ہو رہی ہو تو اس میں بھی بلا خاص اجازت حاصل کیے نہ بیٹھیں۔ اور اگر ایسے وقت محض ابتدائی یا رخصتی ملاقات کرنی ہو تو ملاقات کرکے اور اپنا کافی تعارف کرا کے اور اپنی غرض صاف صاف بیان کرکے فوراً وہاں سے چلے آئیں۔

مخصوص جگہ پر نہ بیٹھیں

مجلس شریف میں جہاں حضرت والا بیٹھتے ہیں اس کی پائیں میں جو گوشہ ہے وہ صرف ان لوگوں کے لیے ہے جن کو کوئی بات کہنی ہوتی ہے یا صرف ملاقات کرنی ہوتی ہے بعض لوگ اس جگہ مستقل طور پر بیٹھنے لگے تو متنبہ فرمایا کہ یہ تو دیکھنا چاہیے کہ اگر یہ مستقل طور پر بیٹھنے کی جگہ ہوتی تو خالی کیوں ہوتی' لوگ پہلے سے بیٹھے ہوئے ہیں وہ یہاں کیوں نہ بیٹھتے ایسی باتوں کی طرف خیال نہ کرنا آداب مجلس کے خلاف ہے۔ اھ

غرض حضرت والا کی پائیں میں جو جگہ ہے وہاں مستقل طور پر نہ بیٹھیں بات کہہ کر یا ملاقات کر کے جہاں عام اہل مجلس کے بیٹھنے کی جگہ ہے وہاں جا بیٹھیں۔

اہل مجلس کو تنگ نہ کریں

لیکن اس طرح جو پہلے سے بیٹھے ہوئے ہوں ان کو تنگی نہ ہو اور کسی کو اس کی جگہ سے اٹھایا یا ہٹایا نہ جائے اگر قریب جگہ ہو تو بلا ضرورت دور نہ بیٹھیں۔

قریب جگہ ہو تو دور نہ بیٹھیں

بعضے باوجود قریب جگہ ہونے کے دور بیٹھے یا قریب کی جگہ خالی ہو جانے کے بعد بھی دور ہی بیٹھے رہے تو اس پر تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ آپ تو اس طرح بیٹھے ہیں کہ آنے والے دیکھ کر خواہ مخواہ مرعوب ہوں کہ افوہ بڑی پر رعب مجلس ہے۔ کسی کو پاس بیٹھنے کی بھی ہمت نہیں تو کیا آپ مجھ کو لوگوں کی نظر میں بھیڑیا بنانا چاہتے ہیں۔ اھ

بالکل ساتھ مل کر نہ بیٹھیں

اسی طرح بعضے بے ڈھنگے لوگ بہ وقت ملاقات بہت ہی قریب مل کر بیٹھ گئے تو اس پر بھی تنبیہ فرمائی کہ اگر ادب کریں گے تو اتنا کہ جو تکلف اور تصنع کی حد تک پہنچ جائے گا اور بے تکلفی برتیں گے تو اتنی کہ جو بیہودگی کی حد تک پہنچ جائیں گی کچھ ایسا مذاق خراب ہوا ہے کہ اعتدال پر کوئی رہا ہی نہیں الا ماشاء اللہ یا تو افراط ہے یا تفریط۔ حالانکہ حضرت حق جل شانہٗ کا ارشاد ہے **وکذالک جعلنا کم امة وسطا** جس کی تفسیر و تائید ان روایات سے ہوتی ہے **خیر الامور اوسطها وخیر الاعمال اوسطها (کلاهما فی المقاصد الحسنة والاول فی کنوز الحقائق ایضاً و هما یصلحان للتائید و ان لم یثبت سندهما)** اور فطرت سلیمہ کا بھی یہی مقتضا ہے۔ اھ

اہل خصوصیت اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھیں

دوران مجلس میں حضرت والا کی سہ دری کا مغربی حصہ اہل خصوصیت کے بیٹھنے کے لیے

مخصوص وہاں صرف ایسے صاحبوں کو بیٹھنا چاہیے جن کو حضرت والا وہاں بیٹھنے کے لیے ارشاد فرمائیں یا جن کو پہلے سے معلوم ہے کہ حضرت والا ان کو وہیں بٹھایا کرتے ہیں بلکہ موٴخرالذکر صاحبوں کو تو ازخود وہیں بیٹھنا چاہیے تکلف نہ کرنا چاہیے کیونکہ جب حضرت والا کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ عام جگہ پر بیٹھے ہیں تو حضرت والا کو خاص طور سے کہنا پڑتا ہے کہ آپ وہاں کہاں جا بیٹھے یہاں آ جائیے اگر جگہ بھی کم ہوتی ہے تو مزاحاً یہ فرما کر بلا لیتے ہیں کہ آیئے انشاءاللہ جگہ ہو جائے گی کیونکہ حضرت شیخ سعدیؒ فرما گئے ہیں کہ دہ درویش در گلیمے بخسپند۔اھ

حضرت والاؒ کے سامنے تسبیح نہ پڑھیں

جس کو آدمی اپنے سے بڑا سمجھے اس کے سامنے نمایاں طور پر تسبیح لیکر بیٹھنا خلاف ادب ہے کیونکہ یہ ایک دعویٰ کی سی صورت ہے اس لئے حضرت والا کے مواجہ میں تسبیح لیکر نہ بیٹھیں یا تو رومال اوپر سے ڈال کر پڑھیں یا محض زبان سے پڑھتے رہیں اور جس وقت حضرت والا مجلس میں کچھ ارشاد فرما رہے ہوں اس وقت تو زبان سے بھی کوئی وظیفہ وغیرہ نہ پڑھیں بلکہ ہمہ تن گوش ہو کر حضرت والا کے ارشادات کو سننے لگیں لیکن جیسا کہ اوپر بھی عرض کیا جا چکا ہے حضرت والا کی جانب ٹکٹکی باندھ کر مسلسل نہ دیکھتے رہیں نہ دوران ملفوظات میں نہ ویسے کیونکہ ایسا کرنے سے دوسرے کے قلب پر سخت بار ہوتا ہے اور وہ اپنی حرکات وسکنات میں آزاد نہیں رہتا اور یکسوئی نہیں رہتی کیونکہ ہر وقت یہی خیال لگا رہتا ہے کہ یہ شخص اہتمام کے ساتھ مسلسل مجھے کیوں تک رہا ہے۔

آپس میں بات چیت نہ کریں

مجلس میں بیٹھ کر آپس میں بات چیت کرنا خلاف آداب مجلس ہے اس کی حضرت والا ممانعت فرماتے رہتے ہیں اور فرما دیتے ہیں کہ اگر بات چیت کرنی ہو تو مجلس سے باہر جا کر کریں۔ اگر کسی سے کوئی بہت ہی ضروری اور مختصر بات مجلس ہی میں کہنے کی مجبوری ہے تو چپکے چپکے نہ کہیں بلکہ اس طرح کہیں کہ حضرت والا بھی سن سکیں نہ تو سرگوشی کریں نہ بہت پکار کر کہیں متوسط آواز سے اور ذرا کھل کر کہیں۔

جو مخاطب ہو وہ متوجہ رہے

حضرت والا عام ارشادات میں صرف اہل خصوصیت کو اپنا مخاطب بناتے ہیں۔

مخاطب کو چاہیے کہ وہ خاص طور سے حضرت والا کی جانب متوجہ رہے اور جو قابل تحسین باتیں ہوں ان پر بشرہ سے اور اگر موقع ہو تو زبان سے بھی اظہار بشاشت کرے کیونکہ حسب ارشاد حضرت والا یہ آداب تخاطب میں سے ہے۔ ورنہ بے حس وحرکت اور ساکت و صامت بیٹھے رہنے سے خطاب کرنے والے کو یہی پتہ نہیں چلتا کہ میرا مخاطب بات کو سمجھا بھی یا نہیں اور پھر مضامین کی آمد ہی بند ہو جاتی ہے۔ اھ

مخاطبت بلاضرورت نہ بولے

اسی طرح حسب ارشاد حضرت والا آداب مخاطبت میں سے یہ بھی ہے کہ سنی ہوئی بات کو بھی اس طرح سنے کہ جیسے پہلے سے سنی ہوئی نہیں ہے تاکہ بات کہنے والے کا دل افسردہ نہ ہو جائے۔ اھ

دیگر جن کو مخاطبت کی اجازت بھی ہو وہ بھی بلاضرورت نہ بولیں زیادہ تر حضرت والا ہی کو کلام فرمانے دیں تاکہ سب حاضرین کو جو زیادہ تر اسی غرض سے مجلس شریف میں حاضر ہوتے ہیں حضرت والا کی زبان فیض ترجمان سے مضامین نافعہ سننے کا زیادہ سے زیادہ موقع نصیب ہو۔ دوسروں کے زیادہ بولنے سے اہل مجلس کو تنگ ہوتے میں نے خود دیکھا ہے۔ یہ فعل علاوہ خلاف آداب مجلس ہونے کے بقول شیخ سعدی علیہ الرحمتہ طریق محبت کے بھی خلاف ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

عجب است با وجودت کہ وجود من بماند　　　تو بگفتن اندر آئی و مرا سخن بماند

(یہ عجیب ہے کہ تیرے ہوتے ہوئے میرا وجود رہے، تو بات کرتے ہوئے اندر آئے اور میری بات رہے)

بے جوڑ سوال نہ کریں

حضرت والا کے دوران کلام میں دخل در معقولات نہ کریں نہ بے جوڑ سوالات کریں نہ اس وقت کوئی اشکال پیش کریں کہ ان سب باتوں سے کلام کا لطف برباد ہو جاتا ہے اور مضامین کی آمد بند ہو جاتی ہے۔ اگر کسی تقریر کے متعلق ضروری بات پوچھنی ہو تو ختم مضمون کے بعد سلیقہ کے ساتھ پوچھیں بشرطیکہ مخاطبت کی اجازت بھی پہلے سے حاصل ہو۔ اھ

2: پاؤں یا ہاتھ کو فضول نہ ہلائیں

مجلس میں بیٹھے ہوئے پاؤں یا ہاتھ کو فضول نہ ہلائیں جیسے کہ بعضوں کی عادت ہوتی ہے بالخصوص انگریزی خوانوں کی۔ ایک بار احقر سے یہی حرکت سرزد ہوئی کہ بیٹھا ہوا پاؤں ہلا رہا تھا فوراً تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ یہ آداب مجلس کے خلاف ہے اگر سب اسی طرح اپنے اپنے پاؤں ہلانے لگیں تو ساری مجلس میں ایک زلزلہ کی سی کیفیت پیدا ہو جائے اس عادت کو بہت اہتمام کے ساتھ ترک کرنا چاہیے کیونکہ علاوہ لغویت کے اس میں آزاد خیال لوگوں کے ساتھ تشبیہ بھی ہے۔ اھ

کسی چیز کو نہ چھیڑیں

اسی طرح کسی پاس رکھی ہوئی چیز کو فضول بطور مشغلہ کے خواہ مخواہ چھیڑیں نہیں جیسی کہ بعضوں کی عادت ہوتی ہے نہ نشست گاہ کی موجودات پر نظر دوڑائیں۔ یہ سب امور آداب مجلس کے خلاف ہیں ان سے بہ اہتمام خاص احتراز رکھیں۔

راستہ چلنے کے آداب

۱۔ راستہ میں مصافحہ نہ کریں

مصافحہ یا بات چیت راستہ چلتے میں نہ کریں اگر اتفاق سے سامنا ہو جائے تو صرف سلام کا مضائقہ نہیں۔

۲۔ پشت کی جانب سے تخاطب نہ کریں

راستہ چلتے پشت کی جانب سے کسی قسم کا تخاطب نہایت بدتہذیبی ہے۔ چنانچہ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ حضرت والا امام ابو حنیفہؒ نے حضرت امام ابو یوسفؒ کو وصیت فرمائی تھی کہ اگر تم کو کوئی پشت کی طرف سے خطاب کرے تو اس کا جواب مت دو کیونکہ اس نے تمہاری بڑی اہانت کی اور تم کو اس نے گویا جانور سمجھا۔ جانوروں ہی کو پشت کی طرف سے خطاب کیا جاتا ہے۔

۳: کوئی خواہ مخواہ ساتھ نہ ہولے

حضرت والا کو راستہ چلتے وقت کسی کا خواہ مخواہ ساتھ ہو لینا پسند نہیں کیونکہ چلنے میں آزادی

اشرف السوانح- جلد۲ ک25

نہیں رہتی حضرت والا اپنے معمول کی تائید طبقات کبریٰ میں دیکھ کر بہت مسرور ہوئے۔ اس میں لکھا ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ بھی راستہ میں اپنے ہمراہ کسی کو نہیں چلنے دیتے تھے۔ اھ

اس میں علاوہ آزادی نہ رہنے کے یہ بھی خرابی ہے کہ حضرت والا باقتضائے ہمراہیوں کے اچھا راستہ چھوڑ دیتے ہیں اور خود ناہموار راستہ پر ہو لیتے ہیں جس کی وجہ سے ویسے بھی تکلیف ہوتی ہے اور بعض اوقات تو پاؤں نالی میں چلا جاتا ہے یا ٹھوکر لگ جاتی ہے جس سے اذیت ہوتی ہے جب کئی بار ایسا ہوا تو پھر حضرت والا نے اپنے اس اقتضاء طبعی پر عمل کرنا بہ تکلف چھوڑ دیا مگر اول تو خلاف طبیعت عمل کرنے میں اذیت ہوتی ہے۔ دوسرے بعض اوقات ذہول ہو جاتا ہے۔

۴: کوئی پیچھے نہ چلے

حضرت والا کو راستہ میں کسی کا پیچھے چلنا بھی ناگوار ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا کرتے ہیں کہ بعض اوقات کسی وجہ سے رکنا ہو گیا تو پیچھے آنے والا ٹکرا جاتا ہے۔

کوئی راہ چلتا ہوا رک نہ جائے

حضرت والا کو یہ بھی گوارا نہیں کہ جو شخص راستہ چل رہا ہو وہ حضرت والا کی وجہ سے رک جائے یا اپنی رفتار سست کر دے بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ اپنی چال چلتا رہے اور جب حضرت والا تک پہنچے تو ایک پہلو ہو کر آگے نکلا ہوا چلا جائے۔ اس بے تکلفی سے تو حضرت والا کو بہت راحت اور مسرت ہوتی ہے لیکن اگر کوئی بہت ہی مؤدب ہو اور وہ آگے نہ نکلنا چاہے تو زیادہ فصل سے پیچھے چلے تاکہ حضرت والا پیروں کی آہٹ نہ سنیں ورنہ اس علم سے کہ کوئی پیچھے آ رہا ہے حضرت والا کو سخت الجھن ہوتی ہے۔ غرض راستہ چلنے میں حضرت والا کے ساتھ نہ رہنا چاہیے۔ البتہ اگر خود ہی ساتھ لے لیں یا باتیں فرمانے لگیں تو اور بات ہے۔ راستہ میں کسی کا ساتھ ہو لینا علاوہ مقید ہو جانے کی وجہ سے ناگوار ہونے کے اس لیے بھی ناگوار ہوتا ہے کہ انہماک مشاغل کثیرہ کے بعد تو کہیں تھوڑی دیر کے لیے فراغ کی نوبت آتی ہے اس میں بھی لوگ آ کر مخل ہو جاتے ہیں چنانچہ ایسے مواقع پر مثلاً راستہ چل رہے ہوں یا وظیفہ پڑھ رہے ہوں اگر کوئی مخل ہوتا ہے تو خفا ہو کر فرمانے لگتے ہیں کہ آپ

لوگوں کو خدا کا خوف نہیں آتا کہ کسی وقت چین ہی نہیں لینے دیتے۔ وظیفہ تک بھی اطمینان سے نہیں پڑھنے دیتے۔ راستہ چلتے بھی آ گھیرتے ہیں۔ اس ظلم وستم کی بھی کوئی انتہا ہے۔ کیا ہر وقت آپ صاحبوں کے کام میں رہوں اپنا کام کسی وقت کروں ہی نہیں۔ اھ

نیز اکثر راستہ چلتے ہوئے بھی حضرت والا مسائل مشکلہ میں غور وفکر فرماتے رہتے ہیں اس لیے بھی کسی کا مخل ہونا ناگوار ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا کرتے ہیں کہ فلاں مسئلہ کا حل جب میں گھر جاتے ہوئے فلاں مکان کے قریب پہنچا اس وقت اللہ تعالیٰ نے قلب میں ڈالا۔ فلاں بات جنگل میں فلاں موقع پر سمجھ میں آئی جب میں تلاوت کرتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ فلاں اشکال اس وقت حل ہوا جب میں لین کے قریب تھا اسی وقت اس کو قلمبند کر لینے کے لیے لوٹا تا کہ ذہن سے نکل نہ جائے اور پھر دوبارہ جا کر تلاوت اور مشی کو پورا کیا۔ اھ

بعض اوقات حضرت والا قریب مغرب تک کام کرنے کے بعد گھر جاتے ہوئے راستہ میں کوئی اخبار یا مضمون پڑھتے ہوئے تشریف لے جاتے ہیں غرض دیکھنے والے دیکھتے ہیں کہ حضرت والا کا کوئی وقت کام سے خالی نہیں رہتا تو جو ہر وقت اس درجہ مشغول رہتا ہو ظاہر ہے کہ اس کو کسی کا بے جا طور پر وقت بے وقت مخل ہونا کس درجہ ناگوار ہوگا۔ لہٰذا اس کو سب لوگوں کا بہت خیال رکھنا چاہیے کہ بے موقع اور بے وقت حضرت والا کو اپنی طرف مشغول نہ کریں اور اس میں ان کا کوئی حرج بھی نہیں کیونکہ حضرت والا نے خود ہی لوگوں کی ضرورتوں پر نظر فرما کر بقدر ضرورت سب کے کاموں کے لیے اوقات مقرر فرما رکھے ہیں۔ کسی کا کوئی کام اٹکا نہیں رہ سکتا ہاں اگر کوئی یوں چاہے کہ جس طرح میں حساب لگا کر آیا ہوں اسی طرح اور اسی وقت میرا کام کر دیں تو یہ تو محتاج الیہ کو اپنا تابع بنانا ہوا جس کا اس کو کسی قاعدہ سے بھی حق حاصل نہیں۔

رخصت ہونے کے آداب

۱: الوداعی ملاقات کا طریقہ

ابتدائی ملاقات کی طرح رخصتی ملاقات کا بھی وقت مقرر نہیں لیکن جب رخصتی ملاقات کے لیے آئیں تو آتے ہی کہہ دینا چاہیے کہ میں جا رہا ہوں کیونکہ بعض اوقات محض سلام د

مصافحہ کرنے سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ آمد کا مصافحہ ہے یا رخصت کا اور دونوں کے آثار و لوازم جدا جدا ہیں اشتباہ سے خلجان ہوتا ہے۔

۲: رخصت ہوتے وقت کوئی حاجت پیش نہ کریں

عین چلتے وقت تعویذ وغیرہ کی درخواست یا اور کوئی حاجت پیش نہ کریں بلکہ بہت پہلے سے پیش کریں تاکہ حضرت والا کو قلت وقت کی وجہ سے اس کے پورا کرنے میں تنگی پیش نہ آئے۔ بعضوں نے تنگ وقت میں کوئی درخواست کی تو اظہار ناپسندیدگی فرما کر اس کو رد فرما دیا اور فرمایا کہ اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ جب آپ کا حکم ہو چکا ہے مجھے فرصت ہو یا نہ ہو فوراً مجھ کو سب کام چھوڑ کر تعمیل حکم کرنا چاہیے جس سے کام لینا ہو کیا اس کو اس طرح مقید کرنا چاہیے۔ اھ

بس اب احقر اس نمبر کو ختم کرتا ہے کیونکہ استیعاب مقصود نہیں نہ استیعاب ہو سکتا ہے اس لئے کہ ہر شعبہ اخلاق کے متعلق سینکڑوں آداب ہیں جن کی حضرت والا رات دن علماً و عملاً و قالاً تعلیم فرماتے رہتے ہیں کہاں تک بیان کئے جا سکتے ہیں اور کہاں تک یاد آ سکتے ہیں۔ جتنے عرض کئے گئے فہیم و سلیم کو نمونہ کے لیے اتنے ہی کافی و وافی ہیں۔ انہی سے انشاء اللہ تعالیٰ بشرط تدبر و تفکر و اہتمام و التزام بقیہ آداب ضروریہ کے بھی سمجھ لینے کی مناسبت پیدا ہو جائے گی کیونکہ اس قسم کے سب آداب طبعی اور فطری ہیں۔ تھوڑی سی تنبیہ بھی کافی ہے بقول مشہور "اگر در خانہ کس است یک حرف بس است"

بس اس نمبر کے ساتھ عنوان چہارم بھی ختم ہوا۔ الحمدللہ اب عنوان پنجم شروع کرتا ہوں۔

و باللہ التوفیق

عنوان پنجم

اصول متفرقہ

اس عنوان کے تحت میں مختلف امور کے متعلق حضرت والا کے چند متفرق اصول نیز جو بعض اصول متعلقہ عنوانات ماسبق بعد میں یاد آئے ان کو لکھ کر اس مضمون پنج گنج اشرف کو انشاء اللہ تعالیٰ ختم کر دیا جائے گا اور اسکے ساتھ ہی اس باب ارشاد و افاضۂ باطنی کو بھی بند کر

دیا جائے گا کیونکہ وہ بذا قصد بہت طویل ہو گیا گو باوجود طول کے بھی وہ ہنوز بالکل ناتمام اور تشنہ تکمیل اور ہمیشہ تشنہ تکمیل ہی رہے گا چاہے جتنی خامہ فرسائی کی جائے بقول۔

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی راسخن پایاں   بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

(نہ اس کے حسن کی کوئی انتہاء ہے، نہ سعدی کی بات ختم ہوتی ہے، استسقاء کی بیماری والا پیاسا مر جاتا ہے اور دریاء اسی طرح باقی رہتا ہے)

ہدیہ کے متعلق اصول

تمام اصولوں کا خلاصہ اور منشاء

حضرت والا کے یہاں ہدیہ کے متعلق بہت سی شرائط اور بہت سی حدود و قیود اور بہت سے قواعد وضوابط ہیں جو سراسر مصلحت بلکہ شرعی و عقلی ضرورت پر مبنی ہیں اور سر بسر سنت سنیہ اور فطرت سلیمہ اور اصول صحیحہ کے مطابق ہیں ان سب کا حاصل یہ ہے کہ جب تک ہدیہ دینے والے کے متعلق حضرت والا کو پورا اطمینان اور شرح صدر نہیں ہو جاتا کہ یہ بالکل صدق وخلوص سے ہدیہ دے رہا ہے اور یہ میرے متعلق کسی قسم کے دھوکہ میں نہیں ہے اور اس ہدیہ کے قبول کرنے میں کسی دینی یا دنیوی مصلحت میں خلل نہیں پڑتا نہ اس کی نہ میری خواہ وہ گرانی ہی کی درجہ میں ہو اس وقت تک ہدیہ قبول نہیں فرماتے اور جن پر ان امور کے متعلق پورا اطمینان ہو چکا ہے کہ وہ جو کچھ دیں گے ان سب امور کی رعایت کر کے دیں گے ان کے لیے کوئی قواعد وضوابط نہیں بلکہ مزاحاً فرمایا کرتے ہیں کہ ایسے لوگ تو اگر مجھے اپنا سارا گھر بھی بخش دیں تب بھی انکار نہیں۔"

ہدیہ کے متعلق احقر ہی کے قلمبند کیے ہوئے بعض پرانے ملفوظات حسن العزیز جلد اول میں حسن اتفاق سے ایسے نظر پڑے جن میں حضرت والا نے بضمن واقعات بہت سے آداب ہدیہ اور اپنے بہت سے اصول وشرائط متعلق ہدیہ مع ان کی مصالح وحکم وتائیدات منصوصہ کے خود تیار فرمائے ہیں ان میں سے بعض کا اس جگہ ملخصاً نقل کر دینا انشاء اللہ تعالیٰ ناظرین کے لیے اس موضوع کے متعلق کافی معلومات حاصل کرنے کا ذریعہ ہوگا اور احقر مکرر لکھنے کے تعب سے بچ جائے گا جس کے لیے بوجہ قرب اختتام رخصت میرے پاس وقت بھی نہیں۔

نقل ملفوظات متعلق ہدیہ از حسن العزیز جلد اول

۱: ایک دیہاتی کے گڑ پیش کرنے کا واقعہ

(ماخوذ از حسن العزیز جلد اول ملفوظ نمبر ۷۸)

ایک کاشتکار پٹی ملحقہ تھانہ بھون مسمی مساوی کا کچھ گڑ ہدیہ لایا حضرت نے فرمایا کہ مساوی میں تو موروثی زمین کی بہت کثرت ہے اس نے کہا کہ یہ گڑ موروثی زمین کا نہیں ہے اور یہ بھی کہا کہ جو کھیت موروثی کا ہے اس میں اکیھ نہیں حضرت والا نے فرمایا کہ پیداوار تو سب ملی جلی ہوتی ہے اس نے کہا کہ نہیں علیحدہ علیحدہ ہے پھر بعد کو وہ شخص یہ کہنے لگا کہ میرے پاس موروثی کوئی کھیت نہیں حضرت نے فرمایا کہ ابھی ابھی تم خود اقرار کر چکے ہو کہ جو کھیت موروثی ہے اس میں اکیھ نہیں اب میں کیسے یقین کرلوں کہ کوئی کھیت موروثی کا نہیں اجی ہم ایسے متقی تو کہاں ہیں کہ دور تک کی تحقیق کریں لیکن اس طرح بھی آنکھیں نہیں بند کی جاتیں بھائی دیکھ کر تو مکھی نہیں نگلی جاتی۔ پھر عام خطاب کے طور پر فرمایا کہ ایک تو یہ بات ہے کہ دل میں شبہ پڑ گیا دوسرے یہ کہ باوجود اس کے کہ مساوی بالکل تھانہ بھون سے ملا ہوا ہے لیکن وہاں کے لوگوں کو اس قدر اجنبیت دین سے ہے جیسے کوئی دیہات پانچ سو کوس پر اہل علم سے ہو۔ کوئی بندہ خدا کا کبھی کوئی دین کی بات پوچھنے نہیں آتا ہاں اگر آتے ہیں تو کوئی دودھ دینے آتا ہے کوئی گڑ چاول لاتا ہے اور میں لیتا نہیں کیونکہ اس شخص سے کوئی چیز لینے میں نہایت ذلت معلوم ہوتی ہے جس کو خود کوئی نفع نہ پہنچا سکے ہاں جو دینی نفع حاصل کرتا رہے وہ اگر محبت سے کبھی کچھ دے تو کس کو انکار ہے کیونکہ آخر میری گزر ہی اس پر ہے لیکن یہ شرط ہے کہ دینے میں بجز محبت کے اور کوئی نیت نہ ہو یہاں تک کہ ثواب کی بھی نیت نہ ہونی چاہیے گو جب حق تعالیٰ کے تعلق کی وجہ سے دیا تو ثواب اس کو مل ہی گیا۔ دیکھئے اگر کوئی اپنے باپ یا لڑکے کو کچھ دے تو نیت ثواب کی نہیں ہوتی لیکن ثواب ملتا ہے جیسے حدیث شریف میں ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ دے تو اس کو ثواب ملتا ہے حالانکہ بیوی کو کوئی ثواب کی نیت سے نہیں دیتا بلکہ اگر اس کو ثواب کی نیت کی خبر ہو جائے تو اس کو ناگوار ہو

اور وہ انکار کر دے کہ کیا میں خیرات خوری ہوں پھر فرمایا کہ ان لوگوں کی نیت بھی ہم لوگوں کے دینے میں وہی ہوتی ہے جو پیر شہیدوں کی قبروں پر چڑھاوا چڑھانے میں ہوتی ہے کہ اگر ان ملانوں کا حصہ اس میں ہو جائے گا تو برکت ہو جائے گی کھیت میں خوب ایکھ پیدا ہوگی غرض دینے میں نیت بھی خراب ہوتی ہے پھر حضرت نے اس شخص سے فرمایا کہ بھائی اگر محبت سے کوئی چیز لائے تھے تو ڈھنگ سے لائے ہوتے اب تم دو برس تک برابر ملتے جلتے رہو اور دین کی باتیں پوچھتے پاچھتے رہو اور لاؤ کچھ نہیں گڑ دینے کے لیے نہ آؤ بلکہ گڑ لینے کے لیے آؤ یعنی دین کی باتیں سیکھنے جب تعلق بڑھ جائے تب کوئی چیز لانے کا بھی مضائقہ نہیں لیکن پھر بھی پہلے پوچھ جاؤ کہ فلاں چیز لانا چاہتا ہوں کیونکہ اگر کسی وجہ سے نہ لینا ہوا تو قبل لانے ہی کے انکار کر دینے سے اتنا رنج نہیں ہوتا جتنا لائی ہوئی چیز کے انکار کر دینے سے ہوتا ہے اس کا ہمیشہ خیال رکھنا وہ شخص ایسی واضح گفتگو کے بعد بھی پھر اصرار کرنے لگا اس پر ترشرو ہو کر فرمایا کہ بھلا دیکھئے کہاں تک طبیعت میں تغیر نہ آوے آخر میں بھی بشر ہوں لوگ مجھ کو سخت کہتے ہیں اگر کوئی میرے پاس رہ کر ان حرکتوں کو دیکھے تو امید ہے کہ وہ مجھ سے بھی زیادہ سخت ہو جائے جب حضرت والا نے خود انکار فرما دیا تو کہنے لگا کہ طالب علموں کو تقسیم کرا دو۔ حضرت نے ناراضی کے لہجہ میں فرمایا کہ تم نے طالب علموں کی اچھی قدر کی گویا وہ ایسی گری پڑی چیز کے مستحق ہیں جو چیز یہاں سے مردود ہوگی وہ ان کے لائق ہوئی سو ہمارے یہاں کے طالبعلم گو حاجتمند سہی لیکن بحمد اللہ وہ ایسے نہیں کہ ہر گری پڑی چیز پر رال ٹپکاتے پھریں کچھ دیر بعد اس شخص نے پھر پوچھا کہ جی تو پھر کیا کہو ہو۔ غرض برابر ایسی ہی حرکتیں کرتا رہا جو پاس بیٹھنے والوں کو بھی ناگوار ہوتی تھیں آخر میں اس نے ایک شخص سے اشارہ کیا کہ تم ہی کہہ دو یہ حرکت مزید بر آں تھی آخر میں معلوم ہوا کہ یہ گڑ زکوٰۃ عشر کا تھا یہ سب سے بڑھ کر ہوئی اس پر حضرت نے فرمایا کہ دیکھئے لوگ مجھ کو خواہ مخواہ وہمی کہتے ہیں گو گذشتہ واقعات نہ یاد رہیں لیکن ان کا اثر تو قلب پہ رہتا ہے اب دیکھئے اگر میں بلا پوچھے گچھے لے لیتا اور بعد کو معلوم ہوتا تو طبیعت و کس قدر ناگوار ہوتا اور اس کی زکوٰۃ بھی ادا

نہ ہوتی وہ تو اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ قلب میں پیشتر ہی نفرت پیدا ہوگئی تھی ورنہ انہوں نے اپنی طرف سے کیا کسر رکھی تھی پھر یہ شعر فرمایا۔

قتل ایں خستہ بشمشیر تو تقدیر نبود ورنہ ہیچ از دل بیرحم تو تقصیر نبود

(اس کمزور کا قتل تیری تلوار سے اس کمزور کا قتل ہونا مقدر میں نہیں ہے ورنہ تیرے بے رحم دل کی طرف سے کوئی کمی نہیں رہی)

بھلا ایسی صورت میں سوچنے سے کوئی یہاں تک احتمالات نکال سکتا ہے لیکن وہ تو خود حق تعالیٰ دستگیری فرماتے ہیں قلب میں بحمد اللہ بس ایسا ہوتا ہے جیسے کوئی کہہ گیا ہو اس شخص کی نا سمجھی کی باتوں پر ارشاد فرمایا کہ جو دین کا پابند نہیں ہوتا اس کی دنیا کی سمجھ بھی خراب ہو جاتی ہے اور جو شخص دیندار ہوتا ہے گو تجربہ دنیا کا نہ ہو لیکن دنیاوی امور میں بھی اس کی سمجھ سلیم ہو جاتی ہے حلال روزی میں بھی یہی اثر ہے برخلاف اس کے حرام روزی سے فہم مسخ ہو جاتا ہے۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ بوجہ دیہاتی اور کم سمجھ ہونے کے اس سے یہ حرکتیں سرزد ہوئیں فرمایا کہ اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوا کہ ان کی خطا نہیں لیکن اگر کوئی بے عنوانی نا سمجھی ہی سے کرے لیکن دوسرے کو تو اس سے پریشانی اور تکلیف ہوتی ہی ہے اگر کوئی شخص بلا قصد شکار کے کسی کو چھرا مار دے تو وہ مجرم نہ سہی لیکن دوسرے کے چوٹ تو آخر لگے ہی گی اور اگر سب لوگ جاہلوں کی جہالت پر تحمل ہی کر لیا کریں تو ان کی جہالت کی اصلاح کبھی ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ اس طرح سے تو اس کو اپنی جہالت کا علم ہی نہ ہوگا اور ہمیشہ بے تہذیب اور بے سلیقہ ہی رہے گا اب یہ شخص کبھی کسی کیساتھ ایسی حرکت نہ کرے گا اور گو طالب علموں کے واسطے لے لینے میں بعض قواعد سے گنجائش تھی لیکن بمصلحت اصلاح نہ لینا ہی ضروری تھا کیونکہ پھر یہ شخص یہ سمجھتا ہے کہ اجی ہم لے گئے تھے اور وہ لے ہی لیا گیا کبھی اس کو جائز ناجائز کی فکر بھی نہ ہوتی اب اس کو ہمیشہ کے لیے یہ بات معلوم ہوگئی کہ ناجائز چیز ایسی بری ہوتی ہے اور آئندہ اس کے متعلق احتیاط رکھنے کی فکر ہوگئی قطعی بے پروائی اس باب میں اس کو اب نہ رہے گی اور جب کبھی کوئی چیز لانے کا قصد ہوگا تو بہت احتیاط مدنظر رکھ کر لائے گا گویا ہمیشہ کے لیے کافی سبق ہوگیا ورنہ اگر اس کی

حرکتوں پر تحمل کر لیا جاتا تو اس کی کچھ بھی اصلاح نہ ہوتی۔

۲: ایک صاحب کا واقعہ بیعت ہونے کے عرصہ بعد پہلی مرتبہ ہدایا لے کر آئے:

(ماخوذ از حسن العزیز جلد اول ملفوظ نمبر ۹۳)

(یکم جمادی الاول ۱۳۴۴ھ پنجشنبہ) ایک صاحب جو عرصہ ہوا بیعت ہوئے تھے آئے اور نقد اور کپڑا بطور ہدیہ کے پیش کیا ان صاحب نے اس عرصہ میں نہ کبھی کوئی خط بھیجا تھا نہ کوئی دین کی بات پوچھی تھی خفگی کے ساتھ سب چیزیں پیش کردہ اٹھا کر واپس کر دیں اور تیز لہجہ میں فرمایا کہ بس اسی لیے پیر بنایا تھا کہ چڑھاوا چڑھاتے رہیں۔ آپ نے میری سخت ذلت کی گویا آپ نے مجھ کو ایسا سمجھا کہ اجی روپیہ اور چیتھڑے دیکھتے ہی پگھل جائیں گے تو آپ نے مجھ کو دوکاندار سمجھا سو گو میں متقی پرہیز گار تو نہیں لیکن اللہ کا شکر ہے کہ دوکاندار بھی نہیں گو میری گزر اسی پر ہے لیکن الحمدللہ یہ میری کمائی بھی نہیں جس شخص کو مجھ سے دین کا کچھ بھی نفع نہ پہنچا ہو اس سے کوئی چیز لینا سخت ذلت کی بات ہے یہ تو ایسا ہوا کہ گویا میں نے آپ کو اسی واسطے بیعت کیا تھا لوگوں نے پیری مریدی کا ناس کر رکھا ہے۔ یہ سب خرابی ڈالی ہوئی ان پیرزادوں کی ہے انہوں نے یہ مسئلہ گھڑ رکھا ہے کہ جو خالی ہاتھ جائے وہ خالی ہاتھ آئے بلا کچھ دیئے فیض حاصل ہو ہی نہیں سکتا اگر کچھ نہ ہو تو استنجا کے ڈھیلے ہی لے جائے پس یہ تصوف کا ماحصل لوگوں کے ذہنوں میں بٹھا رکھا ہے اس وقت یہ جو کچھ آپ لائے ہیں محض اس رسم کے پورا کرنے کے واسطے لائے ہیں کہ سامنے جائیں تو خالی لٹھ ایسے کس طرح جا کھڑے ہوئے اور بلا کچھ دیئے وہاں روٹیاں توڑیں اس میں تو شیخی کر کری ہوتی ہے ورنہ میں یہ پوچھتا ہوں کہ اتنے عرصہ میں آج ہی یہ کیوں محبت کا جوش اٹھا اس سے پہلے اگر کبھی خط وغیرہ نہیں بھیجا تھا تو کوئی ہدیہ ہی بھیجا ہوتا کیونکہ بہت سی چیزیں ڈاک کے ذریعہ سے بھیجی جا سکتی ہیں یہ نہ ہوا کہ کبھی آٹھ آنے پیسے ہی بھیج دیتے اس سے خدا نہ کرے میرا یہ مطلب نہیں کہ اب آپ ڈاک کے ذریعہ سے چیزیں بھیجا کریں کیونکہ بفضلہ تعالیٰ مجھ کو

واپس کرنا بھی آتا ہے یہ یقینی ہے کہ اگر آپ ڈاک کے ذریعے سے بھی کچھ بھیجتے تو بھی میں واپس کرتا لیکن اس وقت یہ شکایت تو نہ ہوتی کہ بس منہ دیکھ کر ہی محبت کا جوش اٹھا ان صاحب نے قسم کھا کر محبت کا موجب تحریک ہونا ظاہر کیا تو فرمایا بس قسمیں نہ کھایئے کیونکہ اس میں حق تعالیٰ کے نام کی بے ادبی ہوتی ہے اور قسم کھانے سے میرا منہ بند ہو جائے گا پھر خواہ آپ کی کیسی ہی لغو تقریر ہو میں اس میں کچھ نہ کہہ سکوں گا بلکہ میں یقین دلاتا ہوں کہ میں بلا قسم کے بھی تسلیم کرلوں گا اگر آپ میرے اس سوال کا کوئی معقول جواب دے دیں جس سے چار سننے والوں ہی کو تسلی ہو جائے خواہ مجھ کو نہ ہو میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں ان چار آدمیوں کی اس کے تسلیم کر لینے میں تقلید کرلوں گا وہ سوال یہی ہے کہ اگر محبت کی وجہ سے آپ نے ہدیہ دیا ہے تو اس کی کیا وجہ کہ اس سے پہلے کبھی کیوں محبت نہ ہوئی ان صاحب نے یہ بھی عرض کیا کہ حضور نے جو ارشاد فرمادیا تھا اس پر میں عمل کرتا رہوں فرمایا کہ کبھی آپ نے یہ بھی کیا ہے کہ طبیب سے منضج کا نسخہ پوچھ کر بس عمر بھر اسی کو گھونٹا کیے ہوں اور مسہل کا نسخہ پوچھنے کی آپ نے ضرورت نہ سمجھی ہو اگر صرف ایک ہی مرتبہ کی تعلیم پر کار بند ہو کر پھر کچھ پوچھنا گچھنا نہ تھا تو اس کے لیے بیعت ہی کی کونسی ضرورت تھی ارشاد مرشد حضرت حاجی صاحب کی کتاب موجود ہے میری بھی کتابیں موجود ہیں بس انہی میں سے دیکھ کر عمل کرنا شروع کر دیا ہوتا اور تعجب ہے آپ کو اتنے عرصے میں کبھی کسی مسئلہ کے پوچھنے کی بھی ضرورت پیش نہ آئی بھلا ایسے مرید ہونے سے کیا فائدہ۔ اسی لئے میں نے عام طور سے بیعت کرنا چھوڑ دیا ہے اور اس قدر سختی پر بھی اگر میں نے کسی کو مرید کرلیا ہو تو یہ سمجھئے کہ اس کی طرف سے بہت ہی زیادہ اصرار ہوا ہوگا تب میں نے مرید کیا ہوگا لیکن اس پر بھی یہ کیفیت ہے۔ تیسرے دن جب یہ صاحب رخصت ہونے لگے تو انہوں نے معافی کی درخواست کی فرمایا کہ جی آپ نے کوئی ایسا قصور نہیں کیا جس کی معافی کی ضرورت ہو البتہ جس سبب سے میں نے آپ کا ہدیہ قبول نہیں کیا اس کا تدارک ہونا چاہیے یعنی اب آپ برابر خط و کتابت جاری رکھیں۔ آپ کی تسلی یوں نہیں ہوتی لو لیجئے میں کہے دیتا ہوں کہ میں نے معاف کر دیا

پھر فرمایا بھلا آپ ہی انصاف کیجئے کہ میری شکایت کیا بے جا ہے۔ خط و کتابت نہ کرنا دلیل کام نہ کرنے کی ہے۔ کیونکہ جو شخص کام کرتا ہے ممکن ہے کہ اس کو کچھ پوچھنا پاچھنا نہ پڑے۔ پھر ان صاحب نے کم از کم کپڑوں کا جوڑا ہی قبول فرما لینے کی درخواست کی اور عرض کیا کہ محض محبت سے سلوا کر لایا تھا فرمایا کہ آپ کو محبت تو ہے لیکن کم سمجھی کے ساتھ کم سمجھی کی باتیں نہیں کرنی چاہئیں باوجود ایک مرتبہ کے انکار کے پھر اصرار کرنا تو گویا مجھ کو رائے دینا ہے میں آپ کی رائے کا اتباع کروں یا آپ کو میری رائے کا اتباع کرنا چاہیے گویا آپ شیخ بننا چاہتے ہیں آپ کو یہ سمجھنا کہ میرے انکار ہی میں مصلحت ہے شیخ کا حق ادا کرنا ہے اور اگر آپ نے یہ سمجھا کہ میں نے بدنفسی سے انکار کیا تھا تو آپ نے شیخ کا حق ادا نہیں کیا تو گویا آپ مجھ سے مصلحت فوت کرنے کی درخواست کرتے ہیں اب آپ کو عمر بھر کے لیے تنبیہ ہوگئی کیونکہ قاعدہ ہے کہ عملی تنبیہ کبھی نہیں بھولتی قولی تنبیہ کبھی یاد رہتی ہے کبھی نہیں یاد رہتی دوبارہ قبول کر کے یہ ساری مصلحتیں میں کیسے برباد کر دوں اتنی تو دنیا سواروں اور دوسرے کا دین بگاڑوں یہ کیسے ہوسکتا ہے بھلا آپ سمجھ سکتے ہیں کہ میں بلا مصلحت کس طرح لینے سے انکار کرسکتا تھا جبکہ میری گزر اسی پر ہے نہ میرے یہاں کوئی تجارت ہوتی ہے نہ کھیتی ہوتی ہے یہی میری آمدنی ہے کوئی بھی شخص ایسا دنیا میں ہے جس کو کوئی چیز آتی ہوئی بری معلوم ہوتی ہو اور اگر کسی کو اس کی روزی آتی ہوئی بری معلوم ہوتی ہو تو یہ اس کی سخت برائی ہے۔ اس قدر تقریر کے بعد بھی ان صاحب نے ذکر کیا کہ میں ایک جوڑی کھڑاؤں بنوا کر لایا ہوں۔ اس پر فرمایا کہ یہ تو بچہ کا پھسلانا ہوا کہ بھائی حلوا کھالے اگر حلوا نہیں کھاتا تو لے بھائی چاول کھالے اگر چاول نہیں تو دودھ ہی پی لے کیا آپ نے مجھے بچہ سمجھ لیا ہے یہ تو آپ میرے ساتھ ہنسی سی کر رہے ہیں کچھ سمجھ سے بھی تو کام لینا چاہیے خیر اب آپ مجھ سے خط وکتابت کرتے رہیں جب میرا دل آپ سے کھل جائے گا اور میں دیکھ لوں گا کہ ہاں اب آپ کام میں لگ گئے ہیں تب ہدیہ کا بھی مضائقہ نہیں لیکن اگر کبھی کوئی چیز بھیجنے کو جی چاہے تو یہ ضرور کیجئے گا کہ پہلے دریافت کر لیجئے گا میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر میرے معمول اور قاعدہ

اور طبیعت کے خلاف نہ ہوا تو اجازت بھی دے دوں گا یہ نہ سمجھئے کہ ہمیشہ انکار ہی کر دیا کروں گا ہاں اگر کوئی ہدیہ خلاف میرے معمول ہوگا تو انکار بھی کروں گا یہ صاحب متعدد چیزیں لائے تھے چنانچہ زیادہ مقدار میں گڑ بھی تھ جو رکھے رکھے پگھل گیا تھا جس کا ساتھ واپس لے جانا انہوں نے مشکل بتلایا حضرت نے فرمایا کہ اگر آپ کی مرضی ہو تو طالب علموں کو تقسیم کیا جا سکتا ہے انہوں نے بہت خوشی سے منظور کر لیا ان کے رخصت ہو جانے کے بعد حضرت نے فرمایا کہ میری طبیعت کچھ ایسی ہے کہ متعدد چیزیں اگر کوئی شخص ہدیہ میں دے تو بہت بوجھ معلوم ہوتا ہے مثلاً دس روپے ایک ساتھ کوئی دے تو ان کا لینا گراں نہیں معلوم ہوتا اگر دس روپے کی متعدد چیزیں دے تو ہر ہر چیز کا الگ الگ بار ہوتا ہے اور مجھے ایسے معاملات میں شبہ بہت ہوتا ہے متعدد چیزوں میں نیت یہ ہوتی ہے کہ اس چیز کی بھی قدر ہو اس چیز کی بھی قدر ہو پھر فرمایا بس روپیہ سب سے بہتر ہدیہ ہے کیونکہ اس سے جتنی ضرورت کی چیزیں ہیں سب آ سکتی ہیں جب میں حج سے واپس آیا تو ایک صاحب نے محبت سے ایک روپیہ کی مٹھائی منگوا کر میری دعوت کرنی چاہی میں نے کہا کہ میاں مٹھائی میرے حصے میں بھلا کتنی آئے گی میری خوشی ہی کرنی ہے تو روپیہ ہی مجھے کیوں نہ دے دو۔ انہوں نے بہت خوشی سے روپیہ دے دیا میں اپنے صرف میں لے آیا مٹھائی کا میں کیا کرتا ایک صاحب نے خط میں دریافت کیا کہ میں ایک جوتہ ہدیہ میں بھیجنے کی اجازت چاہتا ہوں میں نے لکھ دیا کہ میرے پاس کئی جوڑے موجود ہیں پھر انہوں نے لکھا کہ جو چیز پسند ہو وہ بھیج دوں میں نے لکھ بھیجا مجھے دماغ کا کام بہت کرنا پڑتا ہے مجھے بادام لیکر بھیج دو چنانچہ انہوں نے بادام بھیج دیئے۔ میں نے کھائے یہ بے تکلفی بہت اچھی بات ہے لیکن ایسی بے تکلفی زیادہ ملنے جلنے سے یا زیادہ خط و کتابت سے پیدا ہوتی ہے بلا اس کے طبیعت کھلتی نہیں ان صاحب کا گڑ زیادہ مقدار میں تھا فرمایا کہ میں اس معاملے میں بہت بدگمان ہوں کیونکہ مجھے بہت تجربہ ہو چکا ہے زیادہ مقدار میں دینے والے بس یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے حق ادا کر دیا عمل کو پھر ضروری نہیں سمجھتے زیادہ مقدار میں اہتمام و تکلف بھی بہت کرنا پڑتا ہے یہ کیا ضرور ہے کہ

سارا گھر ہی خالی کر دے ہنس کر فرمایا کہ تھوڑا تھوڑا دینے میں پیر کی دنیا کا بھی نفع ہے کیونکہ تھوڑا تھوڑا کر کے بہت جمع ہو جاتا ہے۔

چرا نستانی از ہر یک جوے سیم　　　که گرد آید ترا ہر روز گنجے

(تو ہر ایک جَو کے بدلے چاندی کیوں نہیں لیتا تا کہ ہر روز تیرے پاس خزانہ جمع ہو جائے)

اگر لوگ بہت بہت دیں تو جن کے پاس کم ہے ان کی ہمت بھی دینے کی نہ پڑے اس سے بہت نقصان ہے۔

۴۳: سختی اور حدود وقیود کے فوائد

(ماخوذ از حسن العزیز جلد اول ملفوظ نمبر ۹۹ ملخصاً)

ان صاحب کا ذکر فرمایا جن کا ہدیہ رد فرمایا تھا کہ دیکھئے انہی سے جھک جھک ہوئی سچ کہتا ہوں مجھے نہایت خوف معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ یوں نہ فرمائیں کہ ارے نالائق ہم تو تجھ کو دلواتے ہیں اور تو واپس کر دیتا ہے نہایت خوف ہوا کرتا ہے حق تعالیٰ معاف فرمائیں پھر فرمایا کہ گو ان کے ہدیہ میں غالب محبت ہی ہو لیکن کچھ آمیزش اس کی بھی ضرور تھی کہ وہاں روٹیاں کھائیں گے کچھ نہ دینا ذلت کی بات ہے اس لئے میں نے اب ان روٹیوں کے قصہ ہی کو موقوف کر دیا بس ایک وقت کھانا کھلا دیتا ہوں وہ بھی جہاں مصلحت سمجھتا ہوں پھر کہہ دیتا ہوں کہ اپنا انتظام کر لیجئے تا کہ لوگوں کو یہ خیال بھی نہ ہو باستثناء خاص خاص موقعوں کے پھر فرمایا کہ یہ جوان کے ساتھ ہیں وہ بھی مرید ہونے کے لیے آئے ہیں لیکن اب ان کی ہمت نہ ہوگی کہ یہاں تو بڑی سختی ہوتی ہے سو گو مجھ سے کوئی مرید نہ ہو لیکن اتنا فائدہ تو ضرور ہوتا ہے کہ اس کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مرید ہونا ایسی معمول بات نہیں ہے اب اگر کسی دوسری جگہ جائے گا تو اس کے ذہن میں یہ ضرور رہے گا کہ بیعت کی کچھ شرائط بھی ہیں اور اگر اس کو اتنی سمجھ نہ بھی ہوئی تو اور سننے والوں کو تو حقیقت طریق کی معلوم ہو ہی جائے گی میں لوگوں کو یہی دکھلانا چاہتا ہوں کہ اصل طریق کیا ہے بس کوئی میری سختی کو جھیل لے پھر دیکھے کہ میں عمر بھر کے لیے اس کا خادم ہوں۔ احقر نے عرض کیا کہ اخلاق کی ایسی مفصل تعلیم تو بہت مدت سے نہ ہوئی

ہوگی فرمایا کہ جی ہاں میں تو کہا کرتا ہوں کہ علماء درسی کتابیں پڑھاتے ہیں اور میں جی الف بے تے سوالف بے تے پڑھانا میرے سپرد ہوا ہے عرض کیا گیا کہ خدا کرے یہ طریقہ خوب رواج پکڑ جائے فرمایا کہ مشکل معلوم ہوتا ہے کیونکہ اگر اور دو ایک جگہ بھی اس کا اہتمام ہوتا تو امید ہوتی لیکن بعض اور حضرات اس قدر سختی کے خلاف ہیں فرماتے ہیں کہ اس طرح تو پھر کوئی بھی نہ آوے لیکن اپنی اپنی رائے ہے میرا خیال ہے کہ اگر سب جگہ یہی ہونے لگے تو پھر خوب لوگ آنے لگیں کیونکہ پھر آخر جائیں گے کہاں میری نظر ذکر و شغل کی طرف اس قدر نہیں ہے جتنی کہ اخلاق پر کیونکہ ان کا تعلق دوسروں سے ہے۔

۴: موجبِ اندیشہ ہدیہ کے بارے میں ایک مولانا کے مشورہ کا جواب

(ماخوذ از حسن العزیز جلد اول ملفوظ نمبر ۱۰۰)

اور ہدیہ کے موجب اندیشہ ہونے کے تذکرہ میں فلاں مولانا صاحب نے عرض کیا کہ ایسی حالت میں ہدیہ لے لے بعد کو اس کی مکافات کر دے۔ فرمایا کہ جناب اس طرح کس کس کے ہدیہ کو یاد رکھے۔ بالخصوص میری طبیعت میں تو اس قدر جلدی اور تقاضا ہے کہ اگر کسی کا ایک پیسہ بھی میرے پاس ہوتا ہے تو بس یہ تقاضا ہوتا ہے کہ جلدی اپنے پاس سے علیحدہ ہو ایک مرتبہ میں نے اپنے گھر کے لوگوں سے ایک روپیہ لیا تھا آدھی رات کو خیال آیا کہ دینا ہے بس چین نہ پڑا اٹھ کر دیکھا کہ آیا جاگ رہی ہے یا سو رہی ہیں چونکہ ان کی بھی نیند کم ہے انہوں نے کہا کیا ہے میں نے کہا یہ روپیہ اپنا لے لو انہوں نے کہا یا اللہ ایسی کیا جلدی تھی میں نے کہا کہ میرے پاس سے لے لو ورنہ مجھے رات بھر نیند نہیں آئے گی جب ان کو دے دیا تب نیند آئی ایسی بری طبیعت ہے اسی طرح رات میں جب کوئی مضمون ذہن میں آتا ہے تو اسی وقت چراغ جلا کر پرچہ لکھ کر سرہانے رکھ لیتا ہوں جب اطمینان ہوتا ہے اسی جلدی اور تقاضا کی بناء پر کبھی بطور ناز کے میں حق تعالیٰ سے دعا کیا کرتا ہوں یا اللہ مجھے تو آپ بلا سزا ہی کے بخش دیجئے گا ورنہ سزا میں مجھے کیسے صبر ہو سکے گا کہ کب مغفرت ہوگی۔

۵: لینے دینے میں احتیاط

(ماخوذ از حسن العزیز جلد اول ملفوظ نمبر ۳۵۶)

فرمایا کہ اہل علم کو اموال کے باب میں بہت احتیاط چاہیے لینے میں بھی اور دینے میں بھی ایک صاحب نے جو موافقین میں سے ہیں خط شکایتی لکھا ہے کہ ہدیہ میں سختی نہ کرنا چاہیے لینا چاہیے اور مہمانوں میں خرچ کرنا چاہیے فلاں مولوی صاحب نے خوب کہا کہ احمق ہیں جو یہ مشورہ دیتے ہیں۔ یعنی خواہ مخواہ دو کام اپنے سر لیں۔ ایک تو لینے کا اور ایک اس کے خرچ کرنے کا ان صاحب نے یہ بات بطور طعن کے لکھی تھی اس لئے کہ ان کی مہمانی نہیں کی گئی تھی۔ پھر فرمایا کہ میرے یہاں لینے کے بھی شرائط ہیں کہ ایک معتد بہ مدت تک ملتے جلتے رہنے سے دل خوب مل گئے ہوں اور بے تکلفی ہوگئی ہو ایک دفعہ میں ایک دن کی آمدنی سے زیادہ ہدیہ نہ ہو مثلاً اگر پندرہ روپیہ ماہوار کا ملازم ہے تو ایک بار میں آٹھ آنہ سے زیادہ نہ دے اور دو ہدیوں کے درمیان کم از کم ایک ماہ کا فصل ہو اور پابندی کے ساتھ نہ دے۔

اسی طرح میں خرچ بھی خواہ مخواہ نہیں کرتا بلکہ قریب قریب سال بھر کا خرچ اپنے پاس جمع رکھتا ہوں مہمانوں میں بھی عرف کا پابند نہیں جس کے ساتھ جیسی خصوصیت ہوئی اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کیا گیا کسی کو گھر پر بلا کر کھلایا کسی کو پیسے بھیج دیئے کہ بازار سے لیکر کھالیں۔ کسی کو کچھ بھی نہیں ظاہر ہے کہ شرائط کی شدت سے آمدنی کم ہوگی۔ پھر اگر خرچ میں وسعت کی جاوے تو میری نیت خراب ہونے لگے اور شرائط کی پابندی نہ ہوسکے۔ ایک پیر صاحب میرے پاس آئے بس لنگر خانہ کی بدولت چھ ہزار کے مقروض ہوگئے تھے چاہتے تھے کہ کسی رئیس کو سفارش قرض دینے کی کردی جائے میں نے پوچھا یہ قرض خواہ مخواہ کیوں کرلیا کہا کہ یہی خیال تھا کہ جو لوگ کھاجاتے ہیں وہی دیں گے لیکن کسی نے کچھ نہیں دیا میں نے کہا کہ اب جو قرض لوگے اس کو کہاں سے ادا کروگے کہا کہ مرید ہی دیں گے میں نے (دل میں) کہا اِنا اللہ اب بھی مرید ہی پر نظر ہے۔ تو جناب یہ حالت ہوجاتی ہے خرچ بڑھانے میں۔ دین کی یہ خرابیاں ہیں اب الحمد للہ سال بھر کا خرچ ہمیشہ میرے پاس جمع رہتا ہے اس سے اطمینان

رہتا ہے حدیث شریف میں بھی ہے کہ حضور ازدواج مطہرات کو سال بھر کا خرچ دے دیا کرتے تھے امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ سال بھر کا خرچ ذخیرہ کرنا توکل کے خلاف نہیں۔ اب مجھے کسی بڑے سے بڑے ہدیہ کے واپس کردینے میں وسوسہ بھی نہیں ہوتا جبکہ میرے شرائط کے موافق نہ ہو بس بے دھڑک خلاف شرائط ہدیہ کو واپس کردیتا ہوں وسوسہ بھی نہیں آتا کیونکہ کیا سال بھر تک کچھ نہ آوے گا اس سے بہت اطمینان رہتا ہے۔

ایک بار احقر نے کثرت مہمانان دیکھ کر کچھ ہدیہ پیش کیا تو فرمایا کہ یہ زیادتی ہے (پچھلے ہدیہ میں اور اس ہدیہ میں فصل کم تھا) لیکن اصرار پر رکھ لیا بعد کو بذریعہ ایک عزیز صاحبزادے کے واپس فرمادیا کہ اس وقت مجھے واپس کرتے ہوئے شرم آئی تھی دلجوئی کے خیال سے یہ بھی کہلا بھیجا کہ اس کو واپس کرنا نہ سمجھیں بلکہ انشاءاللہ کسی اور موقع پر دیکھ جائے گا بعد کو بالمشافہ فرمایا کہ آپ نے مہمانوں کی وجہ سے دیا تھا لیکن میرے پاس آج کل بحمداللہ فراغت ہے۔ جس طرح کو روپیہ کے آنے سے حظ ہوتا ہے اسی طرح اب مجھے معلوم ہوا کہ روپیہ کے زیادہ ہوجانے کی حالت میں خرچ کرنے میں بھی حظ ہوتا ہے۔

اجنبی کا ہدیہ قبول نہ فرمانا

ایک منصف صاحب نے جنہوں نے تعلیم بذریعہ خط حاصل کی ہے لیکن حاضری خدمت کی نوبت نہیں آئی پندرہ روپیہ احقر کے پاس بھیجے کہ ان کی جانب سے حضور میں بطور ہدیہ محض پیش کردیئے جاویں فرمایا کہ چونکہ ان سے ملاقات نہیں ہوئی اس لیے ان کا مذاق نہیں معلوم محض کتابوں کو دیکھ کر اعتقاد ہوا ہے کتابیں تو اشتہار ہیں اشتہاری عقیدت کا کیا اعتبار ہاں میرے پاس رہ کر میرا طرز عمل دیکھ جاتے اور پھر بھی معتقد رہتے تو وہ دوسری بات تھی مجھے اجنبی شخص سے جس سے پوری پوری بے تکلفی نہ ہو ہدیہ لیتے ہوئے شرم آتی ہے ممکن ہے وہ اپنے اعتقاد میں مجھے نہ معلوم کیا سمجھ رہے ہوں اور میں بعد ملاقات کچھ اور ثابت ہوں پھر ان کو اس ہدیہ کا بھی افسوس ہو چنانچہ ایک شخص نے ایک مسئلہ پوچھا اس کا جواب ان کے مذاق کے خلاف دیا گیا تو کہنے لگے کہ ہم نے اتنے دنوں خدمت کی اور پھر

بھی موقع پر ہماری مدونہ کی فرمایا انہی وجوہات سے مجھے اس ہدیہ کے قبول کرنے میں جو کہ منصف صاحب نے بھیجا ہے انقباض ہوتا ہے۔ استفسار پر فرمایا کہ یہ لکھ دیجئے کہ اس کے معمول کے خلاف ہے اس لئے عذر ہے لیکن یہ بھی لکھ دیجئے کہ وہ کسی کے ہدیہ کو تحقیر کی وجہ سے ہرگز رد نہیں کرتا اس کے قلب میں ہر مسلمان کی بہت قدر ہے بالخصوص جو طالب ہو اس کی تو نہایت قدر ہوتی ہے برا نہ مانیں جب بے تکلفی ہو جائے گی قبول کرلوں گا۔

۶: احقر مرتب کی جانب سے دعوتِ طعام کی درخواست

(ماخوذ از حسن العزیز جلد اول ملفوظ نمبر ۴۵۶)

احقر کے گھر کے لوگوں نے حضرت والا کی دعوت کرنے کا مع متعلقین و چند اعزا و مہمانان کے ارادہ کیا حضرت نے منع فرما دیا اور احقر کو ہدایت فرمائی کہ آپ یہاں مقیمانہ زندگی نہ بسر کیجئے بلکہ مسافرانہ طور پر رہیے دعوتوں کو بالکل حذف کیجئے نہ میری نہ کسی کی اگر ایک پیسہ بھی کہیں سے بچ سکے تو بچایئے (احقر بوضع تنخواہ طویل رخصت لیکر حاضر ہوا ہے اور توسیع کرانے کا بھی ارادہ ہے) احقر نے عرض کیا کہ کم از کم تنہا حضور کی دعوت تو اجازت ہونی چاہیے فرمایا کہ اس جلسے میں یہ اجازت لینی نہیں چاہیے تھی کیونکہ اس وقت دوسری قسم کا اثر ہے اگر جی چاہتا ہے پھر کسی موقع پر پوچھ لیتے اور تنہا میری دعوت میں اس کی کیا ضرورت ہے کہ پہلے سے نوٹس دیا جائے یا کوئی خاص اہتمام کیا جائے اس کی یہ بھی صورت ہوسکتی ہے کہ اگر گھر میں کوئی خاص چیز پکی اور محبت سے کھلانے کو جی چاہا تو ایک پیالہ میں رکھ کر بھیج دی چاہے دو روٹیاں بھی اوپر سے رکھ دیں کوئی خاص تکلف کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ کیا ضرور ہے کہ دعوت ہی ہو اور خاص طور سے اہتمام کر کے کوئی نئی چیز بھی پکوائی جائے اور آپ سے یہ بھی کہنا ہے کہ فلاں وقت جو آپ کے یہاں سے کھانا آیا تھا وہ زیادہ تھا۔ اجی ہم دو میاں بیوی ہیں باقی اور تو سب جی جوڑا کنبہ ہے جس وقت چاہیں حذف کردیں اگر کوئی چیز بھیجی جائے تو بس صرف اس قدر کہ ہم دونوں مل کر کھالیں مع اس کھانے کی رعایت کے جو خود ہمارے یہاں پکا ہو۔ یعنی بس وہ ایک کھانا ایک شخص کے لائق ہو پھر ہم چاہے سب خود کھالیں چاہے تھوڑا تھوڑا سب کو تقسیم کردیں آپ ایک شخص کے انداز سے زیادہ نہ بھیجیں۔

اشرف السوانح - جلد ۱ ک26

لوہاری میں ایک دعوت کا واقعہ

پھر فرمایا لوہاری میں ایک دوست نے میری دعوت کی بہت اصرار کر کے لے گئے میں سمجھا میں اکیلا ہوں گا جا کر کھا لوں گا۔ وہاں جا کر دیکھا کہ پچاس ساٹھ آدمیوں کی دعوت ہے میرے اوپر سخت بار ہوا مگر خیر میں چپ رہا چلتے وقت انہوں نے ایک جوڑا اور دس روپے پیش کئے میں نے کہا یہ جوڑا کیسا انہوں نے کہا کہ شادی میں آپ کے لیے بنایا ہے میں نے کہا کہ میں نائی ہوں کہ شادی میں جوڑا لوں روپیوں کی بابتہ بھی کہا کہ میں ہرگز نہ لوں گا۔ تم نے اتنا روپیہ کھانے میں برباد کر دیا مجھے وہ کھایا ہوا ہی برا معلوم ہوتا ہے۔ مجھے پہلے سے معلوم ہوتا تو میں دعوت بھی منظور نہ کرتا۔

حضرت نانوتویؒ کا طرز دعوت

پھر فرمایا ہمیں تو وہ طرز دعوت کا پسند ہے جو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تھا ان کی دعوت ایک طالب علم نے کی۔ مولانا نے فرمایا کہ بھائی اس شرط سے قبول ہے کہ صرف وہی کھانا ہو جو تمہارے لئے دوسرے کے گھر سے آتا ہے (ان کا کھانا کہیں مقرر تھا) انہیں تو مولانا کو کھلانا منظور تھا اس لئے مجبوراً انہوں نے اس شرط کو منظور کر لیا جو کھانا ان کے لیے آیا وہی مولانا کے سامنے لا کر رکھ دیا۔ مولانا نے کھا لیا۔ پھر فرمایا کہ اس طرز سے دوسرے کا بھی فائدہ ہے کہ خرچ سے بچا اور انتظام کے جھنجھٹ سے بچا اور اپنا بھی فائدہ ہے کہ سستا پیر ہوگا تو بہت آدمی دعوت کیا کریں گے اور اگر مہنگا ہوا تو جب پچاس ساٹھ آدمیوں کے کھلانے کی توفیق ہو جب کہیں پیر صاحب کی دعوت کریں۔ اس طرح تو جناب کہیں برسوں میں جا کر دعوت نصیب ہوا کرے اور اگر سستا ہو تو دعوت کرنا مشکل ہی کیا آج یہاں کل وہاں روز دعوت ہوا کرے تین سو ساٹھ دن دعوت ہی میں گزر جائیں۔ میں کہتا ہوں جو سنت کے موافق طریقہ ہوگا اس میں ہر طرح فائدہ ہی فائدہ ہے۔ یہ طریقہ بالکل سنت ہے۔

صحابہ کرامؓ کا ذوقِ آزادی

حضور کی دعوت ایک صحابی نے کی تھی راستہ میں ایک آدمی باتیں کرتا ہوا ساتھ ہو لیا

جب میزبان کے دروازے پر پہنچے تو ٹھٹک گئے اور میزبان سے دریافت فرمایا کہ بھائی ایک آدمی میرے ساتھ زائد ہے کہو تو آوے ورنہ لوٹ جائے۔ میزبان نے بخوشی منظور کرلیا۔ اس پر لوگ آج کل قیاس فاسد کرتے ہیں میں اس کے متعلق تقریر کرتا ہوں وہ بہت غور کے قابل ہے۔ لوگ کیا کرتے ہیں کہ دعوت میں اپنے ساتھ بے بلائے دو دو اور تین تین آدمی ساتھ لے جاتے ہیں اور اپنے تقویٰ کی حفاظت کے لیے میزبان سے پوچھ لیتے ہیں کہ بھائی ہمارے ساتھ دو اور ہیں یا تین اور ہیں اور تمسک کرتے ہیں اس حدیث سے حالانکہ یہ بالکل قیاس مع الفارق ہے جہاں یہ دیکھا کہ حضور نے اپنے ساتھی کے لیے پوچھ لیا تھا یہ بھی تو دیکھا ہوتا کہ پوچھنے سے پہلے حضور نے ان میں مذاق کیا پیدا کر دیا تھا تم نے تو وہ مذاق اول پیدا کیا ہوتا وہ مذاق کیا تھا آزادی کا تھا۔

ایک صحابی کی طرف سے دعوت کا واقعہ

ایک نظیر اس امر کی کہ حضور نے صحابہ میں آزادی کا مذاق کس قدر پیدا کر دیا تھا بیان کرتا ہوں وہ اتنی بڑی نظیر ہے جس کے قریب قریب بھی آج کل نہیں مل سکتی۔ مسلم میں ہے کہ ایک فارسی تھا شوربا نہایت اچھا پکاتا تھا ایک دن حضور میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آج شوربا میں نے بہت اچھا پکایا ہے چل کر نوش فرمائیے۔ حضور نے ارشاد فرمایا ''مگر اس شرط سے کہ عائشہ بھی شریک ہوں گی'' وہ کہتا ہے ''نہیں حضرت عائشہؓ نہیں'' غور کیجیے حضرت عائشہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبہ ان کے لیے بھی کس آزادی کے ساتھ انکار کر دیا یہ مذاق کس کا پیدا کیا ہوا تھا حضور ہی کا۔ اسی مذاق کے بھروسہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میزبان سے اپنے ساتھی کے لیے پوچھا تھا حضور کو پورا اطمینان تھا کہ اگر جی چاہے گا تو منظور کرلے گا نہیں تو صاف انکار کر دے گا۔ آج کل بھلا یہ بات کہاں پس جو شخص ہم سے مغلوب ہوا اور جس کی بابت یہ یقین نہ ہو کہ اگر جی نہ چاہا تو کچھ لحاظ نہ کرے گا آزادی سے انکار کر دے گا اس سے اس طرح پوچھنا کب جائز ہے اور اگر ایسے پوچھنے پر وہ اجازت بھی دے دے تو وہ اجازت عندالشرع ہرگز معتبر نہیں نہ اس پر عمل جائز۔

ہاں تو وہ صحابی کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نہیں تو ہم بھی نہیں۔ دعوت میں شرط لگانے کا اختیار ہے اور داعی کو بھی اختیار ہے کہ وہ اس شرط کو چاہے منظور کرے یا نہ کرے۔ غرض دونوں کو اختیار ہے۔ وہ ایسے بزرگ اور آزاد تھے کہ نہیں تو نہ سہی اور چلدیئے تھوڑی دور چل کر پھر لوٹے۔ محبت کا جوش ہوا حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضور شوربا بہت اچھا پکا ہے چل کر نوش فرمائیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شرط سے کہ عائشہؓ بھی ہوں گی کہنے لگے عائشہ رضی اللہ عنہا تو نہیں حضور نے فرمایا اچھا تو ہم بھی نہیں پھر لوٹ گئے تیسری بار پھر آئے اور پھر عرض کیا حضورؐ نے پھر وہی فرمایا کہ عائشہؓ بھی اب کی بار انہوں نے کہا آپ کی یہی مرضی ہے تو اچھا عائشہؓ بھی۔

اس موقع پر ہمارے حضرت مولانا نے فرمایا کہ میری ایک رائے اس میں ہے وہ یہ کہ شوربا غالباً تھوڑا تھا ان کا جی چاہتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تنہا پیٹ بھر کر کھالیں اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ہوئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیٹ نہ بھرے گا لیکن جب معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی خوشی ہے اخیر میں راضی ہو گئے۔ انہوں نے سوچا کہ اپنے نفس کی خوشی کے لیے میرا جی چاہتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیٹ بھر کر کھاویں۔ اب یہی بھوکا رہنا چاہتے ہیں تو یہی سہی۔ اس وقت تک حجاب نازل نہیں ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے آگے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پیچھے پیچھے تشریف لے گئیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبل پوچھنے کے یہ مذاق پیدا فرما چکے تھے۔

حضورؐ کے وقعات پر قیاس کرنے کی شرط

کوئی مولانا صاحب یا شاہ صاحب جو اس حدیث سے تمسک کرنا چاہتے ہیں پہلے یہ مذاق تو پیدا کرلیں۔ ورنہ قبل اس کے پوچھنا بھی حرام اور اگر میزبان اجازت بھی دے دے تو اس اجازت پر کسی زائد شخص کو لے جانا بھی حرام۔

آج کل کے لوگوں کی حالت

آج کل تو بس اندھا دھند ہو رہا ہے کسی کے یہاں دعوت ہوئی تو اپنے ساتھ اوروں کو

بھی لے گئے کسی نے اعتراض کیا تو کہہ دیا کہ صاحب اجازت تو لے لی ہے۔

کسی کو داعی کی طرف سے سفر کے لیے زادِ راہ دیا جاتا ہے تو جو کچھ خرچ کرنے کے بعد باقی رہ جاتا ہے اکثر تو اس کا تذکرہ بھی نہیں کرتے حالانکہ اس کو واپس کرنا چاہیے ورنہ خیانت ہے کیونکہ وہ اس کی ملک نہیں کیا جاتا بلکہ خرچ کرنے کے لیے بطور امانت کے دیا جاتا ہے اگر کسی نے بہت ہی ہمت کی تو یہ کیا کہ بھائی اتنا بچ گیا ہے اب جیسا تم کہو بس اس کا جواب تو یہی ہے کہ آپ ہی خرچ کر لیجئے بڑی آفت برپا ہے واپس ہی کیوں نہ کر دیا جائے یہ ساری خرابی حُب دنیا کی ہے مال کی محبت رگ و ریشہ میں گھس رہی ہے ذرا سا بہانہ چاہیے اباحت کے لیے۔

پہلے تو یہ فتویٰ تھا کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے جب تک کہ حرمت نہ ثابت ہو۔ اب تو وہ حالت ہوگئی ہے کہ یہ کہنا چاہیے کہ اصل اشیاء میں حرمت ہے جب تک اباحت ثابت نہ ہو یہ فتویٰ دینا چاہیے تب کہیں جا کر لوگ حرام سے بچیں گے بڑی گڑبڑ ہو رہی ہے۔ میں تو ہدیہ میں بھی یہاں تک سوچتا ہوں کہ بہت زیادہ جوش محبت سے تو نہیں دیا گیا عام طور سے اخلاص کی کمی تو ہدیہ قبول کرنے کی مانع ہوتی ہی ہے میرے یہاں اخلاص کی زیادتی بھی منجملہ موانع کے ہے کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت تو جوش محبت میں کچھ نہیں سوجھتا جب جوش ٹھنڈا ہوگا تب حساب کتاب کا ہوش آئے گا کہ دس تو پیر ہی کو دے دیئے اس لیے اگر کسی کو پانچ کی گنجائش ہوتی تو یہ کرتا ہوں کہ اڑھائی ہی لیتا ہوں اس پر بھی بفضلہٖ خوب ملتا ہے جو قسمت کا ہے وہ کہیں جا ہی نہیں سکتا ہم لوگوں کا یقین ہی خراب ہوگیا ہے۔ یوں سمجھتے ہیں کہ اگر واپس کر دیں گے تو پھر کہاں ملے گا۔ میں کہتا ہوں قسمت کا پھر بھی مل کر رہتا ہے اور جو نہیں ملتا وہ قسمت کا تھا ہی نہیں۔

دین کی حفاظت مقدم ہے

پھر فرمایا کہ حضرت دین کی حفاظت بلا اس کے نہیں ہوسکتی۔ ہماری طرف جو کچھ لوگوں کی توجہ ہے وہ سب دین کی بدولت ہے پس ہم اس کو دین کی عزت قائم رکھنے کی سخت ضرورت ہے۔ اگر اس کی عزت نہ رہے پھر ہمیں کون پوچھتا ہے۔ قصبہ گڑھی میں ایک خاں صاحب تھے بڑے بوڑھے آدمی تھے بڑی شفقت فرماتے تھے وہ مجھ کو کچھ دیتے تو بہت خوشی کے ساتھ لے لیتا۔ میں سمجھتا تھا کہ یہ تو باپ کے برابر ہیں مجھ کو ان کا دینا ایسا ہی معلوم

ہوتا تھا جیسے کہ اپنے بیٹے کو دے رہے ہوں ان کے انتقال کے بعد ان کے بیٹوں نے بھی وہی برتاؤ کرنا چاہا میں نے صاف انکار کر دیا کہ اب میں نہیں لے سکتا کیونکہ تم تو میرے برابر کے بھائی ہو۔ میں تم سے اس وقت لوں جب تم کو بھی کچھ دوں وہ ماشاء اللہ نہایت خوش فہم وشائستہ ہیں۔ انہوں نے کہا اچھا اب کی لے لو پھر ہم وعدہ کرتے ہیں کہ عمر بھر نہ دیں گے میں نے لے لیا۔ اس کے بعد انہوں نے پھر کبھی نہیں دیا۔ اب یہ کرتے ہیں کہ کبھی مچھلی پکا کر بھیج دی کبھی شکار کا گوشت بھیج دیا اس میں کوئی ایسی بات نہیں مگر اللہ جانتا ہے شرم آتی ہے۔ بات یہ ہے کہ میں بھی بوجہ اس کے کہ خان صاحب میرے والد کے دوست تھے اپنے آپ کو خان صاحب کے لڑکے کے برابر سمجھتا تھا اور یہ بھی ان کے لڑکے ہیں اگر علاقہ عقیدتمندی کا یا بیعت کا ہوتا تو وہ دوسری بات تھی ان کا علاقہ تو محض اپنے باپ کی وجہ سے ہے اس لئے وہ تو بھائی کے درجہ میں ہو گئے اور حیثیت دوسری ہو گئی (پھر فرمایا) اب کیا میری آمدنی کم ہو گئی میں نے دیکھا ہے جس روز میں نے کوئی ہدیہ واپس کیا ایک دو زیادہ کر کے کہیں نہ کہیں سے خدا نے دلوا دیئے۔ تو میرا دماغ اور بھی خراب ہو گیا ہے۔ جب کوئی ہدیہ واپس کرتا ہوں تو الحمد للہ پورا وثوق ہوتا ہے کہ ضرور آوے گا اس لئے لوٹانا آسان ہو جاتا ہے۔

قواعد کی سختیاں دینی نفع کے لئے ہیں

پھر فرمایا کہ اب تو یہ باتیں سختی معلوم ہوتی ہیں کچھ دن بعد جب لوگوں کو منافع نظر آویں گے تب قدر ہو گی اور اب بھی بہتوں کو نظر آنے لگے ہیں۔ اور حضرت میں نے احباب سے یہ بھی کہہ رکھا ہے کہ یہاں آویں تو دینے کی پابندی نہ کریں ورنہ جناب مہینوں بلکہ سالہا سال بھی توفیق ملاقات کی نہ ہو کیونکہ پہلے کچھ انتظام کر لو تب چلو۔ اب یہ ہے جب جی چاہے آؤ اور بے فکر ہو کر آؤ اور چاہے عمر بھر بھی کچھ نہ دو۔ لوگوں میں ایسی مشکل ہو رہی ہے کہ کھانا اور کھلانا' کھانے والے جاتے وقت حساب کرتے ہیں کہ چار دن میں اتنا کھایا ہو گا آٹھ آنے بڑھا کر دینا چاہیے۔ ذلیل حالت ہے میں نے یہ قصہ ہی نہیں رکھا باستثناء بعض اہل خصوصیت کے عام طور سے کھانا کھلانے کو بھی ضروری نہیں سمجھتا ہم بھی بے فکر تم بھی بے فکر۔ یہ حساب کتاب بھٹیاروں کا سا کیسا۔ اس پر بھی لوگ دیتے ہیں گو شرم تو

آتی ہے لیکن چونکہ خلوص ہوتا ہے لے لیتا ہوں۔ خلاصہ یہ ہے کہ خدا خلوص دے جہاں خلوص ہوتا ہے وہاں فلوس خود بخود آ جاتا ہے کمی تو خلوص کی ہے۔

قواعد وضوابط میں سنت کی پابندی

عرض کیا گیا جی چاہتا ہے کہ حضور کا مجموعی طریقہ قلمبند ہو کر محفوظ ہو جائے تو بہت نافع ہو آئندہ زمانہ کے لوگوں کے لیے بھی۔ فرمایا کہ جی میرا کیا طریقہ ہے دین کا طریقہ ہے میں نے ایجاد نہیں کیا۔ الحمدللہ مجھے اس کا بہت خیال رہتا ہے کہ کوئی دستور العمل سنت اور شریعت کے خلاف نہ ہو خدا تعالیٰ کی یہ بڑی رحمت ہے۔ ایک بات میں میرا خیال تھا کہ شاید سنت کے خلاف ہو وہ یہ کہ اگر بڑی رقم کا کوئی ہدیہ دیتا ہے تو گو دینے والے کی حیثیت سے زیادہ نہ ہو اور خلوص میں بھی کمی نہ ہو لیکن مجھے زیادہ معلوم ہوتا ہے اور طبیعت پر بوجھ سا ہوتا ہے اور واپسی کو جی چاہتا ہے مگر ساتھ ہی ساتھ میں یہ کہتا تھا کہ یہاں کیا عذر شرعی ہے لیکن باوجود عذر سمجھ میں نہ آنے کے چونکہ طبعی بات کی مخالفت مشکل ہوتی ہے اس لئے میں انکار کر دیتا تھا لیکن میں سمجھتا تھا کہ یہ محض طبعی معذوری ہے۔ سنت میں اس کی اصل نہیں ہے۔ بہت دنوں مجھے یہ شبہ رہا۔ میں اپنے کو اس واپسی میں قاصر سمجھتا تھا مگر واپس کر دیتا تھا لیکن الحمدللہ میرا وہ شبہ جاتا رہا جب سے کہ میں نے ایک حدیث دیکھی کہ حضور فرماتے ہیں کہ کوئی خوشبو پیش کرے تو واپس مت کرو اور خود ہی اس کی علت فرماتے ہیں کیونکہ بار اس کا کچھ زیادہ نہیں ہوتا اور فرحت کی چیز ہے۔ پس عدم رد کی علت خفیف المحمل ہونے کو بتلایا میں نے کہا الحمدللہ اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ بوجھ پڑنا طبیعت پر یہ بھی ایک عذر معقول و مشروع رد ہدیہ کا ہے۔ میں نے احتیاطاً اوروں سے بھی پوچھا کہ اس حدیث سے یہ بات نکلتی ہے یا نہیں کیونکہ مجھے خیال ہوا کہ کہیں میرے نفس نے یہ مطلب نہ تراشا ہو مگر وہ کہنے لگے کہ اجی صاف دلالت ہے۔

بھائی صاحب کے ماہانہ ہدیہ کا واقعہ

پھر فرمایا کہ ایک دفعہ بھائی نے چاہا میں کچھ ماہوار تمہارے لئے مقرر کر دوں سمجھدار آدمی ہیں بے تکلف لکھ دیا۔ میں نے لکھا کہ اس میں خرابی ہے اب تو میری نظر کسی خاص شخص پر نہیں

اللہ پر ہے اور، گر مخلوق پر بھی ہے تو کسی مخلوق معین پر تو نہیں اگر تم نے ماہوار مقرر کر دیا تو بری می ہی میں دل پڑا رہے گا اول تو حساب لگانا پڑے کہ مارچ ختم بھی ہو گیا یا نہیں مئی ختم ہوئی یا نہیں جب پہلی تاریخ ہوگی تو یہ خیال ہوگا کہ آج تنخواہ وصول ہوئی ہوگی۔ آج روپیہ چلا ہوگا۔ آج آرہا ہوگا نہ آیا تو لیجئے پریشانی کہ نہ معلوم کیا وجہ ہوگئی یہ جھگڑا تو یہاں ہوگا۔ اب تو یہ ہے کہ آ کو دتا ہے من حیث لا یحتسب کی شان تو نہ رہے گی جہاں سے گمان بھی نہیں ہوتا وہاں سے حق تعالیٰ دیتے ہیں دوسرے میں نے یہ لکھا کہ برا ماننے کی بات نہیں گو تمہاری تنخواہ ساڑھے چار سو روپیہ ہے لیکن ضرورتیں مختلف ہوا کرتی ہیں بعض دفعہ پانچ سو کا خرچ بڑھ جائے گا اس وقت تم کو گرانی ہوگی کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ ہر وقت جوش محبت کا نہیں رہتا۔ وہ بڑے سمجھ دار آدمی ہیں انہوں نے لکھا کہ مجھے تعجب ہے کہ ایسی موٹی بات کی طرف لکھنے کے وقت مجھ کو توجہ نہ ہوئی آپ کے خط کو دیکھ کر آنکھیں کھلیں آپ کے خط کا ہر ہر حرف آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ میں رجوع کرتا ہوں اور اپنی رائے کو واپس لیتا ہوں۔ بعد کو انہوں نے کہا کہ آخر اور لوگ بھی تو پیش کرتے ہیں اگر میرا جی چاہے تو مجھے خدمت سے کیوں محروم رکھا جائے۔

میں نے کہا کہ کیا اور لوگ معین کرتے ہیں جیسا کہ تم کرنا چاہتے تھے۔ غیر معین طور پر کچھ پیش کر دمیں وعدہ کرتا ہوں کہ لے لوں گا۔ پھر جب میں بریلی جاتا تھا کبھی ٹکٹ لے دیتے تھے کبھی پچیس کبھی بیس روپیہ دے دیئے کبھی کچھ کپڑے بنوا دیئے اور کبھی کچھ بھی نہیں اور زیادہ وہی ہوتا تھا کہ کچھ بھی نہیں۔ بس وہ میرے مذاق کو سمجھ گئے اور اس کے موافق عمل کیا۔ محبت کی بات تو یہی ہے پھر میں ایسا کرتا کہ کبھی کبھی قصداً گنی بھائی کے پاس امانت رکھوا دیتا تا کہ انہیں اطمینان ہو جائے کہ ہاں اس کے پاس کافی سرمایہ موجود رہتا ہے۔

گھر والوں کا ایک اچھا مشورہ

میرے گھر میں کہا کرتی ہیں مجھے ان کی یہ بات بہت پسند آئی کہ ذرا سفر میں اچھی حیثیت سے جایا کرو کپڑے بھی اچھے ہوں جوتا بھی نیا ہو ایک آدھ جوتا اور بھی ساتھ بندھا ہو میں نے کہا کیوں مجھے کسی کو دکھلانا تھوڑا ہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ انما الاعمال بالنیات (بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے)۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ اگر لوگ تمہیں

خستہ حالی میں دیکھیں گے تو انہیں فکر ہوگی کہ آج کل تنگی میں ہیں کچھ دینا چاہیے اور اگر کپڑے بھی اچھے اور جوتا بھی نیا ہوگا تو سمجھیں گے کہ کسی چیز کی حاجت نہیں سب بے فکر رہیں گے مسلمانوں کو بے فکر ہونے کے لیے اچھی حیثیت بنا کر سفر کیا جائے تو عبادت ہے ایسی لطیف بات کہی کہ وہ دیکھ کر خوش ہوں گے کہ آرام میں ہیں اور بے فکر رہیں گے جس سے میں یہ کرتا ہوں کہ دو چار جوڑے جو اچھے ہوئے وہی چھانٹ کر سفر میں لے جاتا ہوں۔

پھر فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے اس بندی خدا میں ذرا بھی حرص نہیں ورنہ نباہ مصیبت ہوتا۔ حضرت ایسا ہوتا ہے کہ ہدیہ لینے میں اگر میں کبھی اپنے معمول کو بھول جاتا ہوں تو وہ ٹوکتی ہیں کہ تمہارے معمول کے خلاف ہے یہ کیوں لے لیا۔ یہ کبھی سفارش نہیں کی کہ فلاں ہدیہ لے لو یہ بارہا کہا کہ یہ تمہارے معمول کے خلاف ہے یہ کیوں لے لیا۔ پھر فرمایا کہ میں اس واسطے یہ سب باتیں سنا رہا ہوں کہ اگر ان میں سے کسی کو کوئی بات پسند آوے تو تقلید کی جائے کیونکہ علمی تعلیم سے اتنا اثر نہیں ہوتا جتنا عملی تعلیم کا اثر ہوتا ہے۔ واقعات سن کر یہ بہت اثر ہوتا ہے کہ بھائی ایسا ہو بھی رہا ہے۔

ایک وکیل صاحب کے تاثرات

فلاں صاحب وکیل یہاں آئے تھے بہت اچھے آدمی ہیں دیندار آدمی ہیں۔ علی گڑھ کے پڑھے ہوئے ہیں وہاں ماسٹر بھی تھے۔ بی۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی ہیں۔ شیخ عبدالحق دہلویؒ کی اولاد میں سے ہیں مجھے تو نقل نہ کرنا چاہیے لیکن اگر نقل بھی کر دوں تو کونسا بڑا کمال ثابت ہو جائے گا کیونکہ میں چیز ہی کیا ہوں۔ انہوں نے ایک بات کہی کہ دو باتیں اس وقت تک گم تھیں ظاہر نہیں کی جاتی تھیں کتابوں میں بھی کہیں پتہ نہ تھا ایک تو فن سلوک کے اصول۔ یہ کہیں نہیں سنے جاتے تھے اس کو تربیت السالک (نام کتاب جس میں ذاکرین وشاغلین کے خطوط مع جوابات حضرت والا درج ہیں) نے بالکل صاف کر دیا۔ ایک معاشرت ومعاملات پر گفتگو کسی نے نہیں کی۔ انہوں نے اس کی وجہ بھی تراشی کہ اس لئے گفتگو کی ہمت نہیں ہوئی کہ لوگ کہیں گے کہ تم خود ہی کیا کر رہے ہو الحمدللہ ایک یہ جزو دین کا مخفی تھا اب ظاہر ہوا ہے۔ اھ

حضرت والاؒ کے سب اصول معقول ومناسب ہیں

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ ناظرین نے ملفوظات منقولہ بالا سے بخوبی اندازہ فرما لیا ہوگا

کہ حضرت والا ہدیہ قبول فرمانے میں کتنی احتیاط اور کس درجہ استغناء مشوب بالعبدیت سے کام لیتے ہیں اور اس کے متعلق حضرت والا کے جتنے بھی اصول ہیں وہ کیسے معقول اور مؤید بالمنقول ہیں۔

علاوہ ان واقعات کے جو حسن العزیز سے ابھی نقل کیے گئے ہدایا کے متعلق اور بھی بہت کثرت سے واقعات اس وقت یاد آتے چلے جا رہے ہیں جو نہایت سبق آموز ہیں لیکن بوجہ عدم گنجائش وقت اور بخوف تطویل ان سب کو نظر انداز کر کے صرف دو چار دلچسپ اور مختصر واقعات کو بیان کیا جاتا ہے۔

ایک فوجی صاحب کے ہدیہ کا واقعہ

ایک صاحب نے جو غالباً فوجی ملازم تھے کچھ نقد اور کچھ غیر نقد ہدیہ پیش کیا چونکہ وہ بالکل اجنبی شخص تھے اس لئے حضرت والا نے حسب معمول ملاطفت کے ساتھ عذر فرما دیا کہ بدوں کامل واقفیت اور بے تکلفی کی ملاقات کے کسی کا ہدیہ لینا میرے معمول کے خلاف ہے۔ انہوں نے اصرار کیا تو حضرت والا نے پھر نرمی سے سمجھایا کہ کسی کی طبیعت کے خلاف اصرار نہیں کیا کرتے لیکن وہ پھر بھی اصرار سے باز نہ آئے اور حضرت والا کا یہی معمول ہے کہ ابتداء نہایت اخلاق و نرمی سے پیش آتے ہیں لیکن جب دوسرے کی طرف سے ایذا شروع ہوتی ہے تو پھر اپنی ایذا کا اظہار تیز لہجہ میں فرمانے لگتے ہیں اور فرمایا کرتے ہیں کہ جب لوگ بلا اس کے مانتے ہی نہیں تو پھر کیا کروں کس طرح اپنا پیچھا بھی چھڑواؤں۔ چنانچہ جب وہ صاحب اصرار سے باز ہی نہ آئے تو ایک بار پھر فرمایا کہ دیکھو اب مجھے غصہ آ چلا ہے اب بھی اپنی چیزیں اٹھا لو لیکن جیسا کہ بعد کو معلوم ہوگا وہ تو آئے ہی تھے یہ ٹھان کر کہ ہدیہ دے کر ہی ٹلوں گا چنانچہ اس کہنے پر بھی نہ ٹلے۔ تب تو حضرت والا بہت برافروختہ ہوئے اور ڈانٹ کر فرمایا کہ دور ہو نا معقول اٹھا اپنی چیزیں۔ پھر تو جلدی سے اپنی چیزیں اٹھا کر مسجد میں جا بیٹھے۔ غرض بڑی ہی مصیبت سے پیچھا چھوٹا۔

پھر دوسرے روز یا اسی روز احقر سے اپنا سب حال صاف صاف بیان کیا کیونکہ بیچارے سیدھے سادھے فوجی آدمی تھے کہنے لگے کہ اجی میں اب اپنے یہاں کیا منہ لیکر جاؤں گا۔ بات یہ ہے کہ چلتے وقت مولانا کے ایک مرید سے اور مجھ سے اس ہدیہ ہی پر بحث ہوئی تھی

وہ کہتے تھے کہ مولانا ہرگز نہ لیں گے اور میں کہتا تھا کہ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے ہدیہ بھی ایسی چیز ہے کہ کوئی نہ لے۔ میں دے کر ہی آوں گا۔ انہوں نے کہا اگر تم نے وہاں اصرار کیا تو یاد رکھو کہ پٹو گے۔ چنانچہ واقعی انہی کا کہنا صحیح نکلا۔ میں تو یہ سمجھا تھا کہ جب روپیہ اور چیزیں دیکھیں گے بھلا ممکن ہے کہ نہ لیں کیونکہ ہم نے تو کسی پیر کو انکار کرتے دیکھا نہیں۔ اھ

لیجئے یہ وجہ تھی آپ کے اصرار کی پھر بھلا حضرت والا کا قلب مصفا ایسے ہدیہ کو کیسے قبول کر لیتا۔

ایک رئیس کے ہدیہ کا واقعہ

اسی طرح ایک واقف کار رئیس نے جو ایک بڑے عہدہ دار بھی تھے پچیس روپیہ پیش کیے تو حضرت والا نے ان میں سے صرف دس روپے لے لئے اور پندرہ روپے واپس فرما دیئے اور فرمایا کہ بس اتنے ہی کافی ہیں۔ پھر وہ تو چلے گئے لیکن ان کے ساتھی رہ گئے۔ انہوں نے حضرت والا سے اظہار تعجب کیا کہ آپ کو ان کا ارادہ کیسے معلوم ہو گیا کیا کشف ہو گیا کیونکہ اول ان کا ارادہ صرف دس ہی روپیہ دینے کا تھا لیکن کہنے لگے کہ دس تو پیش کرتے ہوئے شرم آتی ہے اس لئے پندرہ روپیہ اور ملا کر پچیس روپیہ پیش کیے صرف دس روپیہ پیش کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ نہیں جی مجھے کشف نہیں ہوا کرتا۔ اللہ تعالیٰ ہی دستگیری فرماتے رہتے ہیں۔ دس روپیہ لینے کی تو ایک خاص وجہ تھی وہ یہ کہ گھر میں دس روپیہ کی لکڑیاں یکمشت لے لی گئی تھیں کیونکہ اچھی مل گئی تھیں لیکن چونکہ اتفاق سے اس وقت دام نہ تھے دس روپیہ کا قرض ہو گیا تھا۔ چونکہ میرے قلب پر قرض کا بہت ہی بار ہوتا ہے اس لئے میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ میرا قرض ادا کرا دیں جب وہ صاحب پچیس روپیہ دینے لگے تو میں نے خیال کیا کہ بالکل نہ لوں لیکن ڈر لگا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہیں ناشکری نہ ہو جائے اور اللہ میاں پھر نہ کہیں کہ مانگتا بھی ہے اور جب ہم دلواتے ہیں تو نخرے کرتا ہے لیتا نہیں اس لئے میں نے اس میں سے دس روپیہ جو اللہ میاں سے مانگے تھے وہ تو لے لئے باقی واپس کر دیئے۔ اھ

ایک دلچسپ واقعہ

حضرت والا ہدیہ کے متعلق ایک یہ دلچسپ واقعہ بھی بیان فرمایا کرتے ہیں کہ ایک

صاحب آئے تو میں نے ان سے تعارف حاصل کرنے اور سفر کا مقصود معلوم کرنے کے لیے ضروری سوالات کرنا شروع کیے لیکن انہوں نے کسی سوال کا جواب ہی نہ دیا جس سے مجھے ناگواری پیدا ہونے لگی اس پر ان کے ساتھی نے یہ کہا کہ ان کو تو آپ سے اتنی محبت ہے کہ غائبانہ آپ کا نام سننے کی بھی تاب نہ لاسکتے اور عرصہ سے خط و کتابت بھی کر رہے ہیں۔ یہ سن کر میری ناگواری جاتی رہی اور میں نے ان کو معذور سمجھ لیا۔ پھر انہوں نے بعد ظہر دس روپیہ ہدیہ دیئے میں نے تعلق کی بناء پر لے لیے۔ بس روپیہ لینے تھے کہ ان کی زبان کھل گئی اور ایسی کھلی کہ فضول فضول سوالات کرنے لگے جس سے مجھے ایذا ہونے لگی۔ میں نے سوچا کہ اس کی وجہ کیا ہے کہ یا تو ضروری سوالات کے جواب بھی نہ دے سکتے تھے یا اب ایسی زبان کھل گئی کہ خود ہی سوالات کرنے لگے اور وہ بھی بالکل غیر ضروری اور ایذا دہ بس فوراً سمجھ میں آ گیا کہ روپیوں نے ان کی زبان کھول دی ہے بس روپیہ دے کر اپنے آپ کو سب قواعد سے مستثنیٰ سمجھ لیا ہے اور سمجھنے لگے ہیں کہ اب تو ہمیں حق حاصل ہو گیا ہے کہ بے تکلف جو چاہیں پوچھیں۔ میں نے ان سے کہا کہ ابھی میں آپ کے سوالات کا جواب نہیں دیتا ذرا ٹھہر جایئے پہلے میں آپ کے وہ دس روپے واپس کر دوں جنہوں نے آپ کی زبان کھول دی ہے پھر میں جو مناسب سمجھوں گا آزادی سے آپ کے سوالات کا جواب دوں گا پھر میں نے اسی وقت نکال کر ان کے دس روپے واپس دے دیئے اور کہا کہ ہاں اب میں بھی آزاد ہوں اور آپ بھی آزاد ہیں جو کچھ چاہیں پوچھئے لیکن جب روپے ان کے پاس پہنچ گئے تو وہ پھر خاموش ہو گئے اور کسی سوال کی جرأت نہ ہوئی۔ میں خوش ہوا کہ میری تشخیص صحیح نکلی۔ اھ

برادری کے ایک صاحب کا واقعہ

حضرت والا ایک یہ واقعہ بھی بیان فرمایا کرتے ہیں کہ اہل قصبہ میں سے ایک صاحب نے جو کبھی کبھی کوئی کھانے کی چیز ہمارے گھر بھیج دیا کرتے تھے مجھ سے اپنے کسی معاملے کے متعلق جس کے بارہ میں ایک اور شخص سے ان کا مقدمہ چل رہا تھا مسئلہ پوچھا میں نے حسب قواعد فقہیہ اس کا جواب لکھ دیا وہ جواب اتفاق سے ان کے خلاف تھا اور ان کے فریق مخالف کے موافق۔

اس پر انہوں نے اوروں سے شکایت کی کہ دیکھو جی ہم ہمیشہ تو ان کی خدمت کرتے رہے اور وقت پر ہمارے خلاف فتویٰ لکھ دیا۔ میں نے جو سنا تو مجھے نہایت ناگوار ہوا اور میں نے کہلا بھیجا کہ اگر آپ نے مجھے کھلایا پلایا ہے تو میرے یہاں سے بھی آپ نے کچھ نہ کچھ ضرور کھایا پیا ہے کیونکہ اہل برادری میں تو باہم لینا دینا رہتا ہی ہے لیکن پھر بھی جو کچھ آپ نے مجھ کو دیا ہے اگر مجھے اس کا حساب معلوم ہو جائے تو میں اس کی قیمت بھی دینے کے لیے تیار ہوں۔ اھ

ایک غیر مہذب شخص کا واقعہ

حضرت والا ایک یہ واقعہ بھی بیان فرمایا کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ میرے یہاں مہمان تھے اور ایک اور صاحب بھی مہمان تھے۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو ان صاحب نے جیب سے ایک روپیہ نکال کر میرے سامنے پھینک دیا مولانا کو بہت ناگوار ہوا اور ان سے کچھ فرمانا چاہا۔ میں نے بہت ادب کے ساتھ روک دیا کہ جو کچھ کہنا ہوگا میں خود کہہ لوں گا آپ تکلیف نہ فرمائیں۔ پھر میں نے ان کو خوب ہی آڑے ہاتھوں لیا اور اظہار ناراضی کر کے ان کا روپیہ واپس کر دیا کہ کیا میں بھٹیارہ ہوں۔ اھ

حضرت والا ان واقعات کو نقل فرما کر فرمایا کرتے ہیں کہ پہلے میں ہدیہ کے متعلق اتنی تنگی نہیں کیا کرتا تھا لیکن جب سے اس قسم کے تجربے ہوئے ہیں تب سے میں بہت زیدہ احتیاط کرنے لگا ہوں۔ اھ

مولانا منفعت علیؒ کا بیان

جناب مولوی منفعت علی صاحب بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی وکیل سہارنپور نے احقر سے فرمایا کہ انہوں نے حضرت والا کی خدمت میں بزمانہ طالب علمی جب کبھی ہدیہ پیش کیا تو یہ فرما کر واپس فرما دیا کہ ابھی تو تم طالب علمی ہی کر رہے ہو ابھی تو تمہارا مجھ پر حق ہے پھر فرمایا کہ اگر میں اس طرح ہدایا لینے لگوں تو سونے کی دیواریں کھڑی کر لوں۔ اھ۔ واقعی حضرت والا ہدایا قبول فرمانے میں وسعت فرماتے تو لاکھوں کی آمدنی ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کے اندر مقناطیسی کشش رکھی ہے اور شان محبوبیت عطا فرمائی ہے۔

ہدیہ پیش کرنے کا ادب

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ ہدیہ پیش کرنے والے کا ادب تو یہ ہے کہ دوسروں سے چھپا کردے بلکہ دے کر خود بھی فوراً علیحدہ ہوجائے اور ہدیہ لینے والے کا ادب یہ ہے کہ اس کو دوسروں پر ظاہر کردے۔ چنانچہ حضرت والا کو بعض ہدیوں کا بالخصوص بعض بڑی بڑی اور بعض بہت چھوٹی چھوٹی مقدار کے ہدیوں کا مجلس عام میں ذکر فرماتے خود احقر نے سنا ہے چنانچہ ایک بار بہت مسرت کے ساتھ فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے مجھ کو اکنی دی اور کہا کہ اس میں سے ایک پیسہ لے لیجئے اور تین پیسے واپس دے دیجئے اس نے کوئی حساب اپنی سہولت کے لیے لگا رکھا ہوگا۔ اس کی اس بے تکلفی سے میرا بہت جی خوش ہوا۔ اھ

ہدیہ دینے کا طریقہ تکلیف دہ نہ ہو

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ ہدیہ اس طرح پیش کرے کہ جس کو ہدیہ دیا جارہا ہے اس کو کسی قسم کی مؤنت نہ اٹھانی پڑے۔ اسی وجہ سے حضرت والا نے عموماً ریلوے پارسل کے ذریعہ سے کسی چیز کے بھیجنے کی ممانعت فرما رکھی ہے کیونکہ اس میں ریلوے اسٹیشن سے منگوانے میں بڑی دقت اٹھانی پڑتی تھی اور ملازموں کو بھی بہت تکلیف ہوتی تھی۔ ایک بار ریلوے پارسل کے ذریعہ سے کسی نے نہایت عمدہ خربوزے بھیجے۔ ریل کے بابو نے حضرت والا کے ملازم سے بطور رشوت کے کچھ پیسے مانگے۔ جب ملازم نے آکر اطلاع کی تو حضرت والا نے فرمایا کہ وہ ہدیہ ہی کیا ہوا جس میں مؤنت اور بار پڑے۔ لہٰذا بلٹی خربوزے بھیجنے والے کے واپس فرمادی۔ بابو صاحب منتظر ہی رہے جب خربوزے بگڑنے لگے تو اس نے آدمی بھیجا کہ اچھا پیسے نہ دیجئے خربوزے منگوا لیجئے۔ لیکن اس سے کہہ دیا گیا کہ اب ہم نہیں منگواتے۔ پھر بابو خود لیکر آیا لیکن اس سے کہہ دیا گیا کہ بلٹی واپس کردی گئی ہے قاعدے کے مطابق جو کارروائی ہو وہ کرو چنانچہ خربوزے نیلام کردیئے گئے۔ پھر حضرت والا سے ایک راوی نے بیان کیا کہ کئی بابو تھے جو سب ہندو تھے وہ آپس میں کہہ رہے تھے کہ ہم نے چوری کی چیزیں بہت کھائی ہیں لیکن جیسے یہ خربوزے کھائے ویسے کبھی نہیں کھائے۔ گو بہت اچھے

تھے لیکن یہ معلوم ہوتا تھا کہ گوہ کھا رہے ہیں ایسی چوری کبھی نہیں کی۔ حضرت والا نے یہ روایت سن کر فرمایا کہ نالائقوں نے ایک مسلمان کا دل دکھایا اس لئے مزا نہ آیا۔ پھر اس واقعہ کی شہرت ہوگئی۔ دوسرے موقع پر نئے بابو نے پیسے مانگے تو دوسرے بابو نے کہا کہ بھائی یہ پیسے نہیں دیا کرتے ان سے نہ مانگو بس پھر کبھی کسی نے کچھ نہیں مانگا لیکن حضرت والا ان کو بوجہ واسطہ ہونے کے خود ہی آئی ہوئی چیزوں میں سے کچھ بھیج دیا کرتے تھے پیسے کبھی نہیں دیئے۔

ملفوظات متعلقہ ہدایا ماخوذ از اشرف المعمولات ملخصاً

۱: ہدایا کی تین قسمیں

دہلی سے ایک شخص مسئلہ فرائض لیکر آیا اور کچھ نذرانہ دینا چاہا فرمایا کہ میں نہ لوں گا۔ اور فرمایا کہ آج کل جو بزرگوں کو بصورت ہدایا دیا جاتا ہے اکثر اس کی تین قسمیں ہیں۔ ایک تو بغرض دنیا یعنی رشوت' دوسرے بغرض ثواب اخروی یعنی صدقہ وخیرات' تیسرے کسی امر دینی کی غرض سے (مثلاً استفتاء کا جواب) اس کی اُجرت اور میں ان تینوں قسموں میں سے ایک قسم کا بھی ہدیہ نہیں لیتا۔ البتہ جو محبت سے دیا جائے وہ لے لیتا ہوں کیونکہ صدقہ لینا تو مجھے بوجہ غنی ہونے کے جائز نہیں اور اُجرت امور دینیہ پر لینا بھی جائز نہیں سمجھتا اور رشوت تو سب ہی کے نزدیک حرام ہے۔ اور جو محض محبت سے ہو وہ ہدیہ ہوتا ہے اس کا قبول کرنا سنت ہے۔

۲: مصافحہ کے ساتھ ہدیہ کی شرط

ایک صاحب نے آ کر مصافحہ کے ساتھ ہی کچھ دینا چاہا۔ ارشاد فرمایا کہ یہ طریقہ پیرزادوں نے اخفاء کے خیال سے جاری کیا ہے۔ یہ طریقہ خلاف سنت ہے۔ کہیں ثابت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مصافحہ میں لوگ دیا کرتے ہوں۔ یہ رسم قابل ترک ہے۔ اس میں اپنا نفس بھی خراب ہوتا ہے۔ ہر مصافحہ میں انتظار رہے گا کہ شاید کچھ وصول ہو جائے۔ مصافحہ دین کا کام ہے۔ اس کے ساتھ دنیا شامل کرنا ٹھیک نہیں۔

۳: اہل علم کی ذلت ومشقت سے پرہیز

ایک مرتبہ ایک شخص نے بذریعہ ریلوے پارسل مولانا مدظلہ کے پاس کچھ بھیجا بابو نے

چار آنے رشوت کے مانگے اور رسید دینے سے انکار کر دیا ارشاد فرمایا کہ اب ہم کوئی پارسل ہی نہ لیا کریں گے سب واپس کر دیا کریں گے۔ ہمارے پاس ہدیۃً آیا ہے بیعاً نہیں آیا کوئی وجہ نہیں کہ ہم اپنے پاس سے اس قسم کے بیہودہ مصارف گوارا کریں ہمارے پاس بلا مؤنت جو کچھ آئے گا لے لیں گے ورنہ واپس کر دیں گے اور مولوی فلاں صاحب سے فرمایا جو پرچہ ہدایات لوگوں کی اطلاع کے لیے چھپنے والا ہے اس میں لکھ دیا جائے کہ کوئی شخص ریل پر ہمارے نام کوئی چیز نہ روانہ کرے۔ ہمیں دقت ہوتی ہے اس کے بعد فرمایا کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ مولوی کھانے کمانے ہی کے لوگ ہیں آئی ہوئی چیز کبھی واپس نہ کریں گے۔ ان کو ذلیل سمجھتے ہیں۔ میرا بڑا مقصود یہ ہے کہ اہل علم کی ذلت نہ ہو چنانچہ اسی لئے میں نے ایسا کیا اس کے بعد جو پارسل آئے ان کی بلٹی واپس کر دی کاتب ملفوظات لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ صاف بتلاتا ہے کہ حضرت مولانا مدظلہ کے دل میں دنیا کی ذرا بھی قدر نہیں اور نظر بڑی دور پہنچتی ہے۔ باریک باریک مصالح پیش نظر رہتی ہیں جس کی طرف لوگوں کو التفات بھی نہیں ہوتا (اہل اللہ کے پاس دنیا خود آتی ہے اور وہ دور کرتے ہیں)۔

۴: جمعہ دن کا ہدیہ اور نئے آدمی کا ہدیہ

میرا قاعدہ ہے کہ آس پاس کے گانوں والوں کی جمعہ کی مہمانی موقوف ہے۔ نیز ایسے لوگ جو جمعہ کو ہدیہ لاتے ہیں وہ بھی نہیں قبول کرتا۔ اسی طرح نئے آدمی کا جس کی حالت معلوم نہ ہو ہدیہ قبول نہیں کرتا۔ تجربہ سے ان کی مصلحتیں معلوم ہوئی ہیں۔ اکثر لوگ جمعہ کی نماز پڑھنے آتے تھے اور خواہ مخواہ میرے یہاں مہمان بن کر ٹھہرتے تھے۔ اس میں ہمیشہ دقت ہوا کرتی تھی۔ اس لئے یہ قاعدہ رکھا گیا۔ ہاں جس کو مجھی سے ملنا مقصود ہو وہ جب چاہے آئے سر آنکھوں پر اور جب جمعہ کی مہمانی ایسے لوگوں کی موقوف کی گئی تو ہدیہ قبول کرنا بھی موقوف کیا گیا کیونکہ یہ مناسب نہ تھا کہ جس میں میرا نقصان تھا اس کو تو موقوف کر دیا اور جس میں میرا فائدہ تھا اس کو جاری رکھتا۔ اس لئے مہمانی کے ساتھ وہ بھی موقوف کیا گیا۔ بعض لوگ آکر پہلے ہدیہ پیش کرتے ہیں پھر کوئی اپنا کام بتلاتے ہیں یہ نہایت ناگوار معلوم ہوتا ہے جب کوئی کام لینا ہے

2 مثلاً وعظ یا تعویذ وغیرہ بے تکلف لو اس کے ساتھ کچھ دینے کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے کوئی دوکان خرید وفروخت کی تھوڑا ہی کھول رکھی ہے۔ جب کوئی ہدیہ دیکر کام کرانا چاہتا ہے تو میں کام تو کر دیتا ہوں لیکن ہدیہ واپس کر دیتا ہوں۔ اگر کوئی محض محبت سے ہدیہ دے تو اس کے قبول کرنے میں کیا مضائقہ ہے۔ یہ مبادلہ کی صورت اچھی نہیں معلوم ہوتی۔

۵: نئے آدمی کا ہدیہ قبول نہ کرنے کی وجہ

میں نے اپنا یہ معمول مقرر کر لیا ہے کہ جو نیا شخص آتا ہے اس سے میں ہدیہ نہیں لیتا۔ البتہ اگر قرائن قویہ سے خلوص ثابت ہو جائے تو مضائقہ نہیں۔ رسم پرست لوگوں نے اس ہدیہ لے جانے کی وجہ یہ نکالی ہے کہ اگر پیر کے پاس خالی ہاتھ جائے گا تو وہاں سے بھی خالی ہاتھ آوے گا۔ فقط

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ اب ہدیہ کے متعلق مضمون کو ختم کیا جاتا ہے کیونکہ ناظرین کرام کو حضرت والا کے اصول وشرائط ہدیہ کافی مقدار میں معلوم ہو چکے ہیں اور اس امر میں حضرت والا کا جو مذاق ہے اس کی کافی بصیرت حاصل ہو چکی ہے۔

تبرکات کے متعلق اصول

تبرکات کے بارے میں حضرتؒ کا ذوق

چونکہ حضرت والا پر بفضلہ تعالیٰ توحید اور تنزیہ باری تعالیٰ کا بہت غلبہ ہے اور ہر شئے کو اس کے درجہ پر رکھنا اور مقصود و غیر مقصود میں فرق کرنا حضرت والا کا امتیازی وصف ہے جو ایک مجدد اور مصلح اور حکیم الامۃ میں ہونا لازمی ہے اس لئے تبرکات کے باب میں بھی حضرت والا کا مذاق نہایت معتدل ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کی برکات کا انکار نہیں بلکہ بزرگوں کے تبرکات کی برکتوں کے واقعات اپنے بھی اور دوسروں کے بھی مشاہدہ کئے ہوئے اکثر نہایت معتقدانہ طور پر بیان فرماتے رہتے ہیں لیکن جو اصل دولت بزرگوں کے پاس ہے جس نے ان حضرات کو اس قابل بنا دیا کہ اس کی وجہ سے ان کی چیزوں میں بھی برکت پیدا ہوگئی اس دولت کی تحصیل کی جانب خود بھی ہمیشہ نظر رہتی ہے اور دوسروں کو بھی اسی کی تحصیل

کی ترغیب دیتے رہتے ہیں اور فرماتے رہتے ہیں کہ بزرگوں کے اصل تبرکات تو ان حضرات کے اقوال واعمال واحوال ہیں ان سے برکت حاصل کرنی چاہیے۔

حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں عرض

چنانچہ جب حضرت والا کے پیرومرشد اعلیٰ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز نے بغایت شفقت وعنایت اپنا کتب خانہ حضرت والا کو عطا فرمانا چاہا تو اس وقت بھی حضرت والا نے بغایت ادب ونیاز عرض کر دیا کہ حضرت کتابوں میں کیا رکھا ہے مجھے تو کچھ اپنے سینۂ مبارک سے عطا فرما دیجئے۔ اس پر حضرت حاجی صاحبؒ بہت مسرور ہوئے اور جوش میں آکر فرمایا کہ ہاں جی ہاں سچ تو یہی ہے کتابوں میں کیا رکھا ہے اھ۔ اس واقعہ کو نقل فرما کر حضرت والا یہ شعر بھی فرما دیا کرتے ہیں۔

صد کتاب و صد ورق در نار کن — سینہ را از نور حق گلزار کن

(سو کتابیں اور سو کاغذوں کو آگ میں ڈال، سینہ کو حق کے نور سے روشن کر)

غلو کی حفاظت

غرض حضرت والا کو تبرکات کے متعلق شغف نہیں نہ اعتقاداً نہ عملاً جیسا کہ آج کل لوگوں نے اس میں غلو کر رکھا ہے بلکہ حفاظت عوام پر یہاں تک نظر ہے کہ جب حضرت والا نے اپنے پٹے دار بال کٹوائے تو ان کو خاص اہتمام کے ساتھ دفن کرا دیا تاکہ معتقدین کے ہاتھ میں نہ پڑنے پائیں اور وہ ان کا کوئی ڈھونگ نہ بنا سکیں حجام کے پاس بھی نہیں رہنے دیئے تاکہ وہ ان کو بیچنا شروع نہ کر دے۔ چنانچہ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ میں نے خود دیکھا ہے کہ حضرت حاجی صاحب کے تبرکات بعض لوگ معتقدین کے ہاتھ بڑی بڑی قیمتوں پر بیچنے پر آمادہ تھے۔ اھ

تبرکات کے ادب کا خیال

ایک بار اس احقر جامع اوراق کی موجودگی میں بمقام میرٹھ ایک صاحب سلسلہؒ نے حضرت حاجی صاحبؒ کے ایک خرقہ کو مجلس میں ایک ایک کے سامنے پیش کیا تاکہ اس کو چوما جائے اور آنکھوں سے لگایا جائے تو حضرت والا نے فرمایا کہ مجھ کو ان کا یہ فعل اچھا نہیں معلوم

ہوا۔ ایک ڈھونگ سا معلوم ہوا۔ اھ۔ یہ بھی فرمایا کہ میرے پاس تو جتنے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تبرکات تھے میں نے ایسوں کو دے دیئے جن سے یہ توقع تھی کہ وہ مجھ سے بھی زیادہ ان کا ادب ملحوظ رکھیں گے کیونکہ مجھے ان کے ادب کی نگہداشت دشوار نظر آئی اور میں نے اپنے دل کو یہ کہہ کر سمجھا لیا کہ برکت کے لیے تو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات ہی کافی ہیں اگر اللہ تعالیٰ انہی پر عمل کی توفیق بخشے تو ان کے مقابلہ میں ان ظاہری تبرکات کی حاجت نہیں۔ چونکہ حضرت والا کے قلب میں بزرگوں کا بہت ہی زیادہ ادب اور ان سے انتہا درجہ کی محبت ہے یہاں تک کہ بارہا نہایت شدومد کے ساتھ فرمایا کرتے ہیں کہ بزرگوں کی شان میں ادنیٰ بے ادبی بھی موجب محرومی برکات و باطنی ہے اس لئے باوجود عدم شغف کے بزرگوں کے تبرکات کا بھی بہت ادب فرماتے ہیں۔

چنانچہ ایک صاحب نے سوال کیا کہ شیخ کے تبرک کو پہن کر پاخانہ میں جانا جائز ہے یا نہیں تو فرمایا کہ جائز تو ہے مگر کچھ واجب بھی تو نہیں اور ہر جائز کام کا کرنا ضروری ہی کیا ہے۔ خود میری یہ حالت ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام جبہ شریف جو جلال آباد میں ہے اور اپنے اکابر سے اس کی تصدیق وجدانی سنی ہے جب تھانہ بھون میں آتا ہے تو اگرچہ اس مکان کی طرف جہاں وہ رکھا جاتا ہے پاؤں کرنا جائز ہے مگر غلبہ ادب کی وجہ سے غالب احوال میں اس طرف پاؤں نہیں کر سکتا۔ اھ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جُبّہ مبارک کی زیارت

جُبّہ شریف کی زیارت بھی نہایت ذوق وشوق کے ساتھ کی اور اس طرح کہ اس کے خدام سے یہ اجازت لے لی کہ مجھ کو بالکل تنہائی میں زیارت کا موقع دے دیا جائے چنانچہ وہ لوگ خود بھی ہٹ گئے اور حضرت والا نے بالکل تنہائی میں نہایت ذوق وشوق کے ساتھ مخلّی بالطبع ہو کر خوب اطمینان سے زیارت کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔ اس وقت حضرت والا پر نہ معلوم کیا کیا کیفیات طاری ہوئی ہوں گی جن کی سوائے حضرت والا کے اور کسی کو خبر نہیں مصداق شعر۔

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد زباغباں   بلبل چہ گفت وگل چہ شنید وصبا چہ کرد

(اب کس میں ہمت ہے کہ وہ باغ کے مالک سے پوچھے کہ بلبل نے کیا کہا، پھول

نے کیا سنا اور صبا نے کیا کیا)

چونکہ خدام جُبہّ شریف کو حضرت والا کی خاص طور سے خاطر عزیز تھی اس لئے انہوں نے اس طرح تنہائی میں زیارت کرنے کی اجازت بھی دے دی ورنہ وہ لوگ تو ایک لحظہ کے لیے بھی جُبہّ شریف کو اپنی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتے۔

حضرت حاجی عبداللہؒ کی عبا کی برکت

اسی طرح ایک بہت ہی صالح اُمی بزرگ تھے جن کا نام حاجی عبداللہ تھا وہ اول حضرت والا گنگوہیؒ سے بیعت تھے پھر حضرت والا سے بھی بیعت ہو گئے تھے حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک بالکل معمولی کپڑے کا روئی دار عبا مجھ کو ہدیۃً دیا تھا اس کی خود میں نے یہ برکت محسوس کی جس کا بارہا تجربہ کیا کہ جب تک میں اس کو پہنے رہتا معصیت کے وساوس بھی بالکل نہ آتے۔اھ

حضرت والا تبرکات کے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ میں برکت کا تو معتقد ہوں لیکن جو آج کل لوگوں نے ان کے متعلق اعتقاد اور عمل میں غلو کر رکھا ہے اس کو ناجائز سمجھتا ہوں۔اھ

تبرکات حاصل کرنے کا سہل طریق

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ بزرگوں سے تبرکات حاصل کرنے کا سہل طریق جس میں ان کو کوئی تردد نہیں کرنا پڑتا یہ ہے کہ اپنی کوئی چیز ان کو عاریۃً دے کر یہ عرض کر دیا جائے کہ کچھ دیر اس کو استعمال فرما کر واپس فرما دیں میں نے ایک رومی شیخ کو حضرت حاجی صاحبؒ سے اسی طرح تبرک حاصل کرتے دیکھا تھا جو مجھ کو بہت پسند آیا تھا اور گو تبرکات تو بزرگوں کے ہوتے ہیں میں گنہگار اس قابل کہاں کہ مجھ سے تبرکات حاصل کئے جائیں لیکن بعض اپنے حسن ظن اور محبت سے مانگتے ہیں تو اگر اس وقت کوئی چیز نہ ہوئی تو میں ان کو بھی یہی ترکیب بتا دیتا ہوں اور یہ صورت ہے بھی بہت راحت کی کیونکہ اس میں مجھ کو کوئی تردد نہیں کرنا پڑتا۔اھ

حضرت والاؒ کے خدام کا طریقہ

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ حضرت والا کے بعض فہیم خدام ایسا ہی کرتے ہیں اور بعض کی درخواست پر حضرت والا اپنی خاص مستعمل اشیاء بھی مرحمت فرما دیتے ہیں۔ نیز چونکہ نوزائیدہ بچوں کے کرتوں کے لیے اکثر حضرت والا سے کپڑا بطور تبرک مانگا جاتا ہے اس لیے حضرت والا اپنے کہنہ مستعمل کرتوں میں سے ایسے بچوں کے ناپ کے چند چھوٹے چھوٹے کرتے قطع کرا کرا یسے موقعوں کے لیے رکھ لیتے ہیں تا کہ وقت پر تردد نہ کرنا پڑے اور درخواست پر فوراً نکال کر دیا جا سکے۔

حضرت والاؒ کی وصیت

حضرت والا نے اپنے وصیت نامہ ''الاستحضار للاحتضار'' میں یہ وصیت فرمائی ہے کہ میری مستعمل چیزوں کے ساتھ متعارف طریق سے تبرکات کا سا معاملہ نہ کریں البتہ اگر کوئی محبت سے بطریق شرعی مالک بن کر مخفی طور پر اپنے پاس رکھے مضائقہ نہیں اعلان اور دوسروں کو دکھلانے کا اہتمام نہ کیا جائے۔ اھ

سبحان اللہ کیا انتظام دین اور کیا اہتمام اصلاح امت اور کیا حفظ حدود ہے۔

بعض اصول متعلق عنوانات ماسبق جو بعد کو قابل اضافہ سمجھے گئے

(اصول متعلقہ عنوان دوم تعلیم و تربیت)

ایک طالب اصلاح کا خط اور اس کا جواب

ایک طالب نے لکھا کہ فدوی اصلاح اعمال کی تعلیم کا خواستگار ہے۔ حضرت والا نے حسب معمول تحریر فرمایا کہ اصلاح اعمال کی تفسیر لکھو۔

انہوں نے اس کی یہ تفسیر لکھی کہ بسا اوقات ارکان اسلام کی تعمیل میں کسل پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر بعض ارکان ہمت کر کے شروع بھی کرتا ہوں تو طمانیت اور دلجمعی بالکل نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت سے جو سرور اور خوشی ہونی چاہیے اس سے بالکل محروم ہوں۔ نیز تحصیل علوم

شرعیہ اور اشتغال فنون دینیہ میں بسا اوقات ایسے موانع اور عوائق ظہور پذیر ہوتے ہیں جس سے طبیعت اور قلب کے اندر تنگی اور ضیق پیدا ہو جاتی ہے بس جناب سے یہی التجا ہے کہ متذکرہ بالا امراض کا تدارک ور علاج فرما کر اتباع شریعت کو ہمارے لئے سہل فرمائیں گے۔ اھ

اس کا حضرت والا نے یہ جواب ارقام فرمایا کہ جن چیزوں پر خط کھینچ دیا ہے (یعنی کسل۔ طمانیت اور دلجمعی۔ سرور اور خوشی۔ موانع ور عوائق۔ تنگی اور ضیق۔ اور سہل فرمانا ان کے حصول یا زوال کا اس اصلاح سے کوئی تعلق نہیں جس اصلاح کی تعلیم میرا معمول ہے۔ اھ

پھر حاضرین مجلس سے زبانی فرمایا کہ دیکھئے لوگ ان غیر اختیاری چیزوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ یوں چاہے خدا تعالیٰ یہ سب چیزیں عطا فرمادیں لیکن ان کا ذمہ کون لے سکتا ہے۔ لوگ چاہتے ہیں کہ کوئی تعب ہی نہ اٹھانا پڑے حالانکہ اس طریق میں تو لوہے کے چنے ہیں جو عمر بھر چبانے پڑتے ہیں۔ اھ

ایک وکیل کی داستان

ایک وکیل صاحب نے اپنی طویل داستان لکھی جس میں ایک ان پڑھ صاحب کشف سے جن کی حالت پہلے مجذوبانہ سی تھی اپنا مرید ہونا لکھا۔ لیکن پھر وہ دنیا کے قصوں میں پھنس گئے نیز فقہ کا علم حاصل کرنے سے مانع ہوئے جس کی وجہ سے ان سے قطع تعلق کر لیا بیعت کے زمانے کی کچھ کیفیات بھی لکھی تھیں سماع وغیرہ میں کیفیت کا طاری ہونا بھی لکھا تھا۔ حضرت والا کی تصنیف سے بہت زیادہ مناسبت بھی لکھی تھی اور لکھا تھا کہ دو سال سے مرشد مذکور الصدر سے اپنا تعلق ترک کر دیا ہے اور خیال آپ کی طرف مائل ہوگیا ہے اور جناب کے خیالات اور مواعظ سے مجھ کو خاص لگاؤ ہوگیا ہے براہ کرم مجھے مشورہ دیجئے کہ آئندہ میں کیا کروں۔ اھ

غرض بڑی طویل داستان تھی حضرت والا نے اس کا عجیب عنوان سے جواب ارقام فرمایا تحریر فرمایا کہ کسی نے ایک کبڑے سے پوچھا تھا کہ تو اپنا اچھا ہونا چاہتا ہے یا دوسروں کا کبڑا ہونا اس نے کہا دوسروں کا کبڑا ہونا تاکہ جس طرح یہ لوگ مجھ پر ہنستے ہیں میں بھی ان پر ہنس لوں بس یہی مثل میری ہے کہ میں ایک طالب علم آدمی ہوں اور صغریٰ کبریٰ میں مقید دوسروں کو بھی اسی رنگ پر لانا چاہتا ہوں اس سے میرے مشورہ کا حال تو معلوم ہوگیا اب آپ اپنے لئے مشورہ سوچ لیجئے۔

بعض اصول متفرقہ ماخوذ از اشرف المعمولات ملخصاً جن کا طالبین کو بہت اہتمام کے ساتھ لحاظ رکھنا چاہیے

(مناسب عنوان اول (متعلق بیعت)

۱: بیعت کی اہمیت

ایک شخص نے آکر درخواست بیعت کی۔ دریافت فرمایا کہ تم کہاں سے آئے ہو اس نے بیان کیا کہ میں ایک بارات میں آیا تھا وہاں سے بہ ارادۂ بیعت یہاں آیا ہوں فرمایا کہ یہ کام ایسا نہیں کہ دوسرے کام کے ساتھ ہو یہ تو دلیل بے رغبتی کی ہے اس لئے اب میں بیعت نہ کروں گا۔ خاص کر اسی لئے مکان سے آنا چاہیے اس وقت گفتگو ہوگی۔ اھ

۲: شیخ کو بلاقصد ایذا پہنچانا

ایذا شیوخ بلا قصد بھی وبال سے خالی نہیں ہوتی۔ اس لئے افراط فی الشفقت مضر ہے کیونکہ جتنی شفقت ہوگی اتنی ہی اس کی بے تمیزیوں سے زیادہ ایذا ہوگی اور بات بات میں رنج ہوگا۔ اب میں اس پر ایک دوسرے مسئلہ کی تفریع کرتا ہوں۔ جو چند روز سے میں نے تجویز کیا ہے جس میں میں مجبور ہوں۔ مگر لوگ میری مجبوری کو اب تک نہیں سمجھے اس بیان سے یہ تو معلوم ہوگیا ہوگا کہ افراط فی الشفقت مضر ہے اور یہ مقدمہ پہلے سے معلوم ہے کہ **مقدمة المکروہ مکروہ و مقدمة الواجب واجب** کہ جو چیز کسی بُری شے کا سبب بنے وہ بھی بری ہے اور جو ضروری شے کا ذریعہ ہو وہ ضروری ہے تو چونکہ معلوم ہو چکا ہے کہ افراط فی الشفقت مضر ہے اور مکروہ ہے اس لئے جو چیز افراط فی الشفقت کا سبب بنے وہ بھی واجب الترک ہوگی تو مجھے بیعت کرنے سے افراط فی الشفقت ہو جاتی ہے اس لئے میں نے بیعت کرنا چھوڑ دیا ہے گو اس میں ایک فتویٰ کی بات بھی ہے کہ بیعت کی جو اصل تھی آج کل اس سے تجاوز ہوگیا ہے بیعت کا خلاصہ ہے۔ معاہدہ مرید بر اتباع و معاہدہ شیخ بر شفقت و اصلاح اب لوگوں نے اس کو اپنی حد سے بڑھا دیا ہے کہ جس سے عقیدہ و عمل میں تغیر پیدا ہوگیا ہے۔

عقیدہ میں تو یہ کہ جب تک ہاتھ میں ہاتھ لیکر بیعت نہ کیا جائے صرف زبانی معاہدہ کو کافی نہیں سمجھا جاتا۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ ہم تم کو تعلیم دیں گے اور ہر طرح تمہاری اصلاح کی تدبیر کریں گے مگر وہ کبھی راضی نہیں ہوتا گویہ بزرگی کوئی برق ہے جب تک پیر کے ہاتھ سے ہاتھ نہ ملایا جائے وہ برق نہیں دوڑتی اگر یہی بات ہے تو لازم آتا ہے کہ ہمارا سلسلہ ہی منقطع ہو جائے کیونکہ ایک زمانے میں بزرگوں نے اس طریقے سے بیعت کرنے کو ترک کر دیا تھا۔ اس لئے کہ اس زمانے میں بادشاہ رعایا سے اطاعت کی بیعت لیا کرتے تھے۔ تو اگر کسی دوسرے کو بیعت لیتے دیکھا جاتا تھا اس پر بغاوت کا گمان کیا جاتا تھا کہ یہ بھی طالب سلطنت ہے تو بزرگوں نے اس خوف سے کہ کوئی بادشاہ سے چغلی نہ کھا دیوے اس طریقہ بیعت کو ترک کر دیا تھا صرف زبانی معاہدہ پر اکتفا کرتے تھے اور تعلیم فرمایا کرتے تھے تو بتلایئے اگر بدوں اس خاص طریقے کے بیعت نہیں ہو سکتی تو آپ کا سارا سلسلہ بیعت ہی منقطع ہوا جاتا ہے۔ اگر ہو سکتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس سے انکار کیا جاتا ہے۔ اور زبانی معاہدہ اور تعلیم کو نا کافی خیال کیا جاتا ہے جو چیز موقوف علیہ نہ ہو اس کو موقوف علیہ سمجھنا یہ غلو فی العقیدہ ہے یا نہیں۔ ضرور ہے اور اس کی اصلاح ہونی چاہیے اس کے دو طریقے ہیں ایک یہ ہے کہ اس طریقے کو اسی ہیئت سے جاری رکھا جائے اور زبان سے سمجھ دیا جائے کہ یہ ہاتھ میں ہاتھ دینا ظاہری بیعت ہے۔ اصل بیعت کام کرنا ہے۔ دوسرا یہ طریقہ ہے کہ اس ہیئت کو بالکل چھوڑ دیا جائے۔ دوسرے حضرات پہلے طریقے پر عمل کریں اور مجھے چونکہ اس ہیئت خاصہ سے افراط فی الشفقت ہو جاتی ہے۔ اس لئے میں دوسرا طریقہ اختیار کرتا ہوں۔ اس طرح غلو فی العقیدہ کی بھی اصلاح ہو گئی اور ضرر کی بھی۔

۳: لڑنے جھگڑنے سے پرہیز

میں بیعت کے وقت اس سے بھی منع کر دیتا ہوں کہ کبھی کسی سے لڑنا جھگڑنا نہیں میں نے دیکھا ہے کہ جو کم عقل لوگ لڑتے بھڑتے ہیں وہ اپنے بزرگوں کو گالیاں کھلواتے ہیں کیونکہ دو ہی حالتیں ہیں یا تو وہ اپنے بزرگوں کی تعریف کرے گا تو یہ بھی مجھے پسند نہیں۔ یہ استخوان فروشی ہے کہ خواہ مخواہ اپنے بزرگوں کی تعریف کراتے پھریں جسے غرض ہو گی وہ خود آ کے دیکھ لے گا تمہیں کیا ضرورت ترغیب دینے کی دوسری حالت یہ کہ وہ گالیاں دے گا۔

ہوگ کیا کرتے ہیں کہ ایک مسئلہ کسی کے سامنے بیان کیا اس نے ابھی تک تو انہی کو برا بھلا کہا تھا اس کے بعد انہوں نے یہ کہہ دیا کہ فلاں بزرگ فرماتے تھے۔ بس اب ان بزرگ پر گالیاں پڑنا شروع ہوگئیں۔ بھلا اس کی کیا ضرورت کہ ایک مخالف کے سامنے اپنے شیخ کا ذکر کرنا اور گالیاں کھلوانا اول تو آپ کو جوش ہی کیوں آیا اگر آیا تھا تو اپنی ہی طرف منسوب رہنے دیا ہوتا یہ بالکل نادانی ہے کہ جوش آپ کو ہو اور نام لیں شیخ کا تاکہ تبرا جو کچھ ہو وہ انہی پر ہو۔

مناسب عنوان دوم (متعلق تعلیم وتربیت)

ا: مختصر مگر جامع بات فرمانا

مجھے طریق میں اس کا بہت خیال رہتا ہے کہ ایسی مختصر بات بتلائی جائے جو سب باتوں کو حاوی ہو چنانچہ ایک دفعہ میں نے اخلاق رذیلہ کا علاج دو لفظوں میں تجویز کیا تھا تامل وتحمل کہ جو کام کرے سوچ کر کرے کہ شرعاً جائز ہے یا نہیں اور جلدی نہ کرے بلکہ تحمل سے کام کیا کرے اختصار کے ساتھ قافیہ کا بھی خبط ہے اس سے یاد میں سہولت ہوتی ہے اس لئے ایک دوست کا فیصلہ ہے کہ یہ نثر میں شاعر ہے۔

۲: دوسروں کے معاملہ میں دخل سے پرہیز

میری عادت نہیں کہ خود کسی معاملہ میں دخل دوں میرے اوپر غیرت کا غلبہ زیادہ ہے اس لئے خود کسی معاملہ میں دخل دینے کو جی نہیں چاہتا یہ خیال ہوتا ہے کہ میرا تو کام نہیں میں کیوں دخل دوں۔ کسی کو لاکھ دفعہ غرض پڑے اپنی اصلاح کا طریقہ دریافت کرے۔ ورنہ میری جوتی کو کیا غرض پڑی ہے کہ اپنے آپ تو کسی کو اپنی اصلاح کا قصد نہ ہو اور میں اس کے پیچھے پڑتا پھروں۔ اگر کسی وقت شفقت کا غلبہ ہوتا ہے تو میں خود بھی نرمی سے کہہ دیتا ہوں۔

۳: عقیدت ومحبت

مولانا نے فرمایا کہ مجھ کو بہ نسبت عقیدت کے محبت زیادہ پسند ہے کیونکہ عقیدت خیالی چیز ہے ذرا میں زائل ہوجاتی ہے اور محبت زائل نہیں ہوتی۔

۴: بیعت سے پہلے ادب

ایک شخص سے کچھ باتیں دریافت فرمائیں اس نے سوالات کے جواب دینے میں محض بے تکلف کی راہ سے بلا کسی عذر کے سستی اور دیر کی اور بہت بہت دیر میں ایک ایک سوال کا جواب دیا پھر اس شخص نے بیعت کی درخواست کی فرمایا کہ اول ادب اور تمیز حاصل کرنا چاہیے اس کے بعد بیعت کی درخواست کرنا چاہیے اور فرمایا کہ تم کو ابھی تمیز نہیں ہے کہ بلا وجہ تم نے ایک شخص کو دیر میں جواب دے کر انتظار کی تکلیف پہنچائی اور حرج کیا۔

۵: ذکر و شغل سے پہلے اعمال کی اصلاح

کوئی ذکر و شغل کرتا ہو تو مجھے اس وقت تک اس کی قدر نہیں ہوتی جب تک کہ اس کے اعمال درست نہ ہوں۔ ذکر و شغل میں تو مزہ ہے اگر نہ کرے تو مر جائے عمل تو وہ ہے جس میں کوفت ہو اور پھر بھی رضاء حاصل کرنے کے لیے اسے کرے اسی طرح چاہیے کہ خود تنگی اٹھائے اور دوسروں کے حقوق ادا کرے۔ ایک شاغل کے ذمہ قرض نکلا تھا اور انہوں نے اس کے ادا میں بہت کوتاہی کی تھی ایسے موقع پر یہ کلمات فرمائے اور نکال دیا اور فرمایا قرض ادا کرنے کے بعد میرے یہاں آسکتے ہو جب تک قرض ادا نہ کرو یہاں مت رہو۔

۶: عیب کے عادی کی معافی نہیں

فرمایا کہ جب معلوم ہو جائے کہ ایک شخص کو کسی عیب کی عادت ہے تو معاف کرنے کو جی نہیں چاہتا جب تک کہ اس عیب کو نہ چھوڑ دے۔ اگر احیاناً کسی سے کوئی خطا ہو جائے تو معافی کا مضائقہ نہیں۔ میں ایسے شخص کو اپنا یہاں ہرگز نہیں رکھنا چاہتا جو دوسروں کے حقوق تلف کرے۔

۷: پڑھانے سکھانے سے زیادہ اہم تہذیب و دیانت ہے

مجھ کو علم کے پڑھنے لکھنے کا اتنا زیادہ اہتمام نہیں ہے جس قدر تہذیب اخلاق و دیانت کا کیونکہ لکھنے پڑھنے کا اہتمام تو ہر جگہ ہوتا ہے لیکن اخلاق کی طرف کسی کا خیال بھی نہیں ہے۔ مثلاً میں اس پر زیادہ نظر نہیں کرتا کہ کس نے جماعت سے نماز پڑھی کس نے نہیں

پڑھی کیونکہ اول تو عذر کا احتمال ہے دوسرے اس میں صرف فاعل کا حرج ہے کسی دوسرے کو اذیت نہیں۔ بخلاف اس کے کہ کسی سے کوئی حرکت خلاف تہذیب سرزد ہو۔ اس کا اس لئے اچھی طرح تدارک کیا جاتا ہے کہ اس میں اور دوسروں کو تکلیف ہوتی ہے۔

۸: بیعت سے پہلے تیاری کرانا

فرمایا کہ جو شخص مجھ سے بیعت کی درخواست کرتا ہے اول تو میں اس کو کتابیں دیکھنے کو لکھ دیتا ہوں بالخصوص مواعظ کے مطالعہ کو تو میں اکثر لکھتا ہوں اور اس سے بہت نفع ہوتا ہے اور اگر کسی شخص نے یہ لکھا کہ ہم نے کتابیں دیکھی ہیں تو میں لکھتا ہوں کہ کتابیں دیکھ کر اپنی حالت میں کیا تغیر کیا۔ اس سے وہ نفع ہوتا ہے کہ جو برسوں کے مجاہدہ میں بھی نہیں ہوتا۔ میں تو اول روز ہی کام میں لگا دیتا ہوں مگر لوگ قدر نہیں کرتے۔ اصل چیز فکر ہے۔ انسان جب فکر میں پڑتا ہے تو راستہ تلاش کرتا ہے پس میں اول ہی گفتگو یا خط و کتابت میں طالب کے سر پر بوجھ رکھ دیتا ہوں اس کی وجہ سے اسے فکر پیدا ہوتی ہے۔ اس فکر کی وجہ سے راستہ خود بخود منکشف ہونے لگتا ہے۔

(مناسب عنوان سوئم متعلق واردین)

۱: اخلاق کی خرابی کا نتیجہ

فرمایا کہ افسوس ہے لوگوں کے اخلاق بکثرت خراب ہو گئے بعض لوگ آتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں کہ خاص آپ سے ملنے کو آیا ہوں اور کوئی دوسرا کام نہ تھا حالانکہ اپنے کسی دنیوی کام کے لیے آتے ہیں۔ میں اپنا مہمان سمجھ کر مہمانوں کا سا برتاؤ کرتا ہوں بعد کو ان کا قصد اس کے خلاف ظاہر ہوتا ہے تو سخت رنج ہوتا ہے۔ خرابی یہ ہے کہ صاف بات لوگ نہیں کہتے۔ اخلاق بگڑ گئے ہیں معاملات میں صفائی نہیں رہی اور ضرورت اظہار کی یہ ہے کہ مسئلہ ہے کہ مہمان کا اور حکم ہے اور ابن السبیل کا اور حکم ہے۔ مہمان کی مدارات تو ذمہ خاص شخص کے ہوتی ہے اور جو اپنے کام کے لئے آوے اور پھر راہ میں ٹھہر جائے وہ ابن السبیل ہے اس کی مہمانی سب کے ذمہ ہے۔

۲: مجلس آرائی کی ممانعت

میں نے خانقاہ میں قاعدہ مقرر کر دیا ہے کہ نہ کسی سے دوستی بڑھاؤ نہ دشمنی پیدا کرو۔ نہ زیادہ مجلس آرائی کرو کیونکہ یہ مجلس آرائی فساد کی جڑ ہے۔

۳: بزرگوں سے استفادہ کا طریقہ

میری رائے اس بات (خلوت) میں یہاں تک ہے کہ گو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بزرگوں سے مناخلوت سے ہر حال میں بہتر ہوگا مگر میں آج کل کبھی کبھی اپنے احباب کو ایک مشورہ دیا کرتا ہوں وہ یہ کہ بعض لوگوں کو بزرگوں کی زیارت کا بہت شوق ہوتا ہے وہ آئے دن سفر ہی میں رہتے ہیں۔ آج ایک بزرگ کے پاس جا رہے ہیں کل دوسرے بزرگ کے پاس ۔ میں ان کو منع کیا کرتا ہوں کہ بزرگوں سے بہت نہ ملا کرو۔ بس ایک کو اپنا بزرگ بنالو اور جم کر اس کے پاس رہو اور اس کے پاس بھی زیادہ آمدورفت نہ کرو۔ بلکہ ایک دفعہ بہت سا رہ لو پھر اپنے گھر بیٹھو برس میں ایک دفعہ پھر مل لینا ہر مہینہ اس کے پاس بھی نہ جاؤ۔

۴: اپنے شیخ کے پاس بھی کم جاؤ

میں تو کہتا ہوں کہ اپنے پیر کے پاس بھی کم جاؤ۔ زیادہ نہ لپٹو کیونکہ گاہے گاہے خاص اوقات میں اس کے پاس جاؤ گے تو اس کو ذکر میں مشغول دیکھو گے رزانت و متانت کی حالت میں پاؤ گے اس سے اعتقاد بڑھے گا اور اگر ہر وقت لپٹے رہو گے تو کبھی ہگتے دیکھو گے کبھی موتتے ہوئے کبھی تھوکتے سنکتے دیکھو گے اس سے تمہیں اعتقاد کم ہوگا ہاں عقلاء کو تو ان حالات کے مشاہدہ سے اعتقاد بڑھتا ہے کیونکہ وہ جانیں گے کہ شیخ فرشتہ نہیں بشر ہے مگر بشر ہو کر بے شر ہے تو بڑا کامل ہے۔ اور ناقص العقل کبھی شیخ میں اور اس کی بیوی میں لڑائی جھگڑا دیکھے گا۔ اس کا ان باتوں سے اعتقاد کم ہوگا اور اگر اعتقاد بھی کم نہ ہو تب بھی ہر وقت نہ پٹو کیونکہ آخر شیخ کو بھی تو اپنے اوقات کی پابندی ضروری ہے۔ زیادہ پٹنے سے اس کو کدورت ہوگی اور شیخ کو مکدر کرنا طالب کے لیے مضر ہے۔ اس کی رعایت بہت ضروری ہے کہ جس کے پاس جاؤ ایسے وقت میں جاؤ کہ اس وقت تمہارے جانے سے اس کو کدورت نہ ہو۔

۵: آج کل کے مشائخ کا عام رویہ

ایک شخص نے آ کر درخواست کی کہ مجھے کوئی ایسا تعویذ لکھ دیجئے کہ میری قوم مجھے سردار بنالے۔ لیکن اس مطلب کو اس طرح ادا کیا کہ حضرت مولانا کی سمجھ میں نہیں آیا مولانا نے کئی مرتبہ اس سے پوچھ لیکن اس نے ناتمام جواب دیا۔ آخر بہت دیر کے بعد اس کا مطلب سمجھ میں آیا۔ مولانا نے حاضرین کو خطاب کر کے فرمایا کہ جو لوگ سال دو سال میں صرف ایک ہی دفعہ کسی کے پاس ہو آئیں۔ ان کے اخلاق کی درستی کیا ہو سکتی ہے اور فرمایا کہ افسوس ہے آج کل بزرگوں نے بھی ان امور میں لوگوں کو روک ٹوک کرنا بالکل ترک کر دیا ہے کیونکہ دوسرے کی اصلاح میں اپنے کو کچھ نہ کچھ بد اخلاق بننا پڑتا ہے۔ بدوں اس کے اصلاح دوسرے کی نہیں ہوتی تو اکثر حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ ہم کیوں برے بنیں۔

۶: ایک صاحب کے بار بار اطلاع بھجوانے پر اسے تنبیہ

فرمایا کہ ایک روز ایک صاحب معمر مجھ سے کھانے کے وقت ملنے آئے۔ میں اس وقت گھر میں تھا وہ آ کر دروازہ کے باہر بیٹھ گئے اور جو بچہ بھی گھر میں جاتا اس سے اپنے آنے کی خبر کہلا کر بھیجتے۔ مگر میں برابر اپنے کام میں مشغول رہا۔ میرے گھر میں کہنے لگیں کہ یہ شخص کتنی دیر سے اطلاع کر رہا ہے آپ کو ہو آنا چاہیے۔ میں نے کہا کہ مجھے صبح سے شام تک بہت سے آدمیوں سے معاملہ پڑتا ہے۔ میرے دل میں اس قدر رحم نہیں کہ اپنا کام چھوڑ کر محض ملنے کے لیے چلا جاؤں آخر ظہر کے قریب اپنے کام سے فارغ ہو کر میں باہر گیا تو وہ شخص کہنے لگے کہ مجھے کچھ عرض کرنا ہے میں نے کہا کہ میں آپ کی بات سنوں گا لیکن پہلے آپ یہ بتلائیے کہ آپ نے اپنی ضرورت کی رعایت کر کے مجھے بار بار اطلاع دے کر پریشان کیا۔ آپ نے یہ بھی سوچا کہ دوسرے کو بھی ضرورت ہے یا نہیں۔ اگر ایسی ہی ضرورت تھی تو کیا میں ظہر کی نماز پڑھنے کے لیے نہ آتا اس وقت وہ ضروری بات آپ کہہ سکتے تھے۔ **ولوانھم صبروا حتیٰ تخرج الیھم لکان خیراً لھم**۔ یہ سن کر نہایت پریشان ہوئے اور کہنے لگے کہ مولویوں کو ایسا نہ ہونا چاہیے۔ میں نے کہا جناب میں نے

مولویت کا دعویٰ ہی کب کیا ہے کہنے لگے کہ میں بہت سے مولویوں کے پاس گیا کسی نے مجھ کو ایسا نہیں کہا۔ میں نے کہا خیر آج تو آپ کو فائدہ ہو گیا کہ آئندہ کبھی آپ کسی کے پاس جا کر ایسی حرکت نہ کریں گے۔ آخر وہ سخت ناراض ہو کر چلے گئے۔

۷: تعظیم وتکریم میں حد سے تجاوز نہ کرنا

فرمایا بعض لوگ مل کر جاتے وقت پچھلے پاؤں چلتے ہیں۔ یہ گراں گزرتا ہے کسی قدر ترچھا ہو جانا مضائقہ نہیں یہ طبعی بات ہے۔ زیادہ تعظیم وتکریم کرنے سے نفس خراب ہو جاتا ہے۔ فرعونیت آتی ہے چنانچہ جب میں ترک ملازمت کر کے کانپور سے آیا تو یہاں لوگوں کے تم کہنے سے بھی انقباض ہوتا تھا کیونکہ وہاں پندرہ برس تک ہر وقت آپ اور جناب سنتا رہا۔ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنے لئے کھڑے ہونے کی بھی ممانعت کر دی تھی مجلس میں ممتاز ہو کر بیٹھتے نہ تھے۔ حتیٰ کہ نئے آنے والوں کو پوچھنا پڑتا تھا کہ من محمد فیکم (صلی اللہ علیہ وسلم)

۸: خدمت میں طبعی وشرعی حدود کا خیال رکھنا

بوقت صبح ایک ذاکر شاغل نے مسجد کے لوٹے میں پانی اور مسواک لا کر بخیال وضو رکھ دیا عمر دین مؤذن سے فرمایا کہ سب سے دریافت کرو کہ کس نے یہ مسواک لوٹے میں لا کر رکھی ہے معلوم ہوا کہ فلاں شخص نے رکھی ہے۔ فرمایا کہ ان کو بلاؤ جب وہ آئے تو فرمایا کہ جب آداب خدمت سے واقف نہیں ہو تو کیوں خدمت کرتے ہو گو محبت اور میری راحت کے خیال سے کرتے ہو لیکن جب خدمت سے مجھے تکلیف پہنچے ایسی خدمت کرنے کا کیا فائدہ اور میری خدمت تو چند طلبہ جن سے دل کھلا ہوا ہے اور میرے معمولات سے واقف بھی ہیں وہ لوگ کرتے ہیں باقی جو لوگ یہاں رہ کر ذکر و شغل کرتے ہیں ان لوگوں سے خدمت لیتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے اور درصورت خلاف مرضی مجھ کو تکلیف ہوتی ہے۔ اس لئے خدمت کرنے سے بڑے آدمیوں کو منع کرتا ہوں یہ تو سب طبعی خرابی ہوئی۔ اور شرعی خرابی یہ ہوئی کہ مسجد کا لوٹا وقف ہے اور مال وقف میں سب برابر ہیں جب آپ نے پہلے سے بلا ضرورت مسواک لا کر اس میں رکھ دی تو وہ محبوس ہو گیا۔ اب اس سے کوئی کام نہیں لے

سکتا اور یہ نہ جائز ہے۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ خدمت کرنے سے تقرب ہوگا اور مجھ کو اپنا معبود بنانا چاہتے ہیں۔ میں ہرگز ایسی خدمتوں سے خوش نہیں ہوتا بندہ جس کام کے لئے جو آوے اس میں لگا رہے اور جو خدمت چاہے مجھ سے لیوے تو مجھ کو اس میں راحت ہوتی ہے۔

۹: خواہ مخواہ دوسروں پر بوجھ نہ ڈالنا

ایک صاحب نے حضرت والا کی خدمت میں ایک لفافہ پیش کیا کہ یہ فلاں شخص نے بھیجا ہے دیکھ کر فرمایا کہ اس کو واپس کر دو وہ خود کیوں نہیں بھیجتے۔ واسطہ کی کیا ضرورت ہے وہ لوگوں پر اپنا بوجھ کیوں ڈالتے ہیں اور ان صاحب سے کہا کہ آپ کو نصیحت کرتا ہوں۔ آئندہ کو کسی کا سلام و پیام مجھ سے نہ کہا کیجئے۔ آپ اپنا کام کرنے آئے ہیں یا لوگوں کے سفیر ہیں۔

۱۰: مسافروں اور نو واردوں کی رعایت

ایک صاحب نو وارد حضرت کے پاس بیٹھے ہوئے تھے وہاں سے اٹھ کر سب لوگوں کے پیچھے جا بیٹھے حضرت والا نے فرمایا کہ آپ وہاں کیوں جا بیٹھے۔ آپ میرے پاس آ جایئے ان صاحب نے کہا کہ وہاں جگہ تنگ ہے۔ اس پر حضرت والا نے ایک مولوی صاحب سے فرمایا کہ آج آپ ہی ایثار کریں۔ آپ پیچھے بیٹھ جایئے اور اپنی جگہ خان صاحب کو دے دیجئے۔ آپ تو ہمیشہ کے رہنے والے ہیں۔ نو واردوں کی رعایت کیا کیجئے میں ہمیشہ اس کا خیال رکھتا ہوں۔ میں اکیلا کیا کروں کوئی سنتا ہی نہیں اور یہ بھی فرمایا کہ زاہدان خشک کا فتویٰ ہے کہ ایثار قربت میں جائز نہیں مگر محققین نے اس کا جواب دیا ہے کہ یہ بھی ایک قربت ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ رعایت ادب کی کرنا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اہل مکہ میں یہ بات بہت ہی اچھی ہے کہ وہ حج کے زمانہ میں مسافروں کی رعایت سے خود طواف کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ کوئی واجب شرعی نہیں مگر جائز ہے۔ اس میں مسافروں کو بہت سہولت ہے۔

مناسب عنوان چہارم (یعنی خط و کتابت)

۱: سوال کا واضح ہونا

فرمایا کہ سوال اس طرح کرنا چاہیے کہ اس کی عبارت مختصر ہو اور معنی خیز ہو۔ بعض لوگ

خط میں سوال اس طرح لکھتے ہیں کہ جس شخص کو اس معاملہ کی حقیقت نہ معلوم ہو وہ اس عبارت سے کبھی نہیں سمجھ سکتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سوال کے اجزا حل کرنے کی مکرر ضرورت ہوتی ہے۔

۲: دستی خط

فرمایا کہ دستی خط کی کچھ قدر میرے دل میں نہیں ہوتی اور سمجھتا ہوں کہ اس کے جواب کی ضرورت نہیں کیونکہ اگر ان کو ضرورت ہوتی تو پیسہ خرچ کر کے ڈاک میں بھیجتے۔

۳: نئی نئی عبارتوں سے نفرت

فرمایا کہ مجھ کو آج کل کی نئی عبارت سے بیحد نفرت ہے عجیب رنگ کی عبارت ہوتی ہے مغالطات جھوٹی باتیں باطل کو حق کے پیرایہ میں دکھ دینا۔ اس کا خاصہ ہے کسی بڑے مکار شخص نے ایجاد کی ہوگی۔

اب احقر اس عنوان پنجم اصول متفرقہ کو بھی جو پنج گنج اشرف کا اخیر عنوان ہے ختم کرتا ہے۔

حضرت والاؒ کے اصول وضوابط نہایت معقول اور معتدل ہیں

حضرت والا کے جتنے اصول وضوابط پنج گنج اشرف میں بیان کئے گئے ہیں ان سے ناظرین کرام نے بخوبی اندازہ فرمالیا ہوگا کہ حضرت والا کے یہاں ہر بات نہایت منظّم ہے اور ہر چیز کا ایک نہایت معقول ضابطہ ہے اور جو اس کے خلاف عمل کرتا ہے اس پر ناخوشی کا اظہار فرمایا جاتا ہے لیکن حضرت والا تجسس ہرگز نہیں فرماتے البتہ جب خود کسی کی بے عنوانی ظاہر ہو جاتی ہے تو پھر تسامح بھی نہیں فرماتے سبحان اللہ یہی طریق شریعت کے مطابق بھی ہے۔

بے اصول لوگ ان ضابطوں کو سختی سمجھتے ہیں حالانکہ تمام شریعت مقدسہ ضابطہ اور انتظام ہی کا مجموعہ ہے اور بزرگان سلف کا بھی یہی طریق رہا ہے۔

حضرت والا اپنے معمولات کی تائید میں بکثرت دلائل شرعیہ اور اقوال اکابر نقل فرمایا کرتے ہیں اور انتظام کی شرعی اور عقلی ضرورت پر بہت پُر زور تقریرات فرماتے رہتے ہیں جن میں سے بعض مختلف مواقع پر پیش بھی کی جا چکی ہیں اور بعض بطور نمونہ مختصراً یہاں بھی نقل کی جاتی ہیں۔

ماخوذ از اشرف المعمولات بحاصلہ

انتظام پر لوگوں کی باتیں

فرمایا کہ آج کل لوگوں کو دوسرے کی راحت و تکلیف کا ذرا خیال نہیں۔ اب اگر کوئی انتظام کرنے لگے تو اسے قانون ساز کہتے ہیں۔ چنانچہ میرے یہاں اس قسم کی باتوں پر روک ٹوک اور انتظام بہت ہے جس پر عنایت فرماؤں نے مجھے بہت کچھ خطاب دے رکھے ہیں۔ ایک صاحب نے تو میرے منہ پر کہا کہ تمہارے مزاج میں تو انگریزوں کا سا انتظام ہے۔ افسوس گویا اسلام میں انتظام ہی نہیں بس اسلام تو اس کے نزدیک بے انتظامی کا نام ہے۔ بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ انگریزوں میں مسلمانوں کا سا انتظام ہے تو ایک درجہ میں صحیح ہوسکتا ہے۔ اھ

دیگر از اشرف المعمولات

امور دینیہ میں انتظام زیادہ ضروری ہے

ایک مرتبہ نماز عصر کے موقت مؤذن سے ایک معمار نے کہ وہ اس وقت اپنی تعمیر کے کام میں مشغول تھا اذان کہنے کی اجازت چاہی مؤذن نے اس کو اجازت دے دی تو اس نے خلاف معمول باورچی خانے کی چھت پر کھڑے ہو کر وہاں حضرت مولانا کی نشست گاہ تیار ہو رہی تھی اذان کہہ دی۔ جب وہ اذان کہہ چکا تو مولانا نے اس سے بلا کر دریافت کیا کہ تم نے کس کی اجازت سے اذان کہی ہے اس نے عرض کیا کہ مؤذن نے مجھے اجازت دے دی تھی۔ مولانا نے مؤذن کو بلا کر تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ تم نے بلا ضرورت کیوں اجازت دی۔ پھر فرمایا کہ بدانتظامی سے دوسروں کو بھی تکلیف پہنچتی ہے اور اپنے کو بھی۔ دیکھئے اس وقت اس واقعہ میں کتنی مصلحتیں فوت ہوئیں اس معمار نے اتنی دیر کام کا حرج کیا اور مؤذن کو اپنے کام سے بے فکری ہوئی اور اس کی عادت پڑنا ٹھیک نہیں اور اہل محلہ کو خواہی نخواہی وحشت ہوئی کہ وہ سمجھیں گے کہ اب چھت پر اذان ہوا کرے گی ہمارے گھروں کی بے پردگی ہوگی اور وہ غریب لوگ ہیں بوجہ لحاظ کے کچھ نہیں کہہ سکتے مگر ان کو کلفت و پریشانی تو ہوئی۔ یہ تمام خرابی معمول بدلنے سے اور

بے انتظامی سے ہوئی اور فرمایا کہ کیسا افسوس ہے کہ امور دنیا میں تو ہر شخص کے یہاں انتظام اور اہتمام ہے اور امور دین میں اس قدر بے اہتمامی اور بے انتظامی شائع ہوئی ہے کہ کچھ بھی انتظام نہیں رہا لوگ سمجھتے ہیں کہ دین میں انتظام نہیں ہے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ہر کام انتظام سے ہوتا تھا

شمائل ترمذی میں مروی ہے کان لہ عتاد فی کل بشئ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں ہر (ضروری) امر کا سامان تھا (جس کا منشا ضابطہ کی رعایت والتزام ہے پس اس سے آپ کی انتظامی شان ثابت ہوگئی) حتی کہ ایک روز ازواج مطہرات نے بستر مبارک کو دوتہہ کر کے بچھا دیا تھا اس روز حضور دیر میں بیدار ہوئے فرمایا کہ آج ضرور کوئی جدید بات ہوئی ہے آخر بستر کو ایک تہہ کرایا پھر فرمایا حجرے میں نوافل پڑھ لینا تو خیر بغیر انتظام بھی ممکن ہے لیکن عظیم الشان سلطنت کا کام بغیر انتظام کیونکر ہو سکتا ہے۔ تو اگر دین میں انتظام بالکل نہیں تھا تو حضرات صحابہ کرام کو یہ عظیم الشان سلطنت کیا بے انتظامی ہی سے مل گئی تھی۔ حاشا وکلاء دین میں تو یہاں تک انتظام ہے کہ ایک مرتبہ ایک صحابی نے تکبیر شروع کی تو آپ نے منع فرما دیا اور ارشاد فرمایا کہ تکبیر اس کا حق ہے جو اذان کہے اور یہ انتظام ہی ہے کہ ارشاد فرماتے ہیں کہ قاضی انصار میں سے ہونا چاہیے اور مؤذن اہل حبشہ میں سے کیونکہ اہل حبشہ قوی ہوتے ہیں اور اس لئے ان کی آواز بھی بلند ہوتی ہے۔

دیگر از اشرف المعمولات

فرمایا کہ ہر شخص کو چاہیے کہ اپنے تمام کاموں کو انتظام کے ساتھ کرے۔ اس سے اپنے کو بھی راحت ہوتی ہے اور دوسروں کو بھی۔

دیگر از یادداشت احقر

انتظامات کی غرض

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ یہ معمولات اور انتظامات میں نے اپنی مدت کے تجربوں کے بعد مقرر کیے ہیں اب اگر کسی کو ان سے اچھے معمولات اور انتظامات معلوم

ہوں وہ مجھ کو بتائے میں بجان و دل قبول کرنے کو تیار ہوں بشرطیکہ میری سمجھ میں آ جائیں ورنہ ان میں جو خرابیاں مجھ کو نظر آئیں گی وہ ظاہر کروں گا اور جب اس مشیر کی طرف سے ان کا قابل اطمینان جواب ہو جائے گا تو واللہ میں اپنا تمام انتظام بدلنے پر تیار ہوں کیونکہ یہ کوئی شرعی مسئلہ تو ہے نہیں اپنی اور اپنے دوستوں کی سہولت کے لیے اور وہ بھی مدتوں کے تجربوں کے بعد اور الحمدللہ شریعت کے مطابق دستورالعمل مقرر کیا ہے اگر اب انہی باتوں کا خیال رکھ کر کہ شریعت کے موافق بھی ہو اور جانبین کی سہولت اور راحت کی بھی پوری رعایت ہو کوئی دوسرا دستورالعمل بنا دو میں مان لوں گا۔ لوگ معمولات میں تو بدلیل صلاح دیتے نہیں اور ان کے نتائج میں اعتراض کرتے ہیں۔ اھ

دیگر از یادداشت احقر

قانون اور مروت جمع نہیں ہو سکتے

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ اکثر قانون و مروت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے اور گو میرے قوانین و ضوابط کو خلاف مروت سمجھا جاتا ہے۔ مگر ان کی قدر بعد میں معلوم ہوگی۔ لوگ تمسک کیا کریں گے بلکہ اب بھی جب مفاسد پیش آتے ہیں تب ان کی قدر و منزلت معلوم ہو جاتی ہے اور میرا حوالہ دیا جاتا ہے اور مجھ کو یاد کیا جاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ یہ قوانین میں نے سوچ سوچ کر نہیں گڑھے ہیں تجربوں نے ان قوانین کے پابند ہونے پر مجبور کیا ہے اور جس کو بھی اس قسم کے معاملات پیش آئیں گے اس کو ایسے ہی قوانین کی ضرورت پیش آئے گی بلکہ میں تو قانون بنانے میں بھی اہل معاملہ کی سہولت اور راحت کی بہت رعایت رکھتا ہوں۔ دوسروں سے تو یہ رعایت بھی نہ ہو سکے گی۔ اھ

دیگر از یادداشت احقر

بزرگانِ سلف کے ہاں انتظام کی پابندی

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ بزرگان سلف میں تو یہاں تک انتظام کا اہتمام تھا

کہ ایک بزرگ نے اپنا یہ معمول مقرر فرما رکھا تھا کہ جب کوئی نیا طالب آ کر مہمان ہوتا تو اس کو روٹی اور سالن تناسب کے ساتھ بھیجتے یعنی جتنی روٹیاں ہوتی تھیں انہی کے لحاظ سے سالن کی بھی مقدار ہوتی تھی اور پھر جو کھانا بچ کر آتا اس کو دیکھتے کہ آیا روٹی اور سالن تناسب ہی سے بچ کر آیا ہے یا کم زیادہ اگر ان دونوں چیزوں کی مقدار متناسب نہ ہوتی تو صاف فرما دیتے بھائی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے اندر انتظام نہیں ہے اور ہماری طبیعت میں انتظام ہے لہٰذا ہمارا تمہارا نباہ نہ ہوگا۔ کسی ایسے پیر کو ڈھونڈو جس میں انتظام نہ ہو۔

حضرت سلطان جیؒ کا واقعہ

اسی طرح دو شخص حضرت سلطان جی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بغرض بیعت حاضر ہوئے وہ کہیں آپس میں یہ کہہ رہے تھے کہ ہمارے وطن کی مسجد میں جو حوض ہے وہ یہاں کے حوض سے بہت بڑا ہے یہ بات سلطان جی نے بھی سن لی فوراً طلب فرمایا اور پوچھا کہ کیا تم نے دونوں حوضوں کی پیمائش کر لی ہے۔ عرض کیا پیمائش تو نہیں کی اندازے سے کہا ہے۔ فرمایا اندازہ کا کیا اعتبار بلا تحقیق بات کیوں کہی اچھا جاؤ ناپ کر آؤ۔ چنانچہ وہ ڈرتے ڈرتے گئے کہ کہیں ہماری بات غلط نہ نکلے لیکن خیر جب وہاں پہنچ کر ناپا تو واقعی وہ حوض ایک بالشت بڑا ہی نکلا اس پر وہ بہت خوش ہوئے کہ ہماری بات غلط نہ نکلی اور جب حاضر ہوئے تو اپنے نزدیک سرخرو بن کر عرض کیا کہ حضرت ناپنے پر بھی وہی حوض بڑا نکلا فرمایا کہ تم نے تو کہا تھا کہ وہ حوض اس حوض سے بہت بڑا ہے کیا صرف ایک بالشت بڑے ہونے پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ بہت بڑا ہے معلوم ہوتا ہے تمہارے اندر احتیاط کا مادہ نہیں ہے لہٰذا ہمارے یہاں تمہارا کام نہیں اور کہیں جاؤ چنانچہ ان کو بیعت میں قبول نہیں فرمایا۔ اھ

پھر حضرت والا نے فرمایا کہ وہ حضرات تو امتحان لیتے تھے میں تو امتحان بھی نہیں لیتا ہاں ایسا برتاؤ ضرور کرتا ہوں جس سے آنے والے کے جذبات اصلیہ سب ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اھ

حضرت والا کے اصول تائید اکابر کی کتب سے

اکابر سلف کی کتب میں بھی حضرت والا کے معمولات کی تائیدات بکثرت ملتی ہیں جن کو

دیکھ کر یا سن کر حضرت والا کو بہت اطمینان اور سرور ہوتا ہے اور فرمایا کرتے ہیں کہ گو میں نے کتابیں دیکھ دیکھ کر اپنے معمولات مقرر نہیں کئے لیکن الحمدللہ بزرگوں کی برکت سے قلب میں وہی باتیں آتی ہیں جو سلف کا معمول تھیں۔ لوگ تو سلف کی تائید سے افسردہ ہو جاتے ہیں کہ ہم موجد نہ رہے اور مجھ کو اس سے نہایت مسرت ہوتی ہے کہ الحمدللہ اب اپنی بات پر اطمینان ہو گیا۔ اھ

حضرت والا طبقات کبریٰ سے بھی جس کا آج کل انتخاب فرما رہے ہیں اپنی تائیدات بکثرت نقل فرمایا کرتے ہیں۔ غرض حضرت والا کا یہ کوئی نیا طریق نہیں ہے بلکہ حضرت والا نے تو پرانے ہی طریق کو جو مردہ ہو چکا تھا اور جس سے اتنی اجنبیت ہو گئی تھی کہ اس کو ایک بالکل نیا طریق سمجھا جانے لگا تھا از سر نو زندہ کیا ہے۔

شیخ اکبرؒ کے رسالہ سے حضرت کے معمولات کی تائیدات

اب آخر میں حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ ''الامر المحکم المربوط فیما یلزم اهل طریق الله من الشروط'' سے حضرت والا کے معمولات کی چند تائیدات مع ترجمہ ملخصاً نقل کر کے پنج گنج اشرف کو ختم کیا جاتا ہے۔ وھی ھذہ۔

(۱)۔ ولا معنی الشفقه و الرحمة الا ان تنفذ اخاک من النار الی الجنة و تنقله من الجهل الی العلم و من الذم الی الحمد و من النقص الی الکمال۔

اور شفقت و رحمت کے اس کے سوائے کوئی معنے نہیں کہ تم اپنے بھائی کو عذاب دوزخ سے نکال کر جنت کی طرف لے جاؤ اور جہل سے علم کی طرف اور مذمت سے حمد کی طرف اور نقصان سے کمال کی طرف منتقل کرو۔

(۲). فلا بد من مؤدبه وهو الاستاذ فان هذا الطریق لما کان فی غایة الشرف و العزة حفت به الافات والقواطع والا مور المهلکة من کل جانب فلا یسلکه الاشجاع مقدام و یکون معه دلیل علام وحینئذ تقع الفائدة فعلی الشیخ ان یوفی حق مرتبة و علی المرید ان یوفی حق طریقه اعلم ان مقام المشیخوخة لیس هو الغایة فان الشیخ ایضاً طالب من ربه مالیس عنده فان الله یقول لنبیه علیه السلام وقل رب زدنی علما فصفته الاستاذ ان یکون عارفا با

الخواطر النفسيه و الشيطانية والملكية والربانية عارفاً بالا صل الذى تنبعث منه هذا الخواطر عارفاً بحركاتها الظاهرة عارفاً بما فيها من العلل والامراض الصارفة عن صحة الوصول الى عين الحقيقة عارفاً بالادوية و اعيانها عارفاً بالا زمنة التى تحمل المزيد فيها على استعمالها عارفاً بالامزجة عارفاً بالعوائق والعلائق الخارجة مثل الوالدين و اولاد والاهل و السلطان عارفاً بسياسا تهم ويجذب المريد صاحب العلة من ايديهم هذا كله اذكان للمريد له رغبة فى طريق اللّٰه و ان لم يكن له رغبة فلا ينفع.

ترجمہ: الغرض سالک کے لئے مودب کی سخت ضرورت ہے اوراس کا نام اصلاح میں استاد اور معلم اور شیخ ہے اس لئے کہ یہ طریق چونکہ شرف وعزت میں انتہائی درجہ رکھتا ہے اس لئے اس پر ہر طرف سے آفات اور موانع اور ایسے امور کا ہجوم ہے جوانسان کو ہلاک کرنے والے ہیں اس لئے اس راستہ پر وہی چل سکتا ہے جو بہادر قوی الہمت اور پیش قدمی کرنے والا اور اس کے ساتھ کوئی ماہر تجربہ کار رہبر بھی ہو اس وقت اس راستہ پر چلنے کا فائدہ ظاہر ہوسکتا ہے اس لئے شیخ کے ذمہ واجب ہے کہ وہ اپنے مرتبہ (تادیب وتعلیم) کا حق پورا ادا کرے اور مرید کے ذمہ واجب ہے کہ طریق کا حق ادا کرے خوب سمجھ لیجئے کہ مقام شیخوخت (یعنی کسی کا پیر اور مصلح ہوجانا) یہ انتہائی مقصود نہیں کیونکہ شیخ بھی اپنے رب سے اس مرتبہ کا طالب ہے جو اس کو حاصل نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے **وقل رب زدنی علماً** (یعنی اور دعا کیجئے کہ اے میرے رب میرا علم زیادہ فرمادیجئے) اس لئے شیخ اور استاد کی یہ صفت ہونی چاہیے کہ وہ خواطر نفسانی وشیطانی اور ملکوتی وربانی سے پورا واقف ہو نیز اس اصل کا پہچاننا بھی ضروری ہے جس سے یہ خطرات منبعث (یعنی پیدا) ہوئے اور یہ بھی ضروری ہے کہ ان خطرات کے ظاہری حرکات سے (یعنی انبعاثات سے جن کا وجود محسوس ہے) اوران میں جو امراض وعلل ہیں جو عین حقیقت کی طرف پہنچنے سے مانع ہیں پورا واقف ہو (خواطر نفسیہ وشیطانیہ میں تو بلذات بھی امراض وعلل واقع ہوجاتے ہیں اور خواطر ملکیہ وربانیہ میں بعض اوقات دوسرے عوارض سے بعض علل کی آمیزش ہوجاتی ہے تو شیخ کا ان سب سے واقف ہونا شرط ہے) اور ضروری ہے کہ

امراض کی دواؤں اور ان کی کیفیات وحقیقت سے بھی واقف ہو اور ان اوقات سے بھی واقف ہو جن میں مرید کو ان دواؤں کے استعمال پر آمدہ کیا جائے نیز مریدوں کے اختلاف مزاج اور خارجی علائق وموانع کو مثلاً والدین اور اہل وعیال اور بادشاہ وغیرہ (تعلقات کی مانعیت) کو جانتا ہو اور ان کی سیاست وتدبیر سے واقف ہو اور مریض مرید کو ان کے (یعنی ان علائق وموانع کے پنجے سے نکالے اور یہ سب اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ مرید کو اللہ کے راستہ میں رغبت ہو اور اگر اسی کو رغبت نہیں تو پھر کوئی نفع نہیں۔

(۳)۔ و من شرط الشیخ ان لا یترک المرید یبرح من منزله البتة الا باذنه لحاجة یوجیه فیها۔

ترجمہ: شیخ کے لیے یہ شرط ہے کہ مرید کو آزادنہ چھوڑے کہ جہاں چاہے جائے بلکہ جب گھر سے نکلے تو اجازت لیکر نکلے اور جس کام کے لیے جائے شیخ کی اجازت سے جائے۔

(۴)۔ ومن شرطه ان یعاقب المرید علیٰ کل هفوة تصدرمنه ولا سبیل الی الصفح عنه فی زلة فان فعل فلم یوف حق المقام الذی هوفیه فهوامام غاشٍ لرعیته غیر قائم لحرمة ربه فان النبی علیه السلام یقول من ابدی لنا صفحة اقمنا علیه الحد۔

ترجمہ: شیخ کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ مرید کو ہر لغزش پر جو اس سے صادر ہو تنبیہ و زجر و توبیخ کرے اور اس میں عفو ومسامحت کو راہ نہ دے اور اگر عفو[1] سے کام لیا تو اس نے اس مقام (شیخوخت) کا حق ادا نہ کیا جس پر وہ قائم ہے بلکہ وہ ایک بادشاہ ہے جو اپنی رعیت سے خیانت کرتا ہے اور اپنے رب کی حرمت وعظمت پر قائم نہیں اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ من ابدی لنا صفحة اقمنا علیه الحد یعنی جو شخص ہمارے سامنے اپنا چہرہ ظاہر کرے گا (مراد یہ ہے کہ جس کا جرم ظاہر ہو جائے گا) ہم اس پر حد قائم کریں گے۔

(۵)۔ الشیخ اذالم یکن صاحب ذوق واخذ الطریق من الکتاب وافواه الرجال وقعد یربی به المرید طلباً للمرتبة والریاسة فانه مهلک

---

[1] عفو سے مراد عدم مواخذہ ہے۔۱۲

لمن تبعه لانه لا یعرف مورد الطالب ولا مصدره فلا بد ان یکون عند الشیخ دین الانبیاء و تدبیر الاطباء و سیاست الملوک و حیننذ یقال له استاذ و یجب علے الشیخ ان لا یقبل مریدا حتی یختبره۔

ترجمہ: شیخ جبکہ صاحب ذوق نہ ہواور طریق کو محض کتاب تصوف دیکھ کر یا لوگوں سے سن سنا کر حاصل کیا اور وجاہت و ریاست کے لیے مریدوں کی اصلاح و تربیت کرنے بیٹھ گیا تو وہ مرید کے یے مہلک ہے اس لئے کہ وہ طالب سالک کے مصدر و مورد اور تغیر حالات کو نہیں سمجھتا اس لئے ضروری ہے کہ شیخ کو انبیاء علیہم السلام کا دین و راطباء کی تدبیر اور بادشاہوں کی سیاست حاصل ہو اس وقت اس کو استاد کہا جا سکتا ہے اور شیخ پر واجب ہے کہ کسی مرید کو بغیر امتحان و آزمائش کے قبول نہ کرے۔

(۶)۔ومن شرطه ان یحاسب المرید علی انفاسه و حرکاته و یضیق علی قدرصدقه فی اتباعه فانه طریق الشدة لیس للرخاء فیه مدخل لا ان الرخص انما هی للعامة۔

ترجمہ: اور شیخ کے شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ مرید کے ہر سانس اور ہر حرکت کا محاسبہ کرے اور جتنا زیدہ اس کو مطیع و متبع دیکھے اس پر اس معاملہ میں تنگی کرے کیونکہ یہ راستہ ہی شدت کا ہے اس میں نرمی کا دخل نہیں کیونکہ رخصتیں تو عوام کے لیے ہیں۔

(۷)۔ ومتی رایت الشیخ ترک المرید یستدل علیه فی المسائل بالادلة الشرعیة اوالعقلیة ولا یزجره و یجر ه علیها فقد خانه فے التربیة والاولی بالشیخ اذارای المرید یجنح الی استعمال عقله فی النظریات ولا یرجع الی رأه فی ماید له علیه فلیطرده عن منزله یفسد علیه بقیة اصحابه ولا یفلح هو فی نفسه و یجب علی الشیخ اذا علم حرمته سقطت من قلب المرید ان یطرده عن منزله بسیاسته فانه اکبر الا عداء و یحب له الا شتغال بظواهر الشریعة و طریق العبادة فے العموم۔

ترجمہ: اور جب تم کسی شیخ کو دیکھو کہ وہ مرید کو آزاد چھوڑے ہوئے ہے اور مرید اس کے مقابلہ (یعنی مخاطبہ) میں ادلہ شرعیہ یا عقلیہ سے استدلال کرتا ہے اور شیخ اس کو زجر و توبیخ نہیں کرتا تو سمجھ لو کہ وہ تربیت میں خیانت کر رہا ہے اور شیخ کے لیے اولیٰ یہ ہے کہ جب وہ کسی مرید کو دیکھے کہ وہ نظریات میں اپنی عقل کا استعمال کرتا ہے اور شیخ نے جو کچھ اس کو بتلایا ہے اس میں شیخ کی رائے کی طرف رجوع نہیں کرتا تو چاہیے کہ اس کو اپنی مجلس (یا خانقاہ) سے نکال دے اس لئے کہ وہ دوسرے مریدوں کو بھی خراب کر دے گا اور خود کوئی فلاح نہ پائے گا۔ اور شیخ کے ذمہ واجب ہے کہ جب یہ سمجھے کہ کسی مرید کے قلب میں سے اس کی حرمت اور بڑائی نکل گئی تو اس کو اپنی سیاست کے ذریعہ اپنے گھر سے نکال دے کیونکہ وہ سب سے بڑا دشمن ہے اور ایسے شخص کے لیے ظواہر شریعت اور عام طریق عبادت کا اشتغال واجب ہے۔

(۸)۔ و یجب علی الشیخ ان یکون له وقت مع ربه ولا یتکل علی ماحصل له من قوة الحضور۔

ترجمہ: اور شیخ پر واجب ہے کہ اپنے لئے کوئی وقت خلوت مع اللہ کے لئے رکھے اور اس قوت حضور پر اعتماد نہ کرے جو اس کو حاصل ہو چکی ہے۔

(۹)۔ ومن شرط الشیخ ان لا یترک مریده یجالس احد اسوی اخوانه الذین معه تحت حکمه ولا یزورولا یزار ولا یکلم احدافی خیرٍ ولا فی شر ولا یتحدث بماطرأ علیه من کرامة و وارد مع اخوته و متیٰ ترکه الشیخ یفعل شیئا من هذه الافعال فقد اساء فی حقه۔

ترجمہ: اور شیخ کی شرائط و آداب میں سے یہ بھی ہے کہ مرید کو کسی کے پاس نہ بیٹھنے دے سوائے ان برادران طریقت کے جو اس کے ساتھ اس کام میں اسی شیخ کے زیر حکم جمع ہیں اور (اس کو ہدایت کرے) کہ نہ وہ کسی سے ملنے جائے اور نہ اس کے پاس کوئی ملنے کے لیے آئے اور کسی سے اچھا یا برا کلام نہ کرے اور جو کچھ اس کو حال پیش آئے یا کرامت ظاہر ہو تو اپنے برادران طریقت میں بھی کسی سے بیان نہ کرے اور اگر شیخ مرید کو ان افعال میں سے کسی فعل کے کرنے پر آزاد چھوڑ دے تو اس کے حق میں برائی کرتا ہے۔

(۱۰)۔ومن شرطه ان لا یجالس تلامیذه الامرةً واحدةً فی الیوم واللیلة۔

ترجمہ: اور شیخ کے لیے یہ بھی لازم ہے کہ اپنے مرید کے ساتھ مجالست رات دن میں ایک مرتبہ سے زیادہ نہ کرے۔

(۱۱)۔ ولا یترک الشیخ المریدین یجتمعون اصلاً دونه الااذا جمعتهم بحضرته ومتیٰ ترکهم یجتمعون دونه فقد اساء فی حقهم۔

ترجمہ: اور شیخ کو چاہیے کہ مریدین کو آپس میں بھی اپنی مجلس کے علاوہ جمع نہ ہونے دے اور جو شیخ اس میں مسامحت کرے وہ مریدین کے حق میں برا کرتا ہے۔

الحمدللہ عجالہ پنج گنج اشرف ختم ہوا اور اب باب ہٰذا ارشاد وافاضہ باطنی کو بھی ایک خاتمہ لکھ کر انشاءاللہ تعالیٰ ختم کر دیا جائے گا۔

خاتمۃ الباب

احقر مرتب کی تیس سالہ خادمیت

حضرت والا کے ارشادات وافاضات جو باب ہٰذا ارشاد وافاضہ باطنی میں بطور نمونہ ہدیہ ناظرین کئے گئے ہیں ہرگز کسی تبصرہ کے محتاج نہیں کیونکہ وہ بمصداق قول مشہور (ع) مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید۔ گوش حق نیوش رکھنے والوں کے سامنے آپ ہی اپنی شوکت وشان بابانگ دہل بیان کر رہے ہیں بالخصوص اس نااہل وناآشنائے طریق کا جو صرف ایک ناقل محض کی حیثیت رکھتا ہے کیا منہ ہے کہ ان کے متعلق کوئی رائے زنی کر سکے لیکن اتنا کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ گو اس سیہ کار وبدکردار سہل انگار وغفلت شعار کو حضرت والا سے باقاعدہ فیوض وبرکات حاصل کرنے اور ارشادات وتعلیمات پر پابندی کے ساتھ عمل کرنے کی کبھی توفیق نہیں ہوئی لیکن اس سی ۳۰ سالہ تعلق خادمیت کے دوران میں حضرت والا کی زبان فیض ترجمان سے ایسے ایسے حقائق ومعارف سننے میں آئے ہیں کہ الحمدللہ طریق بالکل صاف نظر آنے لگا ہے۔ چلنا نہ چلنا اور بات ہے اور حق روز روشن کی طرح واضح ہو گیا ہے۔ ماننا نہ ماننا امر دیگر ہے اور اپنی اس سی ۳۰ سالہ مدت تعلق میں بفضلہ تعالیٰ

وبتوجہات حضرت والا اس شعر کا بلا مبالغہ صحیح ہونا محقق ہو گیا ہے۔

پس از سی سال ایں معنی محقق شد بہ خاقانی   کہ یکدم با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی

(تمیں سال کے بعد خاقانی پر یہ بات واضح ہوئی کہ ایک لحہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں گزارنا حضرت سلیمانؑ کی حکومت سے بہتر ہے۔

توفیق ہونا نہ ہونا دوسری چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ ببرکت حضرت والا فہم سلیم اور توفیق عمل بھی عطا فرمائے اور مکائد نفس وشیطان سے بچائے اور ہر قسم کی گمراہی اور کج روی سے باز رکھ کر مقصود حقیقی تک پہنچائے آمین ثم آمین۔

غرض احقر جو حضرت والا کے ملفوظات کا محض ناقل ہے بالکل اس شعر کا مصداق ہے۔

نہ رنج خار کشیدم نہ بوئے گل دیدم   زعندلیب شنیدم کہ نو بہارے ہست

اللہ تعالیٰ ببرکت حضرت والا اس شنیدہ کو دیدہ بھی بنادے اور اس بہار بے خزاں کا مشاہدہ بھی کرادے وما ذالک علی اللّٰہ بعزیز

تجدید دین کا کام

حضرت والا نے بعون اللہ تعالیٰ دین کا کوئی شعبہ ایسا نہیں چھوڑا جس کی کافی تحقیق و تدقیق نہ فرمادی ہو۔ بالخصوص تصوف کا تو کوئی ضروری جزو ایسا باقی نہیں رہا جو مخفی یا مبہم رہ گیا ہو اور جس کی پوری تحقیق تحریراً وتقریراً قالاً وحالاً حضرت والا نہ فرما چکے ہیں۔ غرض دین کے راستہ کو بحمد اللہ ایسا بے غبار اور واضح فرمادیا ہے کہ طالب حق کو کوئی وجہ خفا باقی نہیں رہی کیونکہ رسوم و بدعات نے جو حقائق پر پردہ ڈال رکھا تھا اس کو اٹھا کر حضرت والا نے دین کو اس کی اصلی صورت میں جلوہ گر فرمادیا ہے اور اصلاح اخلاق کا باب جو مدت سے مسدود پڑا تھا اس زمانہ شر القرون میں اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کے مقدس ہاتھوں سے از سر نو مفتوح کرادیا ہے رسوم و بدعات کے غلبہ نے عرصہ دراز سے شریعت وتصوف کے حقائق کو عموماً بالکل مستور اور مخلوط کر رکھا تھا اور لوگ زوائد میں مبتلا ہو کر مقاصد طریق سے کوسوں دور جا پڑے تھے۔ غرض عجیب خلط مبحث ہو رہا تھا اور تجدید دین کی سخت ضرورت واقع ہو رہی تھی کہ امت مرحومہ پر رحمت الٰہیہ متوجہ ہوئی اور حضرت حکیم الامت کے ذریعہ سے اس ضرورت کو پورا فرمادیا گیا۔ فللّٰہ الحمد حمداً کثیراً۔

حضرت والا نے بعون اللہ تعالیٰ اس خلط مبحث کو جو مختلف شعب دینیہ میں بالخصوص تصوف میں واقع ہو گیا تھا دور فرما کر دودھ کا دودھ پانی کا پانی کر کے دکھا دیا ہے اور تمام ضروری حقائق دینیہ کو ایسا صاف اور واضح فرما دیا ہے کہ اب انشاء اللہ تعالیٰ صدیوں تک طالبان دین کو تلاش حق میں کوئی دقت نہ رہے گی۔

حضرت والاؒ کی تجدیدی تعلیمات دو صدیوں تک کافی ہیں

اس موقع پر ایک حقیقت شناس کا ایک قول یاد آتا ہے۔ ایک مجمع معتقدین میں اس کا سخت افسوس ظاہر کیا جا رہا تھا کہ حضرت والا کی سی شان کا اب کوئی دوسرا نظر نہیں آتا اس پر انہوں نے کہا کہ اجی ہمیں اس کی فکر ہی کیا ہے۔ حضرت نے تو بفضلہ تعالیٰ ایک ایسی ہانڈی پکا کر سب کے سامنے رکھ دی ہے کہ اب انشاء اللہ تعالیٰ کم از کم دو صدی تک تو کسی کو کچھ فکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں بس اسی میں سے پکی پکائی نکالتے رہو اور کھاتے رہو۔ اھ

یہ سن کر سب پر ایک خاص سکون کی کیفیت طاری ہو گئی اور افسردگی مبدل بہ انبساط ہو گئی۔

سبحان اللہ واقعی بالکل صحیح کہا کیونکہ حضرت والا نے بعون اللہ تعالیٰ صدیوں کے لیے دین کے راستہ اور وصول الی اللہ کے طریق کو تمام جھاڑ جھنکار اور خس و خاشاک سے ایسا پاک فرما دیا ہے کہ سالکین کو قطع طریق میں کوئی دشواری ہی نہیں رہی نہایت سہولت کے ساتھ مقصود حقیقی تک رسائی ہو سکتی ہے۔ اس پر آج ۱۶۔ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ ہی کا ایک واقعہ یاد آیا حضرت والا نے ایک طالب کی خط و کتابت کا یہ خلاصہ سنایا کہ پہلے انہوں نے آنے کی اجازت چاہی حضرت والا نے حسب معمول غایت پوچھی تو لکھا کہ فیض حاصل کرنے کے لیے آنا چاہتا ہوں حضرت والا نے مکرر استفسار فرمایا گیا کہ اگر فیض حاصل نہ ہو۔ اھ

اس پر انہوں نے لکھا کہ اگر فیض نہ بھی حاصل ہو تب بھی مجھے کوئی شکایت نہ ہوگی مشیت حق پر راضی رہوں گا۔ اھ۔ آج حضرت والا نے تحریر فرمایا ہے کہ اچھا اب یہ لکھو کہ فیض کس کو سمجھتے ہو۔ اھ۔ پھر یہ خلاصہ سنا کر حضرت والا نے حاضرین مجلس سے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کوئی بات گول نہ رہے راستہ بالکل صاف ہو جائے نہ کوئی کنکر رہے نہ پتھر نہ نشیب رہے نہ فراز بالکل صاف اور ہموار ہو جائے ایسا کہ بس پھر آنکھ بند کیے چلا جائے کہیں کوئی رکاوٹ

ہی نہ ہو بس یہی میرا جرم ہے جس پر میں بدنام ہوں۔ اور مجھ پر سختی کا الزام ہے۔ اھ

نفس کی مکاریوں کی طشت از بام کرنا

حضرت والا نے بالخصوص نفس کے تو ایسے ایسے خفی مکائد کو ظاہر فرمایا ہے کہ جو بڑے بڑے اہل بصیرت سے بھی پوشیدہ تھے اور جن کی طرف عموماً التفات نہ ہونے کی وجہ سے اصلاح نفس کی تکمیل ہی سے محرومی رہتی تھی جس کا کہ بہت سے اہل بصیرت کو اقرار کرنا پڑا ہے اور اگر طریق سے ادنیٰ مناسبت رکھنے والا بھی حضرت والا کے مضامین متعلقہ اصلاح کو بغور وانصاف دیکھے گا تو اس کو بھی یہی اقرار کرنا پڑے گا۔ چنانچہ ناظرین کرام کو بھی باب ہذا کے مطالعہ سے اس کی فی الجملہ تصدیق ہوگئی ہوگی۔

صالحین کے خواب

اس پر بطور تفریع کے بے ساختہ ایک صاحب نسبت اہل علم کا رویاء صادقہ یاد آ گیا جو ایک ہم سلسلہ شیخ کامل سے بیعت تھے انہوں نے اعلیٰ حضرت حاجی صاحبؒ کو خواب میں یہ فرماتے دیکھا کہ تم کو نسبت تو حاصل ہے لیکن اگر اپنے اخلاق کی اصلاح چاہتے ہو تو مولوی اشرف علی صاحب سے رجوع کرو۔ اھ۔ اسی قسم کی غیبی ہدایات حضرت والا سے رجوع کرنے کی بذریعہ رویاء صادقہ بہت سے طالبین کو ہوئی ہیں اور ہوتی رہتی ہیں جن سے رسالہ اصدق الرویا پُر ہے۔

حضرتِ والاؒ کی دِقّتِ نظر کا راز

امر اصلاح میں حضرت والا کی اس درجہ دقت نظر کا راز یہ ہے کہ حضرت والا خود اپنے نفس کی ہر وقت نگرانی رکھتے ہیں اور اس کے اتار چڑھاؤ کو بغور دیکھتے رہتے ہیں اس لئے حضرت والا کو نفس کے اتار چڑھاؤ اور انسانی جذبات کے مدوجزر کا خوب اندازہ ہے۔ چنانچہ فرمایا کرتے ہیں (جس کی تائید رات دن کے مشاہدہ سے بھی ہوتی رہتی ہے) کہ مجھ سے کسی کا اپنے نفس کی چوریں پوشیدہ رکھنا بہت دشوار ہے کیونکہ مجھ کو نفس کے اتار چڑھاؤ کا خوب تجربہ ہے اور قلب کے تقلبات کا خوب اندازہ ہے۔ اھ

وبمصداق شعر غالب ؎

نکتہ چیں ہے غم دل اس سے چھپائے نہ بنے کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

حضرت والا کی لطافت طبع، اور کثرت ذکر وفکر

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اول تو حضرت والا کو اللہ تعالیٰ نے خلقۃً غایت درجہ کا لطیف الطبع اور انتہا درجہ کا ذکی الحس پیدا فرمایا ہے چنانچہ دیکھنے والوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ حضرت والا لطافت طبع اور ذکاوت حس اور نزاکت مزاج میں اپنے زمانہ کے گویا حضرت مرزا جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ ہیں پھر کثرت ذکر وفکر نے اس فطری لطافت کو اور بھی لطیف تر کر دیا ہے لہٰذا حضرت والا کو ہر اچھی بری بات کا فوراً احساس ہونے لگتا ہے چنانچہ ایک بار بسلسلہ گفتگو فرمایا کہ میری طبیعت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ مجھ پر اچھی بات کا بھی فوراً اثر ہوتا ہے۔ اور اسی طرح بری بات کا بھی لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے کہ مجھ کو بری باتوں سے طبعاً نفرت و وحشت ہے اس لئے ان سے الگ ہی رہتا ہوں۔ اھ

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ اس کا سبب سلامت فطرت اور لطافت حس ہے۔ ایسے سلیم الفطرت اور لطیف الحس حضرات کے لیے بری باتوں سے نفرت و وحشت لازمی ہے کیونکہ ادنیٰ اتفاقی تلبس وتشبث بھی باعث تاثر وتصور اور تاثر وتصور موجب تالم وتکدر اور تالم وتکدر مورث توحش وتنفر اور توحش وتنفر سبب تحرز وتجرز ہو جاتا ہے۔

نفسانی امراض کی تشخیص میں مہارت

غرض چونکہ ایسی حساس طبیعت رکھنے والا بزرگ بوجہ اس عالم کے مجمع خیر وشر ہونے کے جس میں اچھی بری سبھی قسم کی باتیں دیکھنے سننے میں آتی رہتی ہیں احساسات متنوعہ کا گنجینہ اور جذبات مختلفہ کا آئینہ ہوتا ہے اس لئے وہ جملہ دقائق وشوائب نفسانیہ اور جمیع تقلبات وتاثرات قلبیہ سے اچھی طرح واقف اور تشخیص ومعالجہ امراض نفسانیہ میں خوب ماہر ہوتا ہے اور لوگوں کے نفوس کی باریک سے باریک چوریاں بھی بہ آسانی پکڑ سکتا ہے اور یہی تفسیر ہے حضرت والا کے اس ارشاد بالا کی کہ مجھ کو نفس کے اتار چڑھاؤ کا خوب تجربہ ہے اور قلب کے تقلبات کا خوب اندازہ ہے۔ اھ۔ اور اس ارشاد کی صدہا واقعات سے تصدیق ہوتی ہے چنانچہ ایک صاحب نے

اپنے بیٹے کی بیوی کے انتقال پر جو خط لکھا اس میں اس عنوان سے اپنے غم واندوہ کا اظہار کیا کہ اس کی صفات میں سترہ سالہ کا لفظ بھی لکھا حضرت والا کو فوراً احساس ہو گیا کہ ان الفاظ سے تو بوئے شہوت آتی ہے چنانچہ جب ان سے اس پر مواخذہ کیا گیا تو وہ انکار نہ کر سکے۔

اسی طرح حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ جو طالب آتا ہے اکثر بفضلہ تعالیٰ اس سے سابقہ پڑتے ہی مجھ کو اس کے لب ولہجہ اور طرز وانداز ہی سے اس کے نفس کی مجموعی حالت کا اجمالی اندازہ ہو جاتا ہے اور یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کے ساتھ فلاں قسم کا برتاؤ مناسب ہوگا۔ اھ

ہر شخص کے ساتھ بالکل اس کے موافق برتاؤ

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ واقعی یہ رات دن کا تجربہ ہے کہ جس کے ساتھ جس وقت جس طرح کا برتاؤ حضرت والا فرماتے ہیں آخر میں وہ اسی برتاؤ کا اہل ثابت ہوتا ہے حالانکہ بعض اوقات دوسرے دیکھنے والوں کو بظاہر احوال تعجب بھی ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ عرصہ ہوا ایک نوجوان لڑکا حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوا اور نہایت عقیدت کے ساتھ مستدعی بیعت ہوا۔ حضرت والا نے اس کے ساتھ التفات کا برتاؤ نہیں فرمایا بلکہ ضابطہ کا جواب دے کر ٹال دیا کہ اصلاح الرسوم دیکھ کر رائے قائم کرو۔ احقر نے از راہ ہمدردی اپنے داموں سے اصلاح الرسوم خرید کر اس کو دے دی۔ وہ اس کو دیکھ کر چلا گیا بعد کو معلوم ہوا کہ وہ اپنے باپ سے خفا ہو کر بھاگ آیا تھا۔ اس پر حضرت والا دیر تک احقر کو متنبہ فرماتے رہے کہ میں چاہتا ہوں کہ میرا جس شخص کے ساتھ جیسا برتاؤ ہو اس میں کسی کو مزاحم نہیں ہونا چاہیے پھر دیر تک اس پر تقریر فرماتے رہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ جو کام لیتے ہیں اس کو اس کام کی سمجھ بھی عطا فرما دیتے ہیں چونکہ اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد تربیت کا کام فرما رکھا ہے اس لئے اس کی پہچان بھی عطا فرما رکھی ہے کہ کس کے ساتھ کیسا برتاؤ کرنا چاہیے اور کون طالب ہے اور کون نہیں جو طالب نہیں ہوتا اس کو قلب ہی قبول نہیں کرتا فوراً رد کر دیتا ہے۔ حالانکہ مجھ کو اس کی حالت کا اس وقت تفصیلی علم بھی نہیں ہوتا جیسے اگر کوئی شخص مکھی کھا جائے تو اگرچہ کھانے کے وقت کھانے والے کو مکھی کا علم بھی نہ ہو لیکن معدہ کو تو مکھی کی خوب پہچان ہے وہ اس کو ہرگز قبول نہیں کرتا فوراً نکال باہر کرتا ہے۔ اھ

حضرت والا کی نکتہ شناسی

یہ تو احساسات کے متعلق واقعات تھے جن سے احقر کے اس قول کی تصدیق ہوتی ہے کہ حضرت والا احساسات متنوعہ کا گنجینہ ہیں اور جذبات کے تو حضرت والا ایسے نکتہ شناس ہیں کہ کوئی بڑے سے بڑا ماہر نفسیات بھی اتنا نہ ہوگا اس کے متعلق بھی ایک واقعہ اس وقت بے تکلف یاد آ گیا۔

ایک طالب نے جو افسر پولیس ہیں حال ہی میں اپنی بیوی کی شکایت لکھی کہ آئے دن مجھ سے لڑتی رہتی ہے کہ لڑکی کے بیاہ کے واسطے روپیہ لاؤ رشوت لو یا کچھ کرو اور لکھا کہ اہلیہ کے روز کے طعنوں اور لڑائی جھگڑے سے سخت پریشان ہوں اور خوف ہے کہ کوئی بری راہ نہ اختیار کر بیٹھوں ایسی حالت میں دعا اور مشورہ کا محتاج ہوں۔ اھ

اس پر حضرت والا نے بُری راہ (اشارہ ہے مفارقت کی طرف) اختیار کرنے کے متعلق تو یہ تحریر فرمایا کہ ایسا نہ کیجئے ممکن ہے کہ ان کے نہ ہونے سے اس سے زیادہ تکلیف ہو اور مشورہ کے متعلق تحریر فرمایا کہ مشورہ تو اہل تجربہ دیتے ہیں میں خود اس شعر کا مصداق ہوں۔

آنرا کہ عقل و ہمت و تدبیر درائے نیست — خوش گفت پردہ دار کہ کس درسرائے نیست

(جس میں عقل مندی، جرأت سمجھ اور سوچ نہیں ہے پردہ دار نے سچ کہا ہے کہ گھر میں کوئی نہیں ہے)

البتہ بجائے تجربہ کے جذبات رکھتا ہوں ان جذبات کی بناء پر رائے دیتا ہوں کہ بی بی کو ایسے وقت شیطان کی مینا سمجھ کر نقال اور تماشا سمجھ لیا کیجئے غیظ نہ ہوگا۔ اھ

اس سے احقر کے اس قول کہ حضرت والا جذبات مختلفہ کا آئینہ ہیں خود حضرت والا کے ارشاد سے تصدیق ہوتی ہے۔

جواب مذکور ان افسر صاحب پولیس کو بہت نافع ہوا چنانچہ انہوں نے حضرت والا کو لکھا کہ حضرت والا کے جواب سے بہت کچھ تسکین ہوئی۔ واقعی حضرت نے عورتوں کی بابت عجیب بات فرمائی کبھی ذہن اس طرف نہیں گیا کہ ان کو شیطان کی مینا سمجھوں۔ دراصل یہ شیطان کی مینا ہیں۔ بہت سے عقدے غور کرنے سے حل ہو گئے اور بہت سی خلشیں دل سے دور ہو گئیں اور وہ غیظ جو ان کی باتوں پر آیا کرتا تھا اب حضرت والا کے اس فقرے کو ذہن نشین کرنے پر نہیں آتا۔ واللہ کیا بات فرمائی ہے۔ اس فقرے سے بہت ہی لطف آیا

اوراب بجائے غیظ کے رحم آنے لگا۔اھ

حضرت والا نے اس پر تحریر فرمایا کہ الحمدللہ نفع ہوا۔ پھر احقر سے زبانی فرمایا کہ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ چھوٹے چھوٹے جملوں سے بڑے بڑے نفع لوگوں کو پہنچ جاتے ہیں ورنہ محض الفاظ میں اتنا اثر کہاں کوئی اور تو انہی الفاظ کو لکھ کر دیکھئے۔اھ۔ پھر یہ شعر پڑھا۔

حسد چہ می بری اے سست نظم برحافظ　　　قبول خاطر وحسن سخن خداداداست

(اے سست! حافظ پر حسد کیوں کرتا ہے، طبیعت کی استعداد اور گفتگو کی خوبی اللہ کی عطا ہے)

تربیتِ باطنی اور علاج روحانی میں مہارت کاملہ

غرض چونکہ حضرت والا کو لطافت طبع اور ذکاوت حس کی بدولت ہر قسم کے تاثرات و احساسات کا بخوبی اندازہ ہے اس لئے حضرت والا کو بفضلہ تعالیٰ فطری طور پر تربیت باطنی کا ملکہ تامہ اور معالجہ امراض روحانیہ میں مہارت کاملہ حاصل ہے جیسا کہ مشاہد اور مسلم ہے اور جس کی تصدیق آج ایک دنیا حضرت والا کو بالکل بجا طور پر حکیم الامت کہہ کر رہی ہے بلکہ اگر بنظر تعمق دیکھا جائے تو ذوقاً یہ محسوس ہوگا کہ یہ جو اس درجہ کثرت کے ساتھ حقائق و معارف طریق اور نکات و دقائق اصلاح حضرت والا کی زبان فیض ترجمان اور قلم حقیقت رقم سے ظاہر ہوئے اور ظاہر ہو رہے ہیں وہ اکثر و بیشتر خود حضرت والا ہی کے احوال و تاثرات کی حکایات ہیں بمصداق ارشاد حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ۔

بشنوید اے دوستاں ایں داستاں　　　خود حقیقت نقد حال ماست آں

(اے دوستو یہ داستان سنو کہ ہماری جو اس وقت حالت ہے یہی حقیقت ہے)

نقد حال خویش را گر پے بریم　　　ہم زدنیا ہم زعقبیٰ برخوریم

(اگر اپنی حالتِ موجود کے پیچھے چلتے رہیں تو دنیا وآخرت میں اس کا نفع پائیں)

اور اگر نظر کو ذرا اور عمیق کیا جائے تو یہ حقیقت بھی منکشف ہو جائے کہ دراصل حضرت والا ہر وقت اپنے ہی تخلیہ اور تجلیہ میں مشغول ہیں اور اس کے دوران میں جو خود اپنے اوپر احوال مختلفہ طاری ہوتے رہتے ہیں اور تجربہ حاصل ہوتے رہتے ہیں۔انہی کے ذریعہ سے دوسروں کو بھی تربیت فرماتے رہتے ہیں۔

چنانچہ اکثر احوال رفیعہ اور طرق اصلاح کی پرزور تقریرات کے وقت صاحبِ ذوق کو قریب قریب بداہتہً محسوس ہو جاتا ہے کہ یہ خود اپنے ہی احوال بیان فرمائے جا رہے ہیں اور بعض اوقات خود اس کی تصریح بھی فرما دیتے ہیں کیونکہ حضرت والا کی طبیعت میں فطری طور پر نہایت بے ساختگی اور سادگی ہے جہاں ضرورت یا مصلحت ہوتی ہے یا یوں ہی سلسلہ کلام میں اپنے محاسن بھی اور اپنے نفس کی منازعت کے واقعات بھی بے تکلف بیان فرما دیا کرتے ہیں اور ایسے مواقع پر بعض اوقات یہ بھی فرما دیتے ہیں کہ نہ مجھ پر تواضع ہے نہ تکبر، سچائی اور صفائی ہے اور طبیعت میں بے ساختگی اور سادگی ہے جس کا سبب آزاد مزاجی ہے جو ان مجذوب صاحب کی روحانی توجہ کا اثر ہے جن کی دعا سے میں پیدا ہوا ہوں۔ پھر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی صحبت نے اس میں اور بھی قوت پیدا کر دی کیونکہ مولانا کی ایسی سادہ طبیعت تھی کہ اپنے نقائص بھی اور اپنے کمالات بھی سب کے سامنے حتیٰ کہ اپنے شاگردوں اور مریدوں کے سامنے بھی بالکل صاف صاف اور بے تکلف بیان فرما دیا کرتے تھے۔ اھ

اپنی اصلاح کا انتظام

حضرت والا نے بارہا فرمایا کہ گو میں متقی پرہیزگار تو نہیں لیکن الحمدللہ اپنی اصلاح سے غافل بھی نہیں ہمیشہ یہی ادھیڑ بن لگی رہتی ہے کہ فلاں حالت میں فلاں تغیر کرنا چاہیے فلاں نقص کی فلاں طریقہ سے اصلاح کرنی چاہیے۔ غرض مجھ کو اپنی کسی حالت پر قناعت نہیں۔ اھ

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ سبحان اللہ حضرت والا کا عمل در آمد بالکل حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد پر ہے ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش　　　تا دمِ آخر دمے فارغ مباش

(اس راہ میں کھود کرید میں لگا رہ آخر دم تک ایک لحہ بھی فارغ نہ رہ)

چنانچہ آج کل بھی سہولت استحضار کے لیے خود ہی ایک شعر تصنیف فرما کر اور اس کو جلی قلم سے ایک موٹی دفتی پر لکھوا کر اپنے ڈیسک پر رکھ چھوڑا ہے جس کی نقل یہ ہے۔

النظام للکلام

کثرت ذکر و قلت تبیاں　　　وقت ہیجان طبع کفِ لساں

(ذکر کی کثرت اور بیان کی قلت طبیعت کے ہیجان کے وقت زبان بند رکھنا)

جب احقر نے اس دفتی کو بغرض نقل طلب کیا تو یہ فرما کر حوالہ فرمایا کہ جی ہاں فکریں تو سبھی کچھ ہیں لیکن توفیق کبھی ہوتی ہے کبھی نہیں ہوتی۔ اھ۔ اسی طرح اس زمانہ میں جب وعظ کثرت سے فرمایا کرتے تھے ایک بار فرمایا کہ جب میں اپنے اندر کوئی امر اصلاح طلب پاتا ہوں تو اس کے متعلق ایک وعظ کہہ دیتا ہوں جس سے بہت نفع ہوتا ہے چنانچہ وعظ الغضب اسی غرض سے کہا گیا تھا اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بڑے بڑے امراض نفس کے متعلق ایسے ایسے ہی چٹکلے دل میں ڈال دیتے ہیں جس سے بفضلہٖ بسہولت اصلاح ہو جاتی ہے۔ اھ

اسی طرح اس دفتی کی پشت پر جس کا اوپر ذکر کیا گیا ایک اور مضمون بغرض یادداشت خوشخط لکھوا لیا ہے پہلے مضمون کا نام النظام للکلام تھا اور اس مضمون کا نام الکلام فی النظام ہے اس دوسرے مضمون کو بھی نقل کیا جاتا ہے۔

الکلام فی النظام

(نمبر۱)۔ غلط کار سے خود خطاب نہ کیا جائے بلکہ کسی فہیم کے واسطہ سے گفتگو کی جائے۔

(نمبر۲)۔ بجائے خود بتلانے کے اس سے ایسے سہل المأخذ استفسارات کئے جائیں جس سے اس کو غلطی کا اقرار کرنا پڑے اور اگر وہ نہ سمجھے تو عدم مناسبت کی اطلاع کر کے بات ختم کر دی جائے۔

(نمبر۳)۔ اس غلطی کا تدارک اسی سے تجویز کرایا جائے جب تک کافی تدارک تجویز نہ کرے۔

(نمبر۴)۔ اگر گنجائش ہو اس کے تجویز کردہ تدارک سے خفیف تدارک تجویز کر دیا جائے۔

(نمبر۵)۔ تدارک تجویز کردہ کی تنفیذ میں احتیاطاً قدرے توقف و نظر ثانی کر لی جائے۔ اھ۔

حضرت والا نے یہ یادداشت اپنے مضمون التبدیل من التقلیل الی التعدیل کے (جس کی نقل اپنے موقع پر گزر چکی ہے) خلاصہ کے طور پر بغرض سہولت استحضار تحریر فرما کر اپنے پاس رکھ لی ہے۔

دہلی و پانی پت کے سفر کا واقعہ

حضرت والا کی نگرانی نفس کا ایک اور واقعہ یاد آیا۔ مکرمی جناب مولوی عبدالکریم

صاحب گمتھلوی نے خود جامع اوراق سے بیان کیا کہ وہ یک سفر میں حضرت والا کے ہمراہ تھے۔ نارنول سے الور اور الور سے دہلی اور دہلی سے پانی پت تشریف لے جانا تھا۔ نارنول میں جمعہ پڑھا تو حضرت والا نے شب جمعہ کو تہجد کے وقت کپڑے بدلنے چاہے مولوی صاحب نے جن کی سپردگی میں حضرت والا کا بیگ تھا کپڑے نکال کر پیش کئے جن میں چکن کا کرتہ تھا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ یہ نہیں ململ کا کرتہ لایئے جب وہ ململ کا کرتہ لائے تو پھر فرمایا کہ اچھا وہ چکن ہی کا لے آیئے اس کو رکھ آیئے۔ جب وہ پھر چکن کا کرتہ لے آئے تو فرمایا کہ کچھ خبر بھی ہے یہ میں نے کیوں کیا۔ بات یہ ہے کہ جب آپ چکن کا کرتہ رائے تو مجھے خیال ہوا کہ یہ تو قصبہ ہے یہاں ململ کا کرتہ پہن لینا کافی ہے۔ یہاں کے بعد دہلی جانا ہے وہاں چکن کا کرتہ پہننا مناسب ہوگا۔ (اس مصلحت سے کہ امراء کی نظر میں ذلت نہ ہو) میں نے اس خیال کی مخالفت کی ہے۔ اھ

خیر یہ تو ہو چکا۔ اس کے بعد الور قیام فرماتے ہوئے دہلی تشریف لے گئے چونکہ اس درمیان میں کپڑے کافی میلے ہو چکے تھے اس لئے مولوی صاحب ممدوح نے الور سے دہلی کی طرف روانگی کے وقت بھی اور ریل میں بھی کپڑے بدلنے کے لیے عرض کیا لیکن ٹال دیا کہ بعد کو بدل لوں گا یہاں تک کہ دہلی پہنچ کر بھی نہ بدلے اور وہاں رہتے ہوئے بھی نہ بدلے حالانکہ کپڑے بہت زیادہ میلے ہو چکے تھے جب دہلی سے پانی پت پہنچے تو پہنچتے ہی فوراً غسل فرما کر کپڑے بدلے کیونکہ بوجہ نفاست مزاج حضرت والا کو میلے کپڑوں سے بہت اذیت ہوتی ہے غرض اپنے اس خیال کا نہایت مبالغہ کے ساتھ تدارک فرمایا۔

سبحان اللہ یہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی عین سنت ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فتح بیت المقدس کے موقع پر زرق برق لباس کو اتار کر پھر اپنا معمولی سادہ باس پہن لینا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنے کرتہ کو اس کی ایک آستین قطع کر کے بدنما کر دینا روایتوں میں منقول ہے۔

نگرانیٔ نفس کا ایک اور واقعہ

یک اور واقعہ یاد آیا۔ کچھ عرصہ ہوا ایک صاحب نے کسی کے ترکہ سے پانچ سو روپیہ بذریعہ بیمہ مصارف خیر کے لیے بھیجے چونکہ اس سے قبل اس رقم کے متعلق اجازت طلب نہیں کی

گئی تھی اس لئے حضرت والا نے حسب معمول وہ بیمہ واپس فرما دیا پھر ان صاحب کا مطلب اجازت معذرت نامہ آیا جس سے مفصل حال معلوم ہوا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض ورثہ کی اجازت حاصل نہیں کی گئی گو زیادہ حصہ رقم کا ایسا ہی تھا جس کے متعلق ورثہ کی اجازت حاصل کی جا چکی تھی۔ حضرت والا نے کلی طور پر ممانعت لکھ بھیجی کہ چونکہ بعض ورثہ کی اجازت حاصل نہیں کی گئی اس لئے وہ رقم نہ بھیجی جائے۔ پھر بعد کو حضرت والا نے مجلس عام میں اس واقعہ کا ذکر فرما کر فرمایا کہ ممانعت کلی لکھتے وقت میرے نفس نے کہا کہ رقم کے اس حصہ کو تو بھیجنے کی اجازت دے دی جائے جس کے متعلق ورثہ کی اجازت لی جا چکی ہے اچھا ہے مساکین کا بھلا ہو جائے گا لیکن میں نے اپنے نفس سے کہا کہ اچھا آپ اپنے استاد کو بھی پٹی پڑھانا چاہتے ہیں۔ اھ

ہر وقت نفس کی نگرانی رکھنا

حضرت والا نے جو اس موقع پر بے ساختہ استاد کا لفظ فرمایا وہ بالکل مطابق واقع کے ہے کیونکہ حضرت والا نفس کے دھوکوں سے خوب واقف ہیں اور اس کی تاویلوں کو خوب سمجھتے ہیں۔ رات دن کام یہی ہے کہ طالبین کے مکار نفس پر ان کو متنبہ فرماتے رہتے ہیں۔ اور نہ صرف طالبین کے نفوس کی بلکہ اپنے نفس کی بھی ہر وقت دیکھ بھال رکھتے ہیں جیسا کہ مذکورہ بالا واقعات سے ناظرین نے بخوبی اندازہ فرمالیا ہوگا اور اس کا غایت درجہ اہتمام کرتے ہیں کہ نفس کو ابھرنے کا کوئی موقع ہی نہ دیا جائے اور اس کی ہر وقت نگرانی رکھتے ہیں کہ اس کے اندر شائبہ بھی کسی تغیر کا نہ پیدا ہونے پائے۔ چنانچہ فرمایا کرتے ہیں کہ اگر کبھی گھر میں سے کہیں گئی ہوئی ہوتی ہیں اور کوئی غیر محرم عزیز یا مہمان یا کام کاج کرنے والی عورت یا لڑکی گھر میں ہوتی ہے تو میں اس زمانہ میں گھر جانا ہی چھوڑ دیتا ہوں اور اگر کوئی ضروری بات کہنی سننی ہوتی ہے تو دہلیز ہی میں سے کھڑے کھڑے کہہ سن لیتا ہوں اندر نہیں جاتا۔ یہ میں اس لئے اوروں کو سنا رہا ہوں کہ سب کو اس معاملہ میں غایت درجہ احتیاط رکھنی چاہیے کیونکہ اول تو نفس کا کچھ اعتبار نہیں۔ پھر خیالات کا بھی تو پاک صاف رکھنا ضروری ہے بلکہ نابالغ نامحرم لڑکیوں سے بھی احتیاط ہی چاہیے کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی نابالغ لڑکی کے سر پر ہاتھ

پھیرنے کا سبب تو شفقت ہی ہوتا ہے لیکن سر پر ہاتھ رکھنے کے تھوڑی دیر بعد نفس کی آمیزش ہونے لگتی ہے میں دیکھتا ہوں کہ لوگوں کو عموماً ایسے دقائق نفس کی طرف اعتناء بھی نہیں ہوتا اور وہ برابر شفقت ہی کے گمان میں رہتے ہیں اس کی احتیاط واجب ہے۔ اھ

اسی طرح حضرت والا نے ایک بار فرمایا کہ میں کسی امرد کو بھی اپنے پاس تنہائی میں نہیں آنے دیتا اور گو یہ بات اپنی ذات میں تو معمولی ہے لیکن جو شخص مجھ سے اعتقاد رکھتا ہو اس کے لیے یہ بہت بڑی بات ہے کہ جب یہ پیر ہو کر بھی اپنے نفس کی اتنی حفاظت کرتے ہیں تو ہمیں تو بہت ہی زیادہ حفاظت کرنی چاہیے۔ اھ

دائمی ترقی

اس سب تقریر کا حاصل یہ ہے کہ حضرت والا اب تک بھی ہر وقت اپنے نفس کی نگرانی اور دیکھ بھال ہی رکھتے ہیں۔ اور بوجہ دائمی مجاہدہ نفس دائمی ترقی فرما رہے ہیں۔ اور یہ وہ ترقی ہے جو ہر وقت ہو رہی ہے اور جس کا کسی کو عام طور سے پتہ بھی نہیں چلتا اور یہی وہ اعمال باطنہ ہیں جن کے بارہ میں حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ وہ سالک کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتے ہیں اور دوسروں کو اس کا علم بھی نہیں ہوتا۔ ایسے شخص کو قلندر کہتے ہیں۔ اس کو عبادات نافلہ کا اتنا اہتمام نہیں ہوتا جتنا اپنے قلب کی نگہداشت کا اور اعمال قلبیہ کا۔ مثلاً جب کوئی واقعہ پیش آیا تو فوراً اس کے قلب نے اس واقعہ کے متعلق حق تعالیٰ کے ساتھ کوئی معاملہ صبر و شکر، تفویض اعبدیت وغیرہ کا کیا۔ پس وہ ایک مستقل باطنی عمل ہو گیا اور اس درجہ کا ہوا کہ وہ اس کی بدولت کہیں کا کہیں پہنچ گیا اور چونکہ حوادث بہ کثرت پیش آتے ہی رہتے ہیں اور وہ ہر وقت اپنے قلب کی نگہداشت میں رہتا ہے اس لئے وہ ہر وقت باطنی ترقی کرتا رہتا ہے اور اس شخص سے بڑھ جاتا ہے جس کو عبادات نافلہ کا تو اہتمام بہت ہے لیکن قلب کی نگہداشت کا اہتمام نہیں۔ بمصداق ارشاد حضرت مولانا رومیؒ۔

سیر عابد ہر شبے یک روزہ راہ　　　سیر عارف ہر دمے تا تخت شاہ　اھ

نسبتِ باطنی کے بقاء کیلئے حالات کی نگرانی ضروری ہے

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ قطع نظر ترقی کے خود حاصل کردہ دولت باطنی کی بقاء کے

لیے بھی اسی کی ضرورت ہے کہ اپنے قلب کی ہروقت نگہداشت رکھے جیسا کہ حضرت والا کا معمول ہے جس کی تائید حضرت شیخ اکبر قدس سرہ العزیز کے ارشاد سے بھی ہوتی ہے چنانچہ وہ اپنے رسالہ ''الامر المحکم المربوط فیما یلزم اھل طریق اللہ من الشروط'' میں شیوخ کو بھی اپنے حالات کی ہمیشہ نگرانی رکھنے کی سخت تاکید فرماتے ہیں چنانچہ اس مضمون کے سلسلہ میں کہ شیخ پر بھی واجب ہے کہ اپنے لئے کوئی وقت خلوت مع اللہ کا رکھے۔تحریر فرماتے ہیں۔

فمتی لم ینفقد الشیخ حاله فی کل یوم بالا مرالذی حصل له به هذا تمکین کان مخدوعاً بحیث ان تسترقه العادة و یجره الطبع و یرید الخلوة ساعة فتفقد الانس و یجد الوحشة وکذالک فی توکله وادخاره فی کل حال اکتسبته النفس ممالم تفطر علیه لا نه سریع الذهاب و قدرائنا شیوخاً سقطو انسال اللّٰه لنا ولهم العافیة. قال اللّٰه تعالی ان الانسان خلق هلوعاً اذامه الشرجزوعا .واذا مسه الخیر منوعا فقدجمع فی هذه الآیة کل رذیلة فی النفس و ابان فیها ان الفضائل ملتسبة لهالیست فی جبلها فالتحفظ واجب.

جس کا ترجمہ یہ ہے۔

پس جبکہ شیخ ہر روز اپنے حالات کی نگرانی اسی طریق سے نہ کرے جس سے اس کو یہ تمکین (یعنی دوام اطاعت اور کثرت ذکر کی عادت) حاصل ہوئی تو (عجب نہیں) کہ وہ دھوکہ میں پڑ جائے اور آہستہ آہستہ طبیعت اور عادت قدیمہ اس کو اپنی طرف کھینچ لے اور پھر وہ خلوت میں بھی رہنا چاہے تو اُنس حاصل نہ ہو بلکہ خلوت سے وحشت ہونے لگے یہی حال ہے ان تمام حالات وکیفیات کا جو نفس کی طبیعت وجبلت کے موافق نہیں کہ ان حالات کے حصول پر اعتماد نہ کرنا چاہیے کیونکہ وہ بہت سریع الزوال ہوتے ہیں اور ہم نے بہت سے مشائخ کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے درجہ سے گر گئے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اور ان کو عافیت عطا فرمائے (امین) حق تعالیٰ نے فرمایا ہے **ان الانسان خلق هلوعا اذامه الشر جزوعا و اذامسه الخیر منوعا**۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نفس کے تمام رذائل کو جمع فرمادیا ہے اور بیان فرمادیا ہے کہ جتنے فضائل نفس کو حاصل ہیں وہ اس کے جبلی اور طبعی نہیں اس لئے ان کا تحفظ واجب ہے۔اھ

حضرت شیخ ابو مدینؒ کا ارشاد

اسی طرح طبقات کبریٰ سے حضرت شیخ ابو مدین مغربی کا جو حضرت شیخ اکبرؒ کے مشائخ میں سے ہیں حضرت والا کا سنایا ہوا ایک ارشاد دیدا آیا جو اس مقام کے مناسب ہے کیونکہ اس سے بھی اس مضمون کی تائید ہوتی ہے اس کو بھی حضرت والا کے انتخاب طبقات کبریٰ سے بلفظہ نقل کیا جاتا ہے۔

عن الشیخ ابی مدین المغربی کان یقول کل فقیر لا یعرف زیادۃ ونقصہ فی کل نفس فلیس بفقیرا. اھ

جس کا ترجمہ یہ ہے۔

کہ جو درویش اپنی (باطنی) زیادتی اور کمی کو ہر دم نہ محسوس کرتا رہے وہ درویش نہیں۔اھ

غیبی دستگیری

الحمدللہ حضرت والا کی تو یہ کیفیت مستمرہ اور حالت دائمہ ہے جو ہمیشہ قولاً وفعلاً وحالاً ظاہر ہوتی رہتی ہے چنانچہ علاوہ واقعات مذکورہ بالا کے اس مقام پر بھی بے تکلف دو تین واقعات اور یاد آ گئے جو مختصراً عرض کیے جاتے ہیں۔

ایک بار احقر نے اپنی کوئی باطنی پریشانی عرض کی تو اس کے متعلق حضرت والا نے حسب معمول نہایت مؤثر عنوان سے فوراً میری پوری تسلی فرما دی پھر نہایت حسرت کے لہجہ میں فرمایا کہ آپ تو مجھ سے اپنا حال کہہ کر اپنی تسلی کر لیتے ہیں۔ اگر مجھ کو کوئی پریشانی لاحق ہو تو میں اپنی تسلی کس سے کروں پھر فرمایا کہ ایسے موقعوں پر الحمدللہ اللہ تعالیٰ خود ہی میری دستگیری فرماتے ہیں اور غیب سے میری عقدہ کشائی فرما دیتے ہیں۔اھ

رات دن نفس پر آرے چلانا

اسی طرح ایک بار کسی شیخ کے بارہ میں یہ سن کر اپنے مریدین سے دو دو گھنٹہ ذکر خیر کراتے ہیں لیکن وہ لوگ خلاف شرع وضع قطع وغیرہ امور میں بالکل آزاد ہیں تو فرمایا کہ گھنٹہ دو گھنٹہ بلکہ چار گھنٹہ بھی محنت کر لینا کیا مشکل ہے میرے یہاں تو وہ آوے جس کو رات دن اپنے نفس پر آرے چلانے ہوں۔اھ

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت والا کی خود بھی یہی حالت ہے کہ ہر وقت اپنے نفس کی نگرانی رکھتے ہیں اور اپنے منتسبین کو بھی اسی کی تاکید فرماتے رہتے ہیں جیسے کہ مشاہد ہے۔

ایک مریضِ حُسن کو ہدایت

چنانچہ ایک صاحب علم کو جو حسن پرستی میں مبتلا تھے اس سے اجتناب کی اس عنوان سے ممانعت فرمائی کہ چاہے جان نکل جائے لیکن نظر نہ ڈالی جائے۔ انہوں نے لکھا تھا کہ مجھ میں اس قدر حُسن پسندی ہے کہ معمولی اشیاء کو بھی نہایت قرینے اور خوش ترتیبی کے ساتھ رکھتا ہوں اسی طرح حُسن صورت کی طرف بھی بے حد کشش ہوتی ہے اور حظ حاصل ہوتا ہے اس پر زبان عربی یہ فصیح و بلیغ جواب ارقام فرمایا کہ **بعضه خير فاشكرواعليها و بعضه شر فانصبرو ا عنها اى غضو ا لبصر حيث امر الشارع بالغض ولو بتكلف شديد يحتمل ذهوق الروح فان الله تعالى غيور و تشتد غيرته على النظر الى مانهىٰ الله ان ينظر اليه فالحذر الحذران يسخط المحبوب الاكبر**۔ اھ دیکھئے کہ شدت کے ساتھ ممانعت فرمائی ہے۔

نیز یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ اس طریق میں تو عمر بھر لوہے کے چنے چبانے پڑتے ہیں اور گویا جنم روگ لگ جاتا ہے۔ اھ

باطنی مجاہدات اور ان کا ثمرہ

غرض حضرت والا کے یہاں ظاہری ریاضات و مجاہدات تو بالکل نہیں ہیں لیکن باطنی مجاہدات میں ضرور مشغول رہنا پڑتا ہے مگر وہ بعد چندے نہایت لذت بخش ہونے لگتے ہیں۔ بقول احقر ؎

بڑی عشق میں ہیں بہاریں مگر ہاں گھریں خارزاروں سے پھلواڑیاں ہیں

جو گویا ترجمہ ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا حفت الجنۃ بالمکارہ غرض حسب ارشاد حضرت والا یہ باطنی مجاہدات اس کے مصداق ہو جاتے ہیں (ع) چند روزے جہد کن باقی بخند۔ چنانچہ ایک بار کالپی کے سفر میں ایک معزز انگریزی خواں اور بہت بڑے افسر پولیس جو احقر کے ہم سبق تھے اتفاق سے حضرت والا کے ہم سفر ہو گئے۔ احقر بھی

موجود تھا انہوں نے حقر کا حوالہ دے کر عرض کیا کہ ان کی حالت دیکھ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہوئے ہمت نہیں پڑتی۔ حضرت والا نے فوراً فرمایا کہ اس کو نہ دیکھئے۔ گھڑی کو کنے والا تو صرف ایک مرتبہ گھڑی کو کوک دیتا ہے پھر جو کچھ اس میں تغیرات ہوتے ہیں وہ تو بے تکلف اور خود بخود ہی ہوتے رہتے ہیں کہ پہلے ایک بجا پھر دو پھر تین وغیرہ اھ۔

حضرت والا کا مطلب یہ تھا کہ اس وقت تو دشواری نظر آ رہی ہے لیکن جب قلب میں تعلق مع اللہ پیدا ہو جائے گا تو پھر کوئی دشواری نہ رہے گی۔ قلب میں خود اپنی اصلاح کا تقاضہ پیدا ہوگا اور اس وقت اپنی حالت میں تغیرات ضرور یہ کرنے کو خود ہی نہایت خوشی کے ساتھ جی چاہے گا۔ یہ جو قبل از وقت دشواری نظر آ رہی ہے۔ وہ محض خیالی ہے اس کا کچھ اندیشہ نہ کیا جائے بقول احقر۔

بس چلا چل قطع راہِ عشق اگر منظور ہے ۔۔۔ یہ نہ دیکھ اے ہم سفر نزدیک ہے یا دور ہے

شق کو ہیں بس قبل از دیوانگی ۔۔۔ کچھ دنوں غم سہہ لیا پھر عمر بھر مسرور ہے

بلکہ پھر تو ایسا ہو جاتا ہے کہ اگر کبھی فکر باطنی اور نگرانی نفس میں کمی محسوس ہونے لگتی ہے تو سالک اس غم کے نہ ہونے کے غم میں گھلنے لگتا ہے بمصداق ارشاد حضرت عارف رومیؒ۔

بردل سالک ہزاراں غم بود ۔۔۔ گر زباغ دل خلالے کم بود

(سالک کے دل پر ہزاروں غم ہوتے ہیں مگر دل کی خوشی میں کمی کم ہی واقع ہوتی ہے)

غرض یہ باطنی مجاہدات جو حضرت والا کے یہاں کے سلوک میں ہیں بعد چندے دار و مدار زندگی اور غذائے روح ہو جاتے ہیں جن کے بغیر سالک کو چین ہی نہیں پڑتا اور جن کے فقدان کو وہ اپنی موت سمجھتا ہے اور فی الواقع حقیقت الامر بھی یہی ہے کیونکہ یہ یہی مجاہدات باطنیہ تو اسباب و علامات حیات قلب اور موجب ترقیات باطنہ دائمہ ہیں۔

غم گیا قلب کی حیات گئی ۔۔۔ دل گیا ساری کائنات گئی

اگر ز کاوش مژگان او دلم خوں شد ۔۔۔ خوشم کہ بر منم اسباب گریہ افزوں شد

(اگر اس کے ابرو کی حرکت سے میرا دل خوش ہو گیا ہے تو میں خوش ہوں کیونکہ میرے لئے رونے کے اسباب میں اضافہ ہو گیا ہے)

تصوف کے حصول کا آسان کر دینا

مقصود بالبیان یہ ہے کہ درحقیقت حضرت والا کے یہاں کے سلوک میں جو سرتا سر قرآن حدیث ہی سے ماخوذ ہے جیسا کہ حضرت والا کے رسائل مسائل السلوک اور التشرف اور التکشف سے ظاہر ہے۔ بحوائے ارشاد نبویؐ الدین یسر کوئی دشواری نہیں اور ناظرین کرام نے بھی مضامین باب ہذا کے مطالعہ سے یہ اچھی طرح معلوم فرما لیا ہوگا کہ حضرت والا نے طریق کو بحمد اللہ تعالیٰ بہت ہی سہل فرما دیا ہے اور گویا شاہی سڑک بنا دیا ہے جس پر ہر خاص و عام نہایت سہولت کے ساتھ اور بے کھٹکے چل سکتا ہے کیا عالم کیا عامی کیا فارغ کیا مشغول کیا تندرست کیا بیمار کیا قوی کیا ضعیف کیا امیر کیا غریب۔ چنانچہ اس کے متعلق ایک حقیقت شناس نے خوب ہی کہا کہ حضرت والا کا سلوک تو شاہی سلوک ہے۔ واقعی یہی بات ہے کیونکہ حضرت والا نہ ریاضات کراتے ہیں۔ نہ مجاہدات نہ ترک تعلقات کراتے ہیں نہ ترک لذات و مباحات۔ بلکہ یہ تاکید فرماتے ہیں کہ خوب راحت و آرام سے رہو تاکہ اللہ تعالیٰ کی محبت قلب میں پیدا ہو اور طبیعت میں نشاط رہے جو معین عبادات ہو۔ البتہ معصیت کے پاس نہ پھٹکو اور نفس کی ہر وقت نگرانی رکھو اور ہمت سے کام لو اور بقدر تحمل و فرصت کچھ ذکر و شغل بھی کرتے رہو۔ پس انشاء اللہ تعالیٰ مقصد کا حصول یقینی ہے نہ کم کھانے کی ضرورت نہ کم سونے کی ضرورت یہ دونوں مجاہدے آج کل متروک ہیں کیونکہ طبائع میں پہلے ہی سے ضعف غالب ہے۔ البتہ کم بولنا اور کم ملنا جلنا ضروری ہے لیکن نہ اتنا کم کہ جس سے قلب میں انقباض پیدا ہو جائے اھ۔ لیجئے یہ شاہی سلوک نہیں تو کیا ہے۔

چنانچہ خود حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ درویشی کے لئے کمبل اور گدڑی کی ضرورت نہیں بلکہ اگر اللہ تعالیٰ دے تو دوشالہ اور شاہی میں بھی درویشی حاصل ہو سکتی ہے بشرطیکہ طریقہ سے حاصل کی جائے۔ اھ

طریق آسان ہے مگر ہم خود اسے مشکل بناتے ہیں

سبحان اللہ حضرت والا نے طریق کو اس قدر آسان فرما دیا ہے کہ کوئی دشواری ہی نہیں

ہی گویا بقول احقر۔

اتنا کیا ہے آپ نے آساں طریق کو کہہ سکتے ہیں راہ کو منزل بنا دیا

البتہ اگر بے اصول چل کر اس طریق کو خود ہی دشوار کر لیا جائے تو یہ طریق کا نقص نہیں بلکہ چلنے والوں کا بے ڈھنگا پن ہے۔ بقول احقر۔

جو آسان سمجھو تو ہے عشق آساں جو دشوار کر لو تو دشواریاں ہیں

اس پر خود حضرت والا کا ایک تازہ ملفوظ عرض کیا جاتا ہے۔ فرمایا کہ راستہ تو بالکل صاف اور ہموار ہے لیکن لوگ خود ہی اس کو اپنے سوء استعمال اور اوہام سے دشوار کر لیتے ہیں۔ اور خود اپنے ہاتھوں پریشانیوں میں پڑتے ہیں۔ یہاں تک کہ علماء بھی غلطیوں میں پڑے ہوئے ہیں چنانچہ ایک مولوی صاحب جو بڑے عالم فاضل اور فہیم شخص ہیں وہ بھی اس پریشانی میں مبتلا تھے کہ اب تک تہجد کے وقت بلا الارم والی جگانے والی گھڑی کے آنکھ ہی نہیں کھلتی لکھا تھا کہ افسوس ابھی تک ان خارجی چیزوں کی احتیاج باقی ہے اب تک قلب میں اتنا بھی تقاضا پیدا نہیں ہوا کہ الارم کی حاجت نہ رہے اور خود بخود تہجد کے وقت آنکھ کھل جایا کرے۔ اھ

میں نے ان کی تسلی کی کہ آخر کس کس خارجی چیز کی احتیاج سے بچو گے کیونکہ ایک الارم ہی کیا سینکڑوں خارجی چیزوں کی احتیاج ہے لباس کی احتیاج ہے مکان کی احتیاج ہے اور سینکڑوں ضروریات زندگی کی احتیاج ہے اور یہ سب خارجی چیزیں ہیں ان سب سے بچو جب اتنی ساری خارجی چیزوں کی احتیاج سے نہیں بچ سکتے تو ایک الارم کی احتیاج بھی سہی کس فکر میں پڑے جب خود اللہ میاں ہی نے ہمیں اپنی نعمتوں کا محتاج بنایا ہے تو پھر ہم ان نعمتوں سے کیوں استغناء کی تمنا کریں۔

گر طمع خواہد ز من سلطان دیں خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

(اگر دین کا مالک مجھ سے یہی چاہتا ہے تو اس کے بعد میری قناعت کے سر پر خاک ہو)

اگر بغیر الارم کے آنکھ نہیں کھلتی تو اس کا افسوس ہی کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے الارم گھڑی دے ہی رکھی ہے اس سے کام لینا چاہیے مقصود تو جاگ اٹھنا ہے چاہے الارم سے ہو چاہے بلا الارم کے جب مقصود حاصل ہے تو پھر اس کا کیا غم کہ بلا الارم کے آنکھ کیوں نہیں کھلتی۔ اھ

اللہ تعالیٰ کا خاص کرم

حضرت والا نے اس واقعہ کو نقل فرما کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے صحیح صحیح باتیں ذہن میں ڈال دی ہیں جن کی وجہ سے لوگ ظلمت سے نکل کر نور میں تو پہنچ گئے ہیں اور راستہ بالکل صاف نظر آنے لگا ہے جیسے بجلی والے بجلی جلا دیں تو ظلمت دفع ہو کر راستہ صاف نظر آنے لگتا ہے۔ اس کے بعد اللہ میاں نے آنکھیں دی ہیں پاؤں دیئے ہیں ان سے کام لیا جائے تو بے کھٹکے راستہ قطع کر کے جہاں جانا ہے وہاں بسہولت پہنچ سکتا ہے۔ اب اگر کوئی پاؤں ہی نہ اٹھائے یا الٹے سیدھے قدم رکھتا ہوا اور ٹھوکریں کھاتا ہوا چلے یا آنکھیں بند کر کے چلے تو بجلی والوں کا کیا قصور۔ اللہ تعالیٰ نے جو قرآن شریف کی تعریف میں فرمایا ہے **ھذا بصائر من ربکم ھدی ورحمة** ۔ اس کے متعلق میرے ذہن میں یہی نکتہ آیا تھا کہ بصائر تو گویا آنکھیں ہیں اور ہدیٰ راستہ اور رحمۃ منزل۔ اھ

ایک بار نہایت قوت اور وثوق کے ساتھ فرمایا کہ چاہے مجھے عمل کی توفیق نہ ہو لیکن اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ طریق میں تو کوئی کسی قسم کا ذرہ برابر بھی شک وشبہ نہیں رہا۔ اھ

غرض بعون اللہ تعالیٰ حضرت والا نے طریق کو بالکل ہی واضح اور آسان فرما دیا ہے اگر کوئی اصول سے چلے تو انشاء اللہ تعالیٰ منزل مقصود تک نہایت آسان کے ساتھ رسائی ہو سکتی ہے۔

بعض خاص خاص اصول مہمہ استفاضہ از حضرت والا

اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سہولت استحضار کے لیے چند بہت ہی خاص خاص اصول جن کا پیش نظر رکھنا انشاء اللہ تعالیٰ حضرت والا سے فیض حاصل کرنے میں بہت معین ہو گا مختصراً بطور خلاصہ باب ہذا ہدیۂ ناظرین کر دیے جائیں اور تفصیل بقدر ضرورت مضامین باب ہذا سے معلوم ہو ہی چکی ہے۔ انہیں یہ اصول بھی مستنبط ہیں۔

۱: سب سے پہلے کتب اصلاح کا مطالعہ

سب سے پہلے طالب کو حضرت والا کا رسالہ قصد السبیل ایک بار یا دو بار بغور ملاحظہ کرنا چاہیے۔ اس سے اجمالاً طریق کی حقیقت واضح ہو جائے گی اور مقصود معلوم ہو جائے

گا، ور اگر خود سمجھ میں نہ آئے تو کسی دوسرے فہیم آدمی سے سمجھ لیا جائے۔ اور اگر حضرت والا سے رجوع کرنے کے قبل حضرت والا کی دیگر تصانیف بھی دیکھ لی جائیں بالخصوص تعلیم الدین، اصلاح الرسوم، بہشتی زیور اور مطبوعہ مواعظ جتنے بھی میسر آسکیں تو طریق کی بقدر حاجت تفصیل بھی معلوم ہو جائے اور اپنی اصلاح کے متعلق حضرت والا سے خط و کتابت کرنے میں بہت سہولت ہو جائے۔ ورنہ اکثر طالبین بوجہ ناواقفیت مبادی طریق بے اصول باتیں لکھتے ہیں جن پر حضرت والا کو بار بار استفسارات کرنے پڑتے ہیں اور تحصیل مقصود میں تاخیر ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض کو حضرت والا نے آخر میں یہ تحریر فرما دیا کہ اول میرے سو وعظ دیکھو اس کے بعد لکھو جو لکھنا ہو۔

۲: اصل مقصود پر نظر رکھیں

ابتداء بیعت کی درخواست نہ کریں نہ بیعت کو ضروری سمجھیں کیونکہ اصل مقصود تعلیم طریق حاصل کرنا ہے لہٰذا پہلے اسی کی خود درخواست کریں جب باہم پوری مناسبت ہو جائے اس وقت بیعت کی درخواست کا بھی مضائقہ نہیں۔ لیکن اگر حضرت والا یہ فرما دیں کہ ابھی مناسبت پیدا نہیں ہوئی تو بے چون و چراں مان لیں کیونکہ قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید۔ اور ہرگز بیعت پر اصرار نہ کریں بلکہ تحصیل مناسبت کی سعی میں پہلے سے زیدہ توجہ کے ساتھ مشغول ہو جائیں کیونکہ یہ معلوم ہو ہی چکا ہے کہ جب تک حضرت والا کو طلب صادق کا پورا اطمینان نہیں ہو جاتا اور باہم پوری مناسبت کا احساس نہیں ہو جاتا حضرت والا بیعت نہیں فرماتے اور اسی وقت لطف بھی بیعت کا ہے اور اس سے پہلے بیعت کچھ مفید بھی تو نہیں بلکہ بعض وجوہ سے مضر ہے۔

حضرت والا کے اس اصول پر بعض نادان مدعیان مشیخت نے یہ اعتراض کیا کہ یہ تو فن سلوک کے اس مسلم مسئلہ کے خلاف ہے کہ شیخ کو اشاعت طریق کا حریص ہونا چاہیے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ اشاعت طریق بیعت سے نہیں ہوتی ہے بلکہ تعلیم سے ہوتی ہے اور تعلیم طریق سے مجھے کب انکار ہے بلکہ میں تو کہہ سکتا ہوں کہ تعلیم طریق الحمد للہ میرے یہاں اتنی ہوتی ہے کہ اتنی کہیں بھی نہ ہوتی ہو گی کیونکہ میرے یہاں اس کے سوا اور کوئی چرچا ہی نہیں۔ اھ

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ واقعی اشاعت طریق کے تو حضرت والا اس قدر حریص ہیں

کہ اتنا شاید ہی کوئی دوسرا ہو۔ بارہا فرمایا کہ میں جو کچھ طریق کی حقیقت سمجھے ہوئے ہوں بس جی چاہتا ہے کہ ساری دنیا کو سمجھ دوں اور جب لوگ نہیں سمجھتے تو سخت الجھن ہوتی ہے کہ کس طرح ان کے دل میں دل ڈالدوں اور یہ بھی لوگوں سے میرے الجھنے کی ایک وجہ ہے۔ اھ

واقعی دیکھنے والے ہمیشہ دیکھتے ہیں کہ جب کوئی صحیح مخاطب آجاتا ہے تو حضرت والا نہایت جوش وخروش کے ساتھ حقائق ومعارف کی گرما گرم تقریریں دیر دیر تک اپنی مجلس شریف میں فرماتے رہتے ہیں اور افادات کے دریا بہا دیتے ہیں۔

۳: فیض حاصل کرنے کا بہترین طریقہ

حضرت والا سے استفاضہ کی بہترین صورت یہ ہے کہ پہلے اجازت لے کر کچھ عرصہ تک خاموشی کے ساتھ حضرت والا کی مجلس شریف میں بیٹھے رہیں اور ارشادات کو نہایت توجہ سے سنتے رہیں اور واقعات کو بغور دیکھتے رہیں تاکہ طریق سے اور حضرت والا سے مناسبت پیدا ہو جائے اور اصلاح کرانے کا طریقہ معلوم ہو جائے پھر اپنے مستقر پر پہنچ کر ایک ایک عیب لکھتے رہیں اور اپنی اصلاح کراتے رہیں۔ لیکن جب تک ایک عیب کی اصلاح میں رسوخ نہ ہو جائے دوسرا عیب نہ پیش کریں اور اسی دوران میں بعد چندے خواہ ذکر وشغل بھی پوچھ لیں لیکن بدوں سلسلہ اصلاح نفس کے شروع کئے صرف ذکر وشغل کے متعلق کوئی درخواست نہ کریں کیونکہ حضرت والا محض ذکر وشغل کی تعلیم کو حصول مقصود کے لیے ہرگز کافی نہیں سمجھتے۔ اور ذکر وشغل کی درخواست کے ساتھ یہ بھی برابر اطلاع کرتے رہیں کہ اصلاح کے متعلق بھی خط وکتابت جاری کر رکھی ہے کیونکہ بدوں اطلاع اتنے طالبین کے حالات کا یاد رکھنا بہت مشکل ہے۔

۴: اصلاح کے اصول پر کاربند رہیں

اپنے نفس کی ہر وقت نگرانی رکھیں اور عیوب نفس کی اصلاح کے لیے حضرت والا کے زریں اصول یعنی استحضار وہمت سے برابر کام لیتے رہیں اور گو شروع میں قدرے تعب ہو لیکن تکرار مخالفت نفس سے پھر انشاء اللہ سہولت ہونے لگے گی۔

چنانچہ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ تکرار عمل ہی سے عمل میں سہولت بھی ہونے لگتی ہے لیکن سہولت کے منتظر نہ رہیں عمل بہرحال کرتے رہیں چاہے عمر بھر بھی سہولت نہ ہو۔ اھ

نیز حضرت والا کا ہمت کے متعلق یہ ارشاد بھی پیش نظر رکھیں کہ وہ ہمت ہی نہیں جس کے بعد کامیابی نہ ہو وہ تو ہمت کی محض نیت ہے کیونکہ اختیاری کوتاہیوں سے بچنے کے لیے اگر پوری ہمت سے کام لیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ کامیابی نہ ہو۔اھ

حضرت والا اکثر یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ کم ہمتی سے کوئی کوتاہی ہو جائے تو فوراً توبہ کرکے پھر ہمت سے کام لینے لگیں اور مایوس نہ ہوں نہ اس غم میں پڑیں کہ کوتاہی کیوں ہوگئی۔کوتاہی کا تدارک بھی عمل ہی سے ہو جائے گا۔اس موقع پر حضرت والا کے مکتوب تسہیل الطریق کے مضمون کا اعادہ بہت کارآمد ہوگا کیونکہ اس میں طریق کا مکمل دستورالعمل مذکور ہے وہ مضمون یہ ہے کہ غیر اختیاری کی فکر میں نہ پڑیں۔اختیاری میں ہمت سے کام لیں۔اگر کوتاہی ہو جائے ماضی کا استغفار سے تدارک کرکے مستقبل میں پھر تجدید ہمت سے کام لینے لگیں اور استعمال ہمت کے ساتھ دعا کو بھی التزام رکھیں اور بہت لجاجت کے ساتھ۔اھ

۵: ذکر کی مقدار مناسب رکھیں

جب ذکر و شغل کی اجازت حاصل کر لی جائے تو ذکر کی مقدار بقدر تحمل و فرصت مقرر کریں جو نہ اتنی کم ہو کہ کچھ مشقت ہی نہ ہو نہ اتنی زیادہ ہو کر نبھ نہ سکے حتی الامکان اپنے معمولات ناغہ نہ ہونے دیں ناغہ سے بڑی بے برکتی ہو جاتی ہے۔چلتے پھرتے اور فارغ اوقات میں بھی کوئی ذکر اپنا معمول رکھیں۔

حضرت والا نے ایک بار احقر سے فرمایا کہ اپنا اصل کام ذکر کو سمجھیں جب ضرورت ہو بول لیں اور پھر مشغول ہو جائیں جیسے درزی کپڑا سیتا رہتا ہے اور ضرورت میں بول بھی لیتا ہے لیکن اس کی اصل توجہ کپڑا سینے ہی کی طرف رہتی ہے۔

قلت کلام کی ایک یہ تدبیر بھی حضرت والا نے احقر کو بتائی تھی کہ ابتداءً بکلام نہ کریں الا بضرورت اگر دوسرا کوئی بات پوچھے تو بقدر ضرورت جواب دے کر پھر ذکر میں مشغول ہو جائیں۔اسی طرح بلا ضرورت کسی کے پاس نہ جائیں۔اھ۔حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ بلا ضرورت لوگوں سے میل جول نہ بڑھائیں اگر ذکر و خلوت سے جی اکتا جائے تو بال بچوں میں یا ہم مشرب احباب میں کچھ دیر دل بہلا لیں۔جب نشاط پیدا ہو جائے پھر اپنے کام میں لگ جائیں۔اھ۔ حضرت والا مباحات کے انہماک اور بالکلیہ ترک دونوں کو باعتبار نتائج کے مضر بتلاتے ہیں۔

۶: نیت خالص رکھیں

اوراد۔دواذکار نماز وتلاوت وغیرہ جو نیک عمل کرے اس نیت سے کرے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت قلب میں پیدا ہو اور اس کی رضا حاصل ہو۔خالی الذہن ہو کر محض بطور عادت کے نہ کرے اور جو کیفیت حضور حق کی اس عمل سے پیدا ہو اس کو بعد فراغ بھی محفوظ رکھنے کا برابر خیال رکھے۔دھن اور دھیان کی اس طریق میں سخت ضرورت ہے۔

اندریں رہ می تراش و می خراش　　　　تادم آخر دمے فارغ مباش۔اھ

۷: قلب کو تشویش سے بچائیں

جمیع مشوشات قلب سے اپنے آپ کو بچائے رکھے۔جس میں صحت کی حفاظت بھی داخل ہے کیونکہ جمعیت قلب اس طریق میں مدار نفع ہے۔

۸: خودرائی وخود بینی سے پرہیز

حضرت والا اس طریق میں خودرائی اور خود بینی کو سب سے بڑا مانع سمجھتے ہیں اور اس شعر کو اکثر فرمایا کرتے ہیں۔

فکر خود ورائے خود درعالم رندی نیست　　　　کفر است دریں مذہب خود بینی وخودرائی

(رندی میں اپنی فکر اور اپنی رائے نہیں ہوتی اس مذہب میں خود بینی اور خودرائی کفر ہے)

اور فرمایا کرتے ہیں کہ کوئی اپنی رائے اور تجویز کو فنا کر کے تو دیکھے پھر اللہ تعالیٰ وہ دولتیں عطا فرماتے ہیں جو اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتیں۔اسی میں اتباع شیخ بھی داخل ہے جس کی سخت ضرورت ہے۔اپنی رائے سے کچھ نہ کرے اور علاوہ ادب طریق کے شیخ کے اتباع میں ہر قسم کی سہولت اور راحت اور بے فکری بھی تو ہے لہٰذا بہت جلد جلد اپنے حالات کی اطلاع اور شیخ کی تجویزات کی اتباع کا سلسلہ جاری رکھے۔اور شیخ جس امر کے متعلق جو تجویز کرے اس کو بے چون وچرا مان لے اور اسی کے مطابق کامل اعتماد کے ساتھ عمل میں مشغول رہے خواہ کتنا ہی نفس کو ناگوار ہو حضرت حافظؒ فرماتے ہیں۔

سعی ناکردہ دریں راہ بجائے نرسی　　　　مزد اگر می طلبی طاعت استاد ببر

(اس راہ میں کوشش کے بغیر تو کسی مقام کو نہ پہنچ سکے گا،اگر کامیابی چاہتا ہے تو استاد کی اطاعت کر)

اشرف السوانح-جلد۲ ص30

بس اصل چیز کام میں مشغول رہنا ہے ثمرات جو اس کے مناسب استعداد ہوں گے وہ خود ہی مرتب ہوتے رہیں گے۔ حضرت والا اس کے متعلق حضرت حافظؒ کے یہ اشعار اکثر فرمایا کرتے ہیں۔

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن
که خواجہ خود روش بندہ پروری داند

(تو مزدوری کی شرط پر غلامی نہ کر کیونکہ آقا خود ہی غلاموں کی پرورش کی خوب جانتا ہے)

در طریقت ہر چہ پیش سالک آید خیر اوست
بر صراط مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

فنا کے متعلق حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ فنا اس طریق کا اول قدم ہے جیسا کہ ایک معنی کر آخر قدم بھی ہے۔ اگر کسی کو یہ حاصل نہیں تو سمجھ لو کہ اس کو اس طریق کی ہوا بھی نہیں لگی۔ اھ

احقر عرض کرتا ہے کہ حضرت والا کے یہاں اس صفت کے پیدا کرنے کا سب سے زیادہ اہتمام ہے۔ اگر اس اہتمام کی کامل موافقت کی جائے اور گو نفس کو طبعاً کتنا ہی ناگوار ہو لیکن عقلاً گوارا کر لیا جائے تو فنا کی دولت جو بڑے بڑے سخت مجاہدات سے سالہا سال میں بھی بمشکل حاصل ہوتی ہے حضرت والا کے طریق اصلاح سے بفضلہ تعالیٰ بہت جلد حاصل ہو جاتی ہے۔

۹: حقوق العباد کی نگہداشت رکھیں

حضرت والا کے یہاں حقوق العباد کی نگہداشت کی سخت تاکید ہے۔ بالخصوص وہ حقوق جن میں کوتاہی کرنے سے کسی کو اذیت ہو۔ لہٰذا اس کا بہت ہی خصوصیت کے ساتھ اہتمام رکھیں کہ اپنے کسی قول یا کسی فعل سے کسی کو کسی قسم کی ایذا نہ پہنچے۔

۱۰: اصلاح عیوب کا طریقِ عمل

اس اخیر نمبر میں اس طریق عمل کا ذکر کیا جاتا ہے جو ہر طالب اصلاح کو اپنے عیوب کی اصلاح کرانے کے لیے اختیار کرنا چاہیے۔ وہ حسب ارشاد حضرت والا یہ ہے کہ ایک کاغذ پر اپنی سب برائیاں لکھ لیں اور جو جو یاد آتی رہیں اس میں لکھتے رہیں اور ان کا علاج بھی استحضار اور استعمال اختیار و ہمت سے کرتے رہیں اور علاج سے جو بالکل زائل ہو جاویں ان کا نام کاٹ دیں اور جو رہ جائیں پوری یا ادھوری ان کو لکھا رہنے دیں پھر جب حضرت والا کی خدمت میں اپنی اصلاح کے متعلق خط لکھنے بیٹھیں تو ان برائیوں میں سے جو اپنے نزدیک سب سے زیادہ اہم ہو پہلے اس کو لکھیں اور اگر تعیین میں تشویش ہو تو قرعہ ڈال لیں جس عیب کا نام نکل آوے

وہی لکھ دیں اور اگر اس کا کچھ علاج کیا ہو اس کی بھی اطلاع کر دیں۔ ایک عیب سے زیادہ ایک بار میں نہ لکھیں اور اس عیب کی چند مثالیں بھی لکھیں اور جب تک اس عیب کے علاج میں رسوخ نہ ہو جائے برابر اسی کے متعلق خطوط بھیجتے رہیں اور جب رسوخ ہو جائے اور حضرت والا بھی اس رسوخ کی تصدیق فرمادیں اور دوسرا عیب پیش کرنے کی اجازت عطا فرمادیں اس وقت دوسرا عیب پیش کریں بس اسی طرح اپنے سارے عیوب کی اصلاح کرائیں۔

حصول مقصود کیلئے ایک آسان دعا

اب ان نمبروں کو ایک دعاء ماثور پر ختم کرتا ہوں جو حسن اتفاق سے مناجات مقبول پڑھتے وقت نظر سے گزری تو اسی وقت بے ساختہ یہ ذہن میں آیا کہ اس میں تو حضرت والا کے سلوک مسنون کا گویا خلاصہ اور حقیقی تصوف کے سارے مقامات عالیہ کے حصول کی دعاء موجود ہے۔ جس سے حضرت والا کی تعلیمات واحوال کے مطابق کتاب وسنت ہونے کی بھی تصدیق ہوتی ہے۔ اگر طالبین اس دعاء کو سہولت استحضار نیز حصول برکت وتوفیق عمل کے لیے کبھی کبھی پڑھ لیا کریں تو انشاء اللہ تعالیٰ تسہیل طریق اور حصول مقصود میں بہت اعانت ہو وہ دعاء ماثور یہ ہے۔

اللھم انی اسئلک توفیق اھل الھدیٰ و اعمال اھل الیقین و مناصحۃ۔

یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے توفیق اہل ہدایت کی سی اور عمل اہل یقین کے سے اور اخلاص

اھل التوبۃ و عزم اھل الصبر و جد اھل الخشیۃ وہ طلب اھل الرغبۃ و عرفان اہل توبہ کا سا اور ہمت اہل صبر کی سی اور کوشش اہل خوف کی سی اور طلب اہل شوق کی سی اور معرفت **اھل العلم حتیٰ القاک** اہل علم کی سی یہاں تک کہ ملوں میں تجھ سے۔

حضرت والا کے طریق سلوک کی حقیقت

بس اب احقر باب ہذا ارشاد وافاضہ باطنی کو حضرت والا کے ایک ایسے ارشاد پر ختم کرتا ہے جس میں حضرت والا نے خود اپنے سلوک کی حقیقت نہایت واضح اور لطیف عنوان سے بیان فرمائی ہے اور جس کو شاید میں کسی موقع پر نقل بھی کر چکا ہوں۔

کسی سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہاں تو ملا نا پن ہے ہم نہیں جانتے کہ درویشی کیا چیز ہے۔ طالب علم میں صاحب علم بھی نہیں بس قرآن وحدیث پر عمل کرنا بتاتے ہیں پھر اسی میں جو کچھ کسی

کو ملنا ہوتا ہے مل جاتا ہے اور ایسا ملتا ہے کہ **مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر من امثالنا**۔ یعنی جو ہم جیسوں میں سے نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی کے قلب میں اس کا خطرہ تک گزرا مگر ظاہر میں کچھ نہیں نہ ہوحق ہے نہ حال قال ہے نہ وجد وکیف ہے نہ کشف وکرامت ہے۔ پھیکا پھ کا طرز ہے جیسے سمندر کی مچھلی کہ خود اس کے اندر نمک ہوتا ہے۔ اوپر سے نمک ڈالنے کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن اس کے اندر کا نمک پکنے کے بعد کھلتا ہے پس یہاں بھی اوپر کا نمک نہیں ہے مگر اندر ہے جو پکنے کے بعد کھلتا ہے۔ اھ

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ سبحان اللہ حقیقی اور مسنون تصوف تو یہی ہے جو حضرت والا کے یہاں ہے لیکن اس کے ثمرات مذکورہ کا ظہور جبھی ہوتا ہے جب طریق کے موافق رجوع کیا جائے اور باقاعدہ کم کیا جائے کیونکہ اس طریق میں حسب ارشاد حضرت والا کام ہی سے کامیابی ہوتی ہے۔

کارکن کار بگذر از گفتار　　　اندریں راہ کار باید کار

(کام کر کام باتوں کو چھوڑ، اس راہ میں تو کام چاہیے کام)

قدم باید اندر طریقت نہ دم　　　کہ اصلے ندارد دم بے قدم

(طریقت میں عمل چاہیے نہ کہ دعویٰ، کیونکہ عمل کے بغیر دعوی کی کوئی حقیقت نہیں ہے)

اس لئے حضرت والا نے ملفوظ بالا میں سمندر کی مچھلی کی تمثیل میں یہ قید لگائی ہے کہ پکنے کے بعد اس کا نمک کھلتا ہے لہذا پکانا شرط ہے۔ اور اسی میں طالبین عموماً کوتاہی کرتے ہیں یا تو کام نہیں کرتے یا بے ڈھنگے پن سے کام کرتے ہیں۔ اگر حضرت والا کے ارشاد فرمودہ اصول کے مطابق کام کریں تو وہ خود ثمرات و برکات ارشاد فرمودہ کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کرلیں۔ جیسا کہ بفضلہ تعالیٰ صدہا نے کرلیا ہے اور جس کو محرومی ہوتی ہے اپنے ہی بے ڈھنگے پن سے ہوتی ہے۔ حسب ارشاد حضرت عارف شیرازیؒ

ہر چہ ہست از قامت ناساز بے اندام ماست　　　ورنہ تشریف تو بر بالائے کس کوتاہ نشست

اصل تقریر حسب ارشاد حضرت عارف شیرازیؒ یہ ہے کہ

سعی ناکردہ دریں راہ بجائے نہ رسی　　　مزد اگر می طلبی طاعت استاد ببر

(تو اس راہ میں کوشش کے بغیر کسی مقام تک نہ پہنچے گا، اگر تو کامیابی چاہتا ہے تو استاد کی اطاعت کر)

اور حضرت والا نے جو اپنے ارشاد بالا میں یہ فرمایا کہ ایسا ملتا ہے کہ ہم جیسوں میں سے نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی کے قلب میں اس کا خطرہ تک گذرا اس کا سبب ایک حقیقت شناس اہل علم کے قول کا حوالہ دے کر حضرت والا یہ فرمایا کرتے ہیں کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے سلسلہ میں جو اس قدر جلد وصول الی اللہ ہو جاتا ہے حالانکہ نہ یہاں کچھ زیادہ ریاضات ہیں نہ مجاہدات تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سلسلہ میں وصول بطریق جذب ہوتا ہے۔ بطریق سلوک نہیں ہوتا اور یہ جذب برکت ہے اتباع سنت کی کیونکہ اتباع سنت کا ثمرہ بوجہ تشبیہ بالمحبوب کے محبوبیت عنداللہ ہے اور محبوبیت کے لیے جذب لازم ہے۔ اھ

ربنا اتمم لنا نورنا واغفرلنا انک علے کل شئ قدیر۔

شکر نعمت

لاکھ شکر کے باب تمام ہوا

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ محض اس کے فضل و کرم اور حضرت صاحب سوانح کی توجہات و دعوات کی برکت سے اشرف السوانح کا یہ اہم ترین باب ارشاد و افاضہ باطنی بھی ختم ہوا جس کے لکھنے کے لیے احقر کو بوجہ عدم اہلیت قلم اٹھانے کی بھی ہمت نہ ہوتی تھی۔

روز ہجران و شب فرقت یار آخر شد　　　　زدم ایں فال و گذشت اختر و کار آخر شد

(محبوب کی جدائی و دوری کے دن رات ختم ہو گئے، میں نے یہ فال نکالی، عید گذری اور کام تمام ہو گیا)

صبح امید کہ بد معتکف پردۂ غیب　　　　گو بروں آئے کہ کار شب تار آخر شد

(اُمید کی صبح جو غیب کے پردہ کے پیچھے اعتکاف کیے ہوئے ہے اس سے کہہ کہ باہر آئے تاکہ اندھیری رات ختم ہو)

شکر ایزد کہ باقبال کلہ گوشۂ گل　　　　نخوت بادی و شوکت خار آخر شد

(اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ پھول کی کلی کے بلند ہونے سے جنگل کی نخوت اور کانٹے کی جوانی ختم ہوئی)

آں پریشانی شبہائے دراز و غم دل　　　　ہمہ در سایۂ گیسوئے نگار آخر شد

(وہ لمبی راتوں کی پریشانی اور دل کا غم، سب چیزیں محبوب کی زلفوں کے سایہ میں آکر ختم ہو گئیں)

ساقیا عمر دراز و قدحت پرمے باد　　　　کہ بسعی تو ام اندوہ خمار آخر شد

(اے ساقی! لمبی عمر اور شراب سے بھرا ہوا جام ہونا چاہیے تاکہ تیری کوشش سے غم و مستی ختم ہو)

گرچہ آشفتگی کار من از زلف تو بود
حل ایں عقدہ ہم از روئے نگار آشد

(اگرچہ میرے معاملہ کی پریشانی تیری زلف کی وجہ سے تھی، یہ الجھن بھی محبوب کے حسین چہرہ سے حل ہوئی)

در شمار ار چہ نیا ورد کسے حافظ را
شکر کاں محنت بیحد و شمار آخر شد

(اگرچہ حافظ کو کوئی شمار میں نہیں لاتا، شکر ہے کہ وہ بے شمار و بے انتہا محنت ختم ہوئی)

جہاں تک ہو سکا اس نااہل و ناکارہ نے اپنی بساط کے موافق اس امر کی بے حد کوشش کی کہ اس باب میں حضرت والا کا مجموعی طریق ارشاد و افاضہ پوری طرح قلمبند ہو جائے اور بعون اللہ تعالیٰ و بحمدہ حضرت والا کے ارشاد فرمودہ صدہا مسائل ضروریہ اور تحقیقات نادرہ معرض تحریر میں بھی آ گئے

ع زبان لاکھ چلائی مگر بیان نہ ہوا

لیکن جب میں حضرت والا کے طریق ارشاد و افاضہ کی اصل جلالت شان کو اپنے ذہن میں مستحضر کرتا ہوں تو واللہ! اپنی یہ نقل اس کے ظاہر کرنے کے لیے بالکل ہی ناکافی نظر آتی ہے اور رہ رہ کر یہ حسرت ہوتی ہے کہ افسوس کچھ بھی نہیں لکھا گیا کیونکہ بقول غالب ؎

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے میرے ارماں لیکن پھر بھی کم نکلے

اور بقول احقر ؎

عیاں نہ ہونا تھا یہ حال دل عیاں نہ ہوا
زبان لاکھ چلائی مگر بیاں نہ ہوا

لیکن اگر احقر اس معیار کے مطابق جو احقر کے ذہن میں ہے حضرت والا کی شان ارشاد و افاضہ کو بیان کرنے پر قادر بھی ہو جاتا تب بھی جو اصل شان ہے وہ پھر بھی مخفی کی مخفی ہی رہتی۔ کیونکہ حضرت والا کی کماحقہ معرفت اس نااہل کو تو کیا ہوتی کسی کو بھی نہیں ہوئی نہ میرے نزدیک ہو سکتی ہے کیونکہ اس پایہ کے حضرات کہیں صدیوں میں ایک دو ہوتے ہیں لہٰذا بقول ایک حقیقت شناس کے اس کی تمنا ہی فضول ہے کہ حضرت والا کا کوئی ایسا فیض یافتہ ہو جس میں حضرت والا کی ساری صفات موجود ہوں۔ ایسا جامع صفات تو کوئی نہ ہوگا بس یہی ہوگا کہ کسی میں حضرت والا کی کوئی صفت ہوگی کسی میں کوئی۔ اھ۔ واقعی بالکل سچ کہا۔

حضرتِ والا کی کماحقہٗ معرفت کسی کو نہیں ہوئی

حضرت والا کی کماحقہ معرفت کسی کو نہ ہونے پر خود حضرت والا ہی کا ایک تحریر ارشاد دیاد

آیا۔ حضرت والا کے خواہرزادہ اور مجاز خاص جناب مولانا مولوی ظفر احمد صاحب مدت فیوضہم نے بربناء خصوصیت تعلق اپنے ایک عریضہ میں نہایت اشتیاق کے ساتھ اور کسی حدیث شریف کا حوالہ دے کر حضرت والا سے یہ پوچھا کہ اپنے خدام یعنی منتسبین میں سب سے زیادہ محبوب آپ کو کون ہے اور یہ بھی وعدہ کیا کہ اگر اس راز کو پوشیدہ رکھنے کے لئے حکم ہوگا تو عمر بھر کسی پر ظاہر نہ کروں گا۔ اس پر حضرت والا نے بے تکلف تحریر فرمایا کہ میں کبھی بتلانے میں پس وپیش نہ کرتا اگر کوئی اس کا مصداق ہوتا برخوردار من سچ بات یہ ہے کہ اب تک۔

ہر کسے از ظن خود شد یار من　　　　و ز درون من نجست اسرار من

(ہر کوئی اپنے خیال میں میرا دوست ہے اور حالت یہ ہے کہ کسی نے میرے اندر کے اسرار نہ پائے)

پوری مناسبت کسی کو نہیں ہوئی اور اجنبیت کا مدار وہی ہے ممکن ہے اس کا منشاء میری ہی کمی ہو چونکہ حضرت والا کو بوجہ کسی کی ادنیٰ بھی دل شکنی گوارا نہیں اس لئے اپنے اس جواب کی اشاعت کی ممانعت فرمادی۔ لیکن جناب مولانا ظفر احمد صاحب نے مکرر بذریعہ عریضہ عرض کیا کہ یہ جواب تربیت السالک میں نقل ہوجانا سالکین کے لیے زیادہ نافع معلوم ہوتا ہے شاید کسی اللہ کے بندہ کو حضرت سے پوری مناسبت پیدا کرنے کا شوق پیدا ہوجائے۔ اھ

اور یہ بھی لکھا کہ میری جو حالت اس جواب کو دیکھ کر ہوئی واللہ میں کیا عرض کروں سچ فرمایا۔

ہر کسے از ظن خود شد یار من　　　　و ز درون من نجست اسرار من

(ہر کوئی اپنے خیال میں میرا دوست ہے اور حالت یہ ہے کہ کسی نے میرے اندر کے اسرار نہ پائے)

واللہ مجھے حضرت والا کے اسرار معلوم ہوجانے کی بہت طلب ہے اور یہی اس سوال کا منشاء ہے۔ اگر اس نالائق کے ضبط وتحمل سے زیادہ اسرار نہ ہوں تو خدا کرے مجھ کو معلوم ہوجائیں۔ اھ

اس کا حضرت والا نے یہ جواب تحریر فرمایا۔

عزیزم۔ بہتر ہے نقل کرادیا جائے۔ مجھ کو صرف یہ خیال مانع ہوا تھا کہ احباب کی دل شکنی نہ ہو۔ باقی جب اس سے اہم مصلحت نقل میں ہے موافقت کرتا ہوں۔ برخوردار من میرے اسرار ہی کیا ہوتے مولانا کا قول تو میں نے تبرکاً نقل کردیا ہے۔ مراد میری یہ ہے کہ میرے مذاق سے پوری مناسبت کسی نے پیدا نہیں کی سو عزیز من یہ بات میرے کرنے کی نہیں خود اہل محبت کا

فعل ہے۔ تتبع، استحضار اور اتباع اس کا طریق ہے واللہ الموفق۔ اور اس مناسبت کے بعد خود بخود مجھ کو اظہار اسرار کا جوش ہوگا اگر کچھ اسرار ہوں گے یا نئے پیدا ہو جائیں۔ اھ

غرض جب کسی کو حضرت والا کے اسرار کا کما حقہ علم ہی نہ ہو سکا تو کوئی لاکھ بیان کرے حضرت والا کی اصل شان بیان ہو ہی نہیں سکتی۔

ہے عقل و فہم سے بالا مقام حضرتِ والا ۔۔۔ کوئی جانے تو کیا جانے کوئی سمجھے تو کیا سمجھے

فہمِ سلیم والوں کے لئے نشانِ منزل

لہٰذا باوجود احقر کی کوشش بلیغ اور اس باب کے اتنے طویل ہو جانے کے بھی حضرت والا کی اصل شان ارشاد و افاضہ ظاہر نہ ہونی تھی نہ ہوئی۔ غرض احقر پر تو حضرت حافظ علیہ الرحمہ کا یہ شعر حرف بحرف صادق آ رہا ہے ؎

گداخت جاں کہ شود کار دل تمام ونشد ۔۔۔ بسوختیم دریں آرزوئے خام ونشد

(جان اس لئے پگھلائی کہ دل کا مقصد پورا ہو اور وہ نہ ہوا، ہم نے اپنے آپ کو اسی آرزو میں خود کو جلا دیا اور وہ پوری نہ ہوئی)

اور حضرت والا پر احقر کا یہ شعر ؎

وہ راز ہوں جو عیاں ہو کے بھی عیاں نہ ہوا ۔۔۔ وہ نکتہ ہوں جو بیان ہو کے بھی بیاں نہ ہوا

اور دونوں کی مجموعی حالت پر حضرت سعدی علیہ الرحمتہ کا یہ شعر ؎

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں ۔۔۔ بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

(نہ اس کے حسن کی انتہاء ہے نہ سعدی کی بات کی کوئی حد ہے، استسقا کی بیماری والا پیاسا مر جاتا ہے اور دریا اسی طرح باقی رہتا ہے)

تاہم یہ مجموعہ انشاء اللہ تعالیٰ ناظرین کرام کے سامنے حضرت والا کے طریق ارشاد و افاضہ کا اجمالی خاکہ تو ضرور ہی پیش کر دے گا جس سے صاحبان فہم سلیم اور حضرات اہل ذوق انشاء اللہ تعالیٰ حضرت والا کی اصل شان ارشاد و افاضہ کا بھی فی الجملہ اندازہ لگا سکیں گے۔

جسے منزل سمجھ رکھا تھا وہ اِک خوابِ منزل تھا

حضرت والا کا اس زمانہ میں قطب ارشاد اور مرکز رشد و ہدایت ہونا اللہ تعالیٰ نے اس طرح بھی ظاہر فرما دیا ہے کہ اس زمانہ میں چونکہ کوئی اس نمایاں شان کا محقق شیخ نظر نہیں آتا ہر طالب صادق کی

نظر حضرت والا ہی کی طرف جاتی ہے چنانچہ اکثر طالبین کے خطوط اسی مضمون کے آتے ہیں کہ سوائے حضور کے اور کوئی محقق شیخ ہی نظر نہیں آتا اس سئے اور کسی پر طبیعت ہی نہیں جمتی۔

غرض حقیقت یہ ہے کہ حضرت والا نے بعون اللہ تعالیٰ تمام ضروری حقائق طریق کو روز روشن کی طرح واضح فرما کر خلق پر حجت تمام فرما دی ہے اور مدت سے خواص وعوام نے جو غلط فہمی سے تصوف کا غلط تخیل اپنے ذہنوں میں جما رکھا تھا اور غیر مقاصد کو مقاصد سمجھ رکھا تھا اس کو دور کر کے اصلی اور حقیقی تصوف کو روز روشن کی طرح جلوہ گر فرما دیا ہے۔ **فجزاﷲ تعالیٰ خیر الجزاء و متعنا اللہ بہ بطول البقاء**۔

خدا مجذوب کو رکھے سلامت اس نے چونکایا — جسے منزل سمجھ رکھا تھا وہ اک خواب منزل تھا

اس مقطع کو کہتے وقت احقر کا روئے سخن فی الواقع حضرت والا ہی کی طرف تھا اور مجذوب سب سے مراد حضرت والا ہی تھے۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا کو بایں فیوض و برکات روز افزوں مدت مدید تک امت مرحومہ پر بعافیت تمام سایہ گستر رکھے اور سب کو فیضیاب ہونے کی توفیق بخشے آمین ثم آمین۔

مسرت بر مسرت

الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ اس باب کے ختم ہوتے ہی اشرف السوانح حصہ اول جو زیر طبع ہے اس کے پانچ جزو جواب تک طبع ہو چکے ہیں آج ہی بطور نمونہ حاصل ہوئے اس حسن اقتران سے مسرت بر مسرت ہوئی اور بحمد للہ مجذوب دیوانہ یعنی احقر افقر جامع اوراق ہٰذا اس شعر کا پورا پورا مصداق ہو گیا۔

زیکسو بوئے گل وز یکطرف پیغام یار آمد — من آں دیوانہ ام کز ہر دو سوئے من بہار آمد

(ایک طرف سے پھول کی خوشبو اور دوسری جانب سے محبوب کا پیغام آیا ہے، میں وہ دیوانہ ہوں کہ جس کے دونوں جانب سے بہار آئی ہے)

ہدیۂ دل

اب اس ارشاد و افاضہ باطنی کے سب سے آخر میں یہ احقر افقر حضرت صاحب ارشادات وافاضات دامت برکاتہم کی جناب فیض مآب میں عارف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ

کے یہ دعائیہ اشعار پیش کر کے۔

الا اے طوطئ گویائے اسرار مبادا خالیت شکر زمنقار

(سن اے، راز بتانے والے طوطے! تیری چونچ شکر سے خالی نہ ہو)

سرت سبز و دلت خوش باد جاوید کہ خوش نقشے نمودی از خطِ یار

(تیرا سر سبز رہے اور تیرا بخت ہمیشہ رہے کہ تو محبوب کے خط کا اچھا نقشہ ظاہر کیا ہے)

تیمناً و تبرکاً حضرت عارف رومیؒ کی مثنوی شریف کے خاتمہ مصنفہ صاحبزادہ عارف ممدوحؒ یعنی حضرت مولانا الحق بہاء الدینؒ کے ان اشعار پر حضرت والا کے کلام فیض التیام کے بالکل شایان شان ہیں اس باب کو فی الحال بند کئے دیتا ہے۔

شکر کایں نامہ بہ عنوانے رسید کم نشد نقد و بہ اخوانے رسید

(شکر ہے کہ یہ خط کسی پتہ پر پہنچ گیا، رقم کم نہ ہوئی اور بھائیوں تک پہنچ گیا)

نرد بانِ آسمانست ایں کلام ہر کہ ازایں بررود آید ببام

(یہ کلام آسمان کو بلند کرنے والا ہے، جو اس پر سے گذر کر آئے وہ عروج پر پہنچ جاتا ہے)

نے ببام چرخ کاں اخضر بود بل ببامے کز فلک برتر بود

(آسمان کی چوٹی پر نہیں جو کہ سبز ہے بلکہ وہ بلندی جو کہ آسمان سے بھی بلند ہے)

الحمدللّٰہ الذی بنعمته تتم الصالحات

کتبه احقر الزمن عزیز الحسن عفا عنه اللّٰه ذوالمنن و حفظه عن جمیع الفتن ماظهر منها وما بطن لاحدیٰ و عشرین من ذی القعدة (۱۳۵۴ھ) یوم السبت حال اقامته بالخانقاه الامدادیة الاشرفیة بتهانه بهون.

پندرھواں باب

''خلفائے مجازین''

حسب معمول مشائخ حضرت والا اپنے بعض خاص مسترشدین کو بعد تحقق اوصاف ضروریہ جن کا ذکر آگے نمبر ۳ میں آتا ہے اپنی طرف سے مجاز بیعت وتلقین طریق بھی فرما دیتے ہیں تا کہ سلسلہ فیض جاری رہے۔ حضرت والا کے موجودہ خلفائے مجازین کے اسمائے گرامی فہرست خلفائے مجازین میں جو سوانح ہذا کے (حصہ سوئم کے آخر میں منسلک ہے مذکور ہیں وہاں وہاں ملاحظہ فرمائے جائیں۔)

حضرت والا نے بحیثیت ایک مجدد اور حکیم الامت ہونے کے اس امر میں بھی مثل دیگر امور دینیہ کے حسب ضرورت زمانہ بعض خاص اصلاحیں فرمائی ہیں۔ اھ

ا: خلفاء کے نام پتہ کا باقاعدہ اندراج رکھنا

جن صاحبوں کو اپنا خلیفہ مجاز بنایا جاتا ہے ان کا پورا نام اور پتہ وقتاً فوقتاً اپنے پاس بطور یادداشت کے تحریر فرماتے رہتے ہیں پھر ان کو تنبیہات وصیت کے تتمات میں جو وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہتے ہیں۔ شائع فرما دیا جاتا ہے تا کہ کوئی غیر مجاز اپنے کو اجازت یافتہ نہ قرار دے سکے اور لوگوں کو دھوکا نہ دیا جا سکے۔ چنانچہ بعض نے دھوکا دیا تو لوگوں نے ان کے بارہ میں حضرت والا سے دریافت کیا۔ چونکہ حضرت والا کے پاس سب کے نام موجود تھے ہی۔ حضرت والا نے جزماً تحریراً فرما دیا کہ وہ شخص جھوٹا ہے۔ ورنہ اس مدعی اجازت کی تکذیب کی کوئی صورت ہی نہیں۔ حضرت والا اس اشاعت اسمائے مجازین کی بھی مصلحت بیان فرمایا کرتے ہیں اور فرمایا کرتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں نہ اتنے جھوٹے ہوتے تھے نہ ایسے امور میں جھوٹ بولنے کی کسی کو جرأت ہوتی تھی اس لئے اس وقت اتنی احتیاط کی ضرورت نہ تھی۔ اب ضرورت ہے جس کی تصدیق واقعات سے بھی ہوتی ہے۔ نیز اس اشاعت میں یہ بھی مصلحت ہے کہ طالبین کو حضرات اہل اجازت کا علم ہو جائے اور وہ ان سے نفع حاصل کر سکیں۔

۲: مجازین کی فہرست کی اشاعت

خلفائے مجازین میں سے جن بعض کے حالات نہیں معلوم ہوتے یا مشتبہ حالات سننے میں آتے ہیں حضرت والا احتیاطاً ان کے نام فہرست سے خارج فرما دیتے ہیں لیکن ان کو اہانت سے بچانے کے لیے ان کے نام نہیں شائع فرماتے بلکہ اخراج کی صرف یہ صورت اختیار فرمائی جاتی ہے کہ آئندہ جو فہرست مجازین شائع ہوتی ہے اس میں ان کے نام نہیں دکھلائے جاتے بس صرف انہی کے نام دکھلائے جاتے ہیں جن کی اجازت باقی رکھی جاتی ہے۔

یہ تو اختیاراً خارج فرمانے کی صورت کا طریق عمل ہوا۔ اور جن مجازین کی وفات ہو جاتی ہے ان کو اضطراراً خارج فرمانا پڑتا ہے ایسے اضطراری اخراج کے متعلق یہ صورت اختیار فرمائی جاتی ہے کہ جن جن کی وفات کا علم ہوتا رہتا ہے ان کے نام یادداشت میں تحریر فرماتے رہتے ہیں اور وقتاً فوقتاً تتمات تنبیہات وصیت میں ان مرحومین کے اسماء گرامی شائع فرماتے رہتے ہیں اور ان کی تعداد کو نیز ایسوں کی تعداد کو بھی جن کو بلا اظہار نام جیسا کہ اوپر لکھا گیا اختیاراً خارج فرما دیا ہو مجازین کی مجموعی تعداد میں سے منہا فرما کر یہ تحریر فرما دیتے ہیں کہ اب تک کل تعداد اتنی تھی جس میں سے اتنی تعداد مستثنیٰ کرنے کے بعد اب اتنے باقی رہے۔ اھ

پھر نئے مجازین کا نمبر شمار اسی بقیہ تعداد کے بعد سے شروع فرماتے ہیں تاکہ مجازین موجودین کی باقی تعداد ہمیشہ بسہولت معلوم ہوتی رہے۔ اب اختیاراً خارج فرمانے کی صورت کا ایک نمونہ ضمیمہ ثالثہ تتمہ سابعہ تنبیہات وصیت بابت ۱۳۳۹ھ کے مضمون اول سے نقل کیا جاتا ہے تحریر فرماتے ہیں کہ بعض کے حالات ہی نہیں معلوم ہوتے جس پر احقر نے تتمہ سابعہ کی اطلاع نمبر۲ میں تنبیہ بھی کی ہے اور بعض کے حالات مشتبہ سننے میں آتے ہیں اس لئے احتیاطاً انتخاب کے بعد مجازین کی ایک مستقل فہرست تجویز کرتا ہوں ان کے سوا اوروں کو فی الحال مجاز نہ سمجھا جائے البتہ اگر کسی کا حال قابل اطمینان ثابت ہوگا اس کا نام از سرنو درج کیا جائے گا۔ اھ

دیکھئے حضرت والا نے اس اعلان میں خارج شدہ اصحاب کے نام نہیں ظاہر فرمائے تاکہ ان کی دلشکنی اور اہانت نہ ہو بلکہ صرف ان اصحاب کے نام تحریر فرما دیئے جو باقی رکھے گئے مزید برآں یہ رعایت فرمائی کہ مجاز نہ سمجھنے کے متعلقہ یہ تنبیہ بھی بڑھا دی کہ بقیہ اوروں کو مجاز نہ سمجھنا ان کی صلاحیت کی نفی نہیں۔ میرے علم صلاحیت کی نفی ہے یعنی ان کے قابل

اجازت ہونے کی مجھ کو تحقیق نہیں۔ اھ

البتہ حضرت والا نے اس کلیہ مذکورہ کے خلاف ایک نہایت قوی مقتضی کے سبب ایک صاحب کو بذریعہ خط فسخ اجازت اور فسخ بیعت کی اطلاع دے کر اس خط کی نقل تتمہ تنبیہات وصیت میں بھی شائع فرمادی۔ اس کے ساتھ ہی بخیال غایت تحفظ حدود یہ اطلاع عام بھی بڑھادی کہ مقصود اس سے صرف ان لوگوں کو اطلاع دینا ہے جو محض میری بیعت واجازت کی بناء پر ان سے رجوع کرتے اور جن کے رجوع کی یہ بنا نہ ہو وہ میرے مخاطب نہیں ہر شخص کو اپنے دین کا اختیار ہے۔ اھ

غرض حضرت والا کے یہاں ہر شے اپنی حد پر ہے۔ کسی بات میں نہ افراط ہے نہ تفریط۔ اور یہی صفت اعتدال نہایت دشوار اور کمیاب ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

(یہ سعادت بازو کی طاقت سے نہیں ملتی جب تک عطا کرنے والا خدا عطا نہ کرے)

۳: مجازین کے بارے میں لوگوں کو افراط وتفریط سے بچانا

حضرت والا نے اپنے خلفائے مجازین کی فہرست کے متعلق لوگوں کو افراط وتفریط سے بچانے کے لیے تتمہ سابعہ تنبیہات وصیت کے ضمیمہ عاشرہ کے مضمون اول میں جو النور بابتہ ماہ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ میں طبع ہوا ہے ایک نہایت مفید تحقیق بھی شائع فرمادی ہے جس میں اس فہرست کے اندر کسی کو داخل کرنے یا اس سے خارج کرنے کی حقیت اور بناء کو ظاہر فرمادیا ہے تا کہ نہ تو داخل شدہ اصحاب کے متعلق حسن ظن میں غلو رہے نہ خارج شدہ اصحاب کی طرف سے سوءِ ظن پیدا ہو۔

اول اس تحقیق کو بلفظہ نقل کیا جاتا ہے۔ پھر بقدر ضرورت اس کی شرح بھی کردی جائے گی۔ تا کہ سمجھنے میں قدرے سہولت ہو جائے کیونکہ وہ باوجود مقصود پر من کل الوجوہ حاوی ہونے کے نہایت مختصر ہے گویا حضرت والا نے کوزہ کے اندر دریا بھر دیا ہے اور اگر وہ باوجود شرح کے بھی سمجھ میں نہ آئے تو پھر اس کو کسی عالم متبحر سے بالمشافہ سمجھ لیا جائے۔ وہ تحقیق یہ ہے۔

انسداد سوءِ ظن وغلو در حسن ظن

اس فہرست اجازت سے کسی کو اختیاراً خارج کرنے کی بناء پر انقطاع خبر کے سبب انتفاء علم اہلیت ہے نہ کہ انتفاء واہلیت اور کسی کو داخل کرنے کی بناء ظن غالب ان اوصاف کے درجہ ضروریہ کا وقوع یعنی رسوخ تقوی وصلاح ومناسبت حالیہ طریق واہلیت اصلاح

اور اوصاف مذکورہ کے درجہ کاملہ کی توقع ہے جیسے علوم درسیہ کی سند کی بناء اسی کی نظیر ہے۔ اھ
اب اس عبارت کی شرح عرض کرتا ہوں۔ اس عبارت کے تین جزو ہیں۔

جزو اول یہ عبارت

''اس فہرست اجازت سے کسی کو اختیاراً خارج کرنے کی بناء انقطاع خبر کے سبب انتفاء علم اہلیت ہے نہ کہ علم انتفاء اہلیت۔ اھ''

اس جزو میں حضرت والا یہ فرماتے ہیں کہ میں جو فہرست مجازین میں سے بعض کو اختیاراً خارج کر دیتا ہوں (جس کی تفصیل مع اضطراراً خارج کرنے کی تفصیل کے ابھی نمبر ۲ میں گزر چکی ہے) اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ایک معتد بہ مدت تک ان کے متعلق کوئی خبر نہیں ملتی یا مشتبہ خبر ملتی ہے (جو خبر نہ ملنے ہی کے حکم میں ہے کیونکہ اجازت کے معاملہ میں تو اسی خبر کا اعتبار ہے جو قابل اطمینان ہو اور مشتبہ خبر تو گویا خبر ہی نہیں) اور حالات نہ معلوم ہونے کی وجہ سے یا مشتبہ حالات سننے کی وجہ سے ان کی حالت کے متعلق اطمینان باقی نہیں رہتا تو وجہ اخراج کی یہ ہوتی ہے کہ اب ان کے اہل ہونے کا علم باقی نہیں رہا یہ وجہ نہیں ہوتی کہ ان کے نااہل ہونے کا علم ہو گیا۔

اس جزو میں حضرت والا نے خارج شدہ اصحاب کے متعلق سوءظن پیدا ہونے کا پوری طرح انسداد فرما دیا جس کو سرخی میں اس لفظ سے تعبیر دیا گیا ہے ''انسداد سوءظن''

جزو دوم یہ عبارت

اور کسی کو داخل کرنے کی بناء بظن غالب ان اوصاف کے درجہ ضروریہ کا وقوع یعنی رسوخ تقویٰ اصلاح و مناسبت حالیہ طریق و اہلیت اصلاح اور اوصاف مذکور کے درجہ کاملہ کی توقع ہے۔ اھ

اس جزو میں حضرت والا ان اوصاف کو ظاہر فرماتے ہیں جن کی بناء پر اجازت دی جاتی ہے اور وہ چند اوصاف ہیں۔

وصف اول یہ ہے کہ وہ متقی ہو اور وصف دوم یہ ہے کہ وہ خود اپنی اصلاح کیے ہوئے ہو۔ اور وصف سوم یہ ہے کہ اس کو طریق سے مناسبت پیدا ہو چکی ہو لیکن محض علمی مناسبت نہیں بلکہ حالی۔ اور وصف چہارم یہ ہے کہ اس میں دوسروں کی بھی اصلاح کرنے کی اہلیت پیدا ہو گئی ہو اور وصف پنجم یہ ہے کہ اوصاف مذکور میں اس کو بقدر ضرورت رسوخ بھی حاصل ہو گیا ہو اور وصف ششم یہ ہے کہ اس سے یہ توقع بھی ہو کہ گو فی الحال اس کو اوصاف مذکورہ میں رسوخ کا

صرف درجہ ضرور یہ حاصل ہے لیکن وہ آئندہ ترقی کر کے اس رسوخ کا درجہ کاملہ بھی حاصل کرلے گا۔ تو یہ سب چھ اوصاف ہوئے لیکن حضرت والا نے بظن غالب کی قید بڑھا کر یہ حقیقت بھی واضح فرمادی کہ ان سب اوصاف کے تحقق کا صرف ظن غالب ہوتا ہے یقین نہیں ہوتا نہ ہوسکتا ہے۔ اس جزو میں حضرت والا نے اجازت یافتگان کے متعلق حسن ظن میں غلو کرنے کا بھی پوری طرح انسداد فرمادیا جس کو سرخی میں اس لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ ''انسداد غلو در حُسن ظن'' نیز بظن غالب کی قید سے ان سب شبہات کا بھی بالکلیہ انسداد فرمادیا جو ان اجازت یافتگان میں سے کسی کو فی الحال درجہ کمال حاصل نہ ہونے یا عیاذاً باللہ کسی کی حالت آئندہ تغیر ہوجانے پر اجازت دینے والے کی طرف سے پیدا ہوسکتے تھے۔

جزوسوم یہ عبارت

''جیسے علوم درسیہ کی سند کی بناء اسی کی نظیر ہے''۔اھ

اس جزو میں حضرت والا نے ایک نظیر بیان فرما کر جزو دوم کی توضیح فرمائی ہے اور وہ ایسی واضح نظیر ہے کہ علمائے ظاہر کے نزدیک بھی مسلم اور بلانکیران کی معمول یہ ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ اس اجازت کی نظیر بالکل ایسی ہے جیسے علوم درسیہ میں جو سند فراغ دی جاتی ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ابھی اسی وقت اس کو ان علوم میں کمال کا درجہ حاصل ہوگیا ہے۔ بلکہ محض اس ظن غالب پر سند دے دیجاتی ہے کہ اس کو ان علوم سے ایسی مناسبت پیدا ہوگئی ہے کہ اگر وہ برابر درس ومطالعہ میں مشغول رہا تو قوی امید ہے کہ رفتہ رفتہ اس کو کمال کا درجہ بھی حاصل ہوجائے گا۔ پھر اگر وہ اپنی غفلت اور ناقدر دانی سے خود ہی اپنی اس مناسبت اور استعداد کو ضائع کرے تو اس کا الزام سند دینے والوں پر ہرگز نہیں بلکہ خود اسی پر ہے۔

اسی طرح جو کسی کو اجازت دی جاتی ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ فی الحال ہی اس کو ان اوصاف میں کمال کا درجہ حاصل ہوگیا ہے بلکہ محض اس ظن غالب پر اجازت دی جاتی ہے کہ اس کو فی الحال تو ان اوصاف کا درجہ ضرور حاصل ہوگیا ہے اور اگر وہ برابر ان کی تکمیل کی فکر اور کوشش میں رہا تو قوی امید ہے کہ رفتہ رفتہ اس کو آئندہ ان اوصاف میں کمال کا درجہ بھی حاصل ہوجائے گا۔ بس اب احقر بعون اللہ تعالیٰ حضرت والا کے مضمون منقول بالا کی شرح سے فارغ ہوا۔ ناظرین کرام نے اس سے بخوبی اندازہ فرمالیا ہوگا کہ حضرت والا

نے کتنے کثیر اور کیسے بے نظیر مضامین عالیہ کہ کتنی مختصر اور مطلب خیز عبارت میں جس کو ایک گنجینہ معانی کہنا زیبا ہے ادا فرمادیا ہے۔ سبحان اللہ کیا فصاحت و بلاغت ہے اور کیا لطافت و وجازت۔ کیا حقیقت نگاری ہے اور کیا انشا پردازی۔

۴: مجازین تلقین بواسطۂ صحبت

حضرت والا کی خصوصیات میں سے ایک یہ امر بھی ہے کہ حال ہی میں حضرت والا نے علاوہ مجازین بیعت و تلقین کے بعض اصحاب کو مجازین تلقین بواسطہ صحبت بھی بنایا ہے ایسے مجازین کے متعلق حضرت والا کا جو مضمون تنبیہاتِ وصیت کے تتمہ سابعہ کے ضمیمہ حادیہ عشر مطبوعہ النور بابتہ ماہ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ میں شائع ہوا ہے اس کا ضروری جزو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ وہو ہذا

(الحاق و مضمون اول متعلق مجازین) تقریباً دو ماہ ہوئے کہ ایک روز قلب پر بے ساختہ وارد ہوا کہ بعض ایسے احباب کو (جو تلقین کی کافی صلاحیت رکھتے ہیں گو اجتماع شرائط بیعت میں بعض خاص حالات کا انتظار ہے) تلقین بلا بیعت کی اجازت دے دوں چنانچہ ذیل کے اصحاب کو اس کی اجازت دی گئی اور ایسے حضرات کا لقب مجاز صحبت تجویز کیا گیا بمعنی مجاز بالصحبۃ یعنی جن کو صرف بواسطہ صحبت کے نفع پہنچنے کی اجازت دی گئی اور تمائز کے لیے جماعت سابقہ کا لقب مجاز بیعت بمعنی مجاز بالبیعت قرار دیا گیا۔ اگر ان مجازین صحبت میں حالات منتظرہ رونما ہو گئے (جن کی تعیین اور فیصلہ میں صرف میں متفرد ہوں خود اہل معاملہ کو اس کا منتظر رہنا منافی اخلاص ہے) اس حالت میں ان کو مجازین بیعت میں داخل کر کے شائع کر دیا جائے گا۔ اب مجازین صحبت کی فہرست مستقلاً نقل کرتا ہوں آئندہ بھی دونوں کا سلسلہ متمائز رہے گا۔ اھ۔ (اس کے بعد فہرست مجازین صحبت ہے۔۱۲)

سبحان اللہ اس میں بھی کیسی کیسی دقیق مصلحتوں کی رعایت ہے مجازین کی مصلحتوں کی بھی اور ان سے نفع اٹھانے والوں کی مصلحتوں کی بھی کہ مثلاً جب ان مجازین میں تعلیم و تلقین کی کافی صلاحیت پیدا ہو گئی ہے تو ان سے لوگوں کو کیوں نہ فائدہ اٹھانے دیا جائے اور حالات خاصہ کے انتظار میں لوگوں کو ان کے اتنے فیض سے بھی کیوں محروم رکھا جائے جتنا وہ اپنی حالت موجودہ میں پہنچانے کے اہل ہیں۔ لیکن ساتھ ہی مجازین کو بھی اپنی اصلاح اور

تکمیل کی طرف سے بے فکر نہیں کیا گیا بلکہ ان کو اس امر کی اطلاع فرما دی کہ ابھی ان کے اندر بعض حالات خاصہ پیدا ہونے کا انتظار ہے تاکہ وہ محض اس اجازت ہی پر اپنے کو مستغنی عن التکمیل نہ سمجھ لیں بلکہ پہلے سے بھی زیادہ اپنی تکمیل کی فکر اور کوشش میں مشغول ہو جائیں چنانچہ احقر نے ایسے متعدد اصحاب اجازت کو اپنی تکمیل اور اصلاح کے متعلق پہلے سے کہیں زیادہ سرگرم اور فکر مند پایا۔ نیز حضرت والا نے خود فرمایا کہ الحمد للہ میرا یہ خیال کہ اس قسم کی اجازت دے دینا خود اجازت یافتگان کے لیے بھی بہت نافع ہوگا بالکل صحیح نکلا کیونکہ ان میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہو جس پر اس اطلاع کے ملتے ہی گریہ طاری نہ ہو گیا ہو اور اپنی ناکارگی پیش نظر ہو کر خود اپنی فکر اصلاح نہ دامنگیر ہوگئی ہو جیسا کہ ان کے اطلاع یابی کے بعد کے خطوط سے معلوم ہو۔ اھ۔ اس پر حضرت والا کا ایک ملفوظ یاد آیا۔ ایک بار فرمایا کہ بعض درجہ اصلاح کا موقوف ہی اس پر ہوتا ہے کہ اجازت دے دی جائے۔ اھ

حضرت والا نے اپنے مضمون متعلق مجازین صحبت میں جو اوپر نقل کیا گیا ایک یہ لطیف رعایت بھی فرمائی ہے کہ حالات خاصہ منتظرہ کی تعیین کو اور ان کے رونما ہو جانے کے فیصلہ کو خود اپنے ہی تک محدود اور تنہا اپنے ہی متعلق اور اپنی ہی رائے پر رکھا ہے۔ اس میں اہل معاملہ کا کوئی دخل نہیں رکھا۔ اس میں یہ مصلحت ہے کہ ان کو اپنی ہر قسم کی اصلاح کی فکر رہے۔ ورنہ تعیین کی صورت میں وہ بس ان حالات خاصہ ہی کے حصول کی کوشش کر لیتے دیگر توجہ طلب امور کی طرف سے ان کو ایک گونہ بے پروائی سی ہو جاتی۔ نیز جب اپنے نزدیک وہ حالات رونما ہو جاتے تو ان کو اس کا انتظار رہتا کہ بس اب اجازت بیعت بھی ہو جائے گی اور یہ اخلاص کے بالکل منافی تھا۔ اس سبب سے حضرت والا کا یہ مقصود ہے کہ لوگوں کو ان سے نفع بھی پہنچنا شروع ہو جائے اور خود ان کو بھی اپنی کمی کا بلا تعیین علم ہو کر اپنی ہر قسم کی اصلاح اور تکمیل کی فکر دامنگیر ہو جائے اور بہمہ وجوہ اپنی اس تکمیل و اصلاح کی کوشش میں مشغول رہیں اور اس کوشش میں ان کی نیت بھی درست رہے کہ اس سے مقصود تکمیل حالت ہو نہ کہ تحصیل اجازت

حضرت والا نے اس قسم کے مجازین صحبت میں سے بعض کو بعد میں مجاز بیعت بھی بنا دیا کیونکہ ان کے لیے جن بعض حالات خاصہ کا حضرت والا کو انتظار تھا وہ بعد کو رونما ہو گئے اور اس طرح مجموعہ شرائط اجازت بیعت کا اجتماع ہو گیا۔

۵: اجازت مرحمت فرمانے کا طریقہ

جن اصحاب کو حضرت والا مجاز بناتے ہیں ان کو اس امر کی اطلاع ان کے کسی خط میں تحریر فرما دیتے ہیں اور یہ بھی تحریر فرما دیتے ہیں کہ اس کی اطلاع اپنے خاص خاص احباب سے بھی کر دی جائے اس سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ اوروں کو بھی اطلاع ہو جائے تاکہ لوگ نفع اٹھا سکیں۔ اکثر اس عنوان سے اجازت عطا فرماتے ہیں "کہ بیساختہ یہ قلب میں آیا کہ آپ کو بیعت و تلقین کی اجازت دے دی جائے لہٰذا توکلاً علی اللہ آپ کو اجازت دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نفع کو عام اور تام فرمائے اگر کوئی رجوع کرے تو انکار نہ کریں۔" اھ

۶: اطمینان و شرح صدر کے بعد اجازت فرمانا

حضرت والا کیفما اتفق طور پر کسی کو مجاز نہیں بناتے بلکہ جب کسی کے متعلق قرائن حالیہ سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے تو پھر اس کے حالات کا خاص طور سے بغور تتبع فرمانے لگتے ہیں بلکہ اس تتبع حالات کے لیے بعض کا نام بھی پہلے سے بطور یادداشت کے لکھ کر اپنے پاس رکھ لیتے ہیں اور جب اس کی اہلیت کے متعلق اپنا ظاہری اطمینان بھی اور باطنی شرح صدر بھی ہو جاتا ہے اس وقت اجازت عطا فرما دیتے ہیں۔

اجازت کیلئے ترکیبیں کرنے والوں کی ناکامی

بعضوں نے ترکیبیں کر کر کے اجازت حاصل کرنی چاہی لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے چنانچہ ایک صاحب نے لکھا کہ اس نواح میں یہ دستور ہے کہ مرنے کے وقت توبہ کراتے ہیں اس کے لئے لوگ مجھ سے اصرار کرتے ہیں اگر اجازت ہو تو توبہ کرا دیا کروں۔ حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ صرف زبان سے توبہ کرا دیا کرو ہاتھ میں ہاتھ نہ لیا جائے توبہ ویسے بھی ہو سکتی ہے۔ اھ

پھر زبانی فرمایا کہ اس سے ان کی جو غرض تھی وہ حاصل نہ ہوئی کیونکہ عوام تو ہاتھ میں ہاتھ لینے ہی کو بیعت سمجھتے ہیں اگر کوئی زبانی توبہ کرا دے تو اس کو بیعت ہی نہیں سمجھتے۔ میں نے اس لئے ممانعت کر دی کہ پھر وہ پیر سمجھے جانے لگتے اور اس خاص موقع کے علاوہ وہ رفتہ رفتہ عام طور سے بھی مرید کرنے لگتے۔ اھ

اسی طرح احقر کو ایک ثقہ راوی سے معلوم ہوا کہ بعضوں نے حضرت والا کی خدمت میں تربیت السالک سے دوسرے طالبین کے ایسے حالات نقل کر کے بھیجے جن پر ان کو مجاز بنایا گیا تھا اور ان حالات کو ازراہ فریب اپنے حالات ظاہر کر کے اس کے متوقع تھے کہ جواب میں ان کے پاس بھی اجازت نامہ آئے گا لیکن حسب ارشاد حضرت والا اگر کوئی ایسا شخص جو دراصل شراب نہ پیے ہوئے ہو جھوم جھوم کر جھوٹ موٹ اپنا نشہ ظاہر کرنے لگے تو جو شرابی ہوگا وہ اس کو دیکھتے ہی تاڑ لے گا کہ یہ بن رہا ہے اس کو نشہ نہیں ہے جھوٹا ہے مکار ہے کیونکہ نشہ کے جھومنے میں تو کیفیت ہی کچھ اور ہوتی ہے جو بغیر شراب پیے پیدا ہو ہی نہیں سکتی۔ چنانچہ وہ بھی اپنی اس فاسد غرض میں کامیاب نہ ہو سکے۔

ایک طالب کے خط کا جواب

اسی طرح تربیت السالک میں ایک طالب کا جو عرصہ سے مقیم خانقاہ تھے ایک خط ہے جس میں انہوں نے التکشف سے حضرت والا کی مختلف عبارتیں مع حوالہ صفحات نقل کی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ قبل تکمیل پیر سے بلا ضرورت شدیدہ علیحدگی نہ چاہیے۔ البتہ جب اس کو بلا واسطہ فیض ہونے لگے اور مرید کو مقام تمکین حاصل ہو جائے جو بمنزلہ دانت نکلنے کے ہے اس وقت ترک صحبت کا مضائقہ نہیں۔ مگر یہ اس شخص کے لئے ہے جس کو تعلیم کی حاجت نہ رہی ہو صرف تقویت نسبت میں مشغول ہو ورنہ بدوں قرب جسمانی کام نہیں چلتا الخ۔

ان عبارتوں کو نقل کر کے انہوں نے عرض کیا کہ احقر کو مکان سے آئے آج پانچ سال ہوئے۔ مکان سے والد صاحب اور دادا صاحب نے بہت تقاضا لکھ کر بھیجا ہے کہ جلد آؤ۔ یہ سب عبارتیں دیکھ کر بہت متفکر ہوں کہ میں کیا کروں حضور والا کوئی مشورہ دیں۔ اھ

اس پر حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ میرے رسالہ کی عبارتیں نقل کرنا ناشی عن امراض النفس ہے کہ شاید میں جواب میں کہہ دوں کہ اب حاجت قرب جسمانی کی نہیں۔

اور اس کو ایک گونہ کمال کی شہادت قرار دی جائے کیا یہ اصول میرے پیش نظر نہیں اپنی حالت لکھ کر مجھ سے مشورہ لینا کافی تھا۔ وھذا من ادق مکائد النفس۔ اھ

سبحان اللہ حضرت والا نے نفس کا کیسا رقیق کید معلوم فرما لیا۔ ایسے ہی حضرات کو تو جواسیس القلوب کہا جاتا ہے۔

ایک اہل علم کو جواب

اسی طرح ایک اہل علم نے ایک طویل خط میں بمقابلہ بدعتی پیروں کے اس کی ضرورت ظاہر کی کہ اپنے بزرگوں سے خود بیعت کی اجازت لے لی جائے اور زیادہ ہمت کے کام نہ ہوسکیں تو کم از کم لوگوں کو بدعات سے روکتے رہیں بدعتی پیروں کے مقابلہ میں کامیابی ہو جائے اور حضرت والا نے ان کو یہ جواب ارقام فرمایا کہ آپ کا نفس بڑا عقلمند ہے اور میں گو عقلمند نہیں مگر عقلمندوں کو پہچانتا ہوں۔ العاقل تكفيه الاشارة اھ۔

غرض حضرت والا بہت دیکھ بھال کر اور سوچ سمجھ کر مجاز بناتے ہیں۔

۷: اجازت کی اصل تعلیم اور اتباع ہے

حضرت والا نے یہاں اجازت بیعت وتلقین کے لئے اس کی بھی حاجت نہیں کہ وہ خود پہلے بیعت ہو چکا ہو چنانچہ کسی موقع پر ایک صاحب کا یہ واقعہ عرض بھی کیا جا چکا ہے کہ ان کو حضرت والا نے جیسا کہ اکثر معمول ہے ابتداء میں بیعت نہیں فرمایا لیکن وہ خانقاہ میں مقیم رہ کر حضرت والا سے برابر تعلیم طریق حاصل کرتے رہے پھر جب کچھ عرصہ کے بعد وہ واپس جانے لگے تو چونکہ وہ حضرت والا کے نزدیک مجاز بنا دیئے جانے کے قابل ہو گئے تھے۔ حضرت والا نے ان کو بیعت لینے کی اجازت عطا فرمائی اس وقت انہوں نے عرض کیا کہ ابھی تو حضرت والا نے خود مجھی کو بیعت نہیں فرمایا۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ گو بیعت کی ضرورت تو اب بھی نہیں کیونکہ حقیقت اور غایت بیعت کی حاصل ہے لیکن اگر جی چاہتا ہے تو خیر کوئی مضائقہ بھی نہیں بلکہ امید برکت ہے چنانچہ حضرت والا نے ان کو مجاز بیعت تو پہلے بنایا اور بیعت بعد کو کیا۔

حضرت والا اس واقعہ کو نقل فرما کر یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ میں تو عملاً یہ دکھا دینا چاہتا ہوں کہ نفع بیعت پر موقوف نہیں بلکہ تعلیم اور اس کے اتباع پر موقوف ہے اصل چیز یہی ہے۔ اھ

۸: قابل اجازت غیر اہل علم

امر اجازت میں حضرت والا کی یہ بھی ایک خاص خصوصیت ہے کہ جو غیر اہل علم قابل

اجازت ہوتے ہیں ان کو صرف عوام کے لیے اجازت عطا فرمائی جاتی ہے کیونکہ ان سے اہل علم کو تسلی ہونا مستبعد ہے۔ اور اس امر کو ظاہر کرنے کے لیے فہرست اجازت یافتگان میں ایسے مجازین کے نام کے آگے لفظ للعوام اضافہ فرما دیا جاتا ہے۔ البتہ جن بعض غیر اہل علم سے بوجہ ان کی خوش فہمی کے یہ توقع ہوتی ہے کہ وہ اہل علم کی بھی تسلی کر سکیں گے اور ان سے اہل علم کو بھی رجوع کرتے ہوئے استنکاف نہ ہوگا ان کو اجازت عامہ ہی عطا فرما دی جاتی ہے اور فہرست میں بھی ان کے نام کے آگے لفظ ''للعوام'' نہیں بڑھایا جاتا۔

۹: مجازین کیلئے تربیت میں مہارت کا انتظام

حضرت والا اپنے یہاں کے ایسے طالبین کو جن سے ابتداءً مناسبت ہونے کی توقع نہیں ہوتی یا جو بیعت بلا تعلیم کی شرائط کو پورا کر کے صرف بیعت ہونا چاہتے ہیں بکثرت اپنے خلفاء مجازین کے سپرد فرماتے رہتے ہیں جس میں علاوہ دیگر مصالح کے یہ بھی بڑی مصلحت ہے کہ مجازین کو بھی امر تربیت میں ملکہ تامہ حاصل ہو جاتا ہے چنانچہ بفضلہ تعالیٰ ان میں سے متعدد اصحاب ایسے ہیں جن سے مسلمانوں کو بڑا فیض پہنچ رہا ہے۔ یہاں تک کہ ان کی تعلیم و تربیت کی برکت سے متعدد طالبین بعد تکمیل انہی کی طرف سے صاحب اجازت بھی ہو گئے ہیں۔ جب کسی طالب کی کوئی الجھی ہوئی حالت ہوتی ہے تو حضرت والا کے مجازین حضرت والا سے بھی مشورہ لیتے رہتے ہیں اور خود حضرت والا کو بھی اپنے سپرد کردہ طالبین کے اصلاحی خطوط کو مع اپنے مجازین کے جوابات کے ملاحظہ فرمانے کا اتفاق ہوتا رہتا ہے اور بعض کو باقاعدہ تعلیمات پر اظہار مسرت بھی فرماتے رہتے ہیں کہ خدا کے فضل سے یہ لوگ بہت سے مشائخ وقت سے زیادہ نفع رساں ہیں اسی طرح بعض کی بے پروائی اور تاخیر جواب وغیرہ کا حال معلوم ہوا تو طالبین کو اپنی طرف سے ان کے سپرد فرمانا چھوڑ دیا اور اس کی بارہا خاص اور علمی تاکید فرمائی کہ بہت توجہ اور شفقت کے ساتھ طالبین کی تربیت کرنی چاہیے اور کم توجہی کی شکایت بھی فرمائی۔

غرض حضرت والا کے اس دستور العمل سے مجازین کو اسی طرح فائدہ پہنچ رہا ہے جس طرح کسی طبیب کے شاگرد کو اپنے استاد کے مطب میں بیٹھ کر تجربہ حاصل کرنے یا اس کی

نگرانی میں مطب کرنے سے فائدہ پہنچتا ہے نیز اس سے حضرت والا کو اپنا اطمینان بھی کرنا ہے کہ آئندہ سلسلہ چل سکے چنانچہ بارہا اس پر اظہار مسرت فرمایا کہ الحمد للہ اب اپنے چند احباب ایسے ہوگئے ہیں جو بفضلہ تعالیٰ طریق کو اچھی طرح سمجھ گئے ہیں اور امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے آئندہ بھی اشاعت طریق کا سلسلہ جاری رہے گا۔

نیز کیسا کہ کسی موقع پر بہ تفصیل عرض کیا جا چکا ہے حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ میں چاہتا ہوں کہ میرے سپرد دین کے جتنے کام ہیں وہ سب میرے بعد بھی بدستور چلتے رہیں اور کسی کو میرے نہ ہونے کا اس بناء پر افسوس نہ ہو کہ فلاں دین کا کام اب کون کرے گا۔ اس مصلحت سے بھی میں اپنی مختلف دینی خدمات کو وقتاً فوقتاً دوسروں کے سپرد کر کے ادھر اُدھر منتقل کرتا رہتا ہوں۔ اھ

شیخ کے ساتھ مجازین کے برتاؤ کے متعلق حضرت کی تحقیق

اب آخر میں حضرت والا کی ایک خاص تحقیق مجازین کے برتاؤ کے متعلق جو ان کو اپنے شیخ کے ساتھ بعد اجازت رکھنا چاہیے عرض کی جاتی ہے گو غالباً وہ پہلے بھی کسی باب میں گذارش کی جا چکی ہے۔ فرمایا کہ گو بعد تکمیل کے شیخ کی تعلیم کی حاجت نہیں رہتی لیکن بقائے فیض کے لئے اس کے ساتھ اعتقاد اور امتنان کا تعلق عمر بھر رکھنا ضروری ہے۔ اھ

حضرت والا کا فنا فی الشیخ ہونا

چنانچہ خود حضرت والا اب تک ہمیشہ اپنے پیر و مرشد ہی کا دم بھرتے رہتے ہیں اور اپنے سارے حقائق و معارف کو اعلیٰ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کی جوتیوں کا صدقہ بتایا کرتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ایسا فنا فی الشیخ بھی کوئی کم ہوگا جیسے حضرت والا ہیں جبھی تو حضرت والا سے بفضلہ تعالیٰ اس درجہ فیض جاری ہو رہا ہے۔ بمصداق ارشاد حضرت حافظؒ

کیمیائیست عجب بندگیٔ پیر مغاں
خاک او گشتم و چندیں درجاتم دادند

(پیر مغاں کی غلامی ایسا کیمیا ہے کہ میں نے اس کی خاک کوئی اور اتنے سارے مرتبے حاصل کر لئے)

شیخ کے ہوتے ہوئے اس سے استغناء نہیں ہو سکتا

اس تحقیق کے متعلق ایک ضروری عرض یہ ہے کہ شیخ کے ہوتے ہوئے اس سے استغناء بعد تکمیل

بھی نہیں چاہیے کیونکہ گو مجاز ہو جانے کے بعد شیخ سے سلسلہ استفادہ جاری رکھنا درجہ ضرورت میں نہ رہے لیکن ترقیات کے لیے تو پھر بھی اس کی حاجت رہتی ہے بلکہ اکثر احوال میں یہ استفادہ درجہ ضرورت ہی میں رہتا ہے کیونکہ جیسا نمبر ۳ میں بہ تفصیل معلوم ہو چکا ہے۔ بعد اجازت بھی کما حقہ تکمیل ضروری نہیں۔ لہٰذا شیخ حی (زندہ) سے استغناء کسی حال میں نہیں چاہیے۔ چنانچہ حضرت والا سے حضرت والا کے جملہ مجازین برابر مسترشدانہ ہی استفادہ کرتے رہتے ہیں جس سے ان کو بے انتہا منافع حاصل ہوتے ہیں بلکہ بعد تجربہ ان کو اس کی سخت ضرورت بھی ثابت ہوتی ہے جس کی بہ کثرت شہادات احقر کے علم میں ہیں اور جنہوں نے اپنے کو مستقل سمجھ لیا ان کی حالت ہی متغیر ہو گئی۔

حضرت والا تو یہاں تک فرمایا کرتے ہیں کہ اگر کسی کے سر پر کوئی بڑا نہ رہے تو سلامتی اسی میں ہے کہ وہ اپنے چھوٹوں ہی کو بڑا سمجھنے لگے اور ان سے ملا جلا رہے بلکہ امور دینیہ میں بوقت ضرورت ان سے مشورہ بھی لیتا رہے۔ چنانچہ حضرت والا کا اسی پر عمل ہے۔

حضرت والا کی خانقاہ کا نقشہ

ناظرین کرام نے ان نمبروں کے ملاحظہ سے یہ بخوبی اندازہ فرمالیہ ہوگا کہ امر اجازت میں بھی حضرت والا کے اصول کیسے پاکیزہ اور معقول ہیں۔ حضرت والا کے مجازین میں بفضلہ تعالیٰ بڑی بڑی مقدس ہستیاں اور بڑے بڑے صاحبان احوال رفیعہ و مقامات عالیہ اور اہل علم و صلاح و تقویٰ گذر چکے ہیں اور موجود ہیں جن میں سے بعض کی بصد ذوق و شوق شب و روز کی مشغولی ذکر و فکر پر حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر بالکل صادق آتا ہے۔

ہر شب منم فتادہ بگرد سرائے تو   ہر روز آہ و نالہ کنم از برائے تو

(ہر رات میں تیرے گھر کے پاس پڑا ہوتا ہوں، روزانہ تیرے لئے آہ و زاری کرتا ہوں)

اور جس کے دیکھنے کا خود اس ناکارہ کو بھی بارہا اتفاق ہوا ہے۔ بالخصوص رمضان المبارک کے زمانہ میں جبکہ کثرت ذاکرین و شاغلین سے جن میں مجازین بھی بکثرت ہوتے ہیں حضرت والا کی خانقاہ واحقر کے ان اشعار کی مصداق ہو جاتی ہے۔

یکے ساقی و میخواراں ہزاراند   دو چشم مست او مشغول کاراند

(ساقی ایک ہے اور پینے والے ہزاروں ہیں، جو اس کی دو مست آنکھوں میں مصروف نظارہ ہیں)

بمیخانہ بہار است و بہار است
کہ در وجد و طرب ہر میکس راست

(میخانہ میں بہار ہی بہار ہے، کہ ہر پینے والا وجد و مستی میں ہے)

خوشا ایں بادہ نوشان الٰہی
زہے رندی زہے شان الٰہی

(یہ محبت الٰہی کی شراب لینے والے کتنے اچھے ہیں، یہ رندی و یہ شان الٰہی کیا خوب ہے)

مپرس از ذاکر انِ نیم شبہا
کہ مشغول اند باد لہا ولب ہا

(آدھی رات کو ذکر کرنیوالوں کے بارے میں نہ پوچھ کہ وہ تو دلوں اور لبوں میں مشغول ہیں)

چہ پرسی لطف درد صبح گاہی
کہ ایں لقمہ بہ است از مرغ و ماہی

(تم صبح کے وقت کے درد کا کیا پوچھتے ہو، یہ لقمہ تو مرغی و مچھلی سے بھی اچھا ہے)

پراز ذکر است گو حجرہ تنگ است
چہ خوش ایں نغمۂ بے عود چنگ است

(حجرہ اگرچہ چھوٹا ہے مگر ذکر سے بھرا ہوا ہے، بغیر طبلہ و سارنگی کے یہ نغمہ کتنا اچھا ہے)

دل اینجا میکند اللہ اللہ
کہ ہر دم بشنود اللہ اللہ

(اس جگہ دل اللہ اللہ کرتا ہے کیونکہ ہر وقت اللہ اللہ سنتا ہے)

چہ صحت بخش ہست اینجا فضائے
دل اینجا بے دوایابد شفائے

(یہاں کی فضا کتنی صحت بخش ہے، یہاں دل کو بغیر دوا کے شفا ملتی ہے)

ببیں اے خواجہ جاہ اشرف ما
بیادر خانقاہ اشرف ما

(اے سردار ہمارے اشرف کے مقام کو دیکھ ہمارے اشرف کی خانقاہ میں آ)

بیا خود ترک کن کبر و منی را
چہ گویم جلوہ ہائے دیدنی را

(آ، اور تکبر و بڑائی کو چھوڑ، تجھے یہاں کے قابل دید جلوؤں کے بارے میں کیا بتاؤں)

زشرح فیض او قاصر زبان است
کہ کشتیے بہ بحر بیکران است

(اس کے فیض کی شرح کرنے سے زبان قاصر ہے، کیونکہ بے کنار سمندر میں ہے)

بیا تا دیدہ گرد د ایں شنیدہ
شنیدہ کے بود مانند دیدہ

(آنا کہ سنا ہوا آنکھوں سے دیکھا جائے، سنا ہوا دیکھے ہوئے کے برابر کب ہوسکتا ہے)

نہ گویم غیر حق کایں امر دین است　　　یقین کن این ہمہ عین الیقین است

(میں سچ کے سوا کچھ نہیں کہتا کیونکہ یہ دین کا معاملہ ہے، یقین کر کہ یہ سب آنکھوں سے دیکھا ہوا ہے)

کہ مجذوب ایں ہمہ نشنیدہ گوید　　　قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

(مجذوب یہ سب کچھ سنی سنائی پر نہیں کہہ رہا ہے، کیونکہ قلندر جو بھی کہتا ہے دیکھ کر کہتا ہے)

اشعار بالا میں حضرت والا کی خانقاہ کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے وہ بالکل راست اور بے کم وکاست ہے۔ نیز رمضان المبارک ہی کے زمانہ میں یہ دیکھ کر کہ حضرت والا سے مبتدی متوسط اور منتہی سبھی قسم کے طالبین اپنے اپنے ظرف کے مطابق مستفیض ہورہے ہیں۔ احقر نے یہ شعر بھی کہے تھے۔

بہار آرہی ہے مزے آرہے ہیں　　　خم و جام و مینا بھرے جارہے ہیں

محفل میں تیری سب کے ارماں نکل رہے ہیں　　　سالک ابل رہے ہیں مجذوب اچھل رہے ہیں

خانقاہ اشرفی ہی کے متعلق یہ اشعار بھی کہے ہیں۔

رات دن ہے اک ہجوم طالبانِ دردِ دل　　　خانقاہ اشرفی ہے یا دکانِ دردِ دل

خانقاہ اشرفی ہے لامکانِ دردِ دل　　　ذرہ ذرہ ہے یہاں کا ایک جہانِ دردِ دل

لیکن یہ دردِ دل اور سب دردوں کا درماں ہے بقول احقر۔

دردِ دل نے اور سب دردوں کا درماں کردیا　　　عشق کی مشکل نے ہر مشکل کو آساں کردیا

اسی لئے جیسی راحت کی زندگی خانقاہ اشرفی میں گذرتی ہے ویسی شاید ہی کہیں اور گذرتی ہوگی۔ بمصداق شعر احقر۔

یہ وہ جگہ ہے میکدہ غم کا گذر جہاں نہیں　　　گردش جام ہے یہاں گردش آسماں نہیں

حضرتؒ کے مجازین کی فیض رسانی

اس استطرادی مضمون کے بعد میں پھر اصل موضوع کی طرف عود کرتا ہوں۔ حضرت

والا کے مجازین بفضلہ تعالیٰ قریب قریب ہر طبقہ میں اور ہندوستان کے ہر حصہ میں پائے جاتے ہیں بلکہ بعض خلفاء دیگر ممالک میں بھی ہیں۔

علاوہ ان بہت سے حضرات مجازین کے جو وفات فرما چکے اس وقت بھی کہ حسن اتفاق سے حضرت والا کا سن شریف بھی چوہتر (۷۴) سال کا ہے چوہتر (۷۴) ہی خلفاء موجود ہیں جن میں سے بعض بعون اللہ تعالیٰ و ببرکت حضرت والا بہت سرگرمی کے ساتھ تعلیم و تربیت طالبین میں مشغول ہیں اور ان سے مسلمانوں کی بہت اصلاح ہو رہی ہے اور بندگان خدا کو بڑا فیض پہنچ رہا ہے اور ان کو بفضلہ تعالیٰ مقبولیت بھی حاصل ہے۔

حضرت کے منتسبین کی شان

یہ تو باقاعدہ اجازت یافتہ حضرات ہیں لیکن جیسا کہ پہلے بھی کسی موقع پر عرض کیا جا چکا ہے حضرت والا نے تو اپنے خاص طریق اصلاح بطرز احتساب شرعی کی مصالح بیان کرنے کے ضمن میں ایک بار یہاں تک فرمایا کہ الحمدللہ اس صورت میں جتنے میرے احباب ہیں وہ اکثر ایسے تو ہیں جن پر اطمینان ہے ورنہ اگر میں وسعت کرتا تو ہر قسم کے لوگ بھر جاتے اور خلط مبحث ہو جاتا۔ اب تو الحمدللہ فہم و اہتمام دین کے لحاظ سے میرے قریب قریب سب ہی احباب بفضلہ اس قابل ہیں کہ ان کو اجازت دے دی جائے لیکن چونکہ کچھ نہ کچھ وجاہت بھی اجازت کے لئے مصلحت ہے اس لئے پس و پیش ہے۔ حضرت والا نے اپنے بعض ناخواندہ یا برائے نام خواندہ مگر متقی اور فہیم خدام کے متعلق باتعین بھی اپنا یہی خیال ظاہر فرمایا۔ اھ

واقعی حضرت والا کے اکثر منتسبین کی بفضلہ یہی شان ہے۔

ایک معمار کا واقعہ

چنانچہ عرصہ ہوا فتح پور میں ایک معمار کے متعلق خود احقر سے وہاں کے ایک فہیم اہل علم و صلاح نے جو حضرت والا سے متعلق بھی نہیں ہیں کہا کہ جب سے یہ مرید ہوا ہے اس کو اس امر کی بڑی احتیاط ہو گئی ہے کہ امانی میں بھی ویسی ہی تیز دستی سے کام کرنا چاہیے جیسی کہ ٹھیکہ میں کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی ان صاحب نے کہا کہ مولانا کا یہ اثر تو ہم نے

دیکھا کہ جس کو مولانا سے تعلق ہو جاتا ہے اس کو جائز نا جائز کی بہت فکر پیدا ہو جاتی ہے۔

ایک حجام کا واقعہ

اسی طرح الہ آباد کے ایک صاحب نے وہاں کے ایک نائی کا احقر سے ذکر کیا جس نے حضرت والا سے مرید ہونے کے بعد اپنا پیشہ محض اس وجہ سے چھوڑ دیا کہ اس میں اکثر مسلمانوں کی ڈاڑھی مونڈنی پڑتی تھی۔ اب وہ بجائے حجامت بنانے کے لوگوں کے یہاں تقریبات وغیرہ کے موقعوں پر دعوتوں کے کھانے پکایا کرتا ہے جس میں وہ پہلے سے بہت زیادہ کما لیتا ہے اور ہمیشہ دعوتوں کے عمدہ قسم کے کھانے بھی اسکو نصیب ہوا کرتے ہیں اور بوجہ اپنی ہوشیاری دینداری اور دیانتداری کے بہت وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

ایک طالب علم کا واقعہ

اسی طرح ایک مقام پر ایک طالب علم نے اس وقت تک تو مسجد میں بیٹھے ہوئے مسجد کے چراغ سے کتابوں کا مطالعہ کیا جس وقت تک مسجد میں چراغ جلانے کا معمول تھا اس کے بعد فوراً اس کو گل کر کے اپنا ذاتی چراغ جلا لیا۔ اس پر ایک دیکھنے والے عالم نے جو وہاں مدرس تھے اور اس کو پہچانتے بھی نہیں تھے اوروں سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے اس کو مولانا تھانوی سے تعلق ہے چنانچہ تحقیق کے بعد یہ بات صحیح نکلی۔

ایک اور خادم کا واقعہ

اسی طرح حضرت والا کے ایک خادم کا قیام مدرسہ دیوبند میں ایک صاحب کے پاس ہوا تو جب لالٹین آئی تو اس کے متعلق انہوں نے یہ تحقیق کی کہ آیا یہ مدرسہ کی تو نہیں ہے اس پر بھی ایک بہت معمر اور اکابر کی زیارت کئے ہوئے اور صحبت پائے ہوئے بزرگ نے پوچھا کہ کیا تم کو مولانا تھانوی سے تعلق ہے۔

ہر منتسب اپنی جگہ جوہر قابل ہے

غرض حضرت والا کے اکثر منتسبین بفضلہ تعالیٰ فہم دین ور اہتمام تقویٰ کے لحاظ سے قابل اجازت ہیں جن کو دیکھ دیکھ کر دوسروں کی بھی اصلاح ہوتی ہے بلکہ حسب ارشاد

حضرت والا چونکہ بہت سے طالبین غائبانہ اصلاحی خط وکتابت جاری رکھتے ہیں اس لئے جب وہ آتے ہیں تو ان میں سے بعض تو پہلی ہی ملاقات میں اس قابل ہوتے ہیں کہ ان کو مجاز بنا دیا جائے لیکن احتیاطاً توقف فرمایا جاتا ہے۔

ان سب واقعات وحالات سے حضرت والا کے فیض کا عام اور تام ہونا ظاہر وباہر ہے حسب ارشاد حضرت عارف رومیؒ۔

گر نبودے نالہ نے را ثمر — نے جہاں راپُر نکردے از شکر

(اگر گنے کے کھیت کو جانے والی ندی خالی ہوتی تو گنا جہان کو شکر فراہم نہ کر سکتا)

اور حضرت والا کے اس فیض عام وتام پر یہ شعر بھی بالکل صادق آتا ہے۔

عالم از نرگس تو بے مَے ومینا سرشار — چشم بدؤور عجب ساغر بے مل زدۂ

(سارا جہاں تیرے حسن کے سبب شراب وجام کے بغیر مدہوش ہے، تجھے نظر نہ لگے تو نے تو مفت میں عجیب جام پلا ڈالا ہے)

اسی لئے احقر نے حضرت والا کی شان میں یہ اشعار عرض کئے ہیں۔

چناں سوزِ نہاں او عیاں شد — کز انفاسش جہاں آتش بجاں شد

اس کے اندر کا درد اس طرح ظاہر ہوا کہ اس کے سانسوں سارا جہاں بھڑک اٹھا ہے۔

ہزار انند از د شعلہ بدامن — بگشت از مشعلے صد شمع روشن

(اس سے ہزاروں لوگ دامن میں شعلہ لئے پھرتے ہیں ایک چراغ سے سینکڑوں شمعیں روشن ہوگئی ہیں)

دلش از عشق دائم زندہ بادا — بعالم فیض او پائندہ بادا

(اس کا دل عشق کی وجہ سے ہمیشہ زندہ رہے، سارے جہان کو اس کا فیض ہمیشہ پہنچتا رہے)

و ذلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء اللّٰھم زد فزد۔ اللہ تعالیٰ اس فیض کو ہمیشہ اسی طرح جاری رکھے۔

میکشوں کے سر پہ یارب پیر میخانہ رہے — دور میں ساغر رہے گردش میں پیمانہ رہے

الحمدللّٰہ ثم الحمدللّٰہ۔ باب ہذا بھی جو دراصل باب سابق یعنی باب ارشاد وافاضۂ باطنی ہی کا تتمہ ہے ختم ہوا۔

نرالا میخانہ

اب ان دونوں ابواب کے مجموعہ کو اشرف السوانح کا حصہ دوم قرار دیا جاتا ہے اور اس کے آخر میں احقر اپنے چند مناسب مقام اشعار حضرت والا کی شان ارشاد و افاضہ کے متعلق ناظرین کرام کی تفریح طبع کے لیے پیش کرتا ہے۔

کہاں روئے زمیں پر تیرے مستانے نہیں ساقی
چھکا ڈالے ہیں لاکھوں آفریں صد آفریں ساقی

جہاں میں آج تجھ سا کوئی دریا دل نہیں ساقی
نئے گل رنگ سے سیراب ہے روئے زمیں ساقی

ترے رندوں پہ سارے کھل گئے اسرارِ دیں ساقی
ہوا علم الیقیں عین الیقیں حق الیقیں ساقی

ٹلوں گا میں نہ ہرگز لاکھ ہو تو خشمگیں ساقی
کہ جو سب سے بہتر ہے وہ ملتی ہے یہیں ساقی

مٹا دیتا ہے تو دم میں غم دنیا و دیں ساقی
یہاں جس کو نہیں تسکین کہیں تسکین نہیں ساقی

اگر ملتی رہے تھوڑی سی درد تہ نشیں ساقی
تو پھر بس من و سلویٰ ہے مجھے نانِ جویں ساقی

خدا را اک نگاہِ مست وقت واپسیں ساقی
دمِ رخصت تو خوش ہو جائے یہ جانِ حزیں ساقی

یہاں آنے کو ہے اِک زاہد مسجد نشیں ساقی
بنا دے آج میخانہ کو ہاں خلد بریں ساقی

سمجھتا ہوں میں رازِ حسن تیرا اے حسیں ساقی
یہ ہے کہ اک عکس نورِ قلب کا نورِ جبیں ساقی

تری محفل میں کیا انوار ہیں اے مہ جبیں ساقی
اُتر آیا زمیں پر آج کیا عرش بریں ساقی

یہیں سے پاؤں گا ہر نعمت دنیا و دیں ساقی
کہیں کیوں جاؤں تیرے میکدے میں کیا نہیں ساقی

یہ کس بھٹی کی دی تو نے شرابِ آتشیں ساقی
کہ پیتے ہی رگوں میں بجلیاں سی بھر گئیں ساقی

جو زیب حلقہ رنداں ہے تو اے مہ جبیں ساقی
تو وہ عالم ہے اب جیسے ہو خاتم میں نگیں ساقی

عجب ہے تیرے میخانہ کا اے پیرِ مغاں عالم
کہیں ساغر کہیں میکش کہیں مینا کہیں ساقی

جو تر دامن ہے تیرا پاک دامانوں سے بہتر ہے
گریباں چاک ہے اشکوں سے تر ہے آستیں ساقی

رہے ہشیار پی کر خم کے خم بھی تیرے متوالے
ترے اندازِ مے بخشی پہ ہے صد آفریں ساقی

زبردستی لگا دی منہ سے بوتل آج ساقی نے
میں کہتا ہی رہا ہاں ہاں نہیں ساقی نہیں ساقی

پلائے گا بلا اندازہ جب خود پی کے نکلے گا
کریں میکش نہ غم ہرگز جو ہے خلوت نشیں ساقی

ے نسبت چشتیہ ۱۲

نہ چھیڑ اے محتسب میں ہو مئے وحدت کا متوالا — میں وہ میخوار ہوں جس کے ہیں ختم المرسلین ساقی
تری ان بخششوں پر یاالٰہی جان و دل صدقے — کہ مجھ سے بدتریں کو بہتریں مئے بہتریں ساقی
کہاں سے مجھ کو پہنچایا کہاں پیر مغاں تو نے — مرا میخانہ اب لاہوت ہے روح الامیں ساقی
نظر میں جانچ لیتا ہے کہ کس کا ظرف کتنا ہے — دکھائے کوئی ایسا نکتہ رس اور دوربیں ساقی
ریائی گریہ ہم رندوں کو اے صوفی نہیں آتی — کہ رکھتا ہے لب خنداں دلِ اندوہگیں ساقی
سلامت تیرا میخانہ سلامت تیرے مستانے — رہے گا رنگ عالم میں یہی تا یوم دیں ساقی
وہی باتیں تو مجذوب اپنی بڑ میں بھی سناتا ہے — ذرا سنبھلے ہوئے لفظوں میں جو تو نے کہیں ساقی
الٰہی خیر ہو مجذوب میخانہ میں آیا ہے — قدح کش لاأبالی جام نازک نازنیں ساقی

دیگر (حیات مجذوب)

فہمید کید نفس کے قابل بنا دیا — مجذوب کو بھی آپ نے عاقل بنا دیا
مجذوب نارسیدہ کو واصل بنا دیا — ناقص کو اک نگاہ میں کامل بنا دیا
نقش بتاں مٹایا دکھایا جمال حق — آنکھوں کو آنکھیں دل کو مرے دل بنا دیا
عشق بتاں ہوا ہے مبدل بحب حق — وجہ فنا کو زیست کا حاصل بنا دیا
کیا ناخدا ہیں آپ بھی اس بحر عشق کے — گرداب ہولناک کو ساحل بنا دیا
فیض نظر سے نفس کی کایا پلٹ ہوئی — جو تھے رذائل ان کو فضائل بنا دیا
غفلت میں دل پڑا تھا کہ ناگاہ آپ نے — آگاہ حق سے غیر سے غافل بنا دیا
مشغول اب نگہ میں ہوا دل بیاد حق — غافل کو دم میں ذاکر و شاغل بنا دیا
مردودِ بارگاہ ہوا باریاب پھر — مہجور نامراد کو واصل بنا دیا
اُس روسیہ کو آپ نے جو ننگِ بزم تھا — پر تو سے اپنے رونق محفل بنا دیا
اُس قلب نارسا کو جو ننگ وجود تھا — ایسا نوازا ناز کے قابل بنا دیا
ایسے کو جو پڑا تھا مذلت کے قعر میں — اتنا اُبھارا صدرا فاضل بنا دیا
میرے دل سیاہ کو انوار قلب سے — خورشید پُر ضیا کا مماثل بنا دیا

پھر سہل کر دیا مرے سرکار آپ نے
میں نے جس امر سہل کو مشکل بنا دیا

چسکا لگا کے یاد خدا کا حضور نے
بیزارِ کاروبار و مشاغل بنا دیا

دلدادہ کر دیا مجھے خلوت کا آپ نے
اس بزم بے ثبات سے بد دل بنا دیا

دینی امور میں تو کیا مجھ کو مستعد
اور دنیوی امور میں کاہل بنا دیا

مشکل تھا دین سہل تھی دنیا اب آپ نے
مشکل کو سہل سہل کو مشکل بنا دیا

ہمت بڑھا کے بار امانت کا آپ نے
مجھ جیسے ناتواں کو بھی حامل بنا دیا

مجھ پاشکستہ کو بھی سہارے نے آپ کے
آمادہ بہر قطع منازل بنا دیا

کر کرکے وار نفس پہ تیغ نگاہ کے
قاتل کو میرے آپ نے بسمل بنا دیا

مغلوب نفس تھا مگر اب نفس کش ہوں میں
بسمل کو گویا آپ نے قاتل بنا دیا

انوار ذکر رہتے ہیں گھیرے ہوئے مجھے
خلوت کو میری آپ نے محفل بنا دیا

میں کیا کہوں کہ کیا تو تھا اور اب حضور نے
کیا مجھ کو میرے مرشد کامل بنا دیا

بخشی حیات قلب وہ عیسیٰ نفس ہیں آپ
مردہ کو زندہ کہنے کے قابل بنا دیا

ہاں کیوں نہ ہو وہ ذات مقدس ہے آپ کی
رندوں کو جس نے صوفی کامل بنا یا

کر کرکے سہل وہ وہ دقائق بیاں کیے
نافہم جاہلوں کو بھی عاقل بنا دیا

صحبت سے اپنی فلسفی و منطقی کو بھی
قرآن اور حدیث کا عامل بنا دیا

آزاد تھے جو ملت و مذہب سے ان کو بھی
وابستہ چہار سلاسل بنا دیا

ہم جیسے ہرزہ گو بھی تو اب ذاکروں میں ہیں
زاغوں کو ہمنوائے عنادل بنا دیا

غاصب جو تھے وہ صاحب جود و سخا ہوئے
اور ظالموں کو آپ نے عادل بنا دیا

اتنا کیا ہے آپ نے آساں طریق کو
کہہ سکتے ہیں کہ راہ کو منزل بنا دیا

وہ وہ نتائج اخذ کیے ہیں کہ آپ نے
ادنیٰ امور کو بھی مسائل بنا دیا

قائل زباں سے ہوں کہ نہ ہوں لیکن آپ نے
دل سے تو منکروں کو بھی قائل بنا دیا

آہن کو سوز دل سے کیا موم آپ نے
ناآشنائے درد کو بسمل بنا دیا

دیکھا نہ کوئی مصلح اخلاق آپ سا
دیووں کو بھی فرشتہ عامل بنا دیا

دنیا کو راہ راست دکھائی حضور نے — جب کج رووں نے پیر و باطل بنا دیا
کیا طرفہ ہے طریق ہدایت حضور کا — گم کردہ رہ کو رہبر منزل بنادیا
کر دیجئے بس اب مجھے اپنے سے بے خبر — اس اپنے علم نے مجھے جاہل بنا دیا
مجذوب در سے جاتا ہے دامن بھرے ہوئے — صد شکر حق نے آپ کا سائل بنادیا

دیگر

ترا ذکر وردِ زباں ہو رہا ہے — یہاں ہو رہا ہے وہاں ہو رہا ہے
فدا تجھ پہ ہر نکتہ داں ہو رہا ہے — وہ ناداں ہے جو بدگماں ہو رہا ہے
عیاں حال دل بے بیاں ہو رہا ہے — کہ عاشق سراپا زباں ہو رہا ہے
چڑھی ہے کچھ ایسی کہ تیور تو دیکھو — جواں آج پیر مغاں ہو رہا ہے
دمکتا ہے چہرہ چمکتی ہیں آنکھیں — بڑھاپے میں بھی جان جاں ہو رہا ہے
نکلتی ہیں ہر موئے تن سے شعاعیں — یہ کس مہ کا جلوہ عیاں ہو رہا ہے
ٹپکتی ہے ہر ہر بن مو سے مستی — سراپا مئے ارغواں ہو رہا ہے
پلا دی ہے باتوں ہی باتوں میں اتنی — کہ آنکھوں سے دریا رواں ہو رہا ہے
نگاہوں سے بھر دی رگ و پے میں بجلی — نظر کردہ برق تپاں ہو رہا ہے
میں مجذوب ہوں میری باتیں ہیں سچی — عبث معترض بدگماں ہو رہا ہے
جبھی کچھ میں کہتا ہوں جب دیکھتا ہوں — کہ دل بھی میرا ہمزباں ہو رہا ہے
اگر ہے یہ مجذوب کی بڑ تو پھر کیوں — مرا ہمزباں اک جہاں ہو رہا ہے

الحمد للہ دوسری جلد ختم ہوئی